جدید ترکی میں اسلام

بدیع الزمان سعید نُورسی کی فکری سوانحِ عُمری

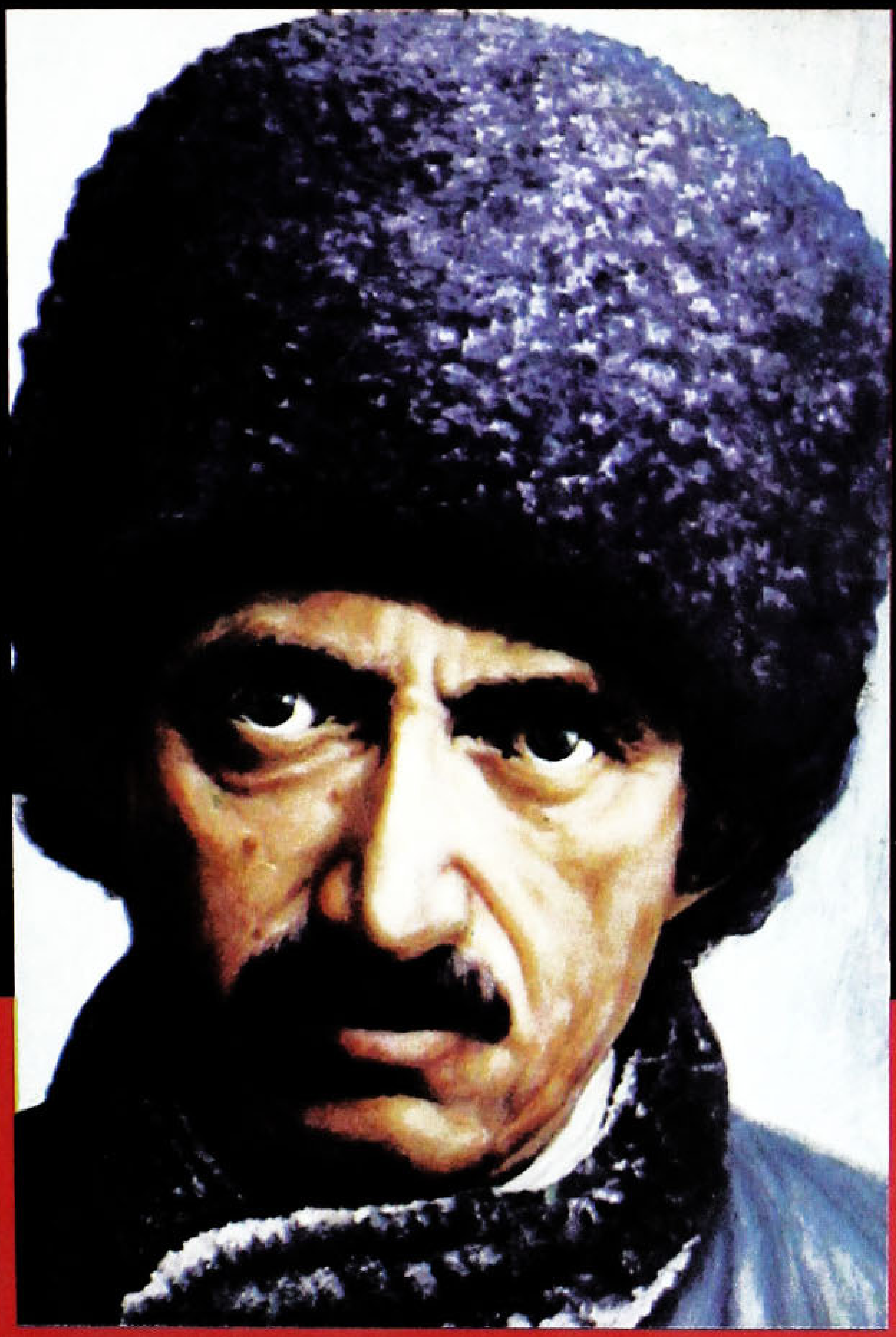

مصنفہ: شُکراً واحدی

جدید ترکی میں اسلام

بدیع الزمان سعید نُورسی کی فکری سوانحِ عمری

مصنّفہ: شُکراً واحدی

جمہوری پبلیکیشنز

Independent & Progressive Books

نام کتاب۔جدید ترکی میں اسلام • مصنفہ۔شکرا واحدی
مترجم۔اختر گل • اشاعت۔فروری 2010ء
• ناشر۔جمہوری پبلیکیشنز لاہور • جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

ISBN:969-8455-50-7

قیمت-/550روپے

First Published in 2005, by State University of New York Press, Albany-USA.
First Urdu edition Published in 2009, by Jumhoori Publications- Pakistan.

297.9924
ش 862 ن
10983

اہتمام:
فرخ سہیل گوئندی

اس کتاب کے کسی بھی حصے کی کسی شکل میں دوبارہ اشاعت کی اجازت نہیں ہے۔با قاعدہ قانونی معاہدے کے تحت جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔کتاب پر ریویو،تبصرہ یا حوالہ دینے کے لیے پبلشرز سے اجازت ضروری ہے بصورت دیگر پبلشر قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

JUMHOORI PUBLICATIONS
2-Aiwan-e-Tijarat Road Lahore, Pakistan
Tel # 042-36314140 Fax # 042-36306939
E-mail:jumhoori@yahoo.com

اس کتاب کی اشاعت کی ضرورت اس لئے تھی کہ ہمیں اُن حقائق سے آگاہی ہو سکے کہ کس طرح جناب بدیع الزمان سعید نورسی صاحب نے ترکی کے اندر اور کن حالات میں اپنی فکری اسلامی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اُن کا یہ دعویٰ تھا کہ سائنس اور اسلام کے مابین کوئی تضاد نہیں اور نہ ہی اِس کا مغرب کے ساتھ تصادم ہے۔ جناب بدیع الزمان سعید نورسی اسلام اور جدیدیت کے حامی تھے اور آج ان کی تحریک کا ہی اثر ہے کہ ترکی میں اسلامی افکار کسی بھی دوسرے اسلامی ملک سے زیادہ عوامی سطح پر عمل پذیر ہیں اور ان کی تحریک کا ہی نتیجہ ہے کہ وہاں پر اسلامی فکر ایک روشن خیال تصور کے ساتھ معاشرے میں عملی طور پر دیکھنے کو ملتی ہے۔ جس میں جمود یا رجعت پسندی کا شائبہ تک نہیں اور یوں جناب سعید نورسی آج کی جدید دنیا میں ایک قابل قدر شخصیت کے طور پر دن بدن مقبول ہوتے جارہے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت کو ممکن بنانے میں جناب محمد سعید انصاری کا کلیدی کردار ہے۔ جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے مختلف مراحل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ چونکہ ترکی زبان پر عبور رکھتے ہیں اس لئے ترکی کے شہروں اور جگہوں اور کئی ترک ناموں کا درست تلفظ وہ ہی جانتے ہیں۔ جس نے اس کتاب کو مزید خوبصورت بنادیا۔

ادارہ

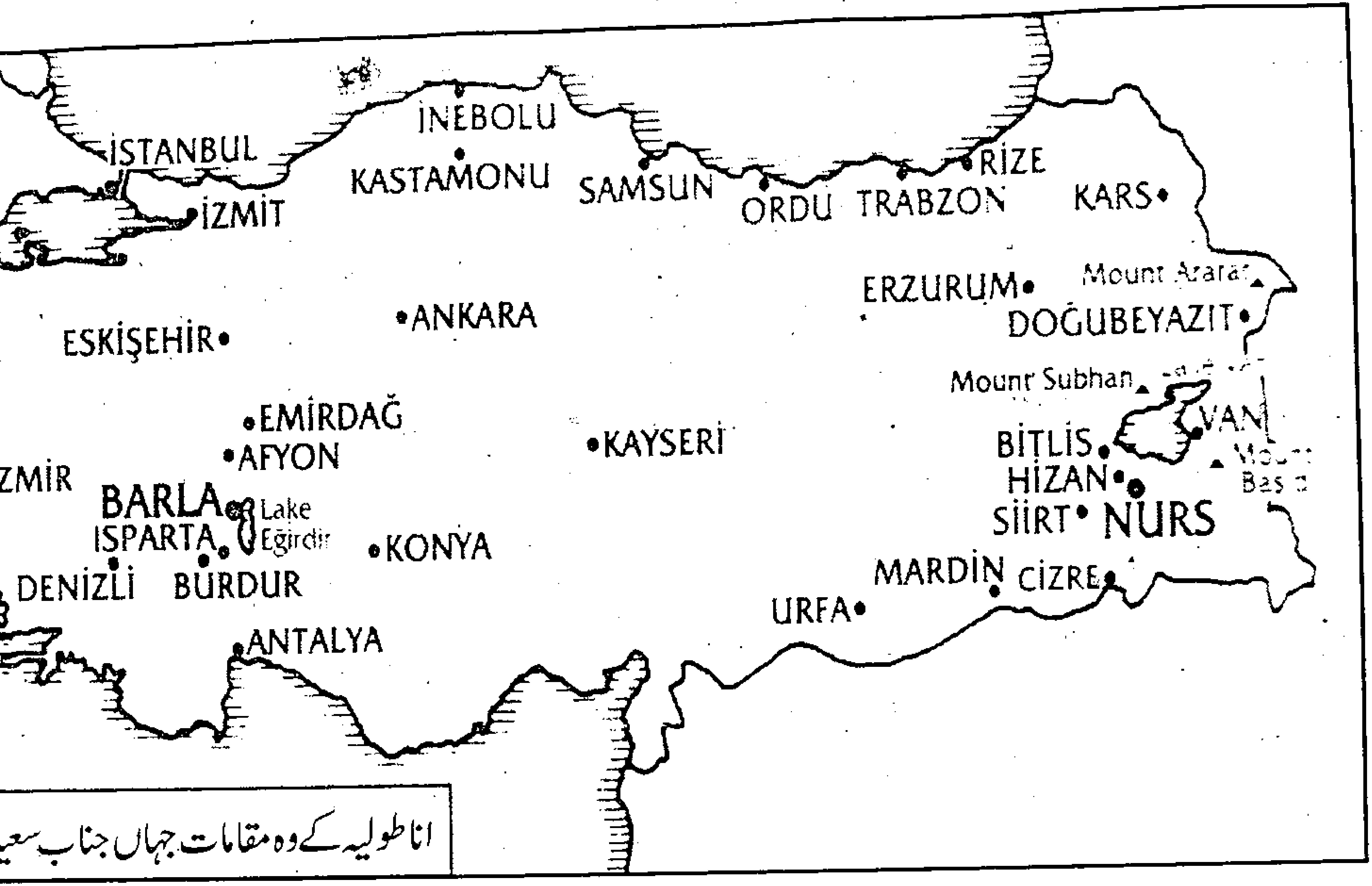

اناطولیہ کے وہ مقامات جہاں جناب سعی

جنگ عظیم کے دوران وہ ممالک جہاں
سعید نوری تشریف لے گئے
ST.PETERSBURG
KOSTROMA
River Volga
Baltic
Sea
[MOSCOW]
BERLIN
WARSAW
R U S S I A
VIENNA
KOSOVA
PRISTINA
SKOPJE
SOFIA
MANASTIR
SALONICA
Black Sea
ISTANBUL
TIFLIS
PASINLER
ERZURUM
BITLIS
VAN
KHUY
Casp-
ian
Sea
Mediterranean Sea
DAMASCUS

فہرست

اَحوالِ مصنف مبنی بر ذرائع	9
تعارُف......اِبراہیم اَیم ابورَابی	11
پہلا باب	
بچپن اور جوانی	15
دوسرا باب	
استنبول	49
تیسرا باب	
بدیع الزمان اور 31 مارچ کا واقعہ	95
چوتھا باب	
مستقبل اسلام کا ہوگا	119
پانچواں باب	
مدرستہ الزہرا	143
چھٹا باب	
جنگ اور اسیری	155
ساتواں باب	
التوائے جنگ کا پہلا سال	181
دارالحکمت اسلامیہ میں تعیناتی اور برطانیہ کی مخالفت	

آٹھواں باب
التوائے جنگ کا دوسرا سال 213
ایک نئے سعید کا ظہور اور انقرہ روانگی

نواں باب
وان 237

دسواں باب
بارلا 255

گیارھواں باب
ایسکی شہر 287

بارھواں باب
کاستامونو 303

تیرھواں باب
دینزلی 341

چودھواں باب
امیر داغ 359

پندرھواں باب
آفیون 377

سولھواں باب

اِستحکام تحریک جناب نورسی اور جہادِ الفاظ 399

ستر ہواں باب

آخری مہینے 433

اَحوالِ مصنف مبنی بر ذرائع

جناب سعید بدلع الزماں نورسی کی زندگی سے متعلقہ ایک بڑا ذریعہ اُس کے آخری سالوں میں بدست اُن کے شاگردین مرتب ہونے والی اُس کی سوانح حیات ہی ہے۔اُن کی زندگی کے شروعاتی پہلو سے صرف نظر کرتے ہوئے جناب نورسی کے کام اور خطوط پر مشتمل اُس کی ذاتی اور اَن تھک محنت طویل ترجو ہر اقتباس کے ایک بڑے پہلو کو لپیٹ میں لیے ہوئے ہے جس کا ہر پرتو ذاتِ جناب نورسی کا مختصر سا حقیقت نامہ نظر آتا ہے۔عام روش سے ہٹ کر لکھی جانے والی اُس سوانح حیات کی وجہ بجائے شخصیت کے رسالۂ نور کی قدر و قیمت کو اُجاگر کرنا تھا جس کے زیادہ تر مجموعۂ جات برعنوان ''ایک نیا سیّد زادہ'' حصہ ہائے حیاتِ دُوم میں لکھے گئے تھے اور پھر نہ تو اُس نے اپنے شاگردین کو کوئی زیادہ تفصیلات فراہم کی تھیں اور نہ ہی اُنہیں غیر ضروری اقتباسات حذف کرنے کی ہدایات ہی دی تھیں۔مطالعہ واحدی میں مناسب احتجاج بھی ہے کہ جدید اسلامی فکر و عمل میں کیوں اُسے برمقام گردانا جاتا ہے کہ پہلوئے اوّل مبنی برحیاتِ جناب نورسی بہ عنوان ''سابقہ سیّد زادہ'' اُس کے بھتیجے عبدالرحمٰن کے ہاتھوں 1919ء میں شائع ہونے والی اُس کی سوانح حیات کا خلاصہ ہی ہے بلکہ اُس دور کے تراشے اور حوالے بھی شامل اشاعت ہیں۔اپنے چچا جان کی زیر نگرانی مرتبت عبدالرحمٰن والی سوانح حیات مبنی بر 39 صفحات حیاتِ جناب نورسی پر شاگرد جناب نورسی حمزہ کے ہاتھوں لکھی جانے والی 9 صفحاتی کاوش کی ہی تشریح و توضیح لگتی ہے بشمول اوقاتِ جنگ پر بہ عنوان ''اشاراتُ العجاز'' 1918ء میں لکھے گئے قرآنی تبصرہ جاتی ضمیمہ جات کے۔

بہت ساری دلچسپ معلومات کی لڑیاں پروتے ہوئے مقصد اُس نوجوان سیّد زادے کی اوائل عمری کی علمی سرگرمیوں اور مفکرانہ کردار کو اُجاگر کرنا ہے۔ان بیان کردہ توجیہات کی بناء پر ہی جناب نورسی کی اوائل عمری میں کئی قسم کے خلا اور اندھیرے بھی دکھائی دیتے ہیں۔اُس کی زندگی کی کہانی میں کبھی نہ پُر ہونے والے خلاء کسی حد تک غیر مصدقہ ذرائع اور حالیہ دَورانیے

میں سلطنت عثمانیہ کے دفتری خانوں میں رہ جانے والی دستاویزات سے پُر کیے جا چکے ہیں بلکہ اِس طرح اُس کی مصروف سرگرمیوں کی بھی تصدیق ہو چکی ہے اور مزید تحقیق بھی اُس کی تصویر حیات میں رنگ بھر سکتی ہے۔ سوانح نگار نعیم الدین کی جمع کردہ سالہا سال پر مبنی یادیں اور قصے کہانیاں بھی اُس کی زندگی کے بارے میں جاننے کے لئے مؤثر ذریعہ فراہم کرتی ہیں اور یہ معلومات اُس نے جناب نوری سے ملنے اور اُسے جاننے والے سینکڑوں لوگوں سے ایک انتھک سلسلۂ اِنٹرویو کے بعد حاصل کی تھیں بلکہ وہ لوگ جو نوری کو بطور ایک نئے سیّد زادے کے بھی جانتے تھے۔

وہ سمعی و بصری مجموعہ جات اور اِشاعت شدہ تحقیقی نتیجہ جات جن کی یہ سوانح عمری متقاضی ہے کے بے شمار ایڈیشن خوب چلے۔ تین سمعی و بصری مجموعوں کی حامل سوانح عمری کی مدد سے نجم الدین شہرزنا قابلِ قدر کاوش میں 1990ء کا اضافہ بھی کیا گیا بلکہ شاگرد جناب نوری عبد القادر بدیلی کے ترکی زبان میں اشاعت شدہ مجموعہ اصل المواد کو ذریعۂ حصول بنایا گیا تھا۔ رپبلیکن دَورِ حکومت میں عوام' عدالت اور محققین کے لئے بڑی مشکلات سامنے آتی ہیں حتیٰ کہ ریاستی ریکارڈ کو بھی عوامی پڑتال کے لئے بالکل نہیں کھولا جاتا ہے۔

حتیٰ کہ 1925ء سے 1946ء تک کے دورانیے میں ایک ہی پارٹی کی حکومت نے اپنے تمام مخالفین کو بھی از حد دبائے رکھا یہاں تک کہ پریس حکومتی بھونپو بن کے رہ گیا تھا اور مخالفین کی مضحکہ خیز خبریں بھی نا قابل یقین ہو گئی تھیں' ہاں جناب نوری مع شاگردین کی خبریں زیادہ سے زیادہ توہین آمیز انداز میں زیرِ بحث آجایا کرتی تھیں۔ جناب نوری کی اپنی چارہ جوئیاں ایک اور اہم ذریعۂ تشکیل کرتی ہیں جن سے پیدا شدہ حقائق سابقہ سوانح نگاروں کی توجہ سے دور پرے رہے۔ خیالاتِ جناب نوری کی تجزیہ سازی کے لئے قابلِ قدر وذکر گنجایش رکھی گئی تھی اور اُس کے تاریخی مقام و مرتبے کی رُو سے اُس کی سرگرمیوں کی ستائش کے لئے بھی خوب کوششیں کی گئیں۔ پس چند ایک پہلوؤں اور زاویوں سے بغیر مہیا کردہ مادی وسائل کے برعکس قاری کے بہ متعلق حیاتِ جناب نوری و خیالاتِ جناب نوری مکمل آگاہی لینے کی اُمید کی جاتی ہے۔

تعارُف

اِبراہیم اَیم ابورَابی

ہوسکتا ہے کہ شُکر اُواحدی کی مَبنی بر اُستاد بدیع الزماں جناب سعید نورسی سوانح حیات بنسبت مذہبیاتی مطالعۂ جات جدید اِسلامی دُنیا میں کلاسک حیثیت اختیار کر جائے۔ اپنی اس کاوش میں مصنف پیدائش اور بچپن سے لے کر مشرقی ترکی میں 1960ء کو جناب نورسی کی وفات تک سے ایک خیال اور ایک وژن ڈھونڈتی ہے۔ وسائل اصل تک واحدی کی پہنچ اور رَسائی بالاتر از شک شبہ ہے اور جدید ترکی میں جدید مذہب اور تاریخ سے تو اُس کی شناسائی بے مثل سی ہے۔ بمطابق بیانِ کتاب ہذا جدید دَور میں جناب نورسی ذہین ترین اسلامی مفکرین میں سے ایک تھا۔ وہ ایسا شخص تھا جس نے اِس جدید دُنیا میں اسلام کو ایک قوت افروز مذہب رکھتے ہوئے اپنے اِسلاف کا خوب دفاع کیا۔

کچھ صاحب بصیرت جناب نورسی کو جدید اِسلامی تاریخ کا دانشور سمجھتے ہیں اور سابقہ رِپبلیکن دَور میں تمام ترک مذہب دانش وری پر اُس کی قابل قدر چھاپ بھی لگ گئی تھی اور 1960ء کو اُس کی وفات سے آگے اُس کے پیروکاروں نے برخلاف اُس کے نظریات پوری دُنیا میں دفاعی پوزیشنیں بھی سنبھال لی ہیں۔ جلال الدین افغانی، سر سید احمد خاں، محمد عبدہ، رشید رضا اور محمد اقبال جیسے اسلامی دانشوروں کے متعلق مغربی زبانوں سے قابلِ غور حد تک ایک مواد سا ٹپکتا ہے اور اِس فکری دوپہر میں اپنے ہم عصر مدبرین میں سے جناب نورسی ہی اہمیت کے سنگھاسن پر براجمان دکھائی دیتا ہے۔

جیسا کہ کتاب کے پہلے حصے میں واحدی تفصیل میں چلی جاتی ہے کہ ہمیں بیسویں صدی کی سلطنت عثمانیہ میں رَواں دانشورانہ روایت میں جناب نورسی کی مذہبی اور تعلیمی سنیس اور سانچے کی سمجھ ہونی چاہیے جو کہ بصیرت اور نظریاتی طاقت اور بہاؤ کا متنوع مرکز تھے۔ جناب نورسی کے تکمیلی مرحلے کی جان پہچان کے لئے ہمیں بنیادی اسلامی سائنسز پر بمطابق تشریح و تفسیر قرآن تکیہ کرنا چاہیے، بالخصوص جیسا کہ عثمانی دانشوروں نے اُنیسویں صدی میں سلطنت اور مغرب کے درمیان روایتوں اور معجزوں پر روشنی ڈالی تھی۔

تفسیر تاریخ اور حدیث جیسی بنیادی اِسلامی سائنسز میں جناب نورسی مستغرق رہا اور اُنہیں مسائل جدید دور سے مشابہہ کرتے ہوئے ایک بصیرت افروز مبصر قرار پایا بلکہ پوری دُنیا میں نسل اِسلامی ابھی تک اُس کے مذہبی نور سے منور ہے۔ سوانح حیات از واحدی متزلزل دُنیائے اِسلامی کے اتحاد و یگانگت کے لئے بطورِ ماہر امورِ مذہبی جناب نورسی بڑا مضبوط وژن لے کر نکلتے ہیں۔ رِپبلیکن ترک

حکومت کے ہاتھوں سالہا سال قید و بند میں گزار دینے کے برعکس اُس کی زرخیز زندگی کی قریباً چھ دہائیاں مذہبی بصیرتی سرگرمیوں سے بھری پڑی تھیں۔ حیاتِ جناب نورسی ایک بڑی تاریخی سچ بیانی ہے جو کہ نہ صرف ترک قوم کی مختصر ترجمانی کرتی ہے بلکہ اِس دورِ جدید میں مسلم اُمہ کی بھی تعبیر ہے۔ سلطنت عثمانیہ میں مشرقی خطہ جات سے ارتقائی منازل طے کر کے شہر استنبول میں بغرض ارتعاش آنے پر حیاتِ جناب نورسی سے کشید کردہ بڑے ہی تاریخی اسباق اور اَدراک بھی پائے جاتے ہیں۔

جناب نورسی کا علم و عمل یعنی تحریر و کردار ہمیں ترکی میں وسیع و عریض فلسفیانہ اور سیاسی سیکولر پیمانے پر پھیلتی ہوئی قومیّت پرستی اور مغربی مداخلت کے لئے ایک اِسلامی حل پیش کرنے کے لئے سلطنت عثمانیہ میں سابقہ دورِ تنزیمت' روایتی علماء طبقے کی حالتِ زار اور بیسویں صدی میں اِسلامی اِصلاحاتی جدوجہد کی ناکامی کا گہرا احساس اور واضح پہچان کراتا ہے۔ جناب نورسی کا اِنتہائی قابلِ قدر نسخہ و کلیات، یعنی رسالۂ نور در رسالۂ نور مکمل اپنی چھ دہائیوں پر لکھی گئی تحریر و تدوین کی بناء پر عقل و مذہب کی قوت افروزی کو بے مثال بنا دیتا ہے۔

یہی کارہائے نمایاں 'مجموعہ اِخلاقیات' اور مذاہب کی حامل سلطنت ترکی کے آئینی اور نظریاتی لحاظ سے سیکولر جمہوریہ کی طرف تغیر کی بھی جھلک دکھلاتے ہیں۔ حیران کن حد تک کی حامل تبدیلی اچانک ہی وقوع پذیر نہیں ہوگئی تھی بلکہ بیسویں صدی کے آغاز سے ہی جڑ پکڑتی چلی آ رہی تھی۔ پیچھے کیا ہے کیسا ہے' واحدی حیاتِ جناب نورسی کے دو ڈھکے چھپے پہلوؤں کو ترک اور عثمانیہ اَدوار میں تلاش کرتی ہے بلکہ دونوں اَدوار میں اُس کے نظریات پر اثر انداز ہونے والی مذہبی اور سیاسی قوتِ مہمیز کو بھی متعین کرتی ہے۔

وُہ عثمانیہ میں عثمانی اداروں کے زوال اور کمزوریوں سے بخوبی آگاہ تھا اور جنہیں اُس نے اپنے تئیں دیوانہ وار روکنے کی کوششیں بھی کیں۔ جنگ عظیم اوّل سے پیشتر تو جناب نورسی سلطنت عثمانیہ کی فلاح کو اِسلام ہی کی فلاح سمجھتا رہا اور حیاتِ عثمانیہ کے اِردگرد ہونے والی شاندار تبدیلیوں کو بھی یہی سمجھا۔ یہاں بھی اُن مسلمانوں کی عقل و فہم کو مہمیز کرنے کے لئے اُس کی کوششیں بڑھ چڑھ کر رہیں جنہوں نے بیسویں صدی کے آغاز اور اُس جدید افراتفری یافتہ عثمانی دورِ حکومت میں ہونے والی اِصلاحات کو بچاؤ اور کامیابی کی کنجیاں سمجھ لیا تھا۔ بعد از جنگ عظیم اوّل بدل جانے والے زمینی حقائق کی رُو سے ہم جناب نورسی کی کوششوں میں بھی ایک تبدیلی دیکھ سکتے ہیں۔ جہاں جنگ عظیم اوّل میں عثمانی فوجوں کی شکست سے پہلے سلطنت ہی کے زوال کو تھامنے کے لئے جناب نورسی نے سیاسی اور فوجی ذرائع ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تھی بعد ازاں یہ بھی اچھی طرح جان گیا تھا کہ اسلام تو اَز خود خطرے میں گھرا اور کسی کھمبے کے سہارے کھڑا تھا۔ تاہم اُس نے تیزی سے سیاسی اور سماجی لحاظ سے

بدلتی ہوئی صورت حال میں اصل الاسلام واخلاق کو بچانے کی کوششیں بھی تیز کر دیں۔

ترکی ہی کے بعد از عثمانی یا پھر رپبلیکن دورانیے میں بتائی جانے والی حیاتِ جناب نورسی میں یہ سب کچھ بڑا واضح دکھائی دے سکتا ہے اور اُسی اثناء میں ہی جارحانہ طور پر چھائے ہوئے سیکولر ماحول میں بقائے اِسلام کے لئے جناب نورسی اپنی جان تک ہارنے کے لئے تیار رہتا تھا۔ بعد از وفاتِ جناب نورسی کئی ایک دہائیوں تک ماضی کے تناظر میں تولا جانے والا حیاتِ جناب نورسی کا شاید وہی دِلچسپ ترین حصہ تھا جس میں کمال اتاترک کے تعمیراتی نیشنلزم اور سیکولرازم کو اُس نے کمال برداشتی اور بصیرتی مذہبیت سے چیلنج کیا تھا اور وہ چیلنج ہی تو رسالۂ نور کا جسم وجان تھا۔

کسی مخصوص وقت اور مقام وتعین کئے بغیر ہی جناب نورسی اپنے اُس چیلنج کا اُس نظام کے خلاف زبانِ بغاوت میں ترجمہ معہ تشریح پیش کر دیتا ہے۔ ترک ریپبلک کے قیام واستحکام کے بعد وہ اِسی خیال میں مسلسل استغراقی نظر آتا ہے کہ جب تک اسلامی عقائد کی بنیادیں ریاستی قہر سے لرزاں نہیں ہوتی ہیں سیکولر ریاست میں ہی وجود پذیر ہونا ناممکن ہے۔ دَورانِ رپبلیکن ترکی جناب نورسی کی یاس واُمید کو واحدی تفصیل سے اور دستاویزی طور پر لیتی ہے۔ اپنے مقدمات کی سماعتوں اور صعوبتوں کے باوجود بیسویں صدی کی گھمبیر للکار کے لئے وہ مسلم اِتحاد کی وکالت سے ہرگز باز نہ رہا۔

کوئی دلیل بھی دے سکتا ہے کہ جناب نورسی ظہور مسائل دنیائے اِسلامی کی طرح اثاثہ روایاتِ مسلم کی گہری جڑوں سے جڑا ہوا تھا اور دورِ جدید میں اسلامی روایات کو رواں دواں رکھنے میں بھی وہ خوب آگاہ تھا' بلکہ عین اُسی اَثناء میں اُس نے سوالِ جدیدیت کو بھی خوب قابو میں لیا کہ بیسویں صدی کے مسلم معاشرے پر اِسے منطبق کیسے کیا جائے۔ تاہم عیسائیت کے بارے میں اُس کی سوجھ بوجھ اُس کی مذہبیت کے موافق نہ تھیں جیسا کہ عیسائیت کی اہمیت اُس کے نزدیک صرف اقلیت کے طور پر تھی۔ اُس نے اِسلام اور مغربی عیسائیت کے درمیان بڑی معقول سی وکالت کی کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اسلام اَز خود کوئی ناقابلِ پہنچ جزیرہ نہیں ہے بلکہ دوسرے معاشروں اور دنیاوی نظریات میں باہم وجود پذیر ہے۔

اُس کی سوانح حیات میں جو چیز عین عیاں ہوتی ہے وہ دورِ جدید میں جناب نورسی کا نظریۂ تشخص اِسلامی تھا کہ اِقتدار اور اختیار کی سوالیہ روشنی میں اسلامی روایتی علوم کیسے اُجاگر کیے جاسکتے تھے بلکہ جدیدیت اور روایت کے تناظر میں اِسلامی علوم اور سائنسز کو اِس اور اُس جہان سے کیسے منسوب کیا جاسکتا تھا۔ ایک انتہائی قسم کی سیکولر زدہ دُنیا میں مسلم اخلاقیات کو اُجاگر کرنا بھی جناب نورسی کی اولین ترجیح تھی۔ زیادہ غور کریں تو معلوم پڑتا ہے کہ جناب نورسی کو یہ بھی یقین تھا کہ مسلمان اپنے علم الاخلاق وانسان کے سہارے اپنے ہم عصروں کے ساتھ مشترکہ زندگی گزار سکتے تھے اور پھر مسلمانوں کو بغیر وسائلِ سیاسی اِختیار بھی باعمل ہونا چاہیے۔

اِسی ضمن میں اور بعد از عثمانوی دور میں خیالات جناب نورسی عین عیاں ہوکر بنیادی طور پر ہی اُس دور کے بہت سارے اسلامی مفکرین سے بھی متصادم تھے بلکہ ایک طرف تو اُس نے علامہ محمد اقبال، علامہ مودودی، حسن بانا اور سیّد قطب جیسے ہم عصروں کے ساتھ بجائے اسلام ایک عقیدہ کے اسلام بطور سیاسیات کے حمایت سازی اختیار کی لیکن جنگ عظیم اوّل کے بعد سیاست بطور محافظ اسلام میں اُس کی دلچسپی اور دلجمعی بالکل مفقود ہوکر رہ گئی تھی۔ اُس کا خیال بن گیا تھا کہ خدمت اسلامی بغیر کسی سیاست سازی اور سیاست سازوں کے بھی ممکن تھی۔

یہ بھی تو کہا جاسکتا ہے کہ جناب نورسی کی مغرب وغیرہ میں دلچسپی ختم ہوگئی تھی کیونکہ اُسے کسی بھی قسم کا سیاسی اسلام درکار نہ تھا۔ تاہم اُس کی کارکردگی میں مذہبیت کی بجائے روحانیت اور جنرل جدیدیت میں مستغرق مغربی مفکرین کے کام میں قدرے دلچسپی نظر آنے لگتی ہے اور یہ تو اور بھی سامان دلچسپی ہوا کہ آیا اسلام کو سیاست سے بچا کر بچایا جاسکتا ہے یا کہ نہیں بلکہ دُوسرے لفظوں میں تو یوں کہیے کہ کیا ہمیں اسلامی عقاید کی نشوونما یا کہ اُس کی نشر و اشاعت کے لئے کسی لگ سیاست کی ضرورت ہے لیکن ریپبلیکن ترکوں کے پاؤں جما لینے کے بعد تو لگتا ہے کہ کبھی بھی نہیں۔

اسی لئے کہا بھی جاتا ہے کہ اسلام بغیر ریاست کے بھی پھل پھول سکتا ہے۔ اب حقیقت کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ اسلامی دُنیا میں اسلام اور عوامی عقیدے یک و تنہا ہی بہتر پرورش پاتے ہیں۔ حیاتِ جناب نورسی و خیالاتِ جناب نورسی پر روشنی ڈالتے ہوئے واحدی ہمیں جناب نورسی کی ہم عصر معاشرتی زندگی کو سمجھنے میں مددگار بنتی ہے جو کہ ترکی کے علاوہ دُنیا بھر میں اور پھر بالخصوص یورپ اور آسٹریلیا میں پائی جاتی ہے۔ جناب نورسی کی معاشرتی زندگی ابتداً ہی قرآنی اخلاقیات سے رہنمائی پاگئی تھی اور از خود جناب نورسی ہی سے تشریح و عمل بھی پالیا تھا۔

اِس میں تو کوئی شک و شبہ ہے ہی نہیں کہ جناب نورسی ایک تحسین آفرین شخصیت تھی کیونکہ اَز وفاتِ 1960ء سے بہت سے قارئین نے اُس کے اقتباسات اور تحریروں کو تحسین آمیز قرار دیا ہے لیکن بمطابق واحدی رسالۂ نور کے تحریر کرنے کی نیت اور اُس کا مقصد قرآنِ کریم کا نعم البدل ہرگز نہیں ہے بلکہ جدید دُنیائے اسلامی پر ہونے والی یلغار کے خلاف جدید سائنس کی روشنی میں مؤثر ترین تبصرہ ہوسکتا ہے۔ شُکر اُواحدی، جناب نورسی اور ترکی کی ایک بڑی ہی مشغول، مشروط اور پُر رونق تصویر پیش کرتی ہے اور اُس تصویر کو زیادہ سے زیادہ مفصل اور مستند بنانے کے لئے وہ تمام ترموزوں ذرائع بھی اپنے استعمال میں لے آتی ہے۔ اپنی اس کاوش میں وہ قابلِ داد حد تک کامیاب بھی ہے اور بالکل ہٹ کر موضوع ہذا سے اُس کی عقیدت اُسے اس کارزار کا بین الاقوامی کارپرداز بنادیتی ہے بلکہ سلسلہ ہائے ہذا میں اُسے تو انتہائی مبارک باد کا مستحق ہونا چاہیے۔

پہلا باب •

بچپن اور جوانی

پیدائش اور بچپن کے ابتدائی برس:

بستی نورس (Nurs) مشرقی اناطولیہ کے صوبے بطلیس (Bitlis) میں جھیل وان کے جنوب میں عظیم سلسلہء کوہِ تورس (Taurus) کی جنوبی سمت میں وادی میں واقع ہے۔ اس کا قریب ترین قصبہ ہیزان (Hizan) ہے، جو پیدل چلیں تو دس گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ یہ راستہ وادی سے ہو کر گزرتا ہے اور 1980ء میں پختہ سڑک بنائے جانے سے پہلے واحد راستہ تھا، جس کے ساتھ ایک تیز رو ندی بہتی تھی۔ یہ ندی بستی کی جنوبی سرحد تھی۔ اس بستی میں انواع واقسام کے درخت اگے ہوئے تھے جن کے باغات اور پھل دار درخت سنگلاخ اور بنجر ڈھلانوں کے پس منظر میں نہایت خوش گوار تاثر قائم کرتے تھے۔ اس بستی کے گھر چھوٹے بڑے ناتراشیدہ پتھروں سے بنائے گئے تھے، جن پر درخت سایہ فگن تھے۔ انہی سادہ سے گھروں میں سے ایک چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں اور چٹائی کی کمزور چھت والے گھر میں جناب سعید نورسی 1877ء میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ سات بہن بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھے ان کے والد، جو کہ مرزا کہلاتے تھے، تھوڑی سی اراضی کے مالک تھے۔ بلاشبہ آج بھی ویسے ہی چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی پر کاشت کی جاتی ہے۔ آپ کی جائے پیدائش بھی آج تک بغیر کسی تبدیلی کے موجود ہے، جہاں ان کے دور پار کے اعزاء مقیم ہیں۔

ان کے والد مرزا کو صوفی مرزا بھی کہا جاتا تھا۔ اس لقب کی وجہ ان کا ایک صوفی سلسلے سے تعلق کے علاوہ ان کی نیکوکاری و پرہیز گاری تھی۔ ان کی والدہ کا نام نوریہ تھا۔ سعید کے ایک سوانح نگار نے ان کا نام نورہ لکھا ہے، جو کہ زیادہ درست قرار دیا گیا ہے۔ یہ گھرانا کرد تھا اور اس علاقے میں آباد تھا، جسے عثمانیوں نے کردستان کا نام دیا تھا۔ جناب سعید نورسی کے اپنے الفاظ میں ان کا خاندان بہت غریب تھا۔ بعض ذرائع کے مطابق مرزا ان دو بھائیوں کی چوتھی پشت میں سے تھے، جنہیں تبلیغ کرنے کے لیے Cizre سے دریائے دجلہ کے علاقے میں بھیجا گیا

تھا۔ یہ امر قرین از قیاس ہے کہ وہ سلسلہء نقشبندیہ کی شاخ ''خالدیہ'' سے وابستہ تھے یاد رہے انیسویں صدی میں اس علاقے میں سلسلہء نقشبندیہ نے تیزی سے فروغ پایا تھا۔ تاہم اس سے بھی مستنبط ہوتا ہے کہ مرزا زیادہ سے زیادہ دوسری پشت سے تھے۔ نوریہ کا تعلق بلکان (Bilkan) سے تھا۔ یہ بستی نورس سے تین گھنٹوں کے فاصلے پر واقع تھی۔

اس گھرانے کے بچوں میں سب سے بڑی دو لڑکیاں تھیں، جن کے نام دریہ اور ہانیم تھے۔ مؤخر الذکر نے اپنے مذہبی علم کی بدولت بہت شہرت و عزت پائی۔ ان کی شادی ایک اُستاد (معلم) سے ہوئی، جو کہ ان کے بھائی ملا سعید کی طرح مشہور شخص تھے۔ وہ 1913ء کے سانحہء بطلس کے بعد دمشق چلے گئے تھے اور 1945ء میں حج کے دوران اللہ کو پیارے ہو گئے۔ دو بہنوں کے بعد عبداللہ تھے۔ وہ بھی ہو جاتے تھے۔ وہی ننھے سعید کے پہلے معلم تھے۔ وہ نورس میں 1914ء میں فوت ہوئے۔ سعید کے بعد ملا محمد تھے جو قریبی بستی اروس کے لیے ایک مدرسے میں پڑھاتے تھے۔ ان کے بعد عبدالمجید تھے، جنہوں نے کافی عرصہ اپنے بھائی سعید سے تعلیم حاصل کی۔ ان کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے جناب سعید نورسی کی دو عربی کتابوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ وہ 1967ء میں قونیہ میں فوت ہوئے۔ سب سے چھوٹی بچی مرجان کے بارے میں کوئی معلومات دستیاب نہیں ہوئیں۔ سب سے بڑی لڑکی دریہ بھی، جو کہ عبید کی والدہ تھی، سعید کی شاگرد تھی وہ عبید کے بچپن میں نورس کے قریب سے گزرنے والے دریا میں ڈوب گئی تھیں۔

مرزا 1920ء کی دہائی کے دوران فوت ہوئے۔ انہیں نورس کے قبرستان میں دفنایا گیا۔
جناب سعید نورسی جب حصول علم کے لیے گھر سے روانہ ہوئے تو پھر کبھی اپنی والدہ کا منہ نہ دیکھ سکے۔
وہ پہلی جنگ عظیم کے دوران فوت ہوئیں اور انہیں بھی نورس ہی میں دفنایا گیا۔ سعید نے ان کے بارے میں کہا تھا ''میں نے اپنی والدہ سے شفقت و ہمدردی سیکھی جبکہ اپنے والد سے نظم و ضبط سیکھا۔''

سعید نے اپنی زندگی کے ابتدائی برس اپنے خاندان کے ساتھ نورس میں گزارے۔
سرما کا طویل موسم بستی میں بسر کیا جاتا جبکہ گرما کا مختصر موسم یا تو اونچائی پر واقع سبزہ زاروں میں یا ڈھلانوں پر اور وادی کے بیچوں بیچ بہنے والے دریا کے کنارے بسر کیا جاتا تھا۔ کاشت کا موسم مختصر ہوتا تھا پھر بھی بستی والوں کی ضروریات کے لیے کافی تھا۔ یہ زندگی فطرت سے ہم آہنگ تھی اور سعید جیسے ذہین بچے کے لیے حیرتوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ غیر معمولی حد تک ذہین تھے، ہر چیز کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرتے تھے اور سوال اٹھاتے اور جواب تلاش کرتے رہتے تھے۔

برسوں بعد انہوں نے عالمانہ استعاروں کے اوہام میں چھل جانے کی توضیح کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایسا تب ہوتا ہے، جب وہ '' جاہلوں کے ہاتھوں میں چلے جاتے ہیں۔'' انہوں نے اس حوالے سے ایک مثال بھی سنائی تھی جو درج ذیل ہے:

''ایک رات ٹین کے ڈبے کھڑکھڑائے جانے اور رائفل کے فائر کی آواز سن کر ان کا گھرانا گھر سے نکلا۔ دیکھا کہ چاند کو گرہن لگا ہوا ہے۔ سعید نے اپنی والدہ سے پوچھا '' چاند کیوں غائب ہو گیا ہے؟''

انہوں نے جواب دیا '' اسے سانپ کھا گیا ہے۔'' سعید نے پوچھا، '' تو پھر وہ اب بھی نظر کیوں آ رہا ہے؟''

''اس لیے کہ آسمانی سانپ شیشے کے ہوتے ہیں۔ ان کے اندر جو کچھ ہوتا ہے، نظر آ سکتا ہے۔''

سعید نے جب چند سال بعد علم فلکیات کا مطالعہ کیا تب انہیں اپنے مذکورہ بالا سوال کا جواب ملا۔

سعید کو جب بھی موقع ملتا، خصوصاً سردیوں کی طویل راتوں میں، وہ قریبی مدرسے میں جا کر شیخوں، طلباء اور اساتذہ کی بحثیں سنا کرتے تھے۔ ان مواقع اور جس تہذیب کی وہ عکاسی کرتے تھے، اس تہذیب نے، ان کے کردار پر اور ان کی آئندہ کی سرگرمیوں پر گہرا اثر ڈالا۔ ان کی بعد کی تحریروں میں ان کے حواریوں سے بھی اس خطے کے لوگوں کی زندگیوں پر احیاء پسندانہ نقشبندی/خالدی سلسلے کے اثرات کی عکاسی ہوتی ہے اس سلسلے میں درس علم کے حصول اور فقہ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ باطنی علم کی جستجو کی بجائے نیک اعمال پر زور دیا جاتا ہے۔ انیسویں صدی میں یہ سلسلہ قادری سلسلے کی جگہ تیزی سے لینے لگا اور بہت سے مدرسے اور تکیے قائم کیے گئے، جو روایتی مذہبی علوم کے فروغ کے مراکز بن گئے۔ شریف مردین کے بقول ہیزان میں اس سلسلے کے مدرسوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ نورس جیسی دور افتادہ اور الگ تھلگ واقع بستی میں جناب سعید نورسی کی نسل میں اتنے زیادہ معلم اور ان کے حبیب عظیم عالم کیسے پیدا ہوا تھا۔ آپ نے 1940ء کی دہائی کے وسط میں لکھا تھا:

''ہیزان کے علاقے میں شیخ عبدالرحمٰن تاغی جو کہ سیدا کے لقب سے معروف تھے، کے زیر اثر بے شمار ایسے طلباء، اساتذہ اور علماء سامنے

آئے، جن کے علم وفضل اور صوفیانہ طرز زندگی پر کردستان کو فخر ہے۔ وہ کرۂ ارض کو تسخیر کر لینے والے لوگ تھے! جب میں نو یا دس سال کا تھا تو لوگوں کو مشہور علماء، صوفیوں، فضلاء اور روحانی پیشواؤں کے بارے میں باتیں کرتے سنا کرتا تھا۔ میں سوچا کرتا تھا کہ ضرور ان طلباء اور علماء نے مذہب کے میدان میں عظیم فتوحات حاصل کی ہوں گی، جبھی تو ان کے حوالے سے اس طرح باتیں کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں سے جو عالم دوسروں سے زیادہ ذہین ہوتا، اس کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ جب کوئی مباحثہ جیت جاتا تو لوگ اس کی بہت تکریم کرتے تھے۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کیونکہ مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔''

کم عمر سعید بھی مباحثوں کے فاتحین سے متاثر ہوتے تھے۔ وہ نہ صرف آزاد ذہن کے حامل تھے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ اپنی زندگی کے ابتدائی برسوں ہی سے اپنے اردگرد موجود لوگوں کے راستے سے مختلف راستے کی تلاش میں سرگرم تھے، جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:

''جب میں آٹھ یا نو سال کا تھا میرے خاندان کے افراد کے علاوہ بستی کا ہر شخص نقشی سلسلے سے وابستہ تھا اور ایک مشہور شخصیت سے رہنمائی حاصل کرتا تھا۔ اس مشہور شخصیت کو ''غوثِ ہیزان'' کہا جاتا تھا۔ میں ان سب کے برعکس ''اے غوث گیلانی'' کہا کرتا تھا۔ میں بچہ تھا، جب میرا اخروٹ گم ہو جاتا تو میں کہتا ''اے شیخ! میں ''فاتحہ'' پڑھتا ہوں، آپ میرا اخروٹ تلاش کر کے مجھے دیجئے!'' اگرچہ یہ بات عجیب سی ہے لیکن میں حلفیہ کہتا ہوں کہ شیخ مکرم اپنی دعاؤں اور صوفیانہ اثر کے ذریعے ہزار بار میری مدد کو آئے۔ چنانچہ میں اپنی زندگی میں عمومی طرز پر جتنی بار بھی فاتحہ پڑھتا ہوں، وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد شیخ گیلانی کے لیے یہ پڑھتا ہوں۔۔۔۔ تاہم علوم مذہبی کے مطالعے کی وجہ سے میں ''طریقت'' کے دائرے میں داخل نہیں ہوا۔''

اگرچہ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے، سعید نے کبھی طریقت کو نہیں اپنایا تاہم شیخ عبدالقادر

گیلانی سے ان کا تعلق ساری عمر برقرار رہا۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا کہ میں تصوف جدید دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ سعید کو زندگی میں متعدد مواقع پر عبدالقادر گیلانی کے روحانی اثر سے رہنمائی اور مدد ملی۔

تعلیم کا آغاز:

جناب سعید نورسی نے حصول علم کا آغاز نو برس کی عمر میں قرآن کریم پڑھنے سے کیا تھا۔ اس عمر میں بظاہر وہ جھگڑالو دکھائی دیتے تھے، جو کہ اپنے ہم عمروں اور بڑوں کے ساتھ جھگڑنے کو ہر وقت تیار رہتا تھا، تاہم حقیقت میں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی روح کو اپنے اظہار کی راہیں ہنوز دستیاب نہ ہوئی تھیں اور اسی گھٹن کے سبب وہ جھگڑالو بن گئے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے اساتذہ اور ساتھی انہیں سمجھتے نہیں تھے۔ کم عمر سعید اپنے بڑے بھائی ملا عبداللہ کو دیکھ کر حصول علم کی طرف راغب ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ عبداللہ کے علم نے انہیں کس قدر فوائد پہنچائے ہیں۔ کسی نو برس کے بچے کا اتنا گہرا مشاہدہ کرنا ایک غیر معمولی بات تھی۔ انہوں نے رفتہ رفتہ پیش رفت کی تھی۔ سعید نے انہیں ان کے غیر تعلیم یافتہ دوستوں میں دیکھا تھا۔ ان کی واضح برتری نے سعید میں بھی علم حاصل کرنے کی شدید آرزو پیدا کی۔ وہ اس ارادے کے ساتھ اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ نورس سے دو گھنٹے کی پیدل مسافت پر اسپاریت کے نزدیک واقع بستی تاغ میں ملا محمد امین آفندی کے مدرسے گئے۔ تاہم وہاں محمد نامی ایک طالب علم سے ان کا جھگڑا ہو گیا اور وہ وہاں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے۔

چونکہ کم عمر سعید میں عزت نفس کا بھی بھرپور احساس موجود تھا اس لیے وہ تحکمانہ لہجے میں کی گئی چھوٹی سی بات اور کسی بھی قسم کا غلبہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنی بستی واپس آ گئے۔ انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ وہ اس وقت تک کسی مدرسے میں نہیں جائیں گے جب تک کہ بڑے نہیں ہو جاتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی سارے لڑکے ان سے بڑے ہیں۔ نورس میں کوئی مدرسہ نہیں تھا، اس لیے سعید کے بڑے بھائی عبداللہ ہفتے میں ایک بار گھر آتے تو انہیں درس دیا کرتے تھے۔ کئی برس بعد سعید نے اپنی اس عمر کا احوال یوں رقم کیا:

> ''جب میری عمر دس سال تھی تو مجھے اپنے اوپر بڑا ناز تھا، جو کہ کبھی کبھی شیخی خوری اور خود تعریفی کی صورت اختیار کر لیتا تھا حالانکہ میں ذاتی طور پر ایسا

نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنے آپ کو کوئی عظیم کارنامہ انجام دینے والا شخص تصور کرتا تھا۔ میں اپنے آپ سے کہا کرتا تھا: ''تم اس قابل تو ہو نہیں، پھر کاہے کو اتنی شیخی بگھارتے ہو، خصوصاً تم اتنی جرات و بہادری کا مظاہرہ کیوں کرتے ہو۔'' مجھے اس سوال کا جواب معلوم نہیں تھا کہ میں اس پر سوچتا رہتا تھا۔ تب کوئی دو ماہ پہلے (1944ء) مجھے اس سوال کا جواب مل گیا: ''رسالہ ءنور'' نے ضبط تحریر میں آنے سے پہلے اپنا احساس کروادیا۔''
اگر چہ تم لکڑی کے برادے جیسے بہت چھوٹے بیج تھے، تاہم تمہیں جنت کے پھلوں کا ایسا پیشگی اندازہ تھا جیسے وہ حقیقتاً تمہاری ملکیت ہوں، اور اسی لیے تم شیخی بگھارتے تھے اور اپنی ستائش کرتے تھے!''

تقریباً ایک سال کا عرصہ اسی طرح گزر گیا۔ پھر سعید اپنی کل وقتی تعلیم کے لیے دوبارہ روانہ ہوئے۔ تاہم وہ جس مدرسے میں گئے یا جس استاد سے بھی ملے، انہیں اپنے سوالوں کے جواب حاصل نہیں ہوئے۔ پہلے وہ بستی پیر میں گئے، اس کے بعد ہیزان میں سید نور محمد نقشبندی سے درس لینے گئے۔ آزادانہ طبع اور کسی کا غلبہ برداشت نہ کرنے والی فطرت کی وجہ سے چار دیگر طلباء کے ساتھ ان کی ٹھن گئی۔ وہ چاروں مل کر انہیں مستقل طور پر تنگ کرنے لگے۔ آخر ایک دن سعید نے جا کر سید نور محمد سے کہا: ''شیخ آفندی! براہ مہربانی انہیں کہیے کہ وہ چاروں مجھ سے اکٹھے نہیں بلکہ دو دو کر کے لڑا کریں۔'' دس سالہ بچے کی اس جرأت نے شیخ کو بہت متاثر کیا۔ انہوں نے مسکرا کر کہا: ''تم میرے شاگرد ہو، تمہیں کوئی تنگ نہیں کرے گا!'' اس کے بعد سے سعید کو ''شیخ کا شاگرد'' کہا جانے لگا۔

یہاں سعید کچھ زیادہ عرصہ رہے اور پھر اپنے بڑے بھائی عبداللہ کے ساتھ بستی نورشین گئے۔ چونکہ گرمیوں کا موسم تھا، اس لیے وہ دونوں دیگر بستی والوں اور طلباء کے ہمراہ شیروان نامی بستی چلے گئے، جو بلندی پر واقع ایک سرسبز اور ٹھنڈی جگہ تھی۔ یہاں ایک بار سعید کا اپنے بڑے بھائی عبداللہ کے ساتھ جھگڑا ہو گیا مدرسہ تاج کے صدر معلم محمد امین آفندی سعید پر ناراض ہو گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ تم نے اپنے بڑے بھائی سے کیوں جھگڑا کیا ہے؟ تاہم سعید نے معلم کی بہتری کو بھی تسلیم نہیں کیا اور ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ یہ مدرسہ شیخ عبدالرحمٰن تاغی کا ہے، اس لیے وہ بھی ان کی طرح ایک طالب علم ہیں اور انہیں ایک معلم کا سا طرز عمل اپنانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر وہ

اسی وقت نورسین چلے گئے۔ وہاں جانے کے لیے انہیں ایک ایسے گھنے جنگل سے گزرنا پڑا تھا، جس سے دن کے وقت بھی گزرنا دشوار تھا۔ وہاں سے وہ کوغاک نامی بستی چلے گئے۔

اس علاقے کے لوگوں میں مذہبی شخصیات اور اولیاء وصوفیاء کے حوالے سے بہت قصے مشہور تھے جو کہ من گھڑت نہیں بلکہ سچے تھے۔ اس علاقے کی تہذیب وثقافت پر شیخوں، آغاؤں اور قبائلی سرداروں کا غلبہ تھا۔ ان میں سے بہت سے قصے جناب سعید نورسی کے ہیں، جنہیں محققین نے حوالوں سمیت محفوظ کرلیا ہے۔ ان کی ابتدائی تعلیم متعلق مصدقہ معلومات دستیاب ہیں۔ ابتداء میں ان معلومات کو ان کے بھتیجے نے قلمبند کیا تھا اور بعد ازاں ان کی بیان کردہ معلومات کو ان کے عزیز ترین شاگردوں نے ان کی نگرانی میں قلمبند کیا جبکہ عینی شاہدین اس کی تصدیق وتوثیق کر چکے ہیں۔ چنانچہ ان کے حوالے سے مشہور قصوں کہانیوں کو سچ مانا جا سکتا ہے، گو کہ بعض جزئیات بیان کے دوران تبدیل ہوئی ہیں۔ بعض اوقات ایک ہی واقعے کے مختلف بیان ملتے ہیں۔ بعض واقعات ان کی آئندہ کی خدمات اسلام کو بیان کرتے ہیں اور بعض میں ان کے تبحر علمی اور دیگر اوصاف کا تذکرہ ملتا ہے، جبکہ بعض قصوں میں ان کے اوصاف کو ان کے والدین کی نیکوکاری و پرہیزگاری کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔

ایک قصے میں جو اس لیے معتبر ہے کہ اسے خود جناب سعید نورسی نے بیان کیا ہے، بتایا گیا ہے کہ ان کی اولین درس گاہ مدرسہ تاج کے سربراہ شیخ عبدالرحمٰن تاغی (التوفی 87-1886ء) نورس سے آنے والے طالب علموں پر خصوصی توجہ دیتے تھے اور سرما کے موسم میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر جائزہ لیتے تھے کہ انہوں نے لحاف ٹھیک سے اوڑھے ہوئے ہیں کہ نہیں، مبادا انہیں ٹھنڈ لگ جائے اس کے علاوہ وہ عمر میں بڑے طالب علموں سے کہا کرتے تھے: ''دیکھو، نورس سے آنے والے ان طلباء میں سے ایک اسلام کو حیات نو عطا کرے گا۔ تاہم ان میں سے کون یہ کارنامہ انجام دے گا، مجھے اس وقت اس کا علم نہیں ہے۔'' ہوسکتا ہے یہ کسی اور شیخ کا بیان ہو کیونکہ عبدالرحمٰن تاغی تو کافی سال پہلے بستی نورسین سے چلے گئے تھے۔

ایک مشہور قصے سے سعید کے والد مرزا اور ان کی والدہ نوریہ کی نیکوکاری و پرہیزگاری عیاں ہوتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سعید کے ایک معلم ان کی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر ان کے والدین سے ملنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے بہت سارے شاگردوں سمیت چھ سات گھنٹے کا سفر کر کے نورس پہنچے۔ ان کے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد مرزا دو گایوں اور دو بیلوں کو ہانکتے ہوئے

وہاں پہنچے۔ ان بیل گایوں کے منہ بندھے ہوئے تھے تعارف کے بعد سعید کے استاد نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو مرزا نے بڑی شائستگی کے ساتھ بتایا،''جناب ہمارے کھیت یہاں سے کافی دور ہیں۔ راستے میں بہت سے دوسرے لوگوں کے کھیتوں اور باغات کے قریب سے گزرتا ہوں۔ اگر ان جانوروں کے منہ بندھے ہوئے نہیں ہوں گے تو اس بات کا امکان ہے کہ وہ ان کی فصلوں کو کھالیں گے۔ میں نے ان کے منہ اس لیے باندھ دیے ہیں تا کہ ہماری غذا میں کوئی غیر شرعی شے شامل نہ ہو۔''

استاد نے سعید کے والد کی نیکوکاری کا ملاحظہ کرنے کے بعد ان کی والدہ نوریہ سے دریافت کیا کہ انہوں نے سعید کی پرورش کس طرح سے کی تھی۔ انہوں نے بتایا،''جب سعید میرے پیٹ میں تھے تب میں نے وضو کیے بغیر کبھی ایک قدم بھی نہیں اٹھایا تھا، اور جب وہ پیدا ہوئے تو کبھی ایک دن بھی وضو کیے بغیر انہیں دودھ نہیں پلایا تھا۔''

سعید کے استاد جو کچھ جاننے آئے تھے، جان چکے تھے۔ بلاشبہ اتنے نیک والدین کا بیٹا ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

کم عمر سعید کی خودداری:

اس زمانے میں مشرقی اناطولیہ میں رواج تھا کہ جب کوئی عالم مدرسے سے فارغ التحصیل ہو جاتا اور تمام مضامین پر اپنے کامل عبور کا مظاہرہ کرنے پر قادر ہوتا تو اسے سند''اجازت'' مل جاتی اور وہ اپنی پسند کی کسی بھی بستی میں مدرسہ کھول سکتا تھا۔ اگر وہ خود اس قابل ہوتا تو اپنے شاگردوں کی ضروریات مثلاً کھانا، سردی سے بچاؤ کے ایندھن اور لباس مہیا کرتا اور اگر وہ اس قابل نہ ہوتا تو بستی کے لوگ زکوٰۃ یا کسی اور طریقے سے ان کی ضروریات پوری کرتے۔ معلم اپنے لیے کسی معاوضے کا تقاضا نہیں کرتا تھا۔

کم عمر سعید زکوٰۃ یا خیرات کی صورت قبول نہیں کرتے تھے دوسروں کی مدد قبول کرنے کا مطلب تھا کہ ان کی محتاجی، اور وہ اسے اپنی روح کا ناقابل برداشت بوجھ تصور کرتے تھے۔

ایک روز کا ذکر ہے ان کے ساتھی طلباء زکوٰۃ لینے ہمسایہ بستی گئے لیکن سعید ان کے ساتھ نہیں گئے۔ بستی والے ان کی خودداری سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے خود ان کے لیے رقم اکٹھی کی اور انہیں دینا چاہی لیکن سعید نے ان کا شکریہ ادا کر کے وہ رقم قبول کرنے سے انکار کر

دیا۔لوگوں نے وہ رقم ان کے بڑے بھائی ملا عبداللہ کو اس امید میں دے دی کہ شاید وہ انہیں اسے قبول کرنے پر آمادہ کرلیں۔اس پر ان میں درج ذیل گفتگو ہوئی:

سعید نے کہا: ''مجھے اس رقم سے ایک رائفل خرید دیجئے!''

ملا عبداللہ: ''نہیں، ایسا ممکن نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے، پھر مجھے ایک ریوالور خرید دیجئے۔''

''نہیں یہ بھی ممکن نہیں ہے۔''

سعید نے مسکراتے ہوئے کہا: ''تو پھر مجھے ایک خنجر لے دیجئے۔''

ان کے بڑے بھائی نے ہنستے ہوئے ان سے کہا ''نہیں یہ بھی ناممکن ہے۔ میں تمہیں تھوڑے سے انگور خرید دوں گا۔تب ہم اس امر کو یقینی بنائیں گے کہ معاملہ ٹھیک ہی رہے!''

سعید کوغاک کے مدرسے میں تھوڑا عرصہ رہے، پھر تنہا ملا فتح اللہ کے مدرسے میں چلے گئے، اس سے بھی ان کی بے پناہ خودداری اور جرات ودلیری عیاں ہوتی ہے کیونکہ اس زمانے میں لاقانونیت کی وجہ سے سفر انتہائی خطرناک تھا۔اس مشہور معلم سے تقریباً دو ماہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ گیدا کے لیے روانہ ہوگئے۔ یہ بستی ہیزان کے نزدیک واقع تھی، جہاں سید صبغت اللہ غوث ہیزان مدفون تھے۔سعید نے کچھ عرصہ اس مدرسے میں تعلیم حاصل کی لیکن پھر ایک جھگڑے میں خود کو بچاتے ہوئے انہوں نے ایک طالب علم کو زخمی کر دیا جس کی وجہ سے انہیں یہ مدرسہ چھوڑنا پڑا۔وہ نورس میں اپنے والد کے گھر واپس آ گئے اور انہوں نے وہ موسم سرما وہیں گزارا۔

خواب میں زیارت رسول ﷺ:

نورس میں گزارے اس موسم سرما میں سعید نے ایک ایسا متاثر کن خواب دیکھا جس نے انہیں تعلیم کی طرف لوٹنے پر مجبور کر دیا۔سعید نے دیکھا کہ یوم حشر ہے اور مردوں کو زندہ کیا جا رہا ہے۔سعید کو رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی خواہش ہوئی۔وہ سوچ رہے تھے کہ اس خواہش کو کس طرح پورا کروں کہ انہیں خیال آیا کہ وہ پل صراط کے قریب جا کر بیٹھ جائیں، کیونکہ ہر کسی کو اس پر سے گزرنا ہے۔انہوں نے سوچا کہ جب رسول اللہ ﷺ گزر رہے ہوں گے تو میں انہیں ملوں گا اور ان کے دست مبارک کا بوسہ لوں گا۔ چنانچہ وہ پل صراط کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ وہاں ان کی ملاقات سارے پیغمبروں سے ہوئی اور انہوں نے ان کے دست ہائے مبارک کا بوسہ لیا۔آخر میں

رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ سعید نے آپ ﷺ کے دست مبارک کا بوسہ لیا اور آپ ﷺ سے علم عطا کرنے کی درخواست کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں قرآن کا علم اس شرط پر دیا جائے گا کہ تم میری امت سے کوئی سوال نہیں کرو گے۔''

اس کے بعد سعید کی آنکھ کھل گئی وہ بہت پر جوش تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا اصول بنالیا کہ کبھی کسی عالم سے سوال نہیں پوچھتے تھے جب وہ استنبول گئے تب بھی وہ اس اصول پر کار بندر ہے۔ وہ صرف خود سے کیے گئے سوالوں کے جواب دیا کرتے تھے۔

جوش سے معمور جناب سعید نورسی روانہ ہوئے۔ وہ پہلے ارواس نامی بستی گئے، پھر وہاں سے بطلس میں شیخ امین آفندی کے مدرسے گئے۔ ان کی کم عمری کی وجہ سے شیخ نے انہیں خود تعلیم دینے کی بجائے کہا کہ وہ اپنے ایک شاگرد کو یہ ذمہ داری سونپ دیں گے۔ اس بات سے سعید کی خودی کو سخت ٹھیس پہنچی ایک روز شیخ امین مسجد میں درس دے رہے تھے کہ سعید نے کھڑے ہو کر کہا: ''جناب! آپ غلط فرمارہے ہیں۔ یہ اس طرح نہیں ہے!'' شیخ اور ان کے شاگرد حیرت سے سعید کو دیکھنے لگے۔ یہ بات ناقابل یقین تھی کہ کوئی طالب علم شیخ کو ٹوکنے کی جسارت کرے۔

سعید کو ایک بار پھر روانہ ہونا پڑا۔ اس بار وہ موکس (Mukus) (باغچہ سرائے) میں مدرسہ میر حسن ولی گئے، جس کے صدر معلم ملا عبدالکریم تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ نئے اور ابتدائی درجے میں پڑھنے والے طلباء کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تو انہوں نے ترتیب سے پڑھی جانے والی سات کتابوں کو نظر انداز کرتے ہوئے آٹھویں کتاب پڑھنے کا اعلان کردیا۔ وہ یہاں چند ہی دن رہے، پھر واستان (گیواش) چلے گئے، جو کہ وان کے نزدیک ہے۔ گیواش میں ایک مہینہ گزارنے کے بعد وہ اپنے ایک رفیق ملا محمد کے ساتھ کوہ ارارات کے نزدیک واقع بایزید چلے گئے اور یہیں ان کی حقیقی تعلیم شروع ہوئی۔ اس وقت تک انہوں نے عربی قواعد وصرف ونحو کی کتابیں ہی پڑھی تھیں، جو اس زمانے میں مشرقی اناطولیہ کے مدرسوں میں پڑھائی جاتی تھیں۔ انہوں نے ''حل الموقدہ'' نامی کتاب پڑھی تھی جو درمیانے درجے کی کتاب تھی اور استنبول کے مدرسوں میں پڑھائی جانے والی کتاب ''اظہار الاسرار'' کے مساوی تھی۔ یہ 92-1891ء کی بات ہے۔

شیخ محمد جلالی سے مدرسہ بایزید میں سعید نے صرف تین ماہ تعلیم حاصل کی، تاہم اسی عرصے میں انہوں نے وہ اساسی یا کلیدی نوعیت کے مذہبی علوم حاصل کیے جو آگے چل کر ان کی

مذہبی فکر اور تصنیفات کی بنیاد بنے۔ اس سے ان کا وہ وصف بھی عیاں ہوا، جو ان کی تعلیم کے آغاز ہی سے واضح تھا، یعنی یہ کہ وہ موجودہ نظام تعلیم سے غیر مطمئن تھے اور یہ کہ انہیں اس امر کا ادراک تھا کہ فوری اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔ مزید برآں سعید نے مختصر عرصے میں جتنی کتابیں پڑھیں، یاد کیں اور سمجھیں، اس سے ان کے حافظے کی غیر معمولی قوت، غیر معمولی ذہانت اور فہم و دانائی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی یہ خصوصیات اپنی عمر کے لڑکوں سے بہت زیادہ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر چودہ یا پندرہ سال تھی۔

بایزید میں قیام کے دوران سعید نے اس زمانے میں مدرسوں میں پڑھایا جانے والا پورا نصاب پڑھ لیا۔ اس نصاب میں شرحیں، شرحوں کی شرحیں اور ان کی شرحیں شامل تھیں اور ایک اوسط طالب علم جو انہیں پندرہ سے بیس سال کے عرصے میں پڑھتا تھا واضح ہو گیا۔ طریقہ یہ تھا کہ اگلی کتاب شروع کرنے سے پیشتر پہلی کتاب پر مکمل عبور ضروری ہوتا تھا۔

سعید نے ملا جامی کی کتاب سے شروع کیا اور باری باری تمام کتابیں پڑھیں۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ شرحوں اور حواشی کو نظر انداز کر کے اصل کتاب کے چند خاص ابواب پر توجہ مرکوز رکھتے تھے۔ شیخ محمد جلالی نے ناراض ہو کر ان سے پوچھا کہ وہ اس انداز سے مطالعہ کیوں کرتے ہیں۔ سعید نے کہا، ''میں اتنی ساری کتابیں نہیں پڑھ سکتا۔ یہ خزانے ہیں جن کی چابی آپ کے پاس ہے۔ انہیں سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے بارے آپ مجھے بتائیں۔''

یہ جواب دے کر سعید دراصل مدرسوں میں اصلاح کی ضرورت کی نشان دہی کر رہے تھے۔ وہ یہ بھی احساس دلا رہے تھے کہ اتنی ساری شرحوں کو شامل کرنے سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ معلم نے ان سے پوچھا ''کون سے مضامین کون سے علوم آپ کے لیے موزوں ہیں؟'' سعید نے جواب دیا: ''میں ان علوم میں فرق نہیں کر سکتا میں یا تو سب سے واقف ہوں یا کسی سے نہیں۔''

سعید نے جو کتاب بھی پڑھی کسی کی مدد کے بغیر پڑھی۔ وہ دو دو سو یا ان سے زیادہ صفحوں کی کتابوں کو 24 گھنٹوں میں آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتے تھے مثلاً جامع الجوامع، شرح المواقف اور ابن حجر۔ انہوں نے اپنے آپ کو مطالعے میں اس قدر محو و منہمک کر دیا کہ بیرونی دنیا سے ان کے سارے رابطے منقطع ہو گئے۔ ان سے جس موضوع پر بھی سوال کیا جاتا، وہ بلا توقف اس کا درست جواب دیتے تھے۔

بایزید میں قیام کے دوران انہوں نے اپنے بیشتر شب و روز کرد صوفی شاعر شیخ احمد ہانی

کے مزار پر گزارے۔ ان کے اس معمول کو دیکھتے ہوئے لوگ کہنے لگے کہ انہیں احمد ہانی کی روحانی قیام گاہ سے خصوصی فیضان حاصل ہوا ہے۔ ایک رات سعید مدرسے کے دوستوں سے بچھڑ گئے۔ دوست انہیں ڈھونڈنے لگے۔ آخر وہ انہیں شیخ احمد ہانی کے مزار میں ملے۔ وہاں وہ شمع کی روشنی میں مطالعہ کررہے تھے۔ انہوں نے دوستوں سے ناراضی کا اظہار کیا کہ انہوں نے ان کے مطالعے میں خلل کیوں ڈالا۔ مطالعے کے دوران سعید اشراقی خلیفوں کی روش پر گامزن ہو گئے اور وہ انہی کی طرح تزکیۂ نفس اور ترک دنیا پر انتہائی سختی سے کاربند ہو گئے۔ اشراقی فلسفیوں نے تو بتدریج مشق کے ذریعے اپنے جسموں کو ایسی عادات سے ہم آہنگ کیا تھا لیکن سعید نے ہم آہنگ و موافقت کے عرض کو نظرانداز کر دیا اور ایک دم سب سے زیادہ سخت ریاضتیں شروع کر دیں۔ ان کا جسم انہیں سہار نہ سکا اور وہ بہت کمزور ہو گئے، وہ اشتراقیوں کے اس نظریے کے مطابق تین دن میں ایک روٹی کھاتے تھے کہ ''فقر و فاقہ سے ذہن توسیع پاتا ہے۔''

وہ یہیں تک محدود نہ رہے بلکہ انہوں نے حدیث ''جس شے پر تمہیں شک ہو، اسے اس شے کے لیے چھوڑ دو، جس پر تمہیں شک نہ ہو۔'' کی اس باطنی تعبیر کو اپنایا، جو امام غزالی نے اپنی کتاب ''احیائے العلوم'' میں درج کی تھی اور کچھ عرصے تک روٹی کھانا بھی چھوڑ دی۔ وہ صرف گھاس اور جڑی بوٹیاں کھایا کرتے تھے اس کے علاوہ وہ بات بھی بہت کم کرتے تھے۔

تین مہینے بعد موسم بہار کے آغاز میں سعید کو شیخ سے سند حاصل ہوگئی اور اس کے بعد سے انہیں ملا سعید کہا جانے لگا۔ یہ ظاہر تھا کہ وہ فقیرانہ زندگی گزارنا چاہتے تھے کیونکہ انہوں نے بھیڑ کی کھال کا درویشوں والا لباس پہنا اور مشہور عالموں سے ملنے اور شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دینے کے ارادے سے بغداد روانہ ہو گئے۔ وہ دوسرے عالموں کے مقابلے میں اپنے علم کو آزمانا بھی چاہتے تھے۔ وہ شاہراہوں سے ہٹ کر اور رات کے وقت سفر کرتے ہوئے تین ماہ میں بطلس پہنچے۔ یہ جرأت و برداشت جو ایک غیر معمولی مظہر ہے جسے معمولی نہیں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ فاصلہ نہ صرف دو سو میل کا تھا بلکہ وہ دشوار گزار پہاڑی علاقہ تھا اور اس زمانے میں وہاں گھنے جنگل ہوتے تھے۔ وہ علاقہ نہ صرف ریچھوں اور بھیڑیوں جیسے فطری دشمنوں بلکہ ڈاکوؤں اور لٹیروں سے بھی بھرا ہوا تھا۔ قبائل کے مابین خوں ریز تصادم بھی ہوتے تھے۔ ان سارے حقائق کے پیش نظر ایک 15 سالہ غیر مسلح لڑکے کا اس علاقے میں سفر کرنا انتہائی خطرناک تھا۔

جناب سعید نے بطلس پہنچنے پر دو دن شیخ محمد امین آفندی کے درس سنے۔ شیخ نے انہیں

مشورہ دیا کہ وہ ایک عالم کا لباس زیب تن کریں۔اس زمانے میں مشرقی اناطولیہ کے طالب علم عالموں کی طرح سر پر پگڑی نہیں باندھتے تھے اور نہ ہی عالموں والی عبا زیب تن کرتے تھے۔طلباء صرف اس وقت پگڑی باندھتے اور عبا پہنتے تھے جب انہیں مسند ''اجازت'' حاصل ہوتی تھی۔ عالموں کا لباس زیب تن کرنا صرف مدرسوں کا حق سمجھا جاتا تھا۔تاہم ملا سعید نے شیخ کا مشورہ قبول نہیں کیا۔انہوں نے کہا چونکہ ابھی وہ بالغ نہیں ہوئے اس لیے ان کا خیال ہے کہ ایک معزز استاد کا سا لباس زیب تن کرنا انہیں زیب نہیں دیتا۔انہوں نے کہا کہ وہ تو ابھی بچے ہیں، بچہ استاد کیسے بن سکتا ہے؟ یہ کہہ کر انہوں نے پیش کی ہوئی پگڑی اور عبا مسجد کے ایک کونے میں ڈال دی۔ بااین ہمہ انہوں نے اسی زمانے سے عربی علوم کی تدریس شروع کر دی تھی اور بہت سے طلباء ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر چکے تھے۔مزید برآں وہ دوسرے عالموں کے ساتھ مباحثے کر کے اور خود کو سوالوں کے جواب دینے کے لیے پیش کر کے وہ اپنے آپ کو ایک مذہبی عالم اور مدرس کی حیثیت سے اپنا مقام متعین کر رہے تھے۔

شیروان

جناب سعید بطلس سے شیروان چلے گئے جہاں ان کے بڑے بھائی ملا عبداللہ مدرسے میں پڑھاتے تھے۔جب ان کی پہلی ملاقات ہوئی تو ان میں درج ذیل گفتگو ہوئی:

ملا عبداللہ: ''میں تمہارے جانے کے بعد شرح الشمسی پوری پڑھ چکا ہوں۔تم نے کیا پڑھا ہے؟''

جناب سعید: ''میں 80 کتابیں پڑھ چکا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''ہاں، میں 80 کتابیں پڑھ چکا ہوں، اور میں نے ایسی بہت ساری کتابیں پڑھ لی ہیں جو کہ نصاب میں شامل نہیں ہیں۔''

ملا عبداللہ کو اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان کا بھائی اتنے تھوڑے وقت میں اتنی ساری کتابیں پڑھ چکا ہے۔وہ انہیں آزمانا چاہتے تھے۔

جناب سعید امتحان کے لیے تیار ہو گئے۔جب ملا عبداللہ نے ان سے مختلف موضوعات پر سوال کیے اور جناب سعید نے درست جواب دیے تو ملا عبداللہ بہت خوش ہوئے۔وہ خوش ہونے

کیساتھ ساتھ حیرت زدہ بھی تھے۔ پھر انہوں نے اپنے شاگردوں پر اس بات کو ظاہر کیے بغیر اپنے چھوٹے بھائی کو اپنا استاد مان لیا۔ حالانکہ صرف اٹھارہ ماہ پہلے کی بات ہے کہ سعید ان کے شاگرد تھے اور ان سے سبق لیا کرتے تھے۔ جب ملا عبداللہ کے شاگردوں کو پتا چلا کہ ان کے استاد اپنے چھوٹے بھائی سے درس لیتے ہیں تو ملا سعید نے انہیں کہا کہ وہ ''بری نظر سے بچنے کے لیے ایسا کرتے ہیں۔'' لباس کی تبدیلی اور اس زمانے کے ان کے ''تاثر'' سے پتا چلتا ہے کہ وہ صرف شرم وحیا کے تحت ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ یہ ان کے تزکیہء نفس کے عمل کا ایک جزو تھا۔ اس زمانے میں لوگوں میں ان کے بارے میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ وہ پیدائشی ولی ہیں۔ انہوں نے اپنے علم اور روحانی مرتبے کو عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے درویشوں والا لباس پہننا ترک کر دیا اور پہلے تو کرد قبائلی سرداروں والا لباس پہننا شروع کیا، جس کی وجہ سے انہیں بہت شہرت ملی۔ وہ لباس انتہائی زرق برق اور منقش ہوتا تھا۔ وہ چرمی جوتے زیب پا کرتے تھے، صدری پہنتے تھے اور ان کی کمر کے گرد ایک پٹکا لپٹا ہوتا تھا، جو اتنا طویل ہوتا تھا کہ اسے کئی چکر دیئے گئے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سر پر پگڑی بندھی ہوتی تھی۔ انہوں نے استنبول جانے کے بعد یہی لباس پہننا اپنا معمول بنائے رکھا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد جب ان کی ماہیئت قلب ہوئی تب انہوں نے اس لباس کی جگہ ایک مذہبی عالم والا زیادہ باوقار جبہ پہننا شروع کیا۔ اس سے یہ بھی مراد لی جا سکتی ہے کہ وہ روایتی صوفیانہ اور عالمانہ ہر دو راستوں سے مختلف راستے پر چلنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

سیرت

جناب سعید قدرے زیادہ عرصہ اپنے بھائی کے ساتھ رہے اور پھر سیرت کو روانہ ہو گئے۔ یہیں پہلی مرتبہ انہیں مقامی علماء سے ان کا مباحثہ ہوا جس میں انہوں نے ان کے تمام سوالات کے جوابات دیئے اور مباحثے میں فتح حاصل کی۔ اب ان کی علمی حیثیت مسلم ہو چکی تھی۔ سیرت پہنچ کر ملا فتح اللہ آفندی کے مدرسے گئے۔ وہ بھی ملا عبداللہ کی طرح یہ جان کر حیران رہ گئے کہ وہ کتنی زیادہ کتابیں پڑھ چکے ہیں۔ انہوں نے بھی ملا سعید کا امتحان لیا۔ سعید نے ان کے پوچھے ہوئے سارے سوالوں کے درست جواب دیئے۔ پھر انہوں نے ملا سعید کے حافظے کا امتحان لینے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی ذہانت اور حافظے کی وجہ سے مشہور الحریری (1054-1122) کی کتاب ''المقامات الحریریہ'' کی ایک جلد انہیں دی۔ ملا سعید ایک صفحہ پڑھتے، یاد کرتے اور پھر اسے زبانی سناتے۔ یہ دیکھ کر ملا فتح اللہ حیران رہ گئے۔

یہیں جناب سعید نے بایزید میں پڑھی ہوئی فقہ کے اصولوں کی کتاب ''جامع الجوامع'' کو ہر روز ایک یا دو گھنٹے پڑھ کر پورا حفظ کر لیا۔ اس پر ملا فتح اللہ نے اس کتاب پر عربی میں سکھایا انہوں نے پوری ''جامع الجوامع'' ایک ہفتے میں حفظ کرنے کا عہد کیا۔ اس کتاب پر ملا سعید کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایسی ہی عبارت آج بھی دیکھ جا سکتی ہے۔ اس کتاب کے 362 صفحے ہیں۔

جناب سعید نوری کے 946ء میں امیر داغ میں جلاوطنی کے دوران لکھے ہوئے ایک خط سے پتا چلتا ہے کہ انہیں اسی زمانے میں ملا فتح اللہ آفندی نے بدیع الزمان یعنی اپنے دور کا عجوبہ کا لقب دیا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو لکھا تھا ''اے میرے متجسس بھائی رفعت بے! آپ تیسری صدی ہجری کے عالم بدیع الزمان ہمدانی کے علمی کاموں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ میں ان کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ غیر معمولی حد تک ذہین تھے اور ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ میرے اولین معلموں میں سے ایک ملا فتح اللہ مرحوم ساکن سرِت نے سعید یہ نام دیا تھا۔''

محولہ بالا واقعات کی خبریں سارے سرِت میں پھیل گئیں۔ علاقے کے علماء اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے سعید کو دعوت دی کہ وہ ان کے سوالوں کے جواب دیں۔ سعید نے یہ دعوت قبول کر لی۔ انہوں نے سارے علماء کو نہ صرف مباحثے میں شکست دی بلکہ ان کے سارے سوالوں کے جواب بھی دیئے۔ اس موقعے پر موجود تمام لوگ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئے۔ سرِت کے باشندوں نے انہیں ولی کا خطاب دے دیا۔ تاہم اس سے علاقے کے ان عالموں اور طلباء میں ان کے خلاف حسد پیدا ہو گیا، جو قابلیت میں ان سے کم تھے۔ چونکہ وہ دلائل اور علم سے انہیں شکست دینے سے قاصر تھے، اس لیے انہوں نے طاقت استعمال کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ایک روز سعید پر حملہ کر دیا لیکن لوگوں نے بیچ بچاؤ کر دیا اور انہیں کوئی نقصان نہ پہنچنے دیا۔ انہوں نے گورنر کے بھیجے ہوئے سپاہیوں کو بتایا، ''ہم طالب علم ہیں، ہم لڑتے ہیں لیکن بعد میں صلح کر لیتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ باہر کا کوئی شخص ہمارے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔ قصور میرا تھا۔''

سعید نے یہ بات اس وجہ سے کہی تھی کہ وہ معلمی کے پیشے کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی ان پڑھ شخص مداخلت کرے گا تو اس سے اس پیشے کا وقار مجروح ہو گا، خواہ وہ ان کی تائید و حمایت ہی کر رہا ہو۔

اس واقعے کے بعد سے سعید اپنے پاس ایک چھوٹا خنجر رکھنے لگے تھے۔ اس کا مقصد اپنے آمادہ بہ فساد لوگوں کو لڑنے سے روکنا تھا۔ اور اب انہیں ''سعید مشہور'' کہا جانے لگا۔ انہوں

نے سرت کے تمام علماء اور طلباء کو مباحثے کی مبارزت (چیلنج) دی۔ انہوں نے کہا کہ وہ سوال بالکل نہیں پوچھیں گے بلکہ خود سے پوچھے گئے ہر سوال کا جواب دیں گے۔ انہوں نے جسمانی مقابلوں اور کھیلوں میں بھی حصہ لیا اور اپنی برتری کو منوالیا۔ ایک روز سرت میں انہوں نے اپنے ایک دوست ملا جلیل کو نہر میں تیراکی کا چیلنج دیا۔ انہوں نے وسیع نہر کو کامیابی سے عبور کرلیا اور پھر دوسرے کنارے پر کھڑے اپنے دوست کو دیکھنے لگے۔ ملا جلیل نے بھی اس کی طرح پانی میں چھلانگ لگائی لیکن وہ کنارے کے کیچڑ میں گر کے رہ گیا!

بطلس

شاید وہ ملا سعید کی علمی کامیابیاں تھیں جن کے پیش نظر انہوں نے بغداد جانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے بطلس میں شیخ امین کے مدرسے واپس چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ صوبے کے مرکز میں اپنی حیثیت مستحکم کریں۔ تاہم شیخ نے پہلے کی طرح ملا سعید کو کم عمری کی وجہ سے مسترد کر دیا کہ ابھی وہ کوئی شے سمجھ نہیں سکتے۔ ملا سعید ان کے منع کرنے سے بے حوصلہ نہیں ہوئے۔ انہوں نے شیخ امین سے درخواست کی کہ وہ انہیں اپنی قابلیت ثابت کرنے کا موقع دیں۔ شیخ امین نے کئی مشکل سوالوں پر مبنی ایک سوال نامہ تیار کر کے ان کے سامنے رکھا۔ ملا سعید نے بلا کسی پس وپیش کے تمام سوالات کے درست جواب دے دیے۔ اس کے بعد شیخ امین نے ان سے کئی پہیلیاں اور معمے حل کروائے۔ انہیں بھی ملا سعید نے ریکارڈ وقت سے حل کر دیا۔ اس کے بعد سے انہوں نے مسجد قریش میں وعظ دینے کا سلسلہ شروع کیا۔

یورپی طاقتوں کے مقابلے عثمانیوں کی کمزور حیثیت نے پوری سلطنت بالخصوص مشرقی صوبوں پر گہرے اثرات ڈالے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مذکورہ بالا دونوں مسائل اس خطے کے سب سے سنگین مسائل تھے۔ 1838ء، 1856ء کی اصلاحات کے نتیجے میں مختلف عیسائی فرقوں کے مشنریوں کو عثمانی سلطنت میں تبلیغ کی آزادی دے دی گئی تھی۔ بطلس میں امریکی پروٹیسٹنٹ سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ 1880ء اور 1890ء کی دہائیوں کے دوران ان کی سرگرمیوں میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔ ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا محور ''تعلیم'' تھی۔ انہوں نے انیسویں صدی کے اختتام تک پوری سلطنت میں چار سو سکول قائم کر دیے تھے، جن میں تیس ہزار سے زیادہ بچے زیر تعلیم تھے۔ ان سکولوں میں بہت عمدہ تعلیم دی جاتی تھی، جس کا بنیادی مقصد بچوں کو عیسائی بنانا تھا۔

وہ عیسائی اقلیت پر بھی خصوصی توجہ دیتے تھے۔ مشنریوں نے بہت سے طریقوں سے عثمانی سلطنت کی بنیادیں کھوکھلی کیں اور جڑیں کاٹیں۔ عیسائی مشنری سلطنت عثمانیہ کے لیے ایک سنگین مسئلہ بن چکے تھے۔ وہ بطلس میں مبینہ طور پر آرمینیائی انقلابیوں کی مدد کر رہے تھے۔ آرمینیا میں پروٹیسٹنٹ عیسائیوں کی تعداد کافی زیادہ ہوگئی تھی اور وہاں ان کا اپنا گرجا تھا۔ جس میں عبادت کے اجتماع میں چار سو کے قریب عیسائی شرکت کرتے تھے۔ اس کے علاوہ لڑکے اور لڑکیوں کے لیے ایک بڑا اقامتی سکول بھی تھا۔ مروین اسی ماخذ کے حوالے سے ہمیں بتاتا ہے کہ امریکی پروٹیسٹنٹوں کے لڑکیوں کے اقامتی سکول میں پچاس اقامتی طالبات تھیں جبکہ پچاس لڑکیاں غیر اقامتی طالبات کے طور پر اس سکول میں داخل تھیں۔ دوسروں نے (لڑکیوں کا مذہبی سکول) کھولا، جس کی شاخیں بعد ازاں مختلف علاقوں میں کھولی گئیں۔ جس خطے میں لڑکیوں کو تعلیم دی ہی نہ جاتی ہو، اس خطے میں ایسی سرگرمیاں انقلابی تصور کی جاتی تھیں۔ یاد رہے ملا سعید کی ہمشیرہ ہانیم ایک استثنا تھیں۔

انیسویں صدی کے آخری ربع میں روس اور برطانیہ جیسی بڑی طاقتوں کے علاوہ عیسائی مشنریوں نے بھی قوم پرستانہ جذبات کو بھڑکانے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ آرمینائی مسئلے کو اسی پس منظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ ابتداء میں سلطنت عثمانیہ میں رہنے والے آرمینائیوں کی اکثریت قوم پرستانہ جدوجہد کی مخالف تھی، جسے غیر عثمانی آرمینائیوں نے شروع کیا تھا اور دو انقلابی تنظیموں ''ہنچاک'' (Hinchaks) ''تاشناک'' (Dashnakzoutiun) نے بڑھاوا دیا تھا۔ یہاں جس بات کا تذکرہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ انقلابی مشرقی صوبوں میں مسلسل شورش برپا کیے ہوئے تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ یہ علاقہ ان کا وطن ہے۔ اس کے علاوہ استنبول میں بھی مسلسل شورشیں جاری تھیں۔ 1896ء میں وان میں ایک بڑی شورش برپا ہوئی۔ بطلس اور وان میں آرمینیائی زیادہ تعداد میں تھے، تاہم وہ کل آبادی کے 26 سے 30 فی صد سے زیادہ نہیں تھے۔ 1890ء سے 1894ء کے دوران شورشیں بڑھ گئی تھیں اور حمیدیہ رجمینٹس نے انہیں دبانے کی کوششوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ اس عرصے کے دوران ہزاروں آرمینیائی اور مسلمان ہلاک ہوئے۔ ملک کے بیشتر حصوں کا ماحول ایسا تھا اور ملا سعید اسی ماحول میں جگہ جگہ جا کر علماء سے مناظرے کر رہے تھے۔ آرمینیائی انقلابیوں نے دہشت گردانہ کارروائیوں کے ساتھ ساتھ عثمانیوں کے خلاف پروپیگنڈا جنگ بھی شروع کر دی تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح یورپی طاقتوں کو عثمانیوں پر اپنا دباؤ بڑھانے اور ترکی پر حملے کی دھمکیاں دینے کا موقع مل جائے۔ کمزوری اور اضطراب کے

احساسات نے جو کہ خود اسلام پر اثر انداز ہو رہے تھے، یقیناً نوجوان سعید کو اس امر کی تحریک دی ہو گی کہ وہ احیائے اسلام کے لیے سرگرم جدوجہد کریں۔

تلّو

ملا سعید کی شہرت و مقبولیت میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی مشکلات میں بھی اضافہ ہوا۔ وہ بطلس سے سیرت چلے گئے تھے۔ وہاں چند استاد اور کم رتبہ علماء ایسے تھے جنہیں ملا سعید مناظروں میں شکست دے چکے تھے۔ وہ ملا سعید کی تذلیل کرنے کے موقعے ڈھونڈتے رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ ان کے پیچھے رہتے اور ان پر نظر رکھتے تھے۔ ایک روز ان سے فجر کی نماز قضا ہو گئی، انہوں نے قضا نماز ادا کی، جس پر مخالفوں نے ان کے حوالے سے افواہیں پھیلا دیں۔ ان کے مخالف بستی والوں نے ان کے شاگردوں کو زدوکوب کیا۔ اس پر ملا سعید کو بہت رنج ہوا اور وہ تلو چلے گئے۔ یہ بستی سیرت سے چند میل دور واقع تھی۔

یہاں وہ ایک گنبد دار عمارت میں رہتے تھے، جو کہ ''قبہء حاسیہ'' کے نام سے مشہور تھی۔ یہ عمارت مراقبہ و عبادات کے لیے وقف تھی۔ یہ عمارت تین حوالوں سے مشہور ہے۔ اول، یہاں ملا سعید نے ایک عربی لغت ''قاموس المحیط'' کو حرف ''س'' تک حفظ کیا۔

دوم، اس عمارت میں قیام کے دوران ملا سعید کے چھوٹے بھائی محمد ان کے لیے ہر روز کھانا لایا کرتے تھے۔ ملا سعید شوربے میں ڈبو ڈبو کر روٹی کھاتے اور روٹی کے ریزے چیونٹیوں کو ڈال دیتے تھے۔ جب ان سے اس عمل کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا: ''میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ چیونٹیوں کی بھی معاشرت ہوتی ہے۔ وہ متحد ہو کر کام کرتی ہیں۔'' میں انہیں ان کے اتحاد کا انعام دیتا ہوں۔''

اگرچہ ملا سعید چیونٹوں والے واقعے کے بہت بعد ''سیاسی اعتبار سے بیدار'' ہوئے، تاہم اس واقعے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ وہ جن نظریات پر ساری عمر کاربند رہے، انہیں اس مرحلے پر اپنا چکے تھے چونکہ ہم الگ باب میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کریں گے اس لیے یہاں مختصراً بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے سیاسی نظریات کی بنیاد اسلام پر تھی۔ ان کے سیاسی نظریات کے اساسی اصول تھے، حریت، عدل، مشاورت اور قانون کی حکمرانی۔

سوم، تلو ہی میں ملا سعید نے وہ خواب دیکھا تھا، جس کی روشنی میں انہوں نے قبائل کے

مابین ایک ثالث کا کردار ادا کرنا شروع کیا۔انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ شیخ عبدالقادر گیلانی نے انہیں میران قبیلے کے سردار مصطفیٰ پاشا سے ملنے اور اسے راہ ہدایت پر چلنے کی تلقین کرنے کا حکم دیا۔انہوں نے حکم دیا تھا کہ مصطفیٰ پاشا کو ہدایت کی جائے کہ وہ جبر واستبداد ترک کر دے، نماز ادا کیا کرے اور قانون کا بول بالا کرے۔اگر وہ ایسا نہ کرے تو ملا سعید اسے قتل کر دیں۔

ایک سولہ سالہ لڑکے کے لیے یہ ایک مشکل کام تھا۔اس کم عمری میں انہیں قبائل کے مابین ایک ایسے مذہبی انسان کا کردار ادا کرنا تھا، جو عموماً شیخ ادا کیا کرتے تھے۔یہ امر اس باعث بھی زیادہ حیران کن تھا کہ مصطفیٰ پاشا اپنی بدقماشی اور ظلم وجبر کی وجہ سے بہت بدنام تھا۔امارتوں کی تباہی کے بعد جو قبیلے زیادہ طاقت ور ہوتے تھے، مصطفیٰ پاشا نہ صرف ان میں سے ایک قبیلے میران کا سردار تھا بلکہ اسے سلطان عبدالحمید کی 1892ء میں قائم کردہ حمیدیہ رجمنٹس میں سے ایک رجمنٹ کا کمانڈر بھی مقرر کیا گیا تھا۔اس سے اسے طاقت استعمال کر کے دوسرے قبیلوں اور وسیع علاقے پر اپنی حکمرانی قائم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔1892ء میں، کہ جب ملا سعید کو یہ غیر معمولی ذمہ داری سونپی گئی تھی، اس علاقے میں سفر کرنے والے ایک سیاح نے لکھا ہے کہ مصطفیٰ پاشا نے ''اپنی ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کر لی تھی۔'' جو کہ عثمانی حکمرانی سے آزاد تھی۔مصطفیٰ پاشا اپنی سلطنت کے لوگوں سے غیر قانونی ٹیکس وصول کرتا تھا اور لوٹ مار کرتا تھا۔''

ملا سعید نے یہ فریضہ ادا کرنے کے لیے اپنا ساز وسامان یکجا کیا اور جنوب میں جزیرے نامی علاقے میں چلے گئے۔جابر حکمران کے ساتھ ان کے تعلقات سے ان کی جرأت مندی اور دلیری کا ثبوت ملتا ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ مطلقاً بے خوف انسان تھے، بالخصوص جبر واستبداد کے مقابل تو انہیں کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا تھا۔وہ اپنے خالق کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

ملا سعید اور مصطفیٰ پاشا

مصطفیٰ پاشا کے خیمے میں پہنچنے پر ملا سعید کو پتا چلا کہ وہ کہیں گیا ہوا ہے چنانچہ انہیں آرام کرنے کا موقع مل گیا۔کچھ دیر بعد مصطفیٰ پاشا واپس آیا اور اپنے خیمے میں داخل ہوا۔اس کے داخل ہوتے ہی ملا سعید کے سوا تمام لوگ اپنی نشستوں سے کھڑے ہو گئے۔اس سے مصطفیٰ پاشا ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔اس نے اپنی ملیشیا کے میجر فتح سے دریافت کیا کہ یہ شخص کون ہے؟ اسے بتایا گیا کہ یہ مشہور ملا سعید ہیں۔مصطفیٰ پاشا علماء کا احترام نہیں کرتا تھا لیکن اس نے اپنے

غصے کو دبا لینے ہی کو دانش مندی سمجھا اور ان سے پوچھا کہ وہ کیوں آئے ہیں؟ ملا سعید نے وہی جواب دیا جس کا انہیں خواب میں حکم دیا گیا تھا۔ ''میں تمہیں درست راستے پر چلنے کی تلقین کرنے آیا ہوں۔ تم جبر و استبداد چھوڑ کر نمازیں ادا کرنا اور قانون کے مطابق عمل کرنا شروع کر دو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا؟''

یہ سن کر مصطفیٰ پاشا بہت حیران ہوا۔ وہ اس معاملے پر غور کرنے کے لیے خیمے سے باہر چلا گیا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد واپس آ کر دوبارہ ملا سعید سے پوچھا کہ وہ کیوں آئے ہیں۔ ملا سعید نے پہلے والا جواب دہرا دیا۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد مصطفیٰ پاشا کو اس مسئلے کا ایک حل سوجھا۔ اس نے کہا کہ ملا سعید جزیرے کے علماء کے ساتھ مناظرہ کریں۔ اگر ملا سعید جیت گئے تو وہ ویسا ہی کرے گا جیسا وہ کہیں گے۔ اگر وہ ہار گئے تو انہیں دریا میں پھنکوا دیا جائے گا۔ یہ سن کر ملا سعید بالکل پریشان نہ ہوئے۔ انہوں نے مصطفیٰ پاشا سے کہا ''جس طرح تمام علماء کو مسکت جواب دینا میری استعداد سے باہر ہے اسی طرح مجھے دریا میں پھنکوانا تمہارے بس سے باہر ہے۔ تاہم اگر میں ان علماء کے سوالوں کے درست جواب دینے میں کامیاب رہا تو تم مجھے ایک ماؤزر رائفل دینا۔ اگر تم نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو میں اس رائفل سے تمہیں قتل کر دوں گا!''

اس گفتگو کے بعد وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر جزیرے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں مصطفیٰ پاشا نے ملا سعید سے کوئی بات نہیں کی۔ جب وہ دریائے دجلہ کے کنارے پر واقع بنی ہان پہنچے تو ملا سعید عنقریب ہونے والی اپنی آزمائش سے بے نیاز ہو کر سو گئے۔ جب وہ جاگے تو انہوں نے دیکھا کہ علماء جمع ہو چکے ہیں ان کے ہاتھوں میں کتابیں تھیں۔ تعارف کے بعد چائے پیش کی گئی۔ علماء نے ملا سعید کے تذکرے سنے ہوئے تھے۔ وہ ملا سعید کے سوالوں کا انتظار کر رہے تھے جبکہ ملا سعید نے نہ صرف اپنی چائے پی بلکہ ان میں سے چند ایک کی چائے بھی خود پی گئے۔ مصطفیٰ پاشا نے یہ دیکھ کر علماء سے کہہ دیا کہ اس کی رائے یہ ہے کہ وہ ہار جائیں گے۔

ملا سعید نے جزرے کے علماء کو بتایا کہ انہوں نے سوال نہ پوچھنے کا عہد کیا ہوا ہے لہذا، وہ ان سے سوال پوچھیں۔ ملا سعید کے سامنے 40 سوال رکھے گئے۔ انہوں نے ایک کے سوا سارے سوالوں کے درست جواب لکھے تاہم ان علماء کو معلوم نہ ہوا کہ ایک جواب غلط ہے، انہوں نے اسے بھی درست تسلیم کر لیا۔ جب سب لوگ رخصت ہونے لگے تو ملا سعید نے انہیں روک کر اس سوال کا بھی درست جواب بتایا۔ اس پر انہوں نے تسلیم کیا کہ انہیں مکمل طور پر شکست ہو گئی

ہے۔ان علماء میں سے بیشتر ان کے شاگرد بن گئے۔ مصطفیٰ پاشا نے وعدے کے مطابق ملا سعید کو ایک رائفل پیش کی اور باقاعدگی سے نماز ادا کرنا شروع کر دی۔

جس طرح ملا سعید ذہنی اعتبار سے مضبوط تھے اسی طرح وہ جسمانی اعتبار سے بھی مضبوط انسان تھے۔ وہ کشتی خاص طور پر کھیلا کرتے تھے۔ وہ اپنے مدرسے کے تمام طلباء کے ساتھ کشتی لڑا کرتے تھے۔ان کا کوئی شاگرد انہیں کبھی شکست نہیں دے سکا۔

ایک دن ان کا مصطفیٰ کمال کے ساتھ گھڑ سواری کا مقابلہ ہوا۔ مصطفیٰ پاشا نے ایک ایسا گھوڑا ملا سعید کو دیے جانے کا حکم دیا، جسے ہنوز سدھایا نہیں گیا تھا۔ ملا سعید نے جب اس گھوڑے کو تھوڑی سی ڈھیل دی تو مقررہ سمت سے مختلف سمت میں دوڑنے لگا۔ ملا سعید نے اپنی پوری طاقت استعمال کرتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ گھوڑا بچوں کی ایک ٹولی کی طرف دوڑ رہا تھا جزرے کے ایک قبیلے کے سردار کا بیٹا عین اس کے راستے میں کھڑا تھا۔ گھوڑے نے پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر اگلی ٹانگوں سے بچوں کو ضرب لگائی، بچہ نیچے گر گیا اور گھوڑے کے سموں تلے دبا تڑپنے لگا۔ قریب موجود لوگ تیزی سے بچے کے قریب پہنچے۔ ایسا لگتا تھا کہ بچہ مر چکا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ ملا سعید کو قتل کر دینے کے درپے ہو گئے۔ جیسے ہی قبائلی سردار کے ملازموں نے خنجر نکالے، ملا سعید نے ریوالور نکال لیا اور ان سے بولے ''اگر تم حقیقت پر غور کرو تو تمہیں پتا چلے گا کہ بچے کو اللہ نے موت دی ہے۔ اگر تم وجہ پر غور کرو گے تو کیل مصطفیٰ نے اسے مارا ہے کیونکہ یہ گھوڑا اس نے مجھے دیا تھا۔ ذرا ٹھہرو مجھے بچے کو دیکھنے دو۔ اگر یہ مر گیا ہے تو ہم بعد میں بھی جھگڑ سکتے ہیں۔ انہوں نے گھوڑے سے اتر کر بچے کو اٹھایا۔ جب انہوں نے اس میں زندگی کے کوئی آثار نہیں پائے تو انہوں نے اسے ٹھنڈے پانی میں غوطہ دے کر باہر نکالا، بچے نے آنکھیں کھول دیں۔ اور مسکرانے لگا۔ وہاں جمع ہو جانے والے سارے لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

اس واقعے کے بعد ملا سعید تھوڑا زیادہ عرصہ جزرے میں رہے اور پھر اپنے ایک شاگرد کے ساتھ کسی صحرائی ملک میں مقامی عرب قبائل کیساتھ رہنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ انہیں گئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انہوں نے سنا مصطفیٰ پاشا ایک بار پھر برائیوں پر اتر آیا ہے۔ وہ اسے برائیوں سے روکنے کے لیے واپس آ گئے۔ تاہم مصطفیٰ پاشا نے ان کی ہدایت قبول نہیں کی

اور انہیں قتل کرنے پر تیار ہو گیا۔ اس کے بیٹے عبدالکریم نے ملا سعید کی جان بچائی اور اس مرتبہ وہ اکیلے وہاں سے صحرا کو روانہ ہو گئے۔

صحرا میں دو تین مرتبہ قزاقوں نے ان پر حملے کیے۔ دوسرے حملے میں تو شاید وہ ہلاک ہو گئے ہوتے، تاہم قزاقوں نے انہیں پہچان لیا اور ان پر حملہ کرنے پر شرمندہ ہوئے۔ انہوں نے ملا سعید کو خطرناک راستے میں تحفظ فراہم کرنے کی پیشکش کی۔ ملا سعید نے ان کی مدد کی پیشکش رد کردی اور سفر اکیلے جاری رکھا۔ یوں وہ کئی دن تن تنہا سفر کرنے کے بعد مردین پہنچ گئے۔

جناب سعید نورسی کے ایک شاگرد اور سوانح نگار عبدالقادر بدیلی نے ایک عینی شاہد کے حوالے سے جزرے میں علماء سے ان کے مناظرے کا حال لکھا ہے، جس سے ان کی روحانی قوتوں کا پتا چلتا ہے۔ تاہم انہوں نے ایسی قوتوں کا حامل ہونے سے انکار کیا یا پھر انہیں قرآن کا فیضان قرار دیا۔ اس زمانے کے شیخ اور مذہبی پیشواؤں کا ایسی قوتوں کا حامل ہونا ان کا ایک اہم وصف ہوتا تھا۔ انہی قوتوں کی وجہ سے نوجوان ملا سعید نے مصطفیٰ پاشا جیسے جابر حکمران کو اپنا مطیع بنا لیا تھا۔

1969ء میں عبدالقادر بدیلی نے بُوہتی قبیلے سے تعلق رکھنے والے انہتر سالہ فقیراللہ ملا زادہ سے معلومات حاصل کیں۔ جس زمانے میں جناب سعید نورسی نے جزرے میں علماء سے مناظرہ کیا تھا، وہ وہاں پڑھتا تھا اور اس نے وہ مناظرہ دیکھا تھا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ نصابین (Nusaybin) چلا گیا تھا۔ وہاں ساٹھ سال تک اس نے مبلغ اور مفتی کے فرائض انجام دیے۔ انٹرویو کے وقت وہ ضعیف لیکن اس کی ذہنی حالت بالکل درست تھی۔

فقیراللہ نے بریلی کو بتایا کہ مناظرے میں ملا سعید کی فتح سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ سات ماہ تک شاگرد کی حیثیت سے ان کے ساتھ رہا۔ اس نے اس عرصے میں ان کی بہت سی کرامات دیکھیں، ملا سعید اسے پسند کرتے تھے اور اکثر اس کے ساتھ ہنسی مذاق کیا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے اسے کہا، "صد سالو! تم سو سال زندہ رہو گے! میں عرفہ میں مر جاؤں گا لیکن میری قبر اکھاڑ کر مجھے کہیں اور دفنا دیا جائے گا۔ لا فانی! صد سالو!"

فقیراللہ نے کہا کہ وہ یہ بات بھول چکا تھا۔ جب جناب سعید نورسی اپنی وفات سے دو دن پہلے مارچ 1960ء میں عرفہ آئے تو وہ فوراً ان سے ملاقات کرنے گیا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی وفات کے ساڑھے تین ماہ بعد فوجی حکام نے ان کی قبر اکھڑوا کر ان کی لاش کو کسی نامعلوم مقام پر دفن کروا دیا۔ فقیراللہ نے 1973ء میں سو سال کی عمر میں وفات پائی۔

ماردین

مردین کے علماء مناظروں میں مسلسل کامیابیوں کے علاوہ وہاں قیام کے دوران دوسرے بہت سے اہم واقعات بھی رونما ہوئے۔ ذیل میں ہم ایک واقعہ درج کر رہے ہیں جس سے ملا سعید کی جرأت کا ثبوت ملتا ہے:

حاجی احمد انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ملا سعید اپنے میزبان کے بیٹے قاسم کے ساتھ باہر گئے۔ انہوں نے کہا چلو اولو مسجد کے مینار پر چڑھ کر نظارہ کرتے ہیں۔ جب وہ مینار پر چڑھ گئے تو اچانک ملا سعید نے مینار کے کنگرے پر چھلانگ لگا دی۔ وہ کنگرہ محض چار سینٹی میٹر چوڑا تھا۔ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دونوں بازو پھیلا کر کنگرے پر چلنے لگے۔ قاسم نے خوف سے آنکھیں میچ لیں۔ سعید مینار کے دوسرے سرے سے نمودار ہوئے اور چلا کر بولے: ''قاسم! قاسم! آؤ دونوں مل کر یہاں چلتے ہیں۔'' قاسم کے تو گھٹنے کانپ رہے تھے، وہ مینار سے اتر کر نیچے جمع ہو جانے والے لوگوں میں شامل ہو گیا۔ نیچے موجود لوگ نوجوان ملا کی جرات دیکھ کر حیران تھے۔

آپ کو ملا سعید کی جرات و بہادری سے آگاہ ہونے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ مردین ایک خفتہ آتش فشاں کے اوپر بسایا گیا تھا اور بارہویں صدی میں تعمیر ہونے والی مینار کی اونچائی 60 فٹ سے زیادہ تھی۔ یہ مسجد عین اس جگہ تعمیر کی گئی جہاں سے ڈھلان شروع ہوتی تھی۔ یہ جگہ کسی شخص کو اپنی جرأت کا مظاہرہ کرنے کے لیے موزوں تھی۔

ملا سعید مردین میں قیام کے دوران شیخ ایوب انصاری کے ہاں مہمان رہے۔ انہوں نے مسجد شہیدی میں درس دینا شروع کر دیا اور وہیں جو لوگ ان سے ملنے آتے، ان کے سوالوں کے جواب دیا کرتے تھے۔ قصبے کا ایک نمایاں شخص حسین جیلانی پاشا ان کے علم اور مناظرانہ صلاحیتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے انہیں بے شمار تحائف پیش کیے، تاہم سعید نے اپنے معمول کے مطابق ان تحائف کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، سوائے ایک اعلیٰ درجے کی رائفل کے جسے شیش خانے کہا جاتا تھا۔

اسی زمانے میں خود ملا سعید کے الفاظ میں وہ سیاسی اعتبار سے ''بیدار'' ہوئے اور اسلامی دنیا جن بڑے مسائل سے دوچار تھی وہ ان سے آگاہ ہوئے، انہوں نے 1913ء میں شائع ہونے

والی اپنی کتاب ''مناظرات'' میں لکھا ''(دستوری) انقلاب (1908) کے سولہ سال بعد مجھے مردین کے علاقے میں ایک شخص ملا جس نے صداقت کی طرف میری رہنمائی کی۔ اس نے مجھے سیاست میں منصفانہ اور مساویانہ راستہ دکھایا۔ مجھے شہرۂ آفاق کمال کے خواب سے آگاہی ہوئی۔''

یہاں جس ''شہرۂ آفاق کمال'' کا ذکر کیا گیا ہے، وہ نامق کمال تھا، جو کہ انیسویں صدی کی ''نوجوان ترک تحریک'' کا ایک نمایاں راہنما تھا۔ کمال نے ایک کتاب میں اس تحریک کے بنیادی مقصد پر روشنی ڈالی تھی، جو اسی زمانے میں ملا سعید نے پڑھی تھی۔ اس کتاب کا نام تھا ''رویا'' (یعنی خواب)۔ اس کتاب کا اسلوب یہ تھا کہ اس میں آزادی کا ایک نمائندہ قوم سے مخاطب تھا۔ بادلوں سے نمودار ہونے والی پریوں کی طرح خوب صورت آزادی کی یہ علامت جبر واستبداد سے آزادی حاصل کرنے کی تلقین کرتی ہے اور قوم، ترقی اور وطن کی خوش حالی کے لیے جدوجہد کرنے کی تاکید کرتی ہے۔ اس کے بعد وہ مستقبل کے ایک ایسے معاشرے اور ملک کا خاکہ پیش کرتی ہے جو آزاد ہے۔ جس کے لوگ خود مختار ہیں، تعلیم یافتہ ہیں اور جہاں انصاف کا دور دورہ ہے۔

''مناظرات'' میں ایک اور مقام پر جناب سعید نورسی نے اپنے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ ''بیس سال تک خوابوں میں حریت کے لیے سرگرم کار رہے، اور انہوں نے اس مقصد عظیم کے لیے ہر شے ترک کر دی تھی۔''

یوں مردین میں جناب سعید کو پہلی مرتبہ نوجوان عثمانیوں کی آزادی اور دستوری حکومت کے لیے چلائی جانے والی تحریک کا پتا چلا، جو کہ 1860ء کی دہائی میں شروع ہوئی تھی۔ جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے سعید نورسی نے کہا کہ اسلام حریت کا علم بردار ہے اور یہ کہ حریت ترقی کے لیے ضروری ہے اور اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ریاست کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے؟'' ان کے خیال میں جبر واستبداد اور مطلق حکمرانی عثانی سلطنت اور اسلامی دنیا کی داخلی اور خارجی ابتر صورت حال کے بنیادی اسباب تھے۔

مردین ہی میں جناب سعید کی ملاقات دو درویشوں سے ہوئی، جنہوں نے ان کے نظریات کو توسیع دی۔ ایک درویش جمال الدین افغانی (97-1839) کا پیروکار تھا۔ جمال الدین افغانی 1892ء کے موسم گرما میں اس امید کے ساتھ سلطان عبدالحمید سے ملنے استنبول آئے تھے کہ وہ ان کی پان اسلامی پالیسیوں کو فروغ دے گا۔ دوسرا درویش سنوسی تحریک کا رکن تھا۔ اس تحریک نے شمالی افریقہ میں نوآبادیاتی تسلط کے خلاف ایسا ہی اہم کردار ادا کیا تھا۔

یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جس شخص نے جناب سعید کو سیاسی اعتبار سے بیداری عطا کی تھی، وہ جمال الدین افغانی کا پیروکار ہی تھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ملاسعید نے اپنی کتاب میں جس منصفانہ اور مساویانہ طرز سیاست کا ذکر کیا ہے اس سے دستوریت کی حریت پسندانہ اقدار کی طرف اشارہ ملتا ہے۔اور جمال الدین افغانی ہی تھے جنہوں نے اسلامی دنیا میں دستوری حکومت اور مطلق حکمرانی پر تحدید کے تصورات کو متعارف کرایا۔انہوں نے انہی تصورات کی بنیاد پر مسلمانوں کو ترقی کی خاطر اور یورپی استعماریت کے پھیلاؤ کے خلاف جدوجہد کرنے کی تحریک دی۔جناب سعید نورسی کی سوانح عمری میں درویشوں سے ان کی ملاقات کا کوئی مزید تفصیل احوال نہیں دیا گیا۔تاہم اس زمانے کی سعید کی کتابوں میں اسلامی اخوت یا پان اسلام کے حوالے سے جمال الدین افغانی کا تذکرہ ملتا ہے۔1909ء میں ملاسعید نے اپنے کورٹ مارشل کے مقدمے کے دوران اپنا دفاع کرتے ہوئے کہا تھا: ''اس (اسلامی اخوت) میں جمال الدین افغانی، مفتی مصر محمد عبدہٗ مرحوم، علی سعاوی آفندی، ہوجا تحسین آفندی، نامق کمال بے اور سلطان سلیم میرے پیش رو ہیں۔''

ان سوالوں پر آگے چل کر مفصل گفتگو کی جائے گی تاہم یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ محولہ بالا ناموں کے ساتھ ملاسعید نے جس اسلامی اخوت کا ذکر کیا ہے، وہ سیاسی اخوت نہیں تھی۔اس کا مقصد ''ہر فرد کے ضمیر کو جھنجھوڑنا اور انہیں ترقی کے راستے پر گامزن ہونے کی تاکید کرنا تھا کیونکہ اس زمانے میں اللہ کے کلام کا بول بالا کرنے کے لیے مادی ترقی ایک اہم وسیلہ تھی۔اس سے ہمیں پتا چل جاتا ہے کہ انہوں نے ایسے لوگوں کے نام کیوں دیے تھے، جو اسلامی اخوت کی بجائے تعلیم خصوصاً جدید طبیعی علوم کو متعارف کروانے کے حوالے سے مشہور تھے۔سنوسی تحریک کا حوالہ بھی اسی تناظر میں دیا گیا تھا۔اسی زمانے میں سنوسی تحریک پر لکھی گئی ایک کتاب میں بتایا گیا ہے کہ انیسویں صدی میں پوری اسلامی دنیا میں فروغ پانے والی اس تحریک نے صرف عبادات کی بجائے دنیاوی تعلیم کے حصول دنیاوی کام سرانجام دینے کی تاکید کی۔اس تناظر میں اسے یہ صوفیانہ تحریک کی بجائے ایک سوشل سوسائٹی سے زیادہ مشابہت رکھتی تھی۔سعید نوری کی بعد کی سرگرمیوں سے پتا چلتا ہے مذکورہ درویشوں نے انہیں جمال الدین افغانی کے نظریات سے روشناس کرایا تھا کہ اسلامی تہذیب کے احیا اور مسلمانوں کو متحد کرنے کے لیے تعلیم اور دستوریت سب سے اہم ہیں۔

مردین ہی میں ملاسعید نے پہلی بار سیاست میں عملاً حصہ لیا۔ان کی سیاسی سرگرمیوں کی

وجہ سے گورنر متصرف نادر بے نے انہیں شہر بدر کر کے مسلح سپاہیوں کی نگرانی میں بطلس بھجوا دیا۔

دو سپاہیوں سادر لو محمد فاتح اور اس کے دوست ابراہیم کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ملا سعید کو بطلس کے گورنر کے سامنے پیش کریں۔ یہ کہانی خطے میں بہت مشہور ہے۔ وہ سفر پر روانہ ہوئے، سعید کے دونوں ہاتھوں اور پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ بستی احمدیہ کے نواح میں نماز کا وقت ہو گیا۔ سعید نے سپاہیوں سے کہا وہ ان کے ہاتھ پاؤں کھول دیں تا کہ وہ نماز ادا کر سکیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر ان کے ہاتھ پاؤں کھولے تو وہ فرار ہو جائیں گے۔ اس پر سعید مشہور نے اپنے ہاتھ پاؤں آزاد کرائے، گھوڑے سے اترے، ندی کے پانی سے وضو کیا اور پھر نماز ادا کرنے لگے۔ دونوں سپاہی دم بخود کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے۔ جب نماز ادا کر چکے تو دونوں سپاہیوں نے کہا: ''اب تک تو ہم آپ کی نگرانی کر رہے تھے لیکن اب ہم آپ کی خدمت کریں گے۔'' تاہم ملا سعید نے انہیں کہا کہ وہ صرف اپنا فریضہ ادا کریں۔

جب بعد میں ان سے پوچھا گیا کہ ایسا کس طرح ہوا تھا تو انہوں نے کہا ''میں خود بھی نہیں جانتا، یہ ضرور نماز کی کرامت ہے۔''

ملا سعید بلاشبہ مشہور تھے اور ان پر ہونے والے ستم کی داستانیں پورے علاقے میں پھیل جاتی تھیں۔ یہ داستانیں ان کی بستی نورس بھی پہنچتیں۔ انہوں نے اپنے والدین کے تاثرات یوں بیان کیے:

> ''میرے والدین میری مشکل زندگی کے بارے خبریں سنتے تھے۔ جب میرے والد سنتے کہ ''آپ کے بیٹے کو ہلاک کر دیا گیا ہے'' یا ''وہ زخمی ہو گیا ہے'' یا ''وہ جیل میں ہے'' تو خوب ہنسا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے ''ماشاء اللہ! میرے بیٹے نے پھر کوئی ایسا کام کیا ہے جو متنازعہ ہے، وہ اپنی جرأت و دلیری کا مظاہرہ کر رہا ہے، اسی لیے تو ہر شخص کی زبان پر اس کا ذکر ہے۔'' جبکہ میری والدہ ان کی خوشی دیکھ کر رویا کرتی تھیں، تاہم وقت نے ثابت کیا کہ میرے والد درست تھے۔''

بطلس

دوسال پہلے ملا سعید کو بطلس سے نکال دیا گیا اور پھر انہیں مسلح سپاہیوں کے پہرے میں واپس لایا گیا۔ اس کے باوجود انہوں نے جلد ہی اس صوبائی مرکز میں اپنی حیثیت مستحکم کی اور گورنر عمر پاشا کے مہمان کے طور پر اس کی رہائش گاہ میں رہنے لگے۔ شریعت کی بالادستی کے لیے ان کا جوش و جذبہ دیکھ کر گورنر ان کا احترام کرنے لگا تھا۔ ملا سعید گورنر کو بھی غیر شرعی اقدامات پر ٹوک دیا کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے سنا کہ گورنر اور چند افسر گورنر کے دفتر میں شراب پی کر غل غپاڑہ کر رہے ہیں۔ یہ امر ان کے لیے ناقابل درگزر تھا کہ حکومتی نمائندے ایسی حرکت کریں۔ انہوں نے ایک ریوالور اور خنجر لیا اور گورنر کے دفتر پہنچ گئے۔ انہوں نے شراب نوشی کے خلاف ایک حدیث بیان کر کے ان کی سرزنش کی۔ حیرت کی بات ہے گورنر نے اپنے غصے کو دبا لیا اور ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ جب وہ وہاں سے رخصت ہو رہے تھے تو گورنر کے ایڈی کیمپ نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے ایسا اقدام کیوں کیا جس سے ان کی جان جانے کا بھی ڈر تھا۔ سعید نے صرف اتنا جواب دیا: ''موت کا تو مجھے خیال بھی نہیں آیا تھا، میں تو صرف جلاوطنی یا قید کر دیے جانے کا سوچ رہا تھا۔ خیر کوئی بات نہیں اگر میں غیر شرعی کاموں سے روکتے ہوئے مارا جاؤں تو اس میں حرج بھی کیا ہے؟''

دو گھنٹے بعد گورنر نے دو سپاہی بھیج کر انہیں واپس بلایا۔ جب وہ دفتر میں داخل ہوئے تو گورنر نے کھڑے ہو کر ان کا خیر مقدم کیا اور بولا: ''ہر شخص کا ایک مرشد ہوتا ہے۔ آج سے آپ میرے مرشد ہیں آج سے آپ میرے ساتھ رہا کریں گے۔''

ملا سعید دو سال گورنر کی رہائش گاہ میں رہے۔ اس دوران انہوں نے اپنے آپ کو مزید مطالعے کے لیے وقف کر دیا تھا۔ یہاں ان کی کسی ایسی سیاسی مہم میں شمولیت کا ثبوت نہیں ملتا، جس کی وجہ سے انہیں مردین سے نکال دیا گیا تھا۔ تاہم گورنر کے ہاں ان کا قیام غیر سرکاری قید نہیں تھا جیسا کہ ان کے بھتیجے عبدالرحمٰن نے ان کی سوانح عمری میں بیان کیا ہے۔ عبدالرحمٰن کے بیان کردہ ایک واقعے سے پتا چلتا ہے کہ ملا سعید ہر شے پر اپنی آزادی کو فوقیت دیتے تھے۔

عبدالرحمٰن نے تفصیل سے لکھا ہے کہ یہیں ملا سعید نے منطق، عربی حرف و نحو، تفسیر، حدیث اور فقہ کا تفصیلی مطالعہ کیا تاکہ علماء کے درمیان ان کی حیثیت برقرار رہے۔ انہوں نے

دو سال میں چالیس کتابیں یاد کرنے کا عہد کیا، جن میں کلام اور حنفی فقہ کی مشہور کتابیں شامل تھیں۔ انہوں نے صرف تین ماہ میں ان کتابوں کو یاد کر لیا۔

بطلس ہی میں ملا سعید نے قرآن حفظ کرنا شروع کیا۔ انہوں نے کئی پارے یاد کر لیے لیکن مکمل قرآن حفظ نہیں کر سکے۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ اول، وہ قرآن کریم کا احترام ہر صورت میں کرنا چاہتے تھے۔ انہیں پتا چلا تھا کہ زیادہ تیزی سے قرآن پاک پڑھنا اس کے احترام کے منافی ہے، اس لیے انہوں نے قرآن کریم پڑھنے کی اپنی رفتار کم کر دی تھی۔ دوم، ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآن نے جن صداقتوں کی تعلیم دی تھی، انہیں یاد کیا جائے چنانچہ اگلے دو برسوں کے دوران انہوں نے اسلامی علوم کی چالیس نمائندہ کتابوں کو یاد کیا۔

گورنر عمر پاشا کی بیوی فوت ہو گئی تھی اس کی چھ بیٹیاں تھیں۔ ایک روز اس کی ایک بیٹی صفائی کرنے کے لیے ملا سعید کے کمرے میں آنا چاہتی تھی لیکن انہوں نے اسے ڈانٹ کر روک دیا اور کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ لڑکی کو اس سے بہت صدمہ ہوا۔ اسی روز ملا سعید کے کسی حاسد نے گورنر سے کہا: ''آپ ملا سعید کو گھر میں اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کی بیٹیاں غیر شادی شدہ ہیں، آپ کی بیوی بھی فوت ہو چکی ہے اور ملا سعید نوجوان ہیں۔ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟'' اس طرح اس نے گورنر کے ذہن میں سعید کے خلاف شک پیدا کر دیا۔

اس شام جب گورنر گھر پہنچا تو اس کی ناراض بیٹی نے کہا: ''یہ سعید تو پاگل ہے وہ مجھے کمرے میں داخل ہی نہیں ہونے دیتا۔'' عمر پاشا یہ سن کر اپنے شک پر شرمندہ ہوا۔ وہ سیدھا ملا سعید کے کمرے میں گیا اور ان سے نہایت احترام اور نرمی سے پیش آیا۔

اپنی ایک کتاب میں بدیع الزمان نے لکھا ہے:

> ''جب میں 20 سال کا تھا، تب میں بطلس کے گورنر عمر پاشا کے گھر میں دو سال تک بطور مہمان رہا۔ اس کی چھ بیٹیاں تھیں، تین چھوٹی اور تین بڑی تھیں۔ میں ان پر بہت کم توجہ دیتا تھا اور ان سے بہت کم بولتا تھا۔ ایک اور عالم گورنر کے گھر مہمان ہوا تو اس نے دو دن میں سب لڑکیوں سے بے تکلفی سے بولنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا: ''آپ ان کی طرف کیوں نہیں دیکھتے!'' میں نے جواب دیا: ''ان کی طرف دیکھنا علم کے وقار کے منافی ہے۔''

آخری مرتبہ ملا سعید نے بطلس میں ایک معلم سے درس لیا۔ وہ ایک نقشی شیخ تھے۔ ان کا نام شیخ محمد کفروی تھا۔ ایک رات ملا سعید نے خواب میں شیخ کو دیکھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ جا رہے ہیں۔ ملا سعید کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو رات کے ایک بجے تھے۔ صبح جب وہ جاگے تو پتا چلا کہ رات کو ٹھیک ایک بجے شیخ وفات پا گئے تھے۔

ملا سعید مشرقی اناطولیہ کے عظیم شیوخ سے بہت محبت کرتے تھے، ان کی سوانح عمری میں چار شیوخ کے نام ملتے ہیں۔ سید نور محمد، جنہوں نے انہیں نقش بندی سلسلے کی تعلیم دی، شیخ عبدالرحمٰن تاغی، جن سے انہوں نے طریق محبت سیکھا، شیخ فہیم، جن سے انہوں نے ثالثی کے طریقے سیکھے اور علم حقیقت حاصل کیا، شیخ محمد کفروی، جن سے انہوں نے آخری درس لیے۔ ان کے علاوہ سعید کو پڑھانے والے تین ممتاز علماء کے نام بھی درج کیے گئے ہیں۔ بطلس کے شیخ امین آفندی، سیرت کے ملا فتح اللہ اور ورکانسی کے شیخ فتح اللہ۔ اس مختصر سی فہرست سے پتا چلتا ہے کہ مشرقی اناطولیہ میں بیسویں صدی کے بیشتر ممتاز علماء کا تعلق نقشی / خالدی سلسلے سے تھا۔ دارالحکومت سے دور ہونے کی وجہ سے اس خطے میں بہت کم علماء پیدا ہوئے تھے۔ اسی علمی پس ماندگی کی وجہ سے جناب سعید نورسی نے تعلیمی اصلاحات کو سب سے زیادہ اہمیت دی تھی۔ ملا سعید کے نئے تصورات کی وجہ سے مدرسوں کے علماء ان سے حسد کرتے تھے۔ انہوں نے نئے تعلیمی طریقے وضع کیے جن کی وجہ سے ایسے لوگ ان کے خلاف ہو گئے تھے۔ جب انہوں نے مدارسی علوم کے ساتھ جدید طبیعی علوم کو بھی پڑھنا شروع کیا تو ان کی سخت مخالفت کی گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ مدرسوں میں سائنس پڑھائی جائے تا کہ اس کے حوالے سے علماء کا خوف رفع ہو جائے۔

وان

دو سال بعد وان کے گورنر حسن پاشا کی دعوت پر ملا سعید وان چلے گئے، یہاں وہ 1925ء تک مقیم رہے۔ 1925ء میں انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔

وان میں پہلے تو ملا سعید نے حسن پاشا کے ہاں قیام کیا اور پھر اسکندریہ طاہر پاشا کے گورنر بننے کے بعد اس کے ہاں قیام کیا۔ سلطان عبدالحمید دوم طاہر پاشا کا بہت احترام کرتا تھا۔ وہ موصل اور بطلس کا گورنر بھی رہ چکا تھا۔ وہ علم کی قدر کرتا تھا۔ اس کا اپنا ایک بڑا کتب خانہ تھا۔ وہ پہلا سرکاری اہل کار تھا جس نے بدیع الزمان کے علمی رتبے کو پہچانا اور ان کی صحیح قدر کی۔ وہ

1913ء میں اپنی وفات تک ان سے تعاون کرتا رہا۔

طاہر پاشا کے گھر میں بہت سے حکومتی افسر جمع ہو کر باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو کرتے تھے۔ طاہر پاشا ملا سعید کو بھی ان نشستوں میں بلایا کرتا تھا۔ یہیں ملا سعید کو احساس ہوا کہ علم الکلام کے ذریعے اسلام کے بارے میں پیدا ہونے والے سوالوں کے اطمینان بخش جواب نہیں دیے جا سکتے۔ چنانچہ انہوں نے جدید علوم پڑھنا شروع کیا۔ یہ مشرقی صوبوں کے علماء میں ایک انوکھی بات تھی۔ اس حوالے سے طاہر پاشا نے ان کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ ملا سعید نے طاہر پاشا کی لائبریری اور گورنر کے دفتر میں آنے والے رسائل و جرائد کے ذریعے تاریخ، جغرافیہ، ریاضی اور ارضیات، طبیعیات، کیمیا، فلکیات اور فلسفہ جیسے موضوعات کا مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے حالات حاضرہ اور عثمانی سلطنت اور اسلامی دنیا کی صورت حال سے آگاہی حاصل کی۔

جناب سعید نے کسی اُستاد کی رہنمائی کے بغیر ہی دستیاب کتابوں کے ذریعے اپنے آپ کو خود پڑھایا۔ انہوں نے بہت تیزی سے ترقی کی۔ ان کی مباحث و مناظرے کی صلاحیت یہاں بھی ان کے کام آئی۔ ایک روز جغرافیے کے ایک استاد کے ساتھ ان کی بحث چھڑ گئی۔ جو طول پکڑ گئی۔ آخر طے ہوا کہ بحث اگلے روز بھی جاری رہے گی۔ ملا سعید نے راتوں رات جغرافیے کی ایک کتاب مکمل یاد کر لی اور اگلے روز جغرافیے کے استاد کو اس کے مضمون کی بحث میں مات دے دی۔ ایک اور موقعے پر انہوں نے علم کیمیا کے استاد کو بحث میں ہرایا تھا۔ اس مرتبہ انہوں نے پانچ دنوں میں غیر نامیاتی کیمیا پر عبور حاصل کر لیا تھا۔

جناب سعید کی ذہانت و ذکاوت ریاضی میں بالخصوص عیاں ہوئی۔ وہ مشکل ترین مسئلوں کو ذہن میں ہی بہت تیزی سے حل کر لیا کرتے تھے۔ انہوں نے الجبرا کی مساواتوں پر ایک مقالہ لکھا تھا' جو کہ بدقسمتی سے وان میں ہونے والی آتش زدگی میں ضائع ہو گیا۔ طاہر پاشا علمی مقابلے منعقد کروایا کرتا تھا۔ وہ ریاضی کے مقابلے بھی منعقد کرواتا تھا۔ سوال کوئی سا بھی ہو ملا سعید مقابلے پر دیگر تمام شرکاء سے پہلے اسے حل کر لیا کرتے تھے۔ وہ ان مقابلوں میں ہمیشہ اوّل آتے تھے۔

اس وقت تک ملا سعید نے ترکی زبان نہیں سیکھی تھی۔ تاہم انہوں نے جلد ہی اس کمی کو بھی پورا کر لیا۔ طاہر پاشا یورپ سے آئی ہوئی نئی کتابوں میں سے جو سوال پوچھتا ملا سعید بلاتوقف ان کے جواب دے دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے طاہر پاشا کو کتابیں بکھیرتے دیکھا۔ وہ

سمجھ گئے کہ وہ ان کتابوں میں سے سوال تیار کر رہا ہے۔ انہوں نے جلدی جلدی ان کتابوں کو پڑھ کر ان کے مشمولات کو یاد کر لیا۔

جناب سعید نے ان کتابوں کو یاد کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ جنہیں وہ اہم ترین تصور کرتے تھے۔ ان کی کتابوں کی تعداد 99 کے لگ بھگ تھی۔ ایک مرتبہ طاہر پاشا نے ملا سعید کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے آواز سنی۔ اس نے سوچا شاید یہ دُعا مانگنے کی آواز ہے۔ اصل میں ملا سعید کتابیں یاد کر رہے تھے۔ ملا سعید نے کئی برس بعد اپنے ایک شاگرد مصطفیٰ سن گر کو بتایا:

''جب میں طاہر پاشا کے ہاں مقیم تھا تو اس نے مجھے ایک کمرا دیا ہوا تھا۔ میں ہر رات تقریباً تین گھنٹے ان کتابوں کو دہرایا کرتا تھا' جنہیں میں یاد کر چکا ہوتا تھا۔ مجھے یاد کی ہوئی ساری کتابوں کو دہرانے میں تین ماہ لگے۔ اللہ کا شکر ہے ان ساری کتابوں نے قرآن کی صداقتوں تک پہنچنے والی سیڑھی کا کام دیا۔ کچھ عرصے بعد جب میں نے ان صداقتوں کو پالیا تو جانا کہ قرآن کی ایک ایک آیت میں کئی کئی کائناتیں سموئی ہوئی ہیں۔ تب مجھے کسی اور شے کی ضرورت نہیں رہی' صرف قرآن ہی میرے لئے کافی تھا۔''

وہ علم و فضل کے اس مظاہرے پر اُس زمانے میں بدیع الزمان کے نام سے معروف ہوئے۔ گو کہ یہ نام کئی سال بیشتر انہیں سیرت کے ملا فتح اللہ نے دیا تھا۔

اگرچہ ملا سعید خود بھی یہ نام استعمال کرتے تھے تاہم ایسا وہ فخریہ نہیں کرتے تھے۔ 1909ء میں ان سے دریافت کیا گیا ''آپ بعض اوقات بدیع الزمان کے نام سے اپنے دستخط کرتے ہیں، کیا اس سے خودستائشی کا اظہار نہیں ہوتا؟'' آپ نے ایک مضمون میں اس کا جواب یوں دیا۔ ''ایسا نہیں ہے۔ میں تو اس خطاب کے ذریعے اپنی خامیاں اور ان پر اپنی شرمندگی کا اظہار کرتا ہوں۔'' بدیع کا مطلب ہوتا ہے انوکھا۔ میرے اسلوبِ گفتگو اور میرا لباس انوکھا ہے۔ مختلف ہے۔ میں اس خطاب کے ذریعے یہ کہتا ہوں کہ مجھے عام رسوم و رواج کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جانا چاہیئے۔''

بعدازاں انہوں نے اپنی ایک کتاب میں لکھا کہ وہ یہ نام 'اللہ کی ایک نعمت کو معروف کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔'' انہوں نے لکھا ہے ''اب مجھے اس حقیقت کا ادراک ہوا ہے کہ مجھے کئی سال پہلے جو نام بدیع الزماں دیا گیا تھا' اگرچہ میں اس کے قابل نہیں تھا' کسی اعتبار سے میرا نام نہیں تھا بلکہ یہ تو رسالۂ نور کا نام تھا۔ یہ رسالۂ نور کے ظاہری مترجم کو عارضی طور پر اور اعتماد کے اظہار کے لیے دیا گیا تھا۔''

جناب سعید کا اپنا مدرسہ تھا، اور انہوں نے وان میں قیام کے دوران تعلیمی اور اصلاح کے حوالے سے اپنے تصورات اور تدریس کا ایک علمی طریقہ وضع کیا تھا۔ انہوں نے اپنے مطالعے سے سیکھے ہوئے اصولوں اور مذہبی و سائنسی علوم کی تدریس کے اپنے تجربات کی روشنی میں اور وقت کے تقاضوں کے تحت انہیں وضع کیا تھا۔ اس طریقے کی اساس مذہبی اور جدید علوم کا امتزاج تھا۔ جس کے نتیجے میں مثبت علوم مزہبی صداقتوں کی توثیق و تصدیق کرتے اور انہیں پختہ کرتے۔ سعید اپنے شاگردوں کو اسی طریقے کے مطابق پڑھاتے تھے۔

ملا سعید کا ایک بڑا مقصد مشرقی اناطولیہ میں ایک یونیورسٹی قائم کرنا تھا جہاں وہ اس طریقے کے مطابق تعلیم دی جاتی یعنی مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ طبیعی سائنسز بھی پڑھائی جاتیں نیز ان کے دیگر تصورات کا بھی اطلاق ہوتا۔ وہ جامعۃ الازہر قاہرہ کی طرز پر اسے مدرسۃ الزہرا کہا کرتے تھے کیونکہ یہ مشرقی اسلامی دنیا کے وسط میں اس کی ہمشیر یونیورسٹی ہوتی۔ بعدازاں انہوں نے وان، بطلس اور دیار بکر میں بھی ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنے کا قصد کیا۔ پورے مشرقی اناطولیہ میں سفر کرتے رہنے کی وجہ سے انہیں یقین تھا کہ یہ تعلیمی ادارے نہ صرف مشرقی اناطولیہ میں اُس زمانے میں پھیلی ہوئی جہالت اور پس ماندگی سے نبرد آزما ہونے کے ذرائع ہوں گے بلکہ اس خطے کے دیگر سماجی اور سیاسی مسائل کا حل بھی ہوں گے۔ تو اسی کے تعلیمی تصورات پر ایک آئندہ باب میں گفتگو کی جائے گی۔

ملا سعید گرمیوں کا موسم باشید، فراشین اور بیت الشباب جیسے ٹھنڈے پہاڑی مقامات پر گزارتے تھے۔ انہیں کُروستان کے پہاڑ سب سے زیادہ اچھے لگتے تھے۔ جہاں پر کہ مطلق آزادی ہوتی تھی۔ وہ قبائل کے باہمی جھگڑے طے کروانے کے علاوہ ''کائنات کی کتاب'' کا مطالعہ کرنے کی غرض سے بھی پہاڑوں میں گھومتے پھرتے تھے۔ وہ قرآن کی ہدایت کے مطابق اس کے معانی اور پیغام پر غور کرتے تھے۔ عالم حضرات اور اس کی مخلوقات سے ان کا گہرا ربط تھا۔ وہ بھی ان سے ربط محسوس کرتے تھے' ان سے مانوس تھے۔ اس حقیقت کا اظہار کرنے والے واقعات میں سے ایک واقعہ 1321ھ بمطابق 1905ء کا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ کوہ باشید میں اکیلے تھے اور مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے۔ اچانک ایک جسیم بھیڑیا نمودار ہوا تاہم وہ ''پہاڑوں کا شیر'' ان کے پاس بالکل کسی ''دوست کے مانند'' آیا اور پھر انہیں کوئی گزند پہنچائے بغیر آگے نکل گیا۔

جب ملا سعید کو قبائل کے مابین جھگڑا ہونے کی خبر ملتی تو وہ وہاں پہنچ جاتے اور فریقین

میں صلح کروادیتے۔ انہوں نے ایک ایسا جھگڑا ختم کروایا جسے ختم کروانے میں حکومت ناکام ہو چکی تھی۔ یہ جھگڑا ارتوشی قبیلے کی شاخ گیراوی کے سردار شاکر آغا اور میران قبیلے کے سردار مصطفیٰ پاشا کے درمیان چراگاہوں پر قبضے کے مسئلے پر جاری تھا۔ اپنی شجاعت و بہادری کی وجہ سے ملا سعید کا رعب علاقے کے سارے قبائل پر طاری تھا۔ مصطفیٰ پاشا لاقانونیت اور جبر و استبداد جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس نے رقم اور گھوڑے تحفتاً دے کر ملا سعید کو رام کرنے کی کوشش کی۔ سعید نے اپنی عادت کے مطابق ان تحائف کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اسے کہا کہ اس نے وعدہ خلافی و عہد شکنی کی ہے اس لیے وہ جزرے نہیں پہنچ سکے گا۔ جہاں یہ کہ وہ جا رہا تھا ہوا بھی یہی انہوں نے بعد میں سنا کہ مصطفیٰ پاشا جزرے پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں مر گیا۔ یہ 1902ء کا واقعہ ہے۔

ملا سعید کا منفرد لباس اکثر موضوع گفتگو رہنے لگا تھا۔ ان کی کمر سے ایک خنجر اور ایک پستول لٹکا ہوتا تھا اور چھاتی سے کارتوسوں کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ گھیر دار شلوار پہنتے تھے اور سر پر پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ جب طاہر پاشا سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی تو وہ حیران رہ گیا تھا۔ سعید کا کہنا ہے کہ طاہر پاشا نے انہیں ایک ہزار طلائی ریال' ایک گھر اور اپنی ایک بیٹی کا رشتہ پیش کیا تھا۔ اس کے بدلے میں وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ وہ ایک مذہبی عالم والا لباس پہن لے۔ تاہم سعید نے یہ پیشکش رد کر دی تھی۔

جناب سعید کو ایک طرح سے طاہر پاشا کے خاندان کا فرد تسلیم کر لیا گیا تھا۔ انہوں نے پہلی عالمی جنگ کے دوران طاہر پاشا کے سب سے بڑے جودت بے کے ساتھ مل کر بہت کام کیا۔ جودت بے اس زمانے میں وان کا گورنر اور مجلس اتحاد و ترقی) کا ایک اعلیٰ منصب دار تھا۔ وہ انور پاشا کا بہنوئی بھی تھا۔ اس سے یہ مسئلہ بھی رونما ہوا کہ طاہر پاشا آئینی تحریک کا خفیہ حامی و مددگار تو نہیں۔ اس کے اور ملا سعید کے درمیان مضبوط .... گو کہ کبھی کبھار مشکل سے دوچار .... تعلق کا ایک سبب یہ بھی تھا۔

جناب نورسی وان میں قیام کے دوران باقاعدگی سے اخبارات کا مطالعہ کرتے تھے۔ طاہر پاشا نے ایک خبر کی طرف توجہ دلائی تھی جس سے ان میں زبردست تحریک ابھری۔ وہ خبر برطانوی دارالعوام میں وزیر برائے نوآبادیات کی تقریر کے بارے تھی۔ نوری نے خود یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے۔

"یہ کوئی 1316ء کی بات ہے' رسالہ' نور کا مصنف اپنے تصورات میں انقلابی تبدیلی سے دوچار ہوا۔ اس زمانے تک اس محض مختلف علوم ہی سے دلچسپی تھی اور اس نے انہی کو پڑھا اور

پڑھایا تھا۔ وہ صرف نظری علم تھا اور وہ روشن خیالی کی تلاش میں تھا تب ایک روز اسے مرحوم گورنر طاہر پاشا کی زبانی معلوم ہوا کہ یورپ قرآن کے بارے میں شرانگیز خیالات رکھتا ہے۔ اس نے سنا کہ برطانوی وزیر برائے نوآبادیات نے کہا ہے؟ ''جب تک مسلمانوں کے پاس قرآن ہے' ہم ان پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ ہمیں قرآن ان سے لازماً چھیننا ہوگا یا پھر قرآن سے ان کی محبت ختم کروانا ہو گی۔'' یہ خبر پڑھ کر اسے سخت غصہ آیا۔ 1316ء کا عدد جس آیت سے نکلتا تھا' وہ تھی پس ان سے منہ پھیر لو۔'' (قرآن 6:68)

اس خبر نے اس کے تصورات اور اس کی دلچسپی کا رخ بدل دیا۔ اسے ادراک ہوا کہ اس نے اب تک جتنے علوم حاصل کیے ہیں انہیں سیڑھی بنا کر قرآن کو سمجھنا اور اس کی صداقتوں کو ثابت کرنا چاہیئے گا اور یہ کہ صرف قرآن ہی کو اس کا مقصود' اس کا مقصدِ علم اور مقصدِ حیات ہونا چاہیئے۔ چنانچہ قرآن کا اعجاز اس کا رہنما' اس کا استاد اور اس کا آقا بنا۔ بدقسمتی سے نوجوانی کے اس دور میں بہت سی رکاوٹوں کی وجہ سے وہ اپنا فرض پورا نہیں کر سکا۔ یہ کچھ عرصہ بعد کی بات ہے کہ جنگ نے اسے بیدار کیا۔ تب اس مستقبل تصور نے زندگی پائی' ابھرنا شروع ہوا اور حقیقت بتایا گیا۔

جیسا کہ اس تعصب سے ظاہر ہے برطانوی وزیر برائے نوآبادیات کے قرآن اور اسلام کے خلاف شرانگیز عزائم نے نوری کے تصورات میں انقلاب برپا کر دیا اور انہیں اس طرف گامزن کر دیا جس پر اب وہ رواں دواں تھے۔ انہیں خطرات کے پیش نظر انہوں نے کہا تھا ''میں دنیا پر ثابت کر کے رہوں گا کہ قرآن ایک لافانی سورج ہے' جسے بجھایا نہیں جا سکتا!'' انہوں نے قرآن کی صداقتوں کو ثابت کرنے کے لیے حاصل کیے ہوئے علم کو استعمال کرتے ہوئے واضح کیا کہ قرآن کو علم اور ارتقا کا سرچشمہ بنانا چاہیئے۔ اس طرح اس کی بے حرمتی اور امت مسلمہ کو بگاڑنے کی دیدہ دانستہ کوششیں کو ناکام ہو جائیں گی۔ انہوں نے 1955ء میں ایک خط میں لکھا تھا کہ اس کام کے دو ذرائع انہوں نے پائے تھے۔ ایک تھا مدرستہ الزہرا' جو کہ انہیں استنبول اور سلطان عبدالحمید کے دربار تک لے گیا' اور دوسرا رسالہ نورح تاہم یہ دوسرا ذریعہ پہلی عالمی جنگ کے بعد ''نئے سعید'' کے رونما ہونے پر ہی حقیقت بنا۔ اس زمانے میں جناب نورسی اپنے دور کے واقعات میں بھرپور حصہ لے رہے تھے۔ انہوں نے سماجی اور سیاسی معاملات میں بھرپور حصہ لے کر اسلام کی خدمت کی۔ تاہم جیسا کہ ایک آئندہ باب میں بتایا جائے گا وہ ''انسانی'' علوم اور فلسفے میں دلچسپی رکھتے تھے اور ان کے ذریعے اپنے مقصد کو پورا کرنے کی امید رکھتے تھے۔

دوسرا باب

استنبول

نومبر 1907ء میں جناب نورسی استنبول روانہ ہوئے تا کہ وہاں اپنی اسلامی یونیورسٹی ''مدرسۃ الزہرہ'' کے لئے حکومتی حمایت اور مدد حاصل کر سکیں۔ اب ان کی عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی۔ نورس کے گاؤں میں اپنی زندگی کے ایک عامیانہ سے آغاز کے بعد اب وہ کردستان کے علماء میں ایک اچھی خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ ان کی اس شہرت کی وجہ نہ صرف ان کا مباحثوں میں امتیازی ریکارڈ' وسیع علم اور غیر معمولی صلاحیتیں تھیں بلکہ انصاف سے لگن' سچائی کا دفاع اور اپنے خالق حقیقی کے ماسوا کسی بھی چیز سے خوفزدہ نہ ہونے جیسے اوصاف بھی تھے۔ ان کی تمنائیں اور آرزوئیں ان کی ودیعتی صلاحیتوں کے عین مطابق تھیں۔ اپنی زندگی کے ابتدائی سالوں سے ہی انہوں نے اپنے آپ کو نمایاں رکھنے کے عمل کا آغاز کر دیا تھا۔ انہوں نے کبھی بھی موجودہ حالات کو برقرار رکھنے کی حکمت عملی کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا وہ ہمیشہ تازہ' نئی اور بہتر راہوں کے متلاشی رہے۔ جوں جوں ان کی وسعت نظر وسیع ہوتی گئی ان کا راستہ مزید واضح ہوتا گیا۔

جیسا کہ گزشتہ باب میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان کے تحصیل علم کے علاوہ اور بھی کئی واقعات وقوع پذیر ہوئے جو ان کی سمت کے تعین میں فیصلہ کن ثابت ہوئے۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ انہیں بعض ایسی باتوں کا علم ہوا جنہیں انہوں نے قرآن اور اسلام کے خلاف محاذ آرائی تصور کیا اور انہوں نے اس سے متاثر ہو کر اپنی زندگی اور علم اس بات کو ثابت کرنے کے لئے وقف کر دی کہ قرآن اور اسلام تو سچے علم اور ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ دوسرا ماردین میں 1892ء کے دوران بنائے گئے وہ تعلقات اور اس کے نتیجے میں آزادی اور آئینیت (Constitutionalism) کے لئے جدوجہد' اسلامی اتحاد کے لئے تحریک اور اسلامی دنیا سے متعلق دوسرے مسائل کا ادراک تھا۔ لیکن ان میں سے سب سے اہم واقعہ جس نے ان کی زندگی پر بڑے گہرے اثرات مرتب کئے وہ وان میں ان کے حکومتی زعما سے روابط تھے جن سے

انہیں اس بات کا علم ہوا کہ ''تنظیمات'' کی مغربیت اور لادینیت سیکولر اپروچ نے خلافت عثمانیہ کے تعلیم یافتہ طبقات کی سوچ اور نظریات کو کس حد تک متاثر کر دیا تھا جس کے زیر اثر اسلام سے متعلق کئی شکوک وشبہات ان کے ذہنوں میں پیدا ہو چکے تھے۔ یورپی سوچ کے زیر اثر کچھ لوگوں نے اسلام کو سلطنت کی زبوں حالی اور تنزلی کا ذمہ دار گردانا شروع کر دیا تھا۔ اس بات نے جناب نورسی کو مدرسہ کی تعلیم میں اصلاحات لانے کی فوری ضرورت اور علم میں جدید پیش رفت کی روشنی میں اسلامی علوم کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے آغاز تک وہ زیادہ تر انہی مسائل سے نبرد آزما رہے۔

تنظیمات اور آئینی تحریک:

''تنظیمات'' دراصل اس دَور (76-1839ء) کو دیا گیا نام ہے جس کے دوران، بالخصوص یورپی دباؤ اور مشورے کے تحت، عثمانی سلطانوں اور ان کے اہم وزراء نے اصلاحات کا ایک سلسلہ متعارف کرایا جن سے ان کا مقصد حکومت، انتظامیہ اور سلطنت عثمانیہ کے باشندوں کی زندگی کے کئی پہلوؤں کو یورپی خطوط کے مطابق تشکیل دے کر سلطنت کی روبہ زوال طاقت کو بحال کرنا اور اسے یورپی غلامی سے آزاد کرانا تھا۔ درحقیقت ''تنظیمات'' نے سلطنت کو درپیش فوری مسائل میں سے کسی کو بھی حل نہیں کیا لیکن ترک تاریخ کے مستقبل کی تاریخ کا راستہ متعین کر دیا۔ یہاں ان کئی مسائل کے ضمن میں جو اس آئینی تحریک کا باعث بنے اور جن کے پیش کنندگان نے ان کے کئی متبادل حل پیش کیے چند اہم مسائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مغربی طرز کی اصلاحات متعارف کرانے کے نتیجے میں موجودہ نظام کے ساتھ ساتھ ریاست کے کئی معاملات دنیاوی اور مذہبی دائرہ کار میں تقسیم ہو گئے جو اس سے پہلے سلطان کی ذات سے منسوب ہوتے تھے۔ سیکولرازم کی طرف اس عملی پیش رفت اور اس ضمن میں مذہبی اداروں سے چشم پوشی اور زندگی میں اسلام کے مرکزی کردار کو ختم کرنے کے باوجود نچلے طبقے کے علماء نے ان اصلاحات کی حمایت کی۔ یہ نچلے طبقے کے علماء اور مدرسوں کے طالب علم تھے جنہوں نے بڑی شدت سے ان اقدامات کی مخالفت کی۔ مخالفت کی ایک اور بڑی وجہ سلطنت میں بسنے والی عیسائی اقلیت کو مساوی حقوق دینے اور ایک آزاد ملت (مذہبی کمیونٹی) کے طور پر ان کے مفادات کو تحفظ فراہم کرنے پر ان اصلاحات نے عیسائیوں کو معاشی اور سیاسی لحاظ سے مسلمان

اکثریت کے مقابلے میں بہت مضبوط بنا دیا تھا۔علاوہ ازیں سلطان کے آمرانہ اختیارات میں اضافے کی بجائے کمی نے بھی ان اصلاحات کو ناقابل قبول بنا دیا تھا۔ نیز ان اصلاحات کے ہمراہ مغربی نظریات بھی سلطنت میں اُمڈ آئے تھے۔ نئے سیکولر اسکولوں میں مغربی زبانیں خصوصاً فرانسیسی پڑھائی جانے لگی اور اکثر اعلیٰ تعلیم کے لئے طلباء کو یورپ بھیجا جانے لگا جس سے عثمانیہ سلطنت میں مغربی نظریات کے پھیلنے کا عمل تیز تر ہو گیا۔

ان تنظیمات میں اصلاحات کے باوجود جب ہمہ گیر یورپی دباؤ کے زیر اثر سلطنت کی تنزلی کا عمل جاری رہا تو دانشوروں اور لکھاریوں کا ایک گروپ اُبھر کر سامنے آیا جس نے ملک میں نئے قائم ہونے والے پریس کے ذریعے ان اصلاحات اور ان کے متعارف کنندگان کے خلاف اپنی آواز اُٹھائی اور انہیں تنقید کا نشانہ بنایا۔ وہ نظریات جن کی تشہیر کی کوشش انہوں نے سلطنت کی بحرانی کیفیت کے خاتمے کے لئے ایک متبادل حل کے طور پر کی وہ آزادی اور آئینی حکومت کے تصورات تھے۔اس گروپ کے' جو زیادہ منضبط نہیں تھا اور ''نوجوان عثمانیوں'' کے نام سے موسوم ہوا' کے نمایاں رکن نامق کمال تھے۔کمال نے اپنے مضامین میں اسلام کو دوبارہ ریاست کی بنیاد اور اس کی روح کا مقام دیتے ہوئے اسلامی فکر و عمل سے یورپی طرز کی آئینیت اور نمائندہ حکومت کے بارے مثالیں تلاش کیں اور انہیں باہم مربوط کرنے کی کوشش کی۔اس نے نئے تصورات کو سمونے کے لئے روایتی اسلامی اصطلاحات کے معنی میں وسعت پیدا کی۔ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ خود کمال اور پھر ان کے بعد کی اسلامی مفکرین کی نسلوں نے اس ربط کو ایک تسلی بخش عمل قرار دیا لیکن دوسرے ہم عصر علماء نے کوئی جامع حل پیش کئے بغیر اس کی تردید کی۔ جناب سعید نورسی کی ابتدائی تحریروں میں کمال کے دلائل' نظریات اور اصطلاحات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

نامق کمال نے پہلے آئین کی تشکیل میں ایک اہم کردار ادا کیا جو کئی سیاسی چالوں اور دو سلطانوں کو اقتدار سے الگ کرنے کے بعد 23 دسمبر 1876ء کو نافذ العمل ہوا۔لیکن صرف ایک سال کی قلیل مدت کے بعد سلطان عبدالحمید ثانی نے صرف اس حد تک جاری رکھا جہاں تک یہ ریاست کے لئے استحکام کا باعث بنے اور اس کا شاہی استحقاق مجروح نہ ہو۔مضبوط مرکزیت نے اس کی حکومت کو مستحکم تو کیا لیکن ساتھ ہی اس کے منفی اثرات بھی مرتب ہوئے بالخصوص تعلیم کا شعبہ اس سے بہت متاثر ہوا۔

سلطان عبدالحمید نے سلطنت کے تمام علاقوں میں سینکڑوں اسکولوں کی بنیاد رکھی اور

ساتھ ہی دار الحکومت میں تقریباً دس کے قریب اعلیٰ تعلیمی ادارے بھی قائم کئے۔لیکن ان کا اہم مقصد سرکاری اسلامی نظریات کی ترویج اور خلیفہ سلطان کے وفادار ملازمین پیدا کرنا تھا۔لیکن سیکنڈری اسکولوں میں فراہم کی جانے والی سیکولر تعلیم ان مقاصد کے حصول کے خلاف تھی۔اعلیٰ تعلیمی ادارے بالخصوص ''ملٹری اسکول آف میڈیسن'' اور ''وار کالج'' نظریاتی اختلافات کا شکار ہو گئے۔ان میں اختلافی بحث و مباحثے روز کا معمول بن گیا۔اساتذہ اور طلباء میں جس نے سب سے زیادہ اختلافات کی آگ بھڑکائی وہ ''نامق کمال'' اور اس کے ہم عصروں کے نظریات تھے۔تقریباً اسی دور میں کمال کی ممنوعہ اور چوری چھپے پڑھی جانے والی کتابوں میں سے یک نے سب سے پہلے نوجوان جناب سعید نورسی کو دور افتادہ ایک قصبے' مردین میں آئینی جدوجہد کے لئے بیدار کیا۔ سائنسی مادیت اور اثباتیت کے بارے میں پیش کئے جانے والے نظریات نے' جو بالخصوص میڈیکل کے طلباء میں بہت مقبول تھے' ان میں ایک مختلف ردعمل پیدا کیا۔

ایک دوسرا معاملہ جو براہ راست اصلاحات سے منسلک تو نہیں تھا پریس اور چھپائی کے کام میں وسعت کا عنصر تھا جو غیر متوقع نتائج پیدا کرنے کا باعث بنا۔(1876-1909) میں معطل کر دیا۔پھر آئینی جدوجہد زیرزمین جاری رہی۔

سلطان عبدالحمید کے اقتدار میں آنے سے چند سال قبل اور بعد میں کمزور سلطنت معاشی' فوجی' اور سیاسی لحاظ سے تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی تھی۔1875ء میں اسے معاشی طور پر دیوالیہ قرار دیا جا چکا تھا۔78-1877ء میں روس کے ساتھ ہونے والی جنگ اور معاہدہ برلن کے بعد یہ سلطنت اپنے رقبے کا تقریباً ایک تہائی اور آبادی کا 20 فیصد حصہ کھو چکی تھی۔پھر بھی ان ابتدائی نقصانات کے باوجود عبدالحمید نے' جو ایک اعلیٰ درجے کا سیاست دان بھی تھا' اپنی مخالف بڑی طاقتوں اور دوسری قوتوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر باقی ماندہ سلطنت کو اپنے 33 سالہ دور حکومت میں متحد رکھا۔بہرحال اپنی کامیاب خارجہ پالیسی کی قیمت اسے اندرون ملک اپنے مخالف محاذ کی صورت میں چکانا پڑی جسے اس نے بڑی سختی سے کچلا۔ملک کی پہلی پارلیمنٹ کو برخاست کرنے کے بعد ملک کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے اپنے جاسوسوں اور مخبروں کے جال کی مدد سے اس نے یلدز محل سے ایک مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے حکمرانی کی۔پریس سے متعلق سخت قوانین اور جابر سنسر شپ کے ذریعے اس نے اظہار خیال کی آزادی سلب کر لی۔ٹیلی گراف کے تعارف اور ذرائع مواصلات کے میدان میں ہونے والی دوسری ترقیوں کے بعد اس کے جبر و

استبداد کے نظام میں مزید شدت پیدا ہوگئی۔ تنظیمات کے ساتھ شروع ہونے والے اصلاح اور جدیدیت کے عمل کو عبدالحمید نے پریس قوانین کے مطابق کسی بھی ایسے معاملے کا ذکر یا اشارہ جس کا تعلق سیاست یا حکومت سے ہو سختی کے ساتھ ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ اخبارات و رسائل کے صفحات عوامی مقبولیت کے سائنسی مضامین' یورپ اور امریکہ میں ہونے والی نئی ایجادات اور دوسرے بے ضرر موضوعات سے بھرے ہوتے تھے۔ اس قسم کا لٹریچر بہت زیادہ پڑھا جاتا تھا اور اس کی طلب میں اضافہ دیکھ کر اشاعتی اداروں نے اسی طرز کے مختلف مواد کی اشاعت شروع کر دی۔ اگرچہ اس قسم کا زیادہ مواد عامیانہ اور سطحی نوعیت کا ہوتا تھا لیکن اس مطالعے کی شوقین عوام کی بڑھتی ہوئی تعداد (جو پھر بھی کل آبادی کا ایک چھوٹا سا حصہ تھا) کو مغربی دنیا اور اس کی مادی تہذیب کی روز افزوں ترقی سے آگاہی حاصل ہوئی۔ یہ خیال معقول معلوم ہوتا ہے کہ وان میں طاہر پاشا کی رہائش گاہ تک رسائی حاصل کرنے والے اخبارات و رسائل کم از کم اسی نوعیت کے تھے۔ ملک میں داخل ہونے والا سیاسی مواد غیر ملکی سفارت خانوں کے ذریعے سے ہی آتا تھا۔

عبدالحمید کی مطلق العنانیت اور جابرانہ پالیسی کے خلاف پہلی مخالف تحریک کی بنیاد ایک خفیہ سوسائٹی کی شکل میں ملٹری اسکول آف میڈیسن کے طلباء نے 1889ء میں رکھی جو آہستہ آہستہ فوجی اور حکومتی افسران' ملکی اور ملک سے نکالے گئے دانشوروں کو شامل کرنے کے لئے وسیع تر ہوتی گئی۔ ''نوجوان ترک'' (Young Turks) جیسا کہ یورپ میں اس سوسائٹی کو موسوم کیا گیا مختلف گروہوں پر مشتمل تھی جن کے نظریات باہم متصادم تھے۔ یہ گروہ صرف سلطان عبدالحمید کی آمرانہ اور جبر و استبداد کی پالیسی کی مخالفت میں اور بنیادی سماجی' سیاسی اصلاحات اور آئین کی بحالی کے لئے باہم متحد تھے۔ سلطان عبدالحمید کی طرف سے ملک میں حالات کی بہتری کے وعدوں سے متاثر ہو کر میزنجی مراد کی سلطان کے خلاف جدوجہد ترک کرنے کے بعد احمد رضا نے اس ''سلطان مخالف'' تحریک میں اپنے اثباتی نظریات کی غیر مقبولیت کے باوجود' ایک اہم حیثیت اختیار کر لی۔ اس کی لیڈر شپ کو دوسرا چیلنج پرنس صباح الدین کی صورت میں آیا جو سلطان کا بھتیجا تھا۔ اس نے ایک ایسے متبادل حل کی حمایت کی جو غیر سرکاری پیش قدمی اور لامرکزیت پر مبنی تھا۔ 1907ء میں پیرس میں احمد رضا کے گروپ اور سلطنت کے اندر آزاد انقلابی زیر زمین تحریک' جس کا مرکز مقدونیہ میں تھا' کے درمیان تعلقات استوار ہوئے۔ یہ وہ گروپ تھا جس نے ''کمیٹی آف یونین اینڈ پراگریس (سی یو پی) کا نام اختیار کیا اور جو سویلین' آرمی آفیسرز میں بڑا مضبوط تھا اس نے

1908ء میں ہونے والے آئینی انقلاب کی رہنمائی کی تھی۔ کم از کم سی یو پی (CUP) کے ممبران آئین پسندی اور نمائندہ حکومت کے سخت حامی تھے اور یہ دونوں بالخصوص اقلیتوں کے قوم پرستانہ جذبات کے پیش نظر سلطنت کے اتحاد اور مادی ترقی کے لئے ضروری شرائط تھیں۔

اب جناب سعید نورسی اور ان کے ''سی یو پی'' سے تعلقات پہ بات کرنا پڑتی ہے کہ ان کی زندگی کے پہلے دور کی کسی دوسرے ضمن میں بھی پہلوؤں کی طرح اس بارے میں بھی مکمل تفصیلات سامنے نہیں آئیں۔ اس سلسلے میں موجود مواد کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف یہی کوشش کی جاتی ہے کہ جو کچھ انہوں نے ''نوجوان ترکوں'' کے بارے میں لکھا اس بارے میں ان کی سرگرمیوں اور نظریات کو سامنے رکھتے ہوئے اس سوال پر روشنی ڈالی جائے۔ بہر حال اس مقام پر یہی کہنا ہی کافی ہوگا کہ آئینی انقلاب کے ابتدائی ایام میں ان کے ''سی یو پی'' کے بعض ارکان کے ساتھ بڑے قریبی روابط رہے اور انہوں نے ان کے ساتھ کام بھی کیا لیکن کئی دوسرے لوگوں کی طرح جو جلد ہی اس سے بددل ہو گئے اور پھر اس کی مخالفت میں انہوں نے کسی ہچکچاہٹ سے کام نہیں لیا۔ اخبار کے ایک مضمون میں جو اپریل 1909ء میں شائع ہوا' اس سوال کے جواب میں کہ ''سالونیکا میں آپ نے ''سی یو پی'' کے ساتھ تعاون کیا پھر آپ اس سے علیحدہ کیوں ہو گئے؟'' انہوں نے لکھا ''میں اس سے علیحدہ نہیں ہوا بلکہ یہ اس کے کچھ ارکان تھے جو علیحدہ ہوئے۔ میں اب بھی نیازی بے اور انور بے جیسے لوگوں کا ہم خیال ہوں لیکن ان میں سے کچھ ہم سے علیحدہ ہو گئے۔ وہ راستہ بھٹک گئے اور دلدل کی طرف چل پڑے۔'' سلطنت کے اتحاد کے قیام' جو حکومت کے سامنے سب سے اہم مسائل میں ایک تھا' کے مقصد کے بارے وہ ہمیشہ سی پی یو سے متفق رہے اور انہوں نے اس سلسلے میں کافی جدوجہد بھی کی۔ بہر حال جیسا کہ انہوں نے کہا ''اتحاد جہالت سے وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ اتحاد نظریات کے ملاپ کا نام ہے اور نظریات کا یہ ملاپ علم کی برقی شعاعوں کی مدد سے معرض وجود میں آتا ہے۔'' لہٰذا تعلیم کی ترویج کے لئے انہوں نے خصوصاً اپنے آبائی علاقے کردستان میں کافی جدوجہد کی۔ ان کے دشمنوں نے ان کی ان سرگرمیوں کو ہدف تنقید بناتے ہوئے الزام لگایا کہ وہ ''کرد'' قوم پرست لیڈر ہیں لیکن اس منفی پراپیگنڈہ کے برخلاف کردستان میں اصلاحات اور تعلیم کو عام کرنے' اس کی مادی اور سماجی ترقی کے لئے کاوشیں عثمانیہ سلطنت اور اسلامی دنیا کی مضبوطی کے لئے تھیں۔ اسی ادارے کے تحت وہ 1907ء میں عثمانیہ سلطنت کے دارالحکومت کی طرف روانہ ہوئے۔ اب ہم 1907ء کی طرف پلٹتے ہوئے جناب نورسی کے استنبول میں دور کی طرف آتے ہیں۔

طاہر پاشا کا خط:

طاہر پاشا جواب بطلس کا گورنر تھا اور جناب سعید نورسی کی بہت حوصلہ افزائی اور مدد کر چکا تھا۔ اس نے انہیں محل کی طرف ایک تعارفی خط لکھ بھیجا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ مشرقی اناطولیہ کے علماء میں ایک اہم مقام اور شہرت رکھتے ہیں اور سلطان سے ان کے لئے طبی علاج فراہم کرنے کی حمایت اور مدد کی درخواست کی گئی تھی۔ یہ علاج اس دفاعی تھکان کے لئے تھا جو انہیں ایک طویل عرصہ تک شدید دماغی مشقت کرنے کی وجہ سے ہو گئی تھی۔ جناب نورسی کے بھتیجے عبد الرحمٰن کے مطابق یہ بالخصوص مقابلے کے لئے ریاضیاتی مسائل کے حل کے لئے کاوشیں تھیں جس نے ان کا دماغ تھکا دیا تھا۔ اور وان میں تقریباً تین سال کے لئے اس قسم کا بحث ومباحثہ بالکل ترک کر دیا تھا اور صرف اسی وقت کلام کرتے جب اس کی اشد ضرورت ہوتی۔ ذیل میں طاہر پاشا کے خط کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

بندہ حقیر کی طرف سے درخواست:

جیسا کہ جناب سعید نورسی کو' جو کردستان کے علماء میں اپنی روشن ذہانت کی وجہ سے مشہور و معروف جانے جاتے ہیں طبی علاج کے لئے ضرورت مند ہیں' اور عزت مآب کی خلافت میں آپ کی ہمدردی اور مہربانی کے متلاشی ہیں اس وقت آپ کی ملاقات کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔

اگر چہ مذکورہ بالا وہ شخص ہے جس کی طرف ان علاقوں میں ہر شخص علمی مسائل کے حل کے لئے رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ابھی اپنے آپ کو ایک طالب علم سمجھتا ہے لہٰذا وہ ابھی تک اپنا لباس تبدیل کرنے پر بھی رضامند نہیں ہوا۔

عزت مآب کا وفادار اور مخلص خادم ہونے کے ساتھ مذکورہ بالا شخص فطرتاً ایک نیک انسان ہے جو تھوڑی چیز پر بھی صبر وشکر کے ساتھ قناعت کرنے کا عادی ہے اور آپ کے اس ناچیز خادم کی رائے میں وہ اپنے اعلیٰ اخلاقی لحاظ سے یا عزت مآب پناہ گاہ خلافت کی وفاداری کی رو سے اس وقت تک درسعادت استنبول روانہ ہونے والے خوش قسمت کرد علماء میں' اپنی عقیدت کے حوالے سے' ایک نمایاں مقام کا حامل ہے اور عزت مآب کی فیض رسانی کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ اندریں حالات یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ اگر اس کے علاج کے معاملے میں اسے

خاص مدد فراہم کی جاتی ہے تو کردستان کے تمام طالب علموں کی طرف سے سلطان عزت مآب کا یہ اقدام تمام خاندان سلاطین کے لئے ایک نا قابل فراموش رحم دلانہ ہمدردی تصور ہوگا۔

اس معاملے میں اور دیگر تمام معاملات میں حکم اسی کا ہے جو تمام احکامات دینے کا اہل ہے۔

نومبر 16' 1907ء

گورنر بطلس، طاہر پاشا

شکر جی خان:

اس خط کے جوابی ردعمل کے ظہور کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔ استنبول میں اپنی آمد کے بعد جناب سعید نورسی فیریک (میجر جنرل) احمد پاشا کے پاس ٹھہرے جہاں انہوں نے دو ماہ تک قیام کیا۔ 23 جولائی 1908ء میں آئین کے نفاذ کے اعلان تک سات آٹھ ماہ کے عرصہ اور اس کے بعد آپ کی سرگرمیوں کی ترتیب وسلسلے کا استنباط ایک مشکل امر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ احمد پاشا، جس کا مندرجہ بالا حوالے میں کوئی ذکر نہیں ملتا، کردستان میں تعلیمی منصوبہ جات کی شاہی منظوری کے لئے محل میں بھیجی جانے والی عرض داشت کی تیاری میں انہیں مدد فراہم کی ہو اور اس سلسلے میں ان سے ضروری معلومات حاصل کی ہوں۔ بہرحال یہ عرضداشت 1908ء میں مئی یا جون تک پیش نہیں کی جاسکی۔

پھر جناب سعید نورسی استنبول کے ایک مذہبی مرکز فاتح کے ساتھ منسلک ہو گئے اور اپنے لئے استنبول کے علماء میں ایک مقام بنانا شروع کر دیا۔ وان سے روانہ ہونے سے قبل طاہر پاشا نے انہیں تحریک دینے کے انداز میں کہا تھا "آپ مشرقی اناطولیہ کے تمام علماء کو دلائل میں شکست دے سکتے ہیں لیکن آپ استنبول کے تمام بڑے علماء کو چیلنج نہیں کر سکتے۔" کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آپ کسی ایسے علمی چیلنج کا مدلل جواب دیئے بغیر نہیں رہ سکیں گے انہوں نے فاتح میں ایک بڑی عمارت میں جسے شکر جی (مٹھائیاں بنانے والے) ہیں کہا جاتا تھا، کمرہ کرایے پر لیا۔ یہ عمارت اس وقت کے نمایاں دانشوروں کی رہائش کے لئے ایک ہوسٹل کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ شاعر مہمت عاکف اور فاطن ہوجا ڈائریکٹر رصد گاہ اس کے رہائشیوں میں شامل تھے۔

اس وقت علماء کے علاوہ بقیہ تمام تعلیم یافتہ طبقات نے مغربی لباس کو اپنا لیا ہوا تھا جس

میں صرف ترکی ٹوپی ہی اسلامی شناخت کی نشانی رہ گئی تھی ترکی کی سلطنت کے پسماندہ مشرقی صوبوں کا روایتی لباس زیب تن کیے ہوئے جناب سعید نورسی نے استنبول میں ایک ہلچل مچادی۔ لوگ اس بات کو تسلیم کرنے میں مشکل محسوس کررہے تھے کہ صرف علماء ہی نہیں بلکہ کوئی بھی کسی بھی حیثیت کا شخص جو ملک کے غیر ترقی یافتہ علاقوں کی بودو باش کا حامل رہا ہو وہ اتنے ''منطقیا'' اور فصاحت کے ساتھ ان علاقوں کے دیرینہ مسائل کو بیان کرنے اور ان کے حل کے بارے میں تجاویز دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ یہاں بھی انہوں نے مدرسوں اور سیکولر مکتب فکر کے دانشوروں کو چیلنج پیش کیا کہ وہ ان سے مباحثہ کریں اور ان سے سوالات پوچھیں شکرچی خان میں اپنے کمرے کے باہر انہوں نے ایک بڑا بورڈ آویزاں کیا جس کے الفاظ کچھ یوں تھے۔'' یہاں تمام سوالات کے جواب دیئے جاتے ہیں، تمام مسائل حل کیے جاتے ہیں لیکن سوالات نہیں پوچھے جاتے۔'' بہر حال اس سے ان کا ارادہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ مشرقی صوبوں کے مسائل اجاگر کرنا اور تعلیمی اصلاحات سے متعلق اپنے افکار کی تشہیر ان کا مقصود تھا۔

ذیل میں ان لوگوں کے تاثرات درج کیے جاتے ہیں جو ان دنوں ان سے خان میں ان سے ملاقات کرنے جایا کرتے تھے لیکن پہلے ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو ان کی گرفتاری کا سبب بنا۔ یہ واقعہ ڈاکٹر حمید اراس نے بتایا جو غازی انٹپ (Gaziantep) کا ایک فزیشین تھا:

> ''یہ دوسرے آئینی دور کا واقعہ ہے جب ہم میڈیکل اسکول میں طالب علم تھے۔ ان دنوں جناب نورسی بھی استنبول میں تھے۔ وہ مدرسوں کے پروفیسروں میں سے وہ فاتح کے ارکان کو ترجیح دیتے تھے اور ان کی تعریف کرتے تھے۔ اسی دوران وہ بہت مشہور شخصیت بن چکے تھے اور ہر جگہ انہیں شہرت حاصل تھی۔ ایک دن پولیس نے انہیں شاہی محل کی زمینوں پر چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ پولیس نے انہیں حراست میں لے لیا اور ان سے پوچھا کہ کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ یہ باغات شاہی محل کا حصہ ہیں اور خلیفہ کی ملکیت میں ہیں۔ جناب سعید نورسی نے جواب دیا کہ انہیں اس بات کا علم تھا لیکن یہ بات انہیں ان باغات میں گھومنے پھرنے سے نہیں روکتی کیونکہ وہ قوم کا ایک فرد ہونے کی حیثیت

سے وہ یہاں آنے کے لئے آزاد ہیں۔ معاملہ کو سنجیدہ جانتے ہوئے پولیس نے انہیں گورنمنٹ کے ایک ڈاکٹر کے پاس معائنے کے لئے بھیج دیا جو یونانی تھا۔ ڈاکٹر نے جناب سعید نورسی سے ملاقات کی اور گفتگو کے دوران سعید نے کتابوں کی الماری سے تشریح الاعضا (اناٹومی) کی ایک کتاب نکالی اور اس کے تین یا چار صفحات پڑھے اور پھر ڈاکٹر سے کہا کہ وہ ان پڑھے گئے صفحات کا امتحان لے۔ ڈاکٹر نے ایسا ہی کیا اور وہ یہ بات دیکھ کر ششدر رہ گیا کہ مریض نے اپنی یادداشت کی مدد سے ان صفحات کا مواد حرف بہ حرف سنا دیا۔ اس نے جناب سعید نورسی سے معذرت طلب کی اور شاہی محل کو پولیس چیف کے ذریعے بڑی اچھی رپورٹ بھجوائی۔"

درج ذیل حسن فہمی باسوگلو' جو بعد میں محکمہ مذہبی امور کی مشاورتی کمیٹی کے رکن بنے' کے تاثرات ہیں۔

"دوسرے آئین کے نفاذ کے وقت میں فاتح مدرسہ میں پڑھ رہا تھا۔ میں نے سنا کہ ایک نوجوان جو بدیع الزماں کے نام سے موسوم ہے استنبول کے ایک ہوٹل میں قیام پذیر ہے اور اس نے اپنے کمرے کے دروازے پر ایک نوٹس لگایا ہوا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "یہاں ہر مسئلہ حل کیا جاتا ہے۔ ہر سوال کا جواب دیا جاتا ہے' لیکن کوئی سوال نہیں پوچھا جاتا۔" میں نے سوچا کہ جو کوئی بھی ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ صرف پاگل ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں مجھے صرف تعریف اور اچھی رائے ہی سننے کو ملی۔ علماء اور طالب علموں کے کئی گروپوں کی طرف سے' جو ان سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ حیرانگی کے اظہار نے میرے اندر ان سے خود ملاقات کرنے کا جذبہ بیدار کیا۔ چنانچہ میں نے کچھ مشکل اور پیچیدہ معاملات پر سوالات تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت مجھے مدرسہ کا ایک بڑا اہم رکن تصور کیا جاتا تھا۔ بالآخر ایک رات میں نے مذہبی علوم کی بڑی چھوٹی کی کتب سے کچھ موضوعات کا انتخاب کیا اور انہیں سوالات کی شکل

میں ڈھالا۔ جو جوابات مجھے موصول ہوئے وہ بڑے حیران کن اور غیر معمولی تھے۔ انہوں نے میرے سوالات کے بالکل درست جواب دیئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گزشتہ شام انہوں نے میرے ساتھ ان کتب کا مطالعہ کیا ہو۔ ان جوابات سے میں مکمل مطمئن ہو گیا۔

اس کے بعد انہوں نے ایک نقشہ نکالا اور مشرقی صوبوں میں ایک یونیورسٹی کھولنے کی ضرورت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے اس کی اہمیت پر زور دیا۔ ان دنوں مشرقی صوبوں پر حمیدی سیاسی تسلط تھا۔ انہوں نے بڑے متاثر کن انداز میں ہم پر اس طرز انتظامیہ کی خامیوں کی وضاحت کی اور بتایا کہ یہ علاقہ صرف تعلیم، صنعت اور سائنس کے ذریعے سے ہی ترقی کر سکتا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ استنبول اسی مقصد کے حصول کے لئے آئے ہیں اور بتایا کہ "مذہبی علوم ضمیر کو جلا بخشتے ہیں جبکہ تہذیبی علوم ذہانت بڑھانے کا سبب بنتے ہیں۔"

علی ہمت برکی کورٹ آف اپیل کے سابق صدر کا بیان درج ذیل ہے۔

"ان سالوں کے دوران میں مدرسۃ القضات کا طالب علم تھا۔ میں دوسرے طالب علموں سے آگے تھا۔ جناب نورسی کا نام اور شہرت تمام استنبول میں پھیل چکی تھی۔ دانش ور حضرات میں ان کا عام چرچا تھا۔ ہمیں علم ہوا کہ وہ فاتح میں ایک خان میں قیام پذیر ہیں اور پوچھے جانے والے ہر قسم کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں۔ میں نے اپنے کچھ ساتھی طالب علموں کے ساتھ ان سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک دن ہم نے سنا کہ وہ ایک ٹی ہاؤس میں سوالات کے جوابات دے رہے ہیں۔ ہم فوراً وہاں پہنچے۔ وہاں کافی بھیڑ تھی انہوں نے کوئی عالمانہ لباس زیب تن نہیں کیا ہوا تھا بلکہ وہ مشرقی اناطولیہ کے عام مقامی لباس پہنے ہوئے تھے۔ جب ہم جناب نورسی کے قریب گئے تو انہیں لوگوں کے پوچھے گئے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے سنا۔ وہ عالموں میں گھرے ہوئے تھے جو بڑی خاموشی اور توجہ کے ساتھ ان کے جوابات سن رہے تھے۔ ہر کوئی اپنے سوالات کے جوابوں سے مطمئن نظر آ رہا تھا۔ وہ صوفی فلاسفروں کے نظریات کے جواب دے رہے تھے اور اور اپنے مدلل

ثبوتوں سے انہیں لاجواب کر رہے تھے............اس دوران ہمیں ان کے بارے میں ایک اور مسلمہ بات کا علم ہوا۔ ایک مذہبی انسان ہونے کی وجہ سے انہوں نے کبھی کسی سے کوئی تحفہ' روپیہ پیسہ یا خیرات وغیرہ قبول نہیں کی تھی۔ اگر وہ چاہتے تو بہت مال و دولت اکٹھی کر سکتے تھے لیکن ان کے پاس ایک چھڑی تک نہیں تھی۔''

عبداللہ انور آفندی نے بھی جنہیں لوگ چلتی پھرتی لائبریری بھی کہتے تھے' ان کے بارے میں درج ذیل بیان رقم کیا۔

فاتح مدرسہ حربی زادے توصلی حسن آفندی ایک عالمانہ اور معزز شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے نوے سال سے زائد عمر پائی اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک تدریس سے منسلک رہے لیکن کوئی بھی ایک دن ایسا نہ آیا جب وہ پڑھانے نہ گئے ہوں۔ مگر ایک دن انہوں نے اپنے طالب علموں کو بتایا'' آج میں آپ کو پڑھانے کے لئے نہیں آ سکتا کیونکہ کسی نے مجھے بتایا ہے کہ بدیع الزماں شرقی اناطولیہ سے تشریف لائے ہیں اور میں ان سے ملاقات کرنے جا رہا ہوں۔'' لہٰذا وہ اپنے مدرسے سے شکرچی خان گئے۔ وہاں سے واپس آ کر انہوں نے اپنی گرم جوشی اور استعجاب کا اظہار طالب علموں سے یوں کیا۔'' میں نے ایسا شخص اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا وہ خدا کی ایک نایاب تخلیق ہے۔ ایسا شخص ابھی تک پیدا نہیں ہوا جو اس کا مقابلہ کر سکے۔''

اور آخر میں حاجی حافظ آفندی سے مروی ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے' جو ان دنوں فاتح مدرسہ میں ہونے والے جاندار مباحثوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ یہ ان کے بیٹے وصالی بے نے اپنے والد صاحب کی یادداشتوں سے منقول کیا ہے۔

''ایک دن فاتح مدرسہ کے صحن میں کچھ علماء کسی موضوع پر بحث کر رہے تھے لیکن وہ ایک دوسرے کو اپنی بات دلائل سے منوا کر کوئی سوال حل نہیں کر پا رہے تھے۔ یہ مباحثہ چل رہا تھا کہ بدیع الزماں بھی اپنے علاقے کی اونی ٹوپی سر پر پہنے اور شال اوڑھے ادھر آ نکلے۔ میں انہیں جانتا تھا اور عالمانہ موضوعات پر ان کی دسترس سے واقف تھا لہٰذا میں نے کچھ پیچھے ہٹ کر سب کارروائی دیکھنا شروع کر دی۔ جناب نورسی نے ان علماء سے پوچھا'' آپ کس بات پر بحث کر رہے ہیں کیا آپ اس بارے میں مجھے بھی کچھ بتائیں گے؟''

ان کا عامیانہ سا لباس دیکھ کر علماء نے جواب دیا۔'' او! چرواہے آفندی! تم ان باتوں کو

نہیں سمجھ سکتے۔ جاؤ اپنی راہ لو۔"

جناب نورسی نے اس جواب پر کسی قسم کی ناراضگی یا برانگیختی کا اظہار نہیں کیا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ معاملہ کیا ہے اور پھر انہوں نے اس کا جواب قرآن مجید اور احادیث کے حوالہ جات کے ساتھ اس خوبصورتی کے ساتھ دیا کہ حیرانگی سے ہر عالم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور ان کے چہرے ندامت سے لٹک گئے۔ انہوں نے اس مسئلہ پر علماء کو پوری طرح مطمئن کیا۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم پیغمبر پاک کے پہلو میں تھے جب یہ آیات نازل ہوئیں۔ علماء نے ان کی طرف متوجہ ہوتے اور تحسین و آفرین کے کلمات کہے لیکن وہ عاجزانہ طور پر ان کی باتوں میں مزید مداخلت کئے بغیر وہاں سے چل دیئے۔"

تقریباً چالیس سال بعد اپنے شاگردوں کے نام لکھے گئے ایک خط میں اس بات کی وضاحت کی کہ ان کی زندگی اس راہ پر کیسے چل نکلی جس سے رسالۂ نور پیدا ہوا۔ انہوں نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سلجھائی۔

> "آزادی سے پہلے جب میں استنبول کی راہ میں تھا تو علم الکلام کی کئی کتب میرے ہاتھ لگیں میں نے ان سب کتب کا بغور مطالعہ کیا اور جب میں استنبول پہنچا تو میں نے علماء اور سیکولر اسکولوں کے اساتذہ تک اپنا یہ اعلان پہنچا دیا کہ ہر کوئی جس موضوع سے متعلق چاہے مجھ سے سوال پوچھ سکتا ہے اور حیران کن بات یہ ہے کہ جتنے بھی سوال پوچھے گئے وہ اسی موضوعات سے متعلق تھے جو میں نے راستے میں پڑھے تھے اور وہ میری یادداشت میں محفوظ تھے۔ فلاسفروں (یعنی جدید علوم کے اساتذہ کرام اور طلباء) نے بھی جن معاملات پر سوالات پوچھے وہ مجھے یاد تھے۔ یہ بات اب واضح ہے کہ میری غیر معمولی کامیابی اور شہرت، جس کا میں ذاتی طور پر حقدار نہ تھا، اور بے معنی ذہانت کی نمائش کا اصل مقصد یہی تھا کہ ایسی راہ ہموار کی جائے کہ مستقبل میں استنبول اور اس کے علماء رسالۂ نور اور اس کی اہمیت کو تسلیم کر لیں۔

یورپ میں اسلام کے بیج پنپ رہے ہیں:

اسی عرصہ کے دوران شیخ محمد بخت جو قاہرہ کی مشہور الازہر یونیورسٹی کے نمایاں ارکان میں شامل ہوتے تھے (اور ایک وقت میں مصر کے مفتی اعظم بھی رہ چکے تھے) استنبول آئے۔ استنبول کے علماء نے جو خود جناب نورسی کو دلائل اور مباحثہ میں مات نہیں دے سکے تھے، شیخ بخت کو جناب نورسی سے ملاقات کرنے کو کہا۔ شیخ صاحب نے علماء کی یہ بات مان لی اور ایک دن نماز کے بعد آیا صوفیاء میں ملاقات کرنے کا موقع مل گیا۔ جناب نورسی ایک ٹی ہاؤس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسرے علماء بھی وہاں موجود تھے۔ شیخ بخت جناب نورسی کے پاس پہنچے اور ان سے یہ سوال کیا'' آپ کی آزادی، عثمانیہ ریاست اور یورپی تہذیب کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جناب نورسی نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جو فوری جواب دیا وہ ان کی حقیقت پسندی اور بصیرت کی نشاندہی کرتا ہے۔ ''عثمانیہ ریاست یورپی خیالات کی حاصل ہے اور ایک دن یورپی ریاست کی تشکیل کا باعث بنے گی جبکہ یورپ اسلامی سوچ کا حامل ہے اور اس سے ایک دن اسلامی ریاست پیدا ہوگی۔''

شیخ بخت نے اس جواب کو سراہا اور کہا'' اس نوجوان سے کوئی بھی بحث نہیں کر سکتا میں بھی اسی نقطہ نظر کا حامی ہوں لیکن اسے اتنے مختصر اور جامع انداز میں صرف بدیع الزماں ہی بیان کر سکتا ہے۔''

تعلیمی اصلاحات کے لئے تجاویز:

مئی یا جون 1908ء میں جناب سعید نورسی نے شاہی محل میں اپنی تعلیمی اصلاحات کے بارے میں درخواست پیش کی۔ اس کا متن بعد میں مشرق اور کردستان گیزٹ کے 19 نومبر 1908ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔ اخبار میں شائع شدہ اس مضمون کے تعارف کے مطابق بہر حال اس واقعہ کے اچھے نتائج برآمد نہ ہوئے۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد جناب نورسی استنبول آ گئے۔ جہاں یہ بہت مثبت توجہ کا مرکز بنے لیکن انتظامیہ نے انہیں اچھی نظر سے نہ دیکھا اور ایک متنازعہ شخصیت کے طور پر اپنی زیر نگرانی رکھا۔ یہاں انہیں دوسرے علماء کی دشمنی کا بھی سامنا کرنا پڑا جو ان کے علم اور شہرت سے حسد کرتے تھے۔ لیکن جناب نورسی کے سامنے ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ

کہ اسلام اور سلطنت کی بہتری کے لئے کام کرنا جس میں انہیں کسی قسم کا خوف نہ تھا۔ اخبار میں شائع ہونے والی اس درخواست کا متن درج ذیل ہے جس کے شروع میں اخبار نے کچھ تعارفی کلمات لکھے تھے:

''بدیع الزماں ملا سعید آفندی کی طرف سے محل میں پیش کی جانے تجاویز کا مکمل متن شامل اشاعت کرنے پر ہمیں فخر ہے جس کی بناء پر انہیں نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔

تہذیب و ترقی اور مقابلہ کے اس دور میں اپنے دوسرے برادران کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے کردستان کے قصبوں اور دیہاتوں میں حکومت کی طرف سے تعمیر کئے گئے اسکول ایک اچھا اقدام ہے جسے تحسین کی نظروں سے دیکھا گیا ہے لیکن ان سے صرف وہی بچے مستفید ہو سکتے ہیں جو ترکی زبان جانتے ہوں۔ کیونکہ کرد بچے ترکی زبان نہیں جانتے لہٰذا کان کنی کا پیشہ ہی ان کا مدرسہ ہے۔ مکتب (نئے سیکولر سکول) کے اساتذہ کردستان کی مقامی زبان سے ناواقف ہیں لہٰذا یہ بچے تعلیم سے محروم ہی رہتے ہیں۔ نتیجتاً ان کا غیر مہذب رویہ اور انتشار مغربی دنیا کو ہماری بدقسمتی پر خوش ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ علاوہ ازیں' کیونکہ وہ قدیم دور میں رہنے کی وجہ سے جہالت اور اندھی تقلید کی پیروی کرتے ہیں لہٰذا وہ بڑی آسانی سے شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ تین عوامل مستقبل میں کردوں کے لئے ایک کاری ضرب کا باعث بنیں گے سو صاحبان بصیرت کے لئے یہ بات بڑی تشویش کا سبب ہے۔

اس صورت حال کا حل یہ ہے کہ کردستان کے مختلف علاقوں میں تین ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں جو اس میدان میں حوصلہ افزائی اور جذبہ پیدا کرنے کا باعث بنیں۔ جن میں سے ایک بیت السباب میں جو ارطوی قبائل کا مرکز ہے' دوسرا امتکان، بلیکن اور سوسن قبائل کے علاقوں کے وسط میں اور تیسرا وان میں' جو حیدر اور سپکن قبائل کا درمیانی علاقہ ہے' قائم کیا جائے۔ یہ تعلیمی ادارے مدرسہ کے مانوس نام سے قائم کئے جائیں جن

میں مذہبی اور جدید علوم دونوں پڑھائے جائیں۔ان میں سے ہر تعلیمی ادارے میں کم از کم پچاس طالب علموں کی گنجائش ہو جن کا خرچہ ہماری نامور حکومت برداشت کرے۔نیز کئی دوسرے بیکار مدرسوں میں ایک نئی روح پھونکنا بھی کردستان کی آئندہ مادی' اخلاقی اور روحانی ترقی کا ایک بڑا مؤثر قدم ہے۔اس طرح اس علاقے میں تعلیم کی ایک بڑی مضبوط بنیاد قائم ہوگی۔اور حکومت کے لئے ایک بڑی طاقت ثابت ہوگی جو اس وقت اندرونی جھگڑوں میں ضائع ہو رہی ہے وہ اسے بیرونی طور پر استعمال میں لاسکتی ہے۔نیز اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگی کہ کرد واقعی انصاف کے حقدار ہیں اور اس قابل ہیں کہ تہذیب یافتہ بنیں اور اپنی خدا دار صلاحیتوں کا مظاہرہ کرسکیں۔''

اس بات کا کچھ علم نہیں کہ جناب سعید نورسی نے اپنی درخواست کیسے پیش کی اور مابین کے پاشوں اور ان کے کے درمیان کیا معاملہ ہوا۔یہ محل کا وہ حصہ تھا جہاں تاریخ کے مطابق سلطان مہمانوں کو بلا کر ان سے ملاقات کیا کرتے تھے اور سلطان عبدالحمید کے زمانہ میں ایک خوفناک نوکر شاہی میں تبدیل ہو چکا تھا اور حکومت کے مرکز کے طور پر پارٹی کا نعم البدل تھا۔شاہی محل کے اعلیٰ عہدوں کے حامل افسروں کی حیثیت سے بلاشبہ پاشوں نے اس بات کو ایک گستاخی تصور کیا ہوگا کہ سلطنت کے پسماندہ علاقے سے تعلق رکھنے والا ایک کم عمر ملا جو اپنی حیثیت اور مرتبے کے لحاظ سے کوئی خاص مقام نہ رکھتا ہو'وہ عزت مآب کی تعلیمی پالیسیوں پر تنقید کی جرأت کرے۔اور وہ ان حکومتی جاسوسوں کی طرف سے فراہم کی جانے والی اطلاعات کے ذریعے بھی ان کی سرگرمیوں کے بارے میں کافی کچھ علم رکھتے ہوں گے۔جنہیں مشکوک شخص پر خفیہ نگاہ رکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔یا شاید سید کی طرف سے سلطان کو خود ملنے کی درخواست نے انہیں زچ پہنچائی ہو۔لیکن ہم یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ایسی صاف گوئی سے بات کی ہوگی جس کی سلطان کی نوکر شاہی عادی نہیں تھی۔بہر حال انہوں نے آپ کو گرفتار کر لیا اور ڈاکٹروں سے معائنہ کروانے کے بعد'جن میں سے ایک آرمینی تھا'انہیں توپ تاشی کے پاگل خانے میں داخل کر دیا۔پھر جب شاہی محل کے حکم نامے پر ڈاکٹروں نے ان کی دماغی حالت کا معائنہ کیا اور مثبت رپورٹ محل میں بھجوائی تو انہیں دماغی ہسپتال سے نکال کر قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ڈاکٹروں کے

ساتھ ان کے انٹرویو کا ایک حصہ ان کی تعلیمی اصلاحات کے نظریات پر مبنی تھا۔ ڈاکٹروں کے ساتھ ان کا انٹرویو درج کرنے سے پہلے ان کی طرف سے پیش کی جانے والی تعلیمی اصلاحات کے مکمل خاکے کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے قبل سلطان عبدالحمید کے دور حکومت میں مدرسوں کی حالت کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔

سلطان عبدالحمید کے عہد میں مدرسوں کی حالت زار نا گفتہ بہ تھی۔ پندرہویں صدی سے ان کے سلیبس میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی تھی ان کی عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی تھیں اور ان کی آمدنی کے آزاد ذرائع (فلاحی تنظیمیں) 1840ء میں مرکزی حکومت کے کنٹرول میں آ چکے ہیں۔ یہ ان کی بربادی کے طویل دور کا آخری نتیجہ تھا اور مدرسوں کی اس روبہ تنزل صورت حال میں پہلے تنظیمات کی اور پھر خود عبدالحمید کی تعلیمی اصلاحات نے مزید ابتری پیدا کر دی تھی۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ تنظیمات کی ان تعلیمی اصلاحات نے مدرسوں اور تمام اعلیٰ تعلیمی اداروں کو مغربی طرز کے قانونی اور تعلیمی نظام کے ماتحت کر دیا تھا جسے عبدالحمید کی طرف سے کی جانے والی اصلاحات نے جاری و ساری رکھا۔ سلطان کی اسلامائزیشن اور پین اسلام پالیسیوں کی وجہ سے علماء مؤثر اخلاقی' مالی اور دیگر حمایت و مدد کے منتظر تھے لیکن انہیں بڑے مایوس کن انداز میں نظر انداز کر دیا گیا اور وہ مدرسے جنہوں نے علماء کی ایک نئی نسل تیار کرنا تھی مزید تباہی سے دوچار ہو گئے اور ان دونوں ادوار میں اس کا بنیادی سبب غالباً علماء کی برتری کا خوف اور انہیں ختم کرنے کی خواہش تھی۔ جیسا کہ ہم اوپر پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں اس صورت حال سے کسی حد تک چھٹکارا دلانے کی کوشش مشرقی اناطولیہ میں نقشی/ خالدی مکتب فکر کی طرف سے قائم کئے گئے مدرسوں میں کی گئی۔ لیکن تعلیمی پیشہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی اس میں نمائندگی بہت کم نظر آتی ہے۔

مدرسوں کی اصلاح کا کام سنجیدگی کے ساتھ آئینی انقلاب کے نتیجے میں سلطان عبدالحمید کی حکومت کے خاتمہ کے بعد کیا گیا۔ اس سے پہلے کئی علماء اس موضوع پر اپنے مضامین و مقالات تحریر کر چکے تھے۔ لیکن ان کی طرف سے پیش کی جانے والی تجاویز کو عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔ علی سواوی اور استاد محی الدین ان میں قابل ذکر ہیں۔ جناب نورسی اور مذکورہ بالا علماء کے نظریات میں کافی یکسانیت ملتی ہے خصوصاً مدرسوں میں جدید علوم متعارف کرانے' پرانے نصاب کی جدید دور سے غیر ہم آہنگی اور اصلاح یافتہ مدرسوں اور سیکولر اسکولوں کے مرتبہ میں برابری و مساوات۔ مشرقی

صوبوں کے مسائل کا حل بہرحال جناب نورسی کی تجاویز میں ایک نمایاں عنصر تھا۔

جناب نورسی کی تجاویز کا مرکزی خیال تعلیمی نظام کی تین اہم شاخوں میں ایک ہم آہنگی پیدا کرنا تھا۔ یعنی مدرسہ یا روایتی مذہبی درس گاہیں' مکتب یا جدید سیکولر سکول یا صوفیانہ ادارے اور ان میں پڑھائے جانے والے متعلقہ مضامین' جن کی یہ نمائندگی کرتے تھے' میں ایک ربط' تعلق یا دوستی پیدا کرنا۔ اس ہم آہنگی اور ربط کی ایک ٹھوس مثال مدرسۃ الزہرہ تھا جس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ وہ اس یونیورسٹی کے قیام کو بڑی اہمیت دیتے تھے جہاں دینی علوم اور جدید علوم ساتھ ساتھ پڑھائے جائیں اور ان میں اشتراک ہو اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک وہ اس کے قیام میں مصروف رہے۔

جناب نورسی کی تجاویز کا دوسرا پہلو مدرسہ کی تعلیم کی مکمل تشکیل نو تھا اور جو اپنے طریق کار میں جدید ترین تھا۔ مدرسہ کا یہ نظام جمہوری خطوط پر استوار کیا گیا تھا جو مختلف شعبوں میں منقسم تھا تا کہ اس پر محنت کا قانون لاگو کیا جا سکے۔ اس کا تیسرا پہلو واعظوں سے متعلق ہے جو ''عوام الناس کی رہنمائی کرتے ہیں۔'' جبکہ مدرسۃ الزہرہ کا کردار جیسا کہ جناب نورسی نے تصور کیا تھا' کردستان کے تابناک مستقبل کا حصول اور سلطنت کی وحدت تھا۔ اور عام اصول تمام مدرسوں پر نافذ العمل تھے۔ ان شرائط میں سے کئی جو جناب نورسی نے ضروری سمجھیں ان کا ذکر درخواست میں کیا گیا تھا: مدرسۃ الزہرہ اور اس سے منسلکہ دو اداروں کو مدرسہ کے جانے پہچانے نام سے موسوم کیا جائے گا اور تعلیم اس زبان میں دی جائے گی جسے طالب علم سمجھتے ہوں۔ اپنی ایک دوسری کتاب مناظرات میں جناب نورسی نے بیان کیا کہ وہ ''سہ زبانی'' یعنی تین زبانوں میں ہوں گے جن میں عربی ''لازمی'' کردش زبان ''قابل اجازت'' اور ترکی ضروری ہوگی۔ اپنی اسی کتاب میں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ایسے کرد علما' جن پر کردوں اور ترکوں دونوں کو اعتماد ہو' استاد منتخب کئے جائیں گے اور ایسے علماء کو بھی بطور استاد مقرر کیا جائے گا جو مقامی زبانیں جانتے ہوں نیز ان اساتذہ کے لئے یہ بھی ضروری ہوگا کہ وہ جن علاقوں میں خدمات بجالائیں گے ان علاقوں تہذیبی وسعت اور ان کے رسم و رواج سے بھی مکمل واقفیت رکھتے ہوں۔ یہ مدرسے سرکاری سیکولر اسکول کے ہم رتبہ اور برابری کی سطح پر ہوں گے اور ان کی طرح ان کے امتحانات اور اسناد کو بھی تسلیم کیا جائے گا۔ یعنی جناب نورسی جس نظام کی تجویز پیش کر رہے تھے اس کی بنیاد مذہبی اور جدید علوم کی مشترک تعلیم تھی۔

وقت کے ساتھ مدرسوں کا نصاب محدود اور غیر مؤثر ہو گیا تھا کیونکہ اس کی تشکیل میں سائنس میں جدید پیش رفت کو یکسر مسترد کر دیا گیا تھا لہٰذا بیسویں صدی کے آغاز میں مدرسے ایسے علماء پیدا کر رہے تھے جو یورپی مفکرین کی تقلید میں اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ بعض علمی معاملات کی رو سے اسلام اور جدید سائنس میں تضاد پایا جاتا ہے مثلاً ایسے بنیادی نظریات جیسے ''زمین کا گول ہونا وغیرہ میں اسلام جدید سائنس سے متصادم ہے۔اس غلط سوچ نے نا اُمیدی اور مایوسی کی فضا پیدا کی جس نے ترقی اور نئی تہذیب کے دروازے مسلمانوں کے لئے بند کر دیئے۔ جناب نورسی نے واضح کیا کہ ''اسلام تمام علوم کا مالک اور رہنما ہے۔تمام سچا علم اسی سے پھوٹتا ہے۔''

انسانی سطح پر جناب نورسی دین (اسلام) کو دل اور ضمیر کا نمائندہ تصور کرتے تھے جبکہ سائنس ان کی نظر میں کسی مظہر کی علت پیش کرتی ہے۔ترقی حاصل کرنے کے لئے یہ دونوں ضروری ہیں۔''دینی علوم ضمیر کی روشنی ہیں اور جدید علوم (تہذیب کے علوم) عقل و استدلال کی روشنی ہیں۔ان دونوں کے باہم ملنے سے ''سچ'' ظاہر ہوتا ہے۔ طالب علم کو علم کی جستجو کے لئے ان دونوں پروں کی مدد سے اُڑنا چاہیے۔ جب یہ الگ ہو جاتے ہیں تو ایک تعصب پیدا کرتا ہے اور دوسرا مکر و فریب کا موجب بنتا ہے۔''

اگر وسیع پس منظر میں دیکھا جائے تو مدرسۃ الزہرہ کا مقصد تعلیمی نظام میں تین روایات کو اعلیٰ ترین درجہ کے اسکولوں یعنی مکتب میں ''علت'' (Reason) اس کے نچلے درجہ کے مدرسوں میں ''دل'' (Heart) اور مقدس ترین ''زوائی'' میں ''ضمیر'' کو نمائندگی دے کر انہیں باہمی طور پر متحد کرنا تھا۔اسلامی دنیا کے لئے اس کی بے مثال اہمیت کے پیش نظر یہ تعلیمی ادارہ موصول ہونے والے چندوں اور پاک وصیتوں کی وجہ سے بڑے کم وقت میں اپنا معاشی بوجھ خود برداشت کرنے والا منصوبہ تھا۔اس قسم کے نظام کے گوناگوں فوائد تھے۔ جہاں یہ مشرقی صوبوں کے علماء کے محفوظ مستقبل کی ضمانت تھا وہاں یہ عام نظام تعلیم کے اتحاد اور اس کی اصلاح کی طرف ایک مثبت قدم تھا۔ یہ اسلام کو تعصب، تو اہم پرستی اور جھوٹے عقائد سے بھی، جو صدیاں گزرنے کے ساتھ اسلام کی سچی تعلیمات کے بعض حصوں میں سرایت کر چکے تھے، نجات دلانے کا ایک ذریعہ تھا۔اور سب سے اہم بات کہ مدرسوں میں جدید تعلیم کو اس انداز میں متعارف کرانے کا ایک اہم ذریعہ بھی تھا جس سے علماء کے جدید سائنس کے بارے میں وسوسے اور

خدشات دور ہوتے۔ نیز یہ ملک میں آئینیت (Constitutionalism) کے مفید پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کا ایک راستہ بھی کھولتے۔

جناب نورسی کی خواہش تھی کہ اسلام ایک مشاورتی کونسل کی مانند کام کرے یعنی ''اسلام کی تعلیمی فوج کے تین الگ الگ حصوں .... مدرسوں' مکتب .... کی باہمی مشاورت (شوریٰ) کے ذریعے سے اپنے فرائض سرانجام دے۔ تا کہ ہر حصہ دوسرے کی کوتاہیوں کو درست کر سکے۔ ان کا مقصد مدرسۃ الزہرہ کی تشکیل کو ان بنیادوں پر استوار کرنا تھا۔

جناب نورسی کے نقطہ نظر سے ایک شعبہ پر حامل مدرسوں کی کئی شعبوں پر مشتمل مدرسوں میں تبدیلی اور تقسیم محنت کے اصول کا عملی نفاذ عقل اور تخلیق کے قوانین کے عین مطابق تھا۔ گزشتہ صدیوں میں اس اصول پر عمل پیرا نہ ہونے سے مدرسوں میں تعلیمی جبر اور استحصال کو راہ ملی اور تدریس پر وہ لوگ قابض ہو گئے جو اس کے لائق نہ تھے۔ اس روش نے مدرسوں کے نظام کو تباہی سے ہمکنار کر دیا۔

ذیل میں ان نکات کا ذکر ہے جو جناب نورسی کی ''ڈاکٹر سے گفتگو'' میں درج ہیں۔

> ''بالآخر' ایک اور نقطہ جسے بنیاد پرست بھی خیال کیا جا سکتا ہے وہ جناب نورسی کا یہ خیال ہے کہ علماء اور طلباء دونوں کے ہسپتال میں جا پہنچا۔''

توپ تاشی اور ڈاکٹر سے گفتگو:

دماغی امراض کے ہسپتال میں جناب سعید نورسی کے ساتھ پیش آنے والی مصیبتیں اور دکھ کتنے عرصے تک جاری رہے اس کے بارے کوئی صحیح علم نہیں لیکن بالآخر وہ ایک ڈاکٹر کی رپورٹ پر دماغی ہسپتال سے رہا کئے گئے۔ ذیل میں ڈاکٹر کے ساتھ ان کی اس گفتگو کا متن درج کیا جاتا ہے جو ان کے بارے میں ایک مثبت رپورٹ کا باعث بنی۔ اس گفتگو میں وہ بڑے واضح اور مدلل انداز میں ڈاکٹر کو یہ بتاتے ہیں کہ استنبول میں ان کی مخالفت کیوں شروع ہوئی۔

سب سے پہلے وہ ڈاکٹر سے ان چار باتوں کا ذکر کرتے ہیں جنہیں اسے ان کی تشخیصی رپورٹ بناتے ہوئے ذہن نیں رکھنا چاہیے۔ سب سے پہلے ان کا شخصی پس منظر۔ کیونکہ ''کردستان میں کسی انسان کے اندر پائی جانے والی خوبیاں اور اوصاف جرأت' عزت نفس' دین کی قوت' اور دل اور زبان میں ہم آہنگی سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے معاملات جنہیں تہذیب یافتہ

معاشرہ میں بڑے مہذب اور اعلیٰ سمجھا جاتا ہے کردستان والے انہیں صرف ایک خوشامد اور چاپلوسی تصور کرتے ہیں۔''

دوسری بات یہ کہ ڈاکٹر کو اپنا فیصلہ سطحی طور پر موجودہ منحرف اصولوں کے مطابق نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے اس بات سے واقف ہونا چاہیے کہ جناب سعید نورسی اسلام کو اپنی عملی زندگی کے ایک معیار کے طور پر لیتے ہیں جس سے وہ اپنی قوم' ریاست اور دین کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ تیسری بات میں وہ اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ حکومت میں موجود کچھ لوگ ان کی باتوں کو ہضم نہیں کر سکے کیونکہ انہوں نے اب تک کئی ایسے مسائل کا جواب مہیا کیا ہے جنہیں کوئی بھی حل نہیں کر سکا تھا اور جو کچھ وہ کر سکتے تھے وہ یہی تھا کہ انہیں ایک پاگل آدمی قرار دے دیں۔ اور چہارم یہ کہ وہ گزشتہ پندرہ سالوں سے اسلامی آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں یعنی ''وہ آزادی جو اسلامی شریعت کے عین مطابق ہے۔'' اور اب جبکہ کامیابی کا مرحلہ قریب تر آ گیا ہے اور اس سلسلے میں ارد گرد جو کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے اگر اسے دیکھنے سے روکا نہیں جا رہا ہے تو وہ ناراض کس طرح نہ ہو؟ اور آپ فرماتے ہیں ''ہزاروں میں سے صرف ایک ایسا شخص ہوگا جو اس عارضی پاگل پن کا شکار نہ ہوا ہو۔''

پھر جناب سعید نورسی ان باتوں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے ان مقدس مقاصد اور اصولوں میں سے کسی کو بھی اپنے ذاتی مفاد یا سستی شہرت کے حصول کے لئے قربان کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔

اولاً جناب سعید نورسی کا مقصد سلطنت عثمانیہ کا استحکام اور اس کی تعلیمی' مادی اور تہذیبی ترقی تھا۔ اپنے آبائی علاقے کے لباس کو زیب تن کرنے اور اس سے محبت کرنے سے وہ حریف تھے کہ سلطنت کے دار الحکومت میں صوبائی ترقی کی اہمیت پر زور دینا چاہتے تھے تاکہ یہاں مقامی صنعت کی طلب میں اضافہ ہو۔ سلطان سلیم (1520ء-1512ء) .... یعنی (Selim the Grim) .... کے ساتھ ان کی وفاداری کے اعلان سے بھی جناب سعید نورسی یہی بتانا چاہتے تھے کہ وہ اسی ایک مقصد کے لئے وقف ہیں جو سلطنت کا ''اتحاد'' ہے۔ اصلاحات صوبوں کی ترقی کے لئے تھیں تاکہ سلطنت کا اتحاد مضبوط ہو جو اسلامی اتحاد میں استحکام کا موجب بن سکتا ہے۔

ثانیاً' جناب سعید نورسی علماء کے ساتھ بحث و مباحثہ کے عمل کے دوران اپنے خلاف علماء کی مخالفت کو اُبھار چکے تھے۔ وہ اب ڈاکٹر پر اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ

اس مباحثے سے وہ مدرسوں میں طاری ایک علمی جمود کو ایک عملی مثال پیش کر کے حل کرنا چاہتے تھے۔ وہ طالب علموں کو مطالعہ کے عمل میں مزید فعال حصہ کی تلقین کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے رہ جانے کی دوسری وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مقدس علوم (تفسیر، حدیث، علم الکلام) کی بجائے مددگار علوم (گرائمر، صرف ونحو، منطق) پر زیادہ زور دیا گیا۔ یوں جناب نورسی مدرسوں کو دوبارہ فعال بنانے کے لئے جاندار مباحثے اور مسابقت کے کردار کی ضرورت اور بنیادی مقدس علوم کی اہمیت کو اجاگر کر رہے تھے۔ پھر وہ کسی مضمون میں سپشیلائزیشن کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ یہ اسی طور پر ممکن ہے کہ کسی ایک علم کو بنیاد بناء کر مزید مضامین کا مطالعہ صرف اسی حد تک کیا جائے جہاں تک وہ اس بنیادی مضمون کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یوں طالب علم مطلوبہ مضمون کا بڑی گہرائی اور وسعت کے ساتھ مطالعہ کر سکتا ہے۔

ثانیاً، جناب سعید نورسی تعلیمی نظام کی مختلف شاخوں کا ایک دوسرے سے انحراف اور اختلافات کی وجوہات کا جائزہ لیتے ہیں۔ جو ان کے مطابق اسلامی تہذیب کے زوال پذیر ہونے کا بنیادی سبب ہے۔ اور جو موجودہ تہذیب کے حوالے سے ایک صحیح تہذیب کی تشکیل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں ''مدرسوں کے لوگ مکتب والوں کو ان کی عقیدہ کی کمزوری کی وجہ سے مورد الزام ٹھہراتے ہیں کیونکہ وہ بعض معاملات کی لفظی تشریح کرتے ہیں جبکہ مؤخر الذکر اوّل الذکر کو جاہل اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ جدید سائنس سے مکمل طور پر ناواقفیت رکھتے ہیں اور پھر مدرسوں کے علماء ٹیکاش (Tekkes) کے لوگوں کو جدیدیت کے پیروکار سمجھتے ہیں۔

ان اختلافات کی وضاحت کرتے ہوئے وہ ان مکاتب فکر کے درمیان حائل دیواروں کو گرانا چاہتے ہیں اور بعرض علاج تجویز دیتے ہیں کہ متروک پرانے فلسفہ کی بجائے مدرسوں میں جدید علوم پڑھائے جائیں اور سیکولر اسکولوں میں دینی علوم کی مکمل تدریس کرائی جائے اسی طرح مدرسوں کے علماء میں سے ''جن میں سے کچھ بڑے قابل علماء ہیں'، صوفی ٹیکاش (Tekkes) میں موجود ہونے چاہیں۔ پھر وہ خطیبوں۔ کے غیر مؤثر کردار کی وجوہات کا تجزیہ کرتے ہیں جو عوام الناس کی علمی رہنمائی میں بڑا اہم کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ خطیبوں کو علم کی جستجو کرنے والے عالم ہونا چاہیے تا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اسے ثابت بھی کر سکیں نیز ان کے لئے بڑا باریک بین فلاسفر ہونا بھی ضروری ہے تا کہ وہ شریعت کا توازن برقرار رکھ سکیں اور ساتھ ان

میں فصاحت و بلاغت عنصر بھی موجود ہوتا کہ وہ اپنے سننے والوں کو متاثر کرسکیں۔ان کے لئے ان خصوصیات کا حامل ہونا بڑا ضروری ہے۔

ان باتوں سے ڈاکٹر پر یہ واضح ہوگیا کہ سعید کوئی بہکے ہوئے انسان نہیں ہیں۔اور اس نے اپنی اسی سوچ کے مطابق رپورٹ تیار کی۔انہیں ذہنی امراض کے ہسپتال میں بھیجنے کی جو کچھ بھی وجوہات تھیں وہ طبی نہیں تھیں لہٰذا ڈاکٹر کو ان وجوہات سے کوئی غرض نہیں تھی۔لیکن ان کی مصدقہ درست دماغی حالت شاہی محل کے لئے مزید سراسیمگی اور مایوسی کا سبب بنی اور انہوں نے ان سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا یعنی انہیں واپس اسی جگہ بھیج دیا گیا جہاں سے لایا گیا تھا۔لہٰذا انہیں دوبارہ جیل میں بند کر دیا گیا اور انہیں رشوت دے کر اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی گئی لیکن وہ اس میں بھی ناکام رہے۔کیونکہ جناب نورسی خوفزدہ ہونا نہیں جانتے تھے اور انہیں ڈرا دھمکا کر وہ راستہ ترک کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا جس کا انتخاب وہ اپنے لئے کر چکے تھے۔اور نہ ہی انہیں دولت یا کسی منصب کی خواہش تھی۔ان کی تمام زندگی میں ایک نمایاں خوبی یہی رہی تھی کہ انہوں نے مادی یا کوئی دوسرے ذاتی مفادات کو پیش نظر نہیں رکھا اور نہ ہی قبول کیا۔انہیں خریدنے کے لئے کوئی راستہ یا طریقہ نہیں تھا۔انہیں اپنا مشن چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔یہ حقیقت کہ شاہی محل کی طرف سے شفیق پاشا کو جو تحفظ عامہ کے وزیر تھے' ان کے پاس بھیجا گیا تاکہ وہ سلطان کی خواہشات سے انہیں آگاہ کر سکے اور یہ بتا سکے کہ کابینہ ان کی تجاویز پر غور وخوض کر رہی ہے اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ حکومتی اداروں نے لازماً ان کی شخصیت کو سنجیدگی سے لیا ہوگا۔پاشا اور سعید کے درمیان ہونے والا مکالمہ درج ذیل ہے۔

وزیر: سلطان نے آپ کو سلام بھیجا ہے۔انہوں نے ایک ہزار کروش (Kurus) آپ کے لئے بطور تنخواہ مقرر کئے ہیں۔انہوں نے کہا ہے کہ بعد میں جب آپ واپس مشرق کی طرف جائیں گے تو وہ آپ کی تنخواہ بیس سے تیس لیرا کر دیں گے اور آپ کو سونے کے تین لیرا بطور شاہی تحفہ بھیجیں گے۔

جناب نورسی کا جواب: میں تنخواہ وصول کرنے والا بھکاری نہیں ہوں۔یہ تنخواہ اگر ایک ہزار لیرا بھی ہو تو میں اسے قبول نہیں کر سکتا۔میں اپنی ذات کے لئے استنبول نہیں آیا تھا بلکہ میں یہاں اپنی قوم کی خاطر آیا۔بہرطور یہ رشوت جو آپ مجھے دینا چاہتے ہیں مجھے خاموش رہنے کی رقم ہے۔

وزیر: آپ شاہی حکم کو ٹھکرا رہے ہیں۔ ایک شاہی حکم نامے کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔

جناب نورسی کا جواب: میں اسے اس لئے ٹھکرا رہا ہوں کیونکہ یہ بات سلطان کے غصے کا موجب بنے گی اور وہ مجھے بلائے گا اور میں اسے سچ بات بتا سکوں گا۔

وزیر: اس بات کا نتیجہ بڑا تباہ کن ہوگا۔

جناب نورسی کا جواب: اگر اس کا نتیجہ سمندر بھی ہوا تو یہ ایک بڑی کشادہ قبر ہوگی۔ اگر مجھے پھانسی دی گئی تو میں اپنی قوم کے دل میں بسوں گا۔ اور جب میں استنبول آیا تھا تو میں اپنے ساتھ اپنی جان بطور رشوت لایا تھا۔ آپ کو جو جی چاہے کریں۔ میں سنجیدگی کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں اپنے ہم وطنوں کو ایک عملی تنبیہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص حکومت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے تو یہ تعلق خدمت کرنے کا ہونا چاہیے تنخواہ ہتھیانے کا نہیں۔ اور مجھ جیسے آدمی کو قوم اور حکومت کی خدمت اچھی بات کا مشورہ دینے اور نصیحت کرنے سے سرانجام دینی چاہیے۔ یعنی معاشرے میں اپنا ایک اچھا تاثر پیدا کرنے سے اور اس کے عوض میں کسی ذاتی مفاد کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ دل میں کسی تعصب کو یا درپردہ مقاصد کو جگہ نہیں دینی چاہیے۔ یعنی ذاتی فوائد حاصل نہیں کرنے چاہئیں۔ اندریں حالات مجھے کوئی تنخواہ وغیرہ قبول کرنے سے معاف رکھا جائے۔

وزیر: کردستان میں تعلیم پھیلانے سے متعلق آپ کے مقصد کے بارے میں کابینہ میں غور و فکر کیا جا رہا ہے۔

جناب نورسی کا جواب: کس قانون کی رو سے آپ تعلیم میں دیر اور تنخواہوں میں تیزی کر رہے ہیں۔ آپ کیوں میرے ذاتی فوائد کو قوم کے عوامی فوائد پر ترجیح دے رہے ہیں؟

وزیر: وزیر کو اس بات پر غصہ آ گیا۔

جناب سعید نورسی: میں آزاد تھا۔ میں کردستان کے پہاڑوں پر پلا بڑھا جو ایک مکمل آزادی کی جگہ ہے۔ اس میں طیش میں آنے کی کوئی بات نہیں۔ اپنے آپ کو خواہ مخواہ تکلیف میں مت ڈالو۔ مجھے ملک سے نکال دو۔ چاہے فیزان یا یمن بھیج دو مجھے کچھ اعتراض نہیں۔ میں بلندی سے نیچے گرنے سے محفوظ ہو جاؤں گا۔

وزیر: آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

جناب سعید نورسی: آپ نے ان ابلتے کھولتے ہوئے خیالات اور جذبات کے سامنے ہر ایک پر سگریٹ کے کاغذ جتنا باریک پردہ چڑھایا ہوا ہے اور اسے امن وامان کا نام دیتے ہیں۔ ہر شخص اندر سے آپ کے ظلم وستم پر ایک چلتی پھرتی لاش کی طرح کراہ رہا ہے۔ میں ناتجربہ کار تھا۔ میں پردے میں نہیں چھپا۔ میں اس کے اوپر رہا۔ پھر شاہی محل نے لگان کا قانون نافذ کیا۔ میں سسلی میں ایک آرمینی کے مکان میں تھا۔ وہاں بھی لگان تھا۔ میں مٹھائیاں بنانے والوں کے ہین میں تھا۔ وہاں بھی لگان تھا۔ میں ذہنی امراض کے ہسپتال میں تھا اور اب میں اس قید خانے میں ہوں۔ مختصراً اب آپ اس جھگڑے کو اس طرح نپٹا رہے ہیں کہ مجھے بھی غصہ آ گیا ہے جب میں کردستان میں تھا میری آپ سے اچھی راہ ورسم تھی اور میرے یہاں کے تجربات نے مجھے آپ کے رازوں کے بارے میں بہت کچھ سکھایا ہے۔ خصوصاً ذہنی امراض کے ہسپتال نے مجھے ان کے بارے میں بڑی واضح جانکاری دی ہے لہٰذا میں ان تجربات کے بارے میں آپ کا شکر گزار ہوں کیونکہ میں ہمیشہ کسی چیز کے تاریک پہلو کی بجائے اس کا روشن رُخ دیکھتا ہوں۔

جناب سعید نورسی کی تصویر اس مقام پر اخبار میں شائع ہونے والے اشرف ادیب کے ایک مضمون سے مزید مکمل ہو جاتی ہے جو خصوصاً پہلی جنگ عظیم کے بعد جناب نورسی کے قریبی ساتھی رہے۔ ان کا رسالہ جو بعد میں صراط مستقیم کے نام سے موسوم ہوا' دوسرے آئینی دور کے دوران اسلامی پریس کا ایک اہم ترجمان تھا۔

کسی شخص نے بھی اور سب سے بڑھ کر خود سلطان نے بھی کبھی بھی اس بات سے اتفاق نہیں کیا تھا کہ ان کے اندر شاہی محل سے غیر وفاداری کا تھوڑا سا عنصر بھی موجود ہو سکتا ہے۔ وہ ان کے تفوق' فضیلت اور جذبے کی قدر کرتے تھے۔

وہ مشرقی صوبوں میں اسکول کھولنے اور وہاں تعلیم از سر نو قائم کرنے کے مشن کے سلسلے میں استنبول آئے تھے۔ وہ آزادی کے خواہش مند تھے ان میں عظیم حوصلہ اور شائستگی تھی۔ اس وقت کے حالات کو ذہن میں لائیں۔ نامق کمال ضیاء پاشا اور آزادی کے دیگر حامیوں کے ساتھ شاہی محل کا کیا رویہ تھا؟ ہمت' دلیری' حب الوطنی اور آزادی سے محبت کے سلسلہ میں جناب نورسی ان سب سے بہت آگے تھے۔ شاہی محل نے ان کی آزادی کے لئے

جدوجہد کو صرف ان کے علم اور نیک نامی کی وجہ سے کافی حد تک برداشت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس سلسلے میں ان کی کاوشوں کو ختم کر دینا ممکن نہیں تھا ان کی جوانی‘ غیر معمولی ذہانت‘ آزادی سے محبت‘ ان کی جنگجویانہ روح .... ان میں سے کوئی بھی انہیں ان نتائج سے نہیں بچا سکتے تھے جو آزادی کے دوسرے متوالوں کا مقدر بنے۔

آزادی کے لئے اپنی جدوجہد کے دوران انہوں نے اس حد تک دلیری اور جرأت کا مظاہرہ کیا کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کسی میں ان کے حق میں منہ کھولنے کا حوصلہ نہ تھا ہر کوئی اشاروں کنایوں میں یہ ظاہر کرتا کہ یہ باتیں ان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ یہ ایک قدرتی امر تھا کہ کوئی شخص مشرقی صوبوں سے دارالحکومت پہنچے اور اتنی بہادری اور جرأت کا مظاہرہ کرے جہاں شاہی محل اور پاشاؤں کی مطلق العنانیت قائم ہو اور اس کے نتیجہ میں مایوسی اور جبر و استبداد کا شکار ہو۔ ظالم پاشا‘ جو لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے تھے ان کے لئے جناب نورسی سے نجات حاصل کرنے اور اپنی عیاشیوں کو جاری رکھنے کے لئے اس کے سوا ان کے پاس یہ کہہ کر انہیں ذہنی امراض کے ہسپتال میں داخل کر دینے کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ درست ذہن کے ساتھ اتنی بہادری کا مظاہرہ اتنا آرام دہ اور پرسکون نہیں ہوتا۔ یہ وجہ تھی کہ انہیں وہاں بھیج دیا گیا۔

ذہنی امراض کے ہسپتال میں انہوں نے جو بیان ڈاکٹر کو دیا اس سے وہ ڈاکٹر بہت حیران ہوا۔ اسے آپ کی ذہانت‘ علم‘ جرأت اور بہادری سے بڑی حیرت ہوئی۔ وہ سمجھ گیا کہ انہیں یہاں کیوں بھیجا گیا ہے اور اس نے جناب نورسی کو عمر کے مطابق ذرا نرم رویے اور اعتدال میں رہنے کا مشورہ دیا اور پھر اس نے آپ سے معافی طلب کی۔ ہاں! یہی وہ آدمی ہے جسے انہوں نے پاگل قرار دیا‘ یہ پاگل ببر شیر۔‘‘

آزادی:

جناب نورسی کو قید خانے سے کس طرح رہا کیا گیا اس بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں رہا کرنے کے بعد واپس وان بھیج دیا گیا ہو۔ یا وہ راستے میں ہی بچ نکلے ہوں یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ 23 جولائی 1908ء کو جب آئین کا نفاذ کیا گیا تھا ابھی جیل میں ہی بند ہوں اور انہیں اس وقت رہائی ملی ہو جب 26 جولائی کو عام معافی کا اعلان کیا گیا تھا۔ بہرحال جیسا کہ دستیاب ذرائع کے مطابق عام معافی کا اعلان دو دن بعد ہوا تھا اور انہوں نے اپنی مشہور فی

البدیہہ تقریر ''آزادی کو خطاب'' انقلاب کے تیسرے روز کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں۔ اس بات کا بھی دعویٰ کیا گیا کہ سی یو پی سے ہمدردی رکھنے والوں نے جناب نوری کو جیل سے رہا کرایا اور چوری چھپے سیلونیکا لے گئے۔ یہاں انہوں نے رفیق کے گھر میں بطور مہمان قیام کیا جو آئین کے نفاذ کے بعد پہلی کابینہ میں وزیر انصاف تھے اور اس وقت سی یو پی کی سینٹرل کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے توسط سے جناب نوری سی یو پی کی اہم شخصیات سے متعارف ہوئے۔ یہ ممکن ہے اور ہو سکتا ہے کہ آئین کی بحالی کے بعد وہ استنبول میں واپس آ گئے ہوں۔ لیکن ان وجوہات کی بناء پر جو بعد میں واضح ہوں گی اسی مصنف کی اس تحریر اور دوسرے بیانات کی درستگی پر ذرا محتاط انداز میں یقین کرنے کی ضرورت ہے۔ جناب نوری کسی بھی صورت میں لازماً استنبول میں سی یو پی کے ممبران سے رابطہ میں رہے ہوں گے اور یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ وہ سیلونیکا انقلاب کے بعد کسی وقت گئے ہوں گے جیسا کہ ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ سلطان حمید کے جبر واستبداد کے آخری دور میں سیلونیکا میں حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے جو مہمان نوازی اور نئے مراسم کی تشکیل کے لئے اتنے سازگار نہیں تھے۔ CUP دوسری فوجی یونٹ جو کہ ایدرنے شہر اور تیسری مقدونیہ افواج کے نوجوان آفیسرز اور دوسرے افسران اور پیشہ ور افراد پر مشتمل تھی بھی ایک خفیہ انقلابی تنظیم تھی اور اپنے ممبران کی اچھی خاصی تعداد کے باوجود دبی ہوئی تھی۔ سلطان عبدالحمید کے ایجنٹس اور جاسوس سلطنت کے اندر ہر مقام پر موجود تھے۔ اس تنظیم کے رہنما معاشرہ کے بالائی طبقات سے اُبھرے تھے خصوصاً انور بے جو تھرڈ آرمی میں میجر تھا اور طلعت بے جو ڈاکخانے میں پوسٹ اور ٹیلی گراف کا چیف سیکرٹری تھا۔ نوجوان ترک تحریک (Young Turk Revolution) سے قبل کے سالوں میں دن بدن خراب ہوتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر ساری سلطنت کی آبادی کے تمام طبقات اور خصوصاً فوج میں نئے فوجی اسکولوں سے فارغ التحصیل نوجوان افسروں میں بے چینی تیزی سے بڑھ رہی تھی۔

جون کے آخر میں آئین کی جبری بحالی کی طرف رہنمائی کرنے والے واقعات کا آغاز ہوا۔ یہ تقریباً وہی وقت تھا جب پولیس کے چیف نے سلطان کے احکامات جناب نوری کو پہنچائے۔ حکومت کی طرف سے دھمکیوں کے ردعمل میں انور بے اور پھر دوسرے افسروں خصوصاً نیازی اپنے ساتھیوں اور اسلحہ کی اچھی خاصی تعداد میں پہاڑیوں کی طرف فرار ہو گئے۔ بغاوت

پھیل گئی۔اعلیٰ افسران جو سلطان نے معاملات کی چھان بین کے لئے بھیجے انہیں قتل کر دیا گیا۔رومیلی اور بلقان کے صوبوں میں لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔آئین کی بحالی کے لئے ٹیلی گراف بھیجی گئیں۔حالات بڑی تیزی سے حرکت پذیر تھے۔بالآخر سلطان کے رویے میں کچھ نرمی پیدا ہوئی اور اپنے ہی عوام کا خون بہانے سے انکار کرتے ہوئے اس نے 23 جولائی کی رات کو آئین کو بحال کر دیا۔اس طرح نوجوان ترک انقلاب برپا ہوا اور اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

سیلونیکا اور رومیلی میں لوگوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔مختلف لسانی گروہوں کے سب شکوے دور ہو گئے اور بڑے خوش کن انداز میں بڑی بے تابی کے ساتھ اس بات کے منتظر تھے کہ اب نئی حکومت ان کے مطالبات ضرور پورے کرے گی کیونکہ وہ اسے مدد فراہم کرتے رہے ہیں۔ہر کونے گلی میں مقررین لوگوں کے مجمعوں کو آئینی حکومت کا مطلب سمجھا رہے تھے۔اور 1789ء کے نظریات پر دھواں دھار تقریریں کر رہے تھے۔

لیکن سلطنت کے دوسرے حصوں میں سلطان عبدالحمید کی حکومت نے پہلے ان اہم واقعات کی اشاعت پر پابندی عائد کی یا پھر آئین کی بحالی کو سلطان کا ایک مہربان قدم قرار دیا جسے اس نے اپنی خواہش سے اُٹھایا۔استنبول میں بھی لوگ جبر واستبداد اور مطلق العنانیت سے نجات پانے کی مسرت میں اپنی خوشیاں منانے گلیوں میں جمع ہو گئے اور ایک دوسرے سے اپنے بھائی چارے اور محبت کا اظہار کرنے لگے۔

ان پر جوش اور پر امید ایام میں جناب سعید نورسی جہاں سے بھی گزرتے فرط جذبات سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے۔

آزادی کو خطاب:

اس انقلاب کے تیسرے دن جب اس کی خوشیاں اور جشن منانے کی تقریبات کچھ دھیمی ہوئیں تو جناب سعید نورسی نے آئین پسندی کے معنوں کی وضاحت اور اس کی اہمیت سے متعلق اپنی تقاریر کے سلسلے کا پہلا خطاب کیا۔انہوں نے کہا کہ اگر شریعت کو اس کا ماخذ اور ذریعہ بنایا جائے تو ''یہ مظلوم قوم پہلے کی نسبت ہزار گنا زیادہ تیزی کے ساتھ ترقی کر سکتی ہے۔''

آزادی کی تعریف میں صرف قصیدہ خوانی کرنے کی بجائے ''آزادی کو خطاب''

بنیادی طور پر ان نئے نظریات کا تعارف اور اس نئے دور میں اسلام اور اس کی اخلاقی اقدار سے منسلک ہونے کی تلقین تھی۔ آزادی کے اس حصول نے عثمانیہ قوم کو پہلے ادوار کی طرح ترقی کرنے اور ایک نئی تہذیب کے قیام کا موقع فراہم کیا اور اس کا حصول صرف شریعت کو ہی آزادی کی بنیاد بنانے سے ہو سکتا ہے۔ جبر واستبداد اور مطلق العنانیت کے ضرر رساں اثرات اور ترقی کرنے کے امکانات' جو دی گئی آزادی فراہم کرتی ہے' کی وضاحت کی گئی۔ نیز اس بارے میں ایک پروگرام بھی مرتب کیا گیا جس میں بتایا گیا تھا کہ آزادی کی حفاظت اور ترقی کو یقینی بنانے کے لئے کن منزلوں کو حاصل کرنا ہوگا اور کون سی باتوں سے احتراز لازم ہوگا۔ ان باتوں کی وضاحت کرتے ہوئے سلطنت عثمانیہ کے زوال کی کچھ وجوہات بھی بیان کی گئیں۔

اس سے قبل کہ اس خطاب کے اقتباسات درج کیے جائیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ آئین کی حمایت کرنے والے تمام لوگوں کی طرح ...... علماء کے گروہ کے ممبران اور دوسرے پڑھے لکھے طبقات بھی ...... جناب سعید نورسی نے اپنے نظریات کی بنیاد ان آزاد تصورات پر رکھنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی جو سلطنت عثمانیہ میں نامق کمال اور نوجوان عثمانی متعارف کرا چکے تھے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ CUP نے انہی تصورات کو اپنی شناخت بنایا۔ لیکن عثمانیہ ''قوم'' کی ترقی اور اتحاد کے حصول اور ان دلائل کو اپنی اصل روح میں یہ تصورات اسلامی ہیں کے علاوہ جناب سعید نورسی کے مقاصد اور اہداف عثمانی دانشوروں اور فلاسفروں کی نسبت زیادہ جامع تھے اور علاوہ ازیں ان کے عملی نفاذ کے لئے جدوجہد بھی کی ہے یعنی کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے علماء کی طرح اس بات پر وہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اسلام کے اندر ترقی وتہذیب کے حصول کے تمام جوہر موجود ہیں اور انہوں نے اس کے ثبوت میں کافی دلائل بھی فراہم کیے لیکن ساتھ ہی وہ ایک عملی انسان بھی تھے اور ایسے کاموں کا عملی آغاز بھی کیا جو بالآخر اس بات کو سچ ثابت کر دکھاتے۔ تعلیمی اصلاحات سے متعلق ان نظریات اور مشرقی صوبوں میں تعلیم کی ترویج' جو ان اصلاحات کا حصہ تھا' پر بحث کی گئی تھی۔ دوسرے نقات کی آئندہ ابواب میں وضاحت ہو جائے گی۔ جناب نورسی کی عملیت کا ایک دوسرا پہلو آئینی نظام میں عام آدمی کی شرکت کو ایک عملی صورت دینے کا احساس تھا جو ایک نئی سوچ تھی۔ انہوں نے اپنے نئے خیالات عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے بڑی سادہ اور عام فہم زبان استعمال کی اور انہیں ایک پروگرام کی شکل میں پیش کیا تا کہ ہر آدمی ان سے شناسا اور ان پر عمل پیرا ہو سکے اور ساتھ اپنے اس نظریاتی

ءگرام کو وسیع اسلامی سانچے میں بھی ڈھالنے کی کوشش کی۔ یہ سب کچھ پہلے فلاسفروں کے ریات سے بالکل مختلف تھا اوران کی ذاتی ذہنی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

جناب نورسی نے اپنے خطاب سے پہلے ایک معذرت پیش کی۔ اپنے مخصوص براہ ست شگفتہ مزاج اور دلکش انداز میں .... جو اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا' اس کے اس کی طرح ''جدید وضع قطع'' کی نہیں' کیونکہ وہ اعلیٰ تر کی لباس کی سلائی کرنا نہیں جانتے تھے کہ جو کچھ وہ خطاب کرنے والے تھے اس سے کوئی بہترین لباس تیار کرسکیں اور اس میں بٹن وغیرہ کا سکیں ...... وہ اپنے سامعین کی توجہ اور انہماک اپنے خطاب کی طرف مبذول کرانا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ جو کچھ کہنے والے تھے اپنے سامعین کو اس میں ذہنی طور پر شریک کرسکیں اور انہیں یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو اپنے طور پر کام کرنا ہوگا اور اگر وہ آئین پسندی کے مقاصد .... یعنی ترقی اسلامی تہذیب کی ازسرنو تعمیر .... حاصل کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنا وزن خود اُٹھانا ہوگا۔

''اے آزادی .... میں تمہیں یہ خوش کُن اطلاع دیتا ہوں کہ اگر تم شریعت کو زندگی کا ذریعہ بناؤ گی' جو کہ خود ایک زندگی ہے اور اگر تم اس جنت میں پنپتی ہو اور نشو ونما پاتی ہو تو یہ مظلوم قوم پہلے وقتوں کی نسبت ہزاروں گنا زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کرے گی۔ اگر یوں ہوتا ہے تو یہ تمہیں ہر معاملے میں اپنا رہنما تصور کرے گی اور تمہیں ذاتی دشمنوں اور انتقام لینے کے خیالات سے بدنام نہیں کرے گی .... آزادی نے ہمیں بربادی اور جبر واستبداد کی قبر سے باہر نکالا ہے اور ہمیں قوم کی محبت اور اتحاد کی جنت کی طرف بلایا ہے۔

تہذیب وترقی اور پرسکون جنت کے دروازے ہم پر کھولے جا چکے ہیں ....
آئین جو شریعت کے مطابق ہے وہ اس قوم کے اقتدار اعلیٰ کا تعارف ہے اور ہمیں جنت کے خزانے کے محافظ کے طور پر داخل ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ اے میرے مظلوم ہم وطنو! آئیں اس میں داخل ہو جائیں!

اس بات کی نشاندہی کرنے کے بعد کہ اب اقتدار اعلیٰ قوم کے پاس ہے جناب نورسی نے ان ''پانچ دروازوں'' کا ذکر کیا جس میں قوم کو داخل ہونا تھا یا وہ ''پانچ اصول'' جن پر قوم کو سختی کے ساتھ عمل پیرا ہونا تھا تاکہ اس جنت کو حاصل کیا جاسکے۔ ان میں سے پہلا دروازہ یا اصول ''دلوں کی یکجہتی'' تھا اسے سلطنت عثمانیہ کے اتحاد اور سالمیت کے احساس کو خصوصاً قوم پرستوں اور

اقلیتوں کی علیحدگی پسند تحریکوں کے بالمقابل زندہ رکھنے کے طور پر بیان کیا گیا تھا۔ دوسرا دروازہ ''وطن کی محبت'' تھا۔ یعنی وہ افراد جو قوم کو تشکیل کرتے ہیں اپنی قومیت سے باخبر ہوں اور ایک دوسرے سے اپنی باہمی محبت کو پروان چڑھائیں۔ تیسرا دروازہ ''تعلیم'' کا تھا۔ جو قوم کے تہذیبی اور تعلیمی سطح کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ تسلی بخش انداز میں بلندی کی طرف رو بہ عمل ہے۔ چوتھا اصول ''انسانی کوشش'' ہے یعنی ہر شخص کو ''کام'' کی ضمانت ملنی چاہیے اور اس کام کا اسے صحیح معاوضہ ملنا چاہیے اور اس ضمن میں پانچواں ''دروازہ'' فضول خرچی بند کرنا تھا۔ یعنی نمود و نمائش اور تعیش کی زندگی کو خیرباد کہنا۔ اور اسے انفرادی اور اجتماعی طور پر مکمل طور پر ترک کرنا۔ کیونکہ اس سے معاشرے میں غیر مساوات، بے آہنگی، ناموافقت اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں خصوصاً حکومتی افسران میں اختیارات کا ناجائز استعمال فروغ پاتا ہے۔

جناب نورسی نے جبر و استبداد سے پیدا ہونے والی ناشائستگی اور مادی و روحانی برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ ''آزادی اور انصاف کی آواز ...... ہمارے جذبات، امیدوں، قابل فخر قومی توقعات اور اعلیٰ اسلامی کردار و اخلاقیات مردہ ہو چکے تھے زندہ کر لے گی اور بلندیوں کی طرف لے جائے گی۔''

دین سے لاپروائی اور لاتعلقی کے نتیجہ میں انہیں دوبارہ مردہ کر دینے کے خطرات سے خبردار کرنے کے فوراً بعد جناب نورسی نے اپنے خطاب میں یہ پیشگوئی کی کہ اتحادِ اسلامی روایات کو اپنانے اور آئینی حکومت کی کامیاب کارکردگی اور اسلامی شعریت کے نظام کے نفاذ کے بعد سلطنت عثمانیہ جلد ہی دوسری تہذیب یافتہ اقوام کے مدمقابل کھڑی ہونے کے قابل ہو جائے گی۔ اس پیرے میں جناب نورسی کی ''ترقی'' کے استعارے سے مراد سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق ان کے اپنے عقائد تھے۔

جناب نورسی نے سچی تہذیب و ترقی کو حاصل کرنے کے لئے اسلامی اخلاقیات پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے اس مستقل خطرے کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی کہ اگر آزادی کو بے راہ روی اور بے لگامی کا متبادل سمجھ لیا گیا تو پھر جبر و استبداد اور مطلق العنانیت کا دور ملک کو دوبارہ اپنی گرفت میں لے سکتا ہے۔ کیونکہ آزادی تبھی پنپتی ہے اور حقیقی معنوں میں جڑیں پکڑتی ہے جب قانون، شریعت کے راستے اور اچھی اخلاقی اقدار کی پاسداری کی جائے۔

پھر جناب نورسی نے تہذیب کی خامیاں اور برائیاں اپنانے اور اچھائیوں کو ترک

کرنے کے خلاف متنبہ کیا کہ عثمانیوں کو مغربی تہذیب اپنانے کے سلسلے میں جاپانیوں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے جس سے انہیں ترقی کرنے میں مدد ملے گی۔ جاپانیوں نے مغربی تہذیب کے اچھے پہلوؤں کو اپناتے ہوئے اپنے قومی رسم و رواج اور روایات کو نہیں چھوڑا۔ ہمیں یورپ کی باتوں .... مثلاً ٹیکنالوجی اور صنعت .... کو قبول کرنے میں خوشی محسوس کرنی چاہیے بہر حال .... ہمیں اس تہذیب کی برائیوں کو شریعت کی تلوار سے اپنی آزادی اور تہذیب کی حدود میں داخل ہونے سے روکنا ہوگا۔ تاکہ ہم اپنی نوجوان نسل کو اس کے (یعنی شریعت کے مترجم) صاف اور ٹھنڈے حیاتی چشمے کی مدد سے یورپی تہذیب کے منفی اثرات سے محفوظ رکھ سکیں۔ ہمیں بیرونی تہذیب کو اپنانے میں جاپانیوں کی مثال کو لازماً سامنے رکھنا ہوگا کیونکہ انہوں نے یورپی تہذیب کے صرف اچھے پہلوؤں کو اپنی تہذیب میں شامل کیا اور اپنے قومی ورثے اور روایات کو' جو کسی قوم کی زندگی کے تسلسل میں خمیر کی حیثیت رکھتی ہیں' محفوظ رکھا۔ کیونکہ ہمارے قومی رسم و رواج اسلام کے اندر پروان چڑھے ہیں ہمیں دو پہلوؤں سے ان کے ساتھ چمٹے رہنا چاہیے۔

پرانی اور نئی حکومتوں کے زیر اثر حالات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے جناب نورسی نے ان پانچ لافانی سچائیوں کا ذکر کیا جن پر آزادی کی بنیاد رکھنا ہوگی۔ جو درج ذیل ہیں: پہلی سچائی ''اتحاد'' تھی۔ دوسری ''سائنس، علم و فضل اور تہذیب'' تیسری سچائی ''قابل اور روشن خیال انسانوں کی نئی نسل جو قوم کی رہنمائی اور حکومت کرنے کی اہل ہو۔ جناب نورسی بیان کرتے ہیں کہ ''آزادی کی اس بارش'' سے ہر شخص کی پوشیدہ صلاحیتیں نکھریں گی حتیٰ کہ عام کسان بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہوں گے اور ایشیا اور رومیلیا کے زرخیز کھیت زمین اور اعلیٰ انسانوں کی ایسی اعلیٰ فصل تیار ہوگی جن کی اس وقت بڑی شدید ضرورت ہے۔ اور مشرق کا تعلق مغرب کے ساتھ ایسا ہوگا جو صبح کا غروب آفتاب کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی وہ مشرقی صوبوں کے غریب لوگ بیکاری کی ناتوانی اور بیماری کے زہر سے پھر مرجھائیں گے نہیں۔

چوتھی سچائی ''شریعت'' تھی۔ جناب نورسی نے اس کی وضاحت یوں کی کہ شریعت خدا کا وہ قول ہے جو ازل سے لے کر اب تک قائم رہے گا۔ کیونکہ یہ حرکت پذیر ہے۔ شریعت انسان کی ترقی کے ساتھ وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھل جاتی ہے اور وسعت اختیار کر لیتی ہے' یہ مساوات' انصاف اور سچی آزادی کے تمام تر لوازمات اور ضروریات پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسلام کا ابتدائی دور اس بات کا ایک ثبوت تھا۔ لہٰذا جناب نورسی نے بیان کیا کہ ان کی یہ

زبوں حالی اور المناک صورت حال چار وجوہات کی بناء پر پیدا ہوئی۔ (i) شریعت پر عمل کرنے میں ناکامی (ii) شریعت کی من مانی اور غلط تشریح (iii) بعض بے علم ظاہری علماء کا بے جا تعصب اور (iv) یورپی تہذیب کی بعض اچھی باتوں کو سمجھنے میں ناکامی کیونکہ انہیں ایک ریاضت کے ساتھ ہی اپنایا جاسکتا ہے اور اس تہذیب کی بیہودہ لچر اور گندی باتیں طوطوں کی طرح رٹنے اور بچوں کی طرح نقالی کرنے میں جلد بازی۔

پانچویں سچائی پارلیمنٹ اور باہمی مشورے (مشاورت) کا اسلامی اصول تھا۔ اس جدید پیچیدہ دور میں صرف آئینی اسمبلی کے ذریعے سے ہی باہمی مشاورت، سوچ بچار کی آزادی کو عملی جامہ پہنایا اور ریاست کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔

جناب نورسی نے اپنے خطاب کو تین تنبیہات پر ختم کیا۔ پہلی تنبیہہ یہ تھی کہ وہ ریاستی افسران جو نئی حکومت کے ساتھ کام کرنے کو تیار تھے ان کے ساتھ عزت اور احترام کا سلوک کیا جائے اور ان کے تجربے سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ دوسری یہ کہ سلطنت کو گھن کی طرح چاٹنے والی بیماری کا آغاز خلافت کے مرکز یعنی استنبول سے ہوا تھا۔ لہٰذا عوامی رہنمائی کی متن اہم شاخوں...... مدرسوں کے علماء، سیکولر اسکولوں اساتذہ اور صوفی خانقاہوں ...... میں مصالحت اور ہم آہنگی پیدا ہونی چاہیے۔ تیسری تنبیہہ خطیبوں کے بارے میں تھی۔ جناب نورسی نے انہیں پھر اس بات پر اُکسایا کہ وہ اپنے نظریات اور طریقہ کار میں تجدید کریں وقت اور زمانے کی ضروریات کے مطابق اپنے خطبات ارشاد فرمائیں۔

اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جناب نورسی نے اپنی دوسری تنبیہہ میں بہت پہلے ہی ان مسائل کی نشاندہی کر دی تھی جو موجودہ اسلامی سسٹم، جو مدرسوں اور صوفی سلسلوں پر مشتمل تھا، کے ساتھ یعنی پہلو بہ پہلو سیکولر تعلیمی نظام کے متعارف کرانے سے پیدا ہونے والے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ تعلیمی نظام کی یہ دو حصوں میں تقسیم دراصل اسلامی تہذیب کی پسماندگی کی بنیادی وجہ ہے اور اسی کے سبب اسلامی اخلاقیات کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی ہیں جس سے قوم کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔ سلطنت کے مشرقی صوبوں میں تعلیمی نظام کی تعمیر نو ان دو الگ الگ بہتی ہوئی ندیوں کو تعلیم کے ذریعے سے باہمی اتحاد کی طرف لانا تھا جس سے اسلام کے اندر منقسم معاشرے میں یکجہتی اور ہم آہنگی پیدا ہو سکے اور ٹوٹی پھوٹی اسلامی تہذیب کی دراڑوں کو ختم کیا جاسکے۔

سالونیکا سی یو پی اور آئین پسندی کی تشہیر:

''آزادی کو خطاب'' جناب نورسی کی وہ پہلی عوامی تقریر تھی جس کے ساتھ ان کی نو ماہ کی عوامی زندگی کا آغاز ہوا۔ جس کے دوران انہوں نے بڑے جوش و جذبے کے ساتھ آئین پسندی پر اپنے خیالات کی اشاعت کی۔ خصوصاً ایک طرف مدرسہ کے علماء اور طلباء پر اس سے متعلق اپنے نظریات کا اظہار کیا اور دوسری طرف اپنے گرد ساتھیوں کو ان سے روشناس کرایا۔ سلطنت اور اسلامی دنیا کے لئے اس کی اہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے آئین اور نئی حکومت کے لئے حمایت حاصل کرنے کی جدوجہد کی۔ انہوں نے یہ کام مندرجہ بالا دونوں گروہوں کے ساتھ گھل مل کر، ان سے گفتگو کر کے، انہیں لیکچر دے کر اور اخبارات یعنی پریس کے ذریعے سرانجام دیا جو ان دنوں سینسر شپ کی پابندی اُٹھنے سے کافی حد تک آزاد ہو چکا تھا اور پھل پھول رہا تھا۔ لیکن یہ دور اچانک ایک عذر کے نتیجہ میں ختم ہو گیا جو اکتیس مارچ کے واقعہ (13 اپریل 1909ء) سے جانا جاتا ہے۔ جس کے بعد جناب نورسی کو گرفتار کر لیا گیا۔ کورٹ مارشل میں مقدمہ چلایا گیا جس میں وہ بری ہوئے اور انہیں رہا کر دیا گیا۔ حزب اختلاف کے کئی اخبارات پر پابندی لگ گئی اور پریس کے نئے قوانین متعارف کرائے گئے۔

جناب سعید نورسی کا پہلا مضمون ایک غیر معروف اخبار ''رہبر وطن'' میں 6 اگست 1908ء کو شائع ہوا۔ جس کا عنوان ایک قرآنی آیت سے اخذ کیا گیا۔ ''عوامی معاملات میں'' ان سے مشورہ کرو۔'' (قرآن، 3:159)۔ اگر یہ اخبار استنبول سے شائع ہوتا تھا تو اس بات کا امکان ہے کہ انہوں نے اس کے بعد کسی وقت سیلونیکا کی طرف سفر کیا۔ موجودہ تحقیق اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان کا دوسرا مضمون اخبار ''مصباح'' میں 2 اکتوبر 1908ء کو شائع ہوا۔ اس وقت تک وہ لازماً استنبول واپس پہنچ چکے ہوں گے۔ انقلاب کے ان پہلے ہفتوں کے دوران وہ CUP کے ساتھ بڑے قریبی روابط کے تحت کام کر رہے تھے۔ ان کے کچھ رہنما، جنہیں ''سات افراد کی کمیٹی'' بھی کہا جاتا ہے، اگست کے آغاز میں سیلونیکا سے استنبول پہنچ چکے تھے ان میں طلعت، جمال، جاوید اور راحمی قابل ذکر ہیں جو پس منظر میں رہتے ہوئے استنبول میں سیاست دانوں کی نئی حکومت کے خلاف ایک پریشر گروپ کے طور پر کام کر رہے تھے۔

اس بات کا علم نہیں کہ جناب سعید نورسی کس کی دعوت پر سیلونیکا تقریر کرنے گئے تھے

لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ''سی یو پی'' کے لوگ اس بات میں دلچسپی رکھتے تھے کہ علماء کی جماعت سے تعلق رکھنے اور آزادی کے فصیح و بلیغ حمایتی اس شخص کی خدمات حاصل کی جائیں۔ جبکہ جناب نورسی ایسا کوئی موقع کھونا نہیں چاہتے تھے جس سے وہ شریعت کی ضرورت و اہمیت ان لوگوں کو بیان کر سکیں جن کے ہاتھوں میں اس وقت عنان اقتدار تھی۔ سی یو پی سیلونیکا میں مختلف لوگوں کا وہ جتھہ تھا جو محب وطن تھے اور اپنی زوال پذیر سلطنت کو بچانا چاہتے تھے۔ انہیں ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کا باعث ان کا یہی جذبہ تھا ان کے نزدیک آئین کی بحالی اور نمائندہ حکومت کا قیام ہی منتشر سلطنت کو استحکام اور ترقی سے ہمکنار کر سکتا تھا۔ لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ اس گروہ کے زیادہ تر افراد فوجی افسران تھے جنہیں سیاست اور سیاسی انتظام و انصرام کا خاطر خواہ تجربہ نہیں تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب انہوں نے آئین کے نفاذ کا اعلان کیا تو ان کے پاس کوئی واضح سیاسی پروگرام نہیں تھا۔ لہٰذا اندریں حالات وہ اصلاحات کے نظریاتی پہلو پر کوئی توجہ نہ دے سکے۔

ان میں سے زیادہ تر لوگ سیکولر سوچ سے تعلق رکھتے تھے لیکن عملاً انقلاب سے پہلے اور بعد میں انہوں نے آئین پسندی کے قانونی جواز کے لئے اسلام کے ذریعے کا سہارا لیا اور شریعت سے ہم آہنگ ہونے پر زور دیا اور اسے سلسلے میں علمائے کرام اور عالم و فاضل اداروں سے اپنے تعلقات بہتر بنیادوں پر استوار کئے جس کے نتیجہ میں اکثر علماء اور شریعتی اداروں نے ان کی حمایت کی۔ حتیٰ کہ شروع میں 'نوجوان ترکوں کی تنظیم' (Young Turks) سے تعلق رکھنے والے احمد رضا اور عبداللہ جیودت جیسے نظریاتی دانشوروں سے بھی معاشرے میں اسلام کے مثبت کردار کو تسلیم کیا جنہوں نے حزب مخالف کے طور پر کئی سال ملک سے باہر جلا وطنی میں گزارے تھے اور جو اثباتیت (Positivism) اور اپنے دوسرے مادی نظریات کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے۔ جیسا کہ خود بعد میں جناب نورسی نے بھی لکھا ''آئینی دور کے آغاز میں یہ بات بھی میرے علم میں آئی کہ کئی دہریہ سوچ کے لوگ بھی سی یو پی میں گھس آئے تھے اور جنہوں نے یہ تسلیم کیا کہ اسلام اور حضرت محمد ﷺ کی شریعت میں بعض ایسے سنہری اصول ہیں جو معاشرتی زندگی خصوصاً عثمانی پالیسیوں کے لئے نہایت فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں اور انہوں نے پوری شدت کے ساتھ شریعت' کی حمایت کی۔

لیکن جلد ہی سی یو پی کے اسلامی تشکل میں دراڑیں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ جناب نورسی نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے اس موقع سے خوب فائدہ اُٹھایا اور بھرپور انداز میں

آئین پسندی اور آزادی کو شریعت کی مضبوطی کے لئے استعمال کیا۔ بہر حال یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جہاں انہوں نے سی یو پی کے ان ارکان کی حمایت جاری رکھی جو ان کے مقصد کے حصول میں مدد و معاون تھے وہیں وہ ان ارکان کے سخت مخالف ہو گئے جو اس راہ سے بھٹک گئے تھے۔

جناب نورسی نے اپنا ''آزادی کو خطاب'' دوسری بار سیلونیکا کے ''آزادی چوک'' میں ہزاروں سیاست دانوں کی موجودگی میں پیش کیا جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سی یو پی کے ارکان اور حمایتی تھے۔ اور انقلاب کو استحکام بخشنے کیلئے منعقد ہونے والے جلسوں یا تقاریب میں سے یہ ایک بڑی تقریب تھی۔

اس بات کے سلسلے میں کہ جناب نورسی نے درحقیقت سیلونیکا میں سی یو پی کے لیڈروں سے بھائی چارے کا رشتہ استوار کیا ایک شہادت ان کی سرکاری سوانح حیات میں درج وہ واقعہ ہے جس میں اعمانوئیل کاراسو سیلونیکا کے یہودی ڈپٹی اور مقدونیہ ریسورٹا میسنز لاج کے بانی اور مالک سے انکی ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔ بلاشبہ کاراسو نے ایسے ذہین شخص کو متاثر کرنے اور اسے اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کے لئے جناب نورسی سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ نورسی اس سے ملاقات کرنے پر رضامند ہو گئے لیکن ملاقات میں ہونے والی گفتگو کے دوران ہی یہ ''گرینڈ ماسٹر'' اچانک گفتگو کو درمیان میں ہی چھوڑ کر باہر آ گیا اور باہر آتے ہوئے اپنے ملاقاتیوں کے سامنے یہ اقرار کیا کہ ''اگر میں تھوڑی دیر اور نورسی کے پاس بیٹھا رہتا تو اس نے مجھے مسلمان بنا دینا تھا۔''

انقلاب کے ابتدائی ایام میں واپس استنبول آ کر بھی جناب نورسی نے وزیر اعظم کے دفتر (صدارت۔) سے نئی آئینی حکومت کو تسلیم کرنے اور اسے مدد فراہم کرنے کے لئے مشرقی صوبوں کے قبائل کو پچاس سے ساٹھ ٹیلی گرافس بھیجنے میں سی یو پی کے ساتھ تعاون کیا۔ ان پیغامات میں انہوں نے ان قبائل کو بتایا کہ یہ آئینی حکومت اور آئین جس کے بارے میں آپ نے سنا ہے۔ شریعت کے احکامات کے مطابق انصاف اور باہمی مشاورت پر مشتمل ہے۔ اسے مثبت انداز میں دیکھیں اور اس کے استحکام و ترقی کیلئے جدوجہد کریں کیونکہ ہماری خوشحالی آئین پسندی سے ہی وابستہ ہے اور یہ ہم لوگ ہی تھے جو مطلق العنان حکومت کے جبر و استبداد سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے اور ظلم سہے۔

رومیلی کے علاوہ سلطنت کے تمام حصوں میں آئین پسندی سے متعلق لاعلمی اور بے خبری کے پیش نظر اپنی حکومت کے استحکام کے ساتھ ساتھ سی یو پی کا یہ بھی ایک اہم فریضہ تھا کہ وہ

موجودہ وسائل کو استعمال میں لاتے ہوئے آبادی کے زیادہ سے زیادہ حصے کو اس سے باخبر رکھے۔ ٹیلی گرافی نظام جو پہلے استبدادی حکومت کا ایک اہم ہتھیار تھا اب نئی حکومت کے قبضے میں تھا جس کے ذریعے وہ لوگوں کو خوش کُن اطلاعات پہنچا سکتی تھی۔ ان لاسلکی نظام (تار) اور اپنے نمائندگان کے ذریعے سلطنت کے طول وعرض میں لوگوں کو باخبر رکھنے کے لئے اور حمایت حاصل کرنے کے لئے پیغامات ارسال کئے گئے۔

جناب نورسی کا سی یو پی کے ساتھ قریبی تعلق زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہا۔ واقعات کے کھلنے کے ساتھ کئی دوسرے لوگوں کی طرح جناب نورسی کی غلط فہمی بھی دور ہوگئی۔ صرف انور بے کے ساتھ ان کے تعلقات قائم رہے۔ جن کی وجوہات معلوم کرنے کی اب ہم کوشش کریں گے۔ تاہم ان کی پالیسیوں میں کچھ باتیں ایسی تھیں جو جناب نورسی کے لئے قابل قبول اور مفید تھیں یا کم ازکم ان کے اپنے خیالات کے متوازی تھیں۔ ان میں سے ایک ''نظریۂ عثمانیت'' سے وابستگی تھی جس سے وہ اپنے دو مقاصد میں سے ایک کے پورا ہونے کے بارے میں پرامید تھے۔ یہ دو مقاصد کمیٹی کے نام میں ہی مجسم تھے یعنی اتحاد اور ترقی عثمانیت سب سے پہلے تنظیمات کے حامیوں نے پیش کیا۔ یہ ''نوجوان عثمانیوں'' کے لئے بھی ایک مثالی نظریہ تھا۔ جو سلطان کے اقتدار اعلیٰ کے تحت ''عثمانی قوم'' (ملت) کے بلا امتیاز تمام لسانی اور مذہبی گروہوں پر مشتمل ایک اتحاد تھا۔ اس خصوصی سیکولر نظریے کی تشکیل کے بعد ''ملت'' کی اصطلاح ایک نیا مفہوم اختیار کر گئی۔ مذہبی گروہوں کو اب ''عناصر'' (واحد۔ عنصر۔) یا ''فرقہ'' جماعت کہا جانے لگا۔ اور ان کے سب ارکان ریاست عثمانیہ کے شہری اہل وطن تھے جو مساوی سیاسی حقوق اور بلا امتیاز عثمانی قوم کے افراد تھے۔ اقتدار میں آنے کے بعد سی یو پی نے سلطنت کے تمام عناصر کو بلا امتیاز ان کے لسانی و مذہبی اختلافات کے ایک مضبوط مرکزی حکومت کے تحت متحد کرنے کا ارادہ کیا۔ بہر حال چونکہ اسلام عثمانیت کی بنیاد تھا اور عثمانیوں کا شاہی سلسلہ ترک النسل تھا لہٰذا نوجوان ترک (Young Turks) یورپ اور خود اقلیتوں کی تنقید کا نشانہ بنے۔ بڑھتی ہوئی قوم پرستی اور علیحدگی کے رجحانات کے پیش نظر اس طرز حکومت کو ناقابل عمل تصور خیال کیا گیا۔ بایں ہمہ اس کے باوجود اور اس کی مکمل ناکامی کے بعد ''عثمانیت'' نے کئی حلقوں بشمول اقلیتوں اور جناب سعید نورسی جیسے سرگرم سیاسی کارکنوں سے ابتدائی مدد طلب کی۔ 1910ء کے بعد سے سی یو پی کے رہنماؤں نے اپنی ترجیحات کا رُخ اسلام کی طرف موڑ دیا۔ پھر بلقان کی جنگوں کے بعد ان میں ترک قوم پرستی کو قبول

کرنے کا رجحان پیدا ہوا جبکہ ساتھ انہوں نے ''عثمانیت'' کے مقصد کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

جناب نورسی کا قومی اختراق کے خلاف جہاد:

سلطان حمید کی مطلق العنان حکومت کے جبر واستبداد کے تیس سالوں کے بعد تحریر و تقریر اور انجمن سازی کی آزادی متعارف ہونے، سنسر شپ اور پریس کے قوانین کے خاتمے کے بعد سیاسی سرگرمیوں میں اچانک غیر معمولی تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا۔ سینکڑوں، خبر نامے، اخبارات اور رسائل شائع ہونا شروع ہو گئے جو مختلف خیالات ونظریات کے ترجمان تھے۔ جس کے نتیجے میں معاشرے پر ایسا سیاسی رنگ چڑھا جس کی مثال گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ کاریگروں، دستکاروں اور مزدوروں میں بھی موضوع بحث ملکی سیاست سے متعلق ہی ہوتا۔ مختلف مفادات کے حامل افراد کی طرف سے معاشرتی، سیاسی، تہذیبی انجمنوں اور پیشہ ورانہ کلبوں کا ایک اژدھام معرض وجود میں آ گیا۔ حزب اختلاف نے بھی مختلف کلب اور سیاسی پارٹیاں تشکیل دے کر اپنے وجود کا احساس دلایا۔ ان میں سب سے نمایاں لبرل یونین پارٹی (عثمان فکری احرار) تھی جو جلدی میں بنائی گئی واحد سیاسی پارٹی تھی جس نے 1908ء کے اواخر میں ہونے والے پہلے انتخابات میں حکومت کے مدمقابل کے طور پر سامنے آئی۔ اس پارٹی کا رہنما صباح الدین بے تھا۔ جو سلطان عبدالحمید کا بھتیجا اور پیرس میں جلاوطنی کے دور میں احمد رضا کا حریف تھا۔ وہ سی یو پی کا ایک اہم اثباتیت پسند فلسفی تھا۔ احمد رضا ایک ہیرو کی استقبالی شان کے ساتھ واپس استنبول پہنچ چکا تھا اور جسے انتخابات کے بعد ''چیمبر آف ڈپٹیز'' کے صدر کے عہدے پر مقرر کیا گیا تھا۔ جب سی یو پی نے اپنے آپ کو ایک مضبوط مرکزی حکومت کے قیام کی پالیسی کا پابند کیا ہوا تھا تو صباح الدین اس کے بالکل برخلاف پرائیویٹائزیشن اور مرکزی اقتدار کو کم کرنے کی حکمت عملی پر گامزن تھا جو اس کے خیال میں سلطنت کے مسائل کا واحد حل تھا۔ ان نظریات نے، جو حکومتی اختیارات کو مختلف مذہبی اور لسانی اقلیتوں کو منتقل کرنے پر مبنی تھے، شدید مخالف ردعمل پیدا کیا۔

صباح الدین کے نام کھلا خط جس کا عنوان ''شہزادہ صباح الدین کے اچھے لیکن غلط فہمی پر مبنی نظریات کا جواب'' تھا جناب نورسی کی پہلی کتاب ''نطق'' (Nutuk) میں شامل ہے جو 1910ء میں شائع ہوئی۔ اس ''کھلے خط'' میں انہوں نے بڑے واضح انداز میں اس بنیادی سوال

پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور بڑے مدلل انداز میں اس کا جواب پیش کیا ہے۔

اپنے اس خط میں انہوں نے یہ بات واضح کی ہے کہ "گو نظریاتی اعتبار سے وفاقی نظام سلطنت عثمانیہ کے لئے بہتر ہے لیکن چونکہ مختلف مذہبی اور لسانی گروہوں کی ترقی کا معیار یکساں نہیں بلکہ ایک دوسرے سے بہت فرق میں ہے لہٰذا موجودہ وقت میں یہ سلطنت کے لئے ناقابل عمل ہے۔ زندگی اتحاد سے وابستہ ہے۔" ان کے سائنسی استعاروں کا استعمال بڑا دلچسپ ہے جو ان کی تعلیم سائنس اور ترقی پر زور دینے کی شدید خواہش کی غمازی کرتا ہے۔

انہوں نے قوم کے افراد کی "باہمی بحیثیت" کو سالموں (ایٹمز) کی باہمی کشش سے تشبیہ دی ہے جو بعد میں "حجم" (mass) کی تشکیل کا باعث بنتی ہے اسی طرح قوم کے افراد کی باہمی محبت "قومی اتصال" یکجہتی اور ہم آہنگی کا سبب بنتی ہے۔ آہنگی قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کے ان رشتوں کو مستحکم کرنے اور وطن سے محبت کرنے کے شعور کو مضبوط کرنے سے ہی اصل اتحاد وجود میں آتا ہے پھر حقوق واختیارات کی تقسیم کے اصولوں کو مرکزیت کے دائرے میں لاکر نافذ کیا اور ترقی سے ہمکنار ہوا جا سکتا ہے۔ جناب نورسی اس بات پر یقین نہیں رکھتے تھے کہ نسلی ولسانی تضادات کو ختم کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے برخلاف جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں' ان کا خیال یہ تھا کہ حکومت کو سلطنت کے تمام عناصر کو ان کی ذہنی سطح' مقامی زبانوں اور قومی رسومات کے مطابق ایک ہی نہج پر بلند کرنے کی کوشش کرنا چاہیے' جس کے نتیجے میں ایک صحت مند مقابلے کی فضا پیدا ہوگی جو تہذیبی ترقی کے لئے مطلوبہ قوت فراہم کرے گی۔

بڑے درست انداز میں اور جیسا کہ بعد میں حالات سے بھی ظاہر ہوگیا' جناب نورسی نے صباح الدین کو مرکزی حکومت کے اختیارات کم کرنے کی پالیسی میں مضمر خطرات سے خبردار کیا انہوں نے بتایا کہ مختلف اقلیتوں کی سیاسی انجمنیں اور تنظیمیں مختلف عناصر کے درمیان جھگڑوں اور آویزشوں کی وجہ سے مرکز گریز قوت میں تبدیل ہو جائیں گی۔ مرکزی اختیارات کے پھیلاؤ سے تشدد کی شدید لہر حکومتی جہاز کو لے ڈوبے گی۔ خود مختاری کو ہوا ملے گی اور عثمانیت اور آئین پسندی کے پردے کو پھاڑ کر آزادی حاصل کی جائے گی اور چھوٹی ریاستوں کی افواج تشکیل پائیں گی۔ پھر بالآخر باہمی افتراق' رقابتوں اور غلبہ کی خواہش سے حالات مزید بگڑ جائیں گے اور لوگوں سے غیر مساوی سلوک کے نتیجہ میں سلطنت افراتفری اور لاقانونیت میں پھنس کر رہ جائے گی۔ جناب نورسی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ پرنس صباح الدین جیسے باعزت' اعلیٰ

تعلیم یافتہ اور باصلاحیت شخص کی حب الوطنی اسے باہمی اختلافات پیدا کرنے سلطنت کے حصے بخرے کرنے اور اس کا مستقبل تباہ کرنے کی اجازت دے دے گی۔قوم کے زیادہ تر افراد خدا تعالیٰ کی واحدنیت پر ایمان رکھتے تھے اور اس لحاظ سے قوم میں باہمی محبت اور وحدت قائم کرنے کے ذمہ دار تھے۔اس کے لیئے اسلام کافی تھا۔اس مسئلے کا حل اسلام کے دائرہ کار کے اندر ہی تلاش کرنا چاہیے۔انہوں نے فرمایا کہ اگر یہاں عناصر ہی نے پنپنا ہے تو بطور ایک عنصر اسلام ہی ہمارے لیئے کافی ہے۔

لہٰذا جناب نورسی کے نزدیک اتحاد ہر چیز پر فوقیت رکھتا تھا اندرونی اور بیرونی مرکز گریز قوتوں کے سامنے، جو سلطنت عثمانیہ کو توڑنے اور اس کے حصے بخرے کرنے کا ارادہ کیئے ہوئے تھیں، اس کے اتحاد اور یکجہتی کو ہر قیمت پر قائم رکھنا تھا۔اس دور میں ان کی تحریروں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انہوں نے کئی سطحوں پر اتحاد کو قائم رکھنے کی شدید تلقین کی ہے۔اپنے کرد ساتھیوں کے سامنے تقریریں خطبوں کے دوران ان کی سرزنش کرتے ہوئے اور انہیں سلجھاتے ہوئے انہوں نے باہمی اتحاد کی اہمیت پر زور دیا۔اور ان کے اندرونی جھگڑوں کی تشخیص کرتے ہوئے ان سے بڑی خطرناک اور انحطاط پزیر بیماری قرار دیا۔یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ سلطنت کے کثیر النسلی، کثیر المذہبی گروہوں کے درمیان خود سلطنت کے اندر اور اسلامی سطح پر ہر قیمت پر اتحاد کا قیام وقت کی اہم ضرورت تھی۔ جناب نورسی کے نزدیک اسلام اور اسلامی اخوت عثمانیت کے اٹوٹ انگ تھے۔

اس اتحاد .... ترقی اور آزادی اور آئین پسندی سے متعلق جناب نورسی کے نظریات کے سارے ڈھانچے کی .... بنیاد ان کا قومیت (ملت) کے تصور پر تھی۔قومیت کا شعور محبت کے جذبات کو پروان چڑھاتا ہے، جس کے نتیجے میں قومی یکجہتی پیدا ہوتی ہے جو ترقی کے لیئے راہ ہموار کرتی ہے۔ان کی یہ بات اپنے وسیع تناظر کے لحاظ سے بھی درست تھی۔شخصی حکومت اور مطلق العنانیت کے خلاف ان کی سب سے اہم تنقید بھی یہی تھی کہ یہ قومیت کے جذبے کی قاتل ہے جو نفرتوں اور انتشار کو جنم دیتی ہے اور مثبت ترقی کے سب راستوں کو مسدود کر دینے کا باعث بنتی ہے۔اس طرح وہ ''قوم'' (ملت) کی اصطلاح اور اس کے ماخذات جو اس کی تین سطحوں .... یعنی اس کے تشکیلی عناصر (گروہ)، سلطنت اور اسلام .... کی نشاندہی کرتے ہیں،

دونوں کو ہی استعمال میں لاتے ہیں اور ان سب کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ اس منصوبے میں غیر مسلم اقلیتوں کے مقام کو بعد میں لیا جائے گا۔

یہی وہ نظریات تھے جن کو جناب نورسی اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے عوام کے ذہنوں میں راسخ کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ مئی 1909ء کے کورٹ مارشل کے دوران اپنے دفاع میں انہوں نے بیان کیا کہ کس طرح وہ ان ہوٹلوں اور دوسری جگہوں میں جاتے رہے تھے جہاں استنبول کے تقریباً بیس ہزار مزدوروں کا روز آنا جانا رہتا تھا اور وہ انہیں سادہ اور آسان زبان میں آئین پسندی کی اہمیت اور اس سے فوائد حاصل کرنے کے بارے میں سمجھاتے وہ انہیں بتاتے کہ ان کے تین دشمن ہیں۔ غربت' جہالت اور اندرونی جھگڑے چالیس ہزار' کردوں کے سچ قبیلے' میں سے چالیس بھی ایسے نہ تھے جو اخبار پڑھ سکیں۔ اپنے ان دشمنوں سے لڑنے کے لئے جس چیز کی انہیں ضرورت ہے وہ ''ہیروں کی بنی تین تلواریں'' ہیں: قومی اتحاد یعنی اپنی صفوں میں اتحاد' کوشش اور محنت اور اپنی قوم سے محبت (یعنی عثمانی قوم سے محبت)۔ وہ ثانی الذکر پر زور دیتے تھے شاید انہیں جوش و جذبہ دلانے کے لئے وہ انہیں بتاتے کہ آپ (یعنی کرد) اپنی ہمت اور جسمانی طاقت پیش کر سکتے ہیں جبکہ ترک ذہانت اور تعلیم رکھتے ہیں۔ ''ترک ہماری ذہانت ہیں جبکہ ہم ان کی طاقت ہیں۔'' دونوں اکٹھے ہو کر ہم ایک مکمل انسان بن جاتے ہیں .... ہمیں صرف فوائد پر نظر رکھنی ہوگی کیونکہ ''آئینی حکومت'' درحقیقت وہ حکومت ہوتی ہے جس کی بنیاد شریعت پر ہو......... اتحاد میں طاقت ہے' اتفاق میں زندگی' بھائی چارے میں خوشی' اور حکومت کی اطاعت میں بہبود و خوشحالی ہوتی ہے۔ اتحاد کی طاقت ور رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا اور باہمی محبت کے ربط کو قائم رکھنا ایک زندہ قوم کی بقاء کے لئے بہت ضروری ہے۔

ایک بار پھر ہمیں آزادی اور آئین پسندی کے پیغام کو عوام الناس کے ذہنوں میں جا گزیں کرنے کی لگن اور فکر درج ذیل حالات میں نظر آتی ہے نیز جس سے ''قوم سے محبت'' کے بارے میں ان کے اپنے مثالی عمل کی بھی عکاسی ہوتی ہے۔

کرد مزدوروں نے آسٹریا کے بائیکاٹ میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ 5 اکتوبر 1908ء کو آسٹریا نے بوسنیا ہرزیگوینا کو اپنی حدود میں شامل کر لیا اور بلغاریہ نے آزادی کا اعلان کر دیا جبکہ 6 اکتوبر کو یونان نے کریٹ پر قبضہ کر لیا۔ ان اقدامات کے ردعمل کے طور پر استنبول کے لوگوں نے آسٹریا کے تجارتی سامان اور ان جگہوں کا جنہیں فروخت کیا گیا تھا' بائیکاٹ کر دیا۔ جسے

سی یو پی نے منظم کیا تھا۔ یہ تجارتی بائیکاٹ پانچ ماہ جاری رہا اس دوران بعض مفاد پرست قوتوں نے استنبول کے تقریباً بیس ہزار یا اس سے زیادہ سادہ لوح اور جاہل مزدوروں کو جن پر استنبول کی معاشی سرگرمیوں کا انحصار تھا' اشتعال دلایا۔ لیکن اس ابتری اور جوش و اشتعال کے وقت جناب نورسی نے انہیں پرسکون رہنے کا مشورہ دیا اور انہیں سلجھایا جس کے نتیجے میں مزدوروں نے ان کی ہدایات پر عمل کیا اور سمجھ داری کا ثبوت دیا اور کمال دانش مندی کے ساتھ بائیکاٹ کے منفی معاشی اثرات کا' جن کا فوری نشانہ مزدور خود تھے' ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

مشرقی صوبوں کی غربت اور پسماندگی' جسے جناب سعید نورسی تعلیمی اصلاحات' جدید علوم کی شمولیت اور تعلیم پھیلانے جیسے اقدامات کے ذریعے دور کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے' اتنی شدید تھی کہ اکثر اسے' چیمبر آف ڈپٹیز یعنی ''نائبین کے ادارے'' میں زیر بحث لایا جاتا۔ دوسری نسلی اقلیتوں کے مقابلے میں کردوں کے معاملہ پر بحث ان کی دگرگوں معاشرتی و معاشی صورت حال کے حوالے سے کی جاتی تھی۔ ان کی شرح خواندگی کا تذکرہ بھی کیا جاتا تھا۔ دس ہزار اشخاص میں سے ایک بھی خواندہ نہیں ملتا تھا۔ اور ان نائبین کو خواندگی کی شرح کو ایک ہزار میں ایک خواندہ کی سطح پر لانے کے لئے سرمایے کی ضرورت تھی۔

سی یو پی کے ساتھ ابتدائی قریبی روابط کی ایک وجہ تعلیم تھی۔ کیونکہ یہ وہ میدان تھا جہاں دونوں کے مقاصد یکساں تھے۔ سی یو پی تعلیم کو بہت اہمیت دیتی تھی۔ اور اس سے ان کا مقصد عثمانی قوم کو اس قابل بنانا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ آئینی اور معاشرتی رواداری' کشادہ دلی کے نظریات کو قبول کر سکے بجائے اس کے کہ ماضی کی طرح صرف نوکر شاہی اور فوج کے لئے مستقبل کے امید وار تیار کرنا اس کا واحد مقصد ہو۔ انہوں نے کئی جگہوں میں انجمنیں (کلب) بھی قائم کیں جو عوام الناس کو مذہبی اور سیاسی معاملات کی تعلیم دیتے تھے۔

جناب نورسی عوامی نظم و ضبط پیدا کرتے ہیں:

آزادی کی آمد کے ساتھ پیدا ہونے والی رجائیت پسندی یا اُمید پرستی کے نتیجے میں نظریات و خیالات فریب نظری سے باہر آئے اور زیادہ واضح انداز میں نکھر کر اُبھرے۔ جس کی وجہ سے پارٹیاں مخالف رجحانات یا قطبیت میں تقسیم ہو گئیں اور حالات زیادہ غیر یقینی اور عدم استحکام کا شکار ہو گئے اس صورت حال میں عوامی نظم و ضبط اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے جناب نورسی سے

جو بھی بن پڑا انہوں نے کیا۔ تا کہ آئین پسندی کو قائم کیا جا سکے اور اس کے فوائد سے استفادہ کیا جا سکے اس کی کچھ مثالیں اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ ذیل میں ایسی کچھ اور مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

مشہور اخبار ''میزان'' کے مالک میزانجی مراد بے نے استنبول کے شہزادہ عباسی میں واقع فرح تھیٹر میں ایک عوامی لیکچر دیا جس کا موضوع ''سلطنت روما کا عروج وزوال'' تھا۔ لیکچر کے دوران یہ بات واضح ہوئی کہ مراد بے جو ماضی میں نوجوان ترکوں (Young Turks) کے اسلامی گروپ کی رہنمائی کر چکے تھے' وہ سی یو پی اور حکومت کا مقابلہ رومنوں سے کر رہے تھے۔ جیسے ہی اس تقابلی جائزے نے زیادہ واضح شکل اختیار کی تو سامعین میں بیٹھے سی یو پی کے حامیوں نے نفرت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ مراد بے نے ایک آدمی کی طرف سے ریوالور تان کر دھمکی دینے کے باوجود بغیر کسی خوف یا گھبراہٹ کے یہ تنقید جاری رکھی لیکن جب سامعین کے احتجاج نے شدت اختیار کی اور وہ اونچی آوازوں میں چلائے اور طیش میں پاؤں کو زمین پر پٹخنے لگے۔ مخالفین نے اپنا طریقہ کار استعمال کیا اور وہ اپنا خطاب جاری نہ رکھ سکا۔ وہ اسٹیج کے پچھلے کمرہ میں چلا گیا اور پردہ گرا دیا گیا۔ لیکن شور وغوغا کم نہ ہوا بلکہ سامعین دو حصوں میں بٹ گئے اور ہال میں دھکم پیل شروع ہوگئی ایک دوسرے پر تنقیدی جملے کسنے لگے اور گالی گلوچ پر اُتر آئے۔ سامعین میں سے نہ کوئی ہال سے باہر نکلا اور نہ کسی نے مداخلت کی۔

اچانک کوئی شخص تیزی کے ساتھ اپنی نشست سے اچھل کر کھڑا ہوا اور اس شور وغل سے بلند آواز میں چلایا ''او مسلمانو تم سب ایک ہو'' یہ بدیع الزمان جناب سعید نورسی تھے۔ سب لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے بعد انہوں نے اس بات کی وضاحت کی کہ آزادی تقریر ہر قیمت پر برداشت کرنا پڑے گی اور اس کی تکریم لازم ہے۔ یہ بات اس قوم کے افراد کے لئے باعث ندامت ہے جس نے حال ہی میں آزادی اور آئین کا اعلان کیا ہے کہ وہ ایک اچھے طرز عمل اور اخلاقیات کی تمام حدود پھلانگتے ہوئے ایک مقرر کو تقریر کرنے سے روک دے۔ دین اسلام اس بات کا بھی حکم دیتا ہے کہ کسی کے خیالات ونظریات کا احترام کیا جائے۔ انہوں نے جو کچھ کہا اس کے حوالے میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث بھی پیش کیں۔ اسلامی تاریخ سے بھی اس کی مثالیں پیش کیں اور انہیں بتایا کہ حضرت رسول کریم ﷺ کس طرح دوسرے لوگوں کے خیالات ونظریات سے استفادہ کرتے تھے اور اس ضمن میں کچھ مثالیں بھی پیش کیں۔ پھر آپ نے سب لوگوں کو مشورہ دیا کہ اب خاموشی کے ساتھ چلے جائیں۔

جناب نورسی ایسے پُر اثر اور قائل کرنے والے منطقی انداز میں بولے کہ کسی کو بھی اعتراض یا تنقید کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔ بلکہ چند منٹ پہلے ایک دوسرے کو گالیاں بکنے والے ہنگامہ جو اور ہٹ دھرم لوگ بھی کچھ نہ کہہ سکے۔ ہر کوئی ندامت میں سر جھکائے ہال سے باہر نکل گیا۔

مندرجہ بالا بیان کے مصنف، صحافی منیر سلیمان اس وقت کی اور کئی یادداشتیں محفوظ رکھتے تھے جو انہوں نے 1972ء میں ایک انٹرویو کے دوران بیان کیں۔ ''یقیناً جناب نورسی وہ انسان تھے جو اپنے نظریات کو اچھی طرح سمجھتے تھے اور ان کا دفاع کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس کام کا آغاز اس دور سے کیا جسے ''آئینی دور'' کہا جاتا ہے۔ وہ مسلسل ایک مستقل رفتار کے ساتھ ایک ہی سمت میں اپنی جدوجہد میں مصروف رہے اور اپنے نظریات کا دفاع کرتے رہے۔ ارباب اختیار ان سے اس وقت بھی خوفزدہ تھے جیسا کہ اب تھے کیونکہ وہ جب بھی شہر کی گلیوں میں نکلتے عوام الناس کا ایک اژدھام ان کے گرد اکٹھا ہو جاتا۔

اس سوال پر کہ کیا ان کے گرد اکٹھا ہونے والے ان کے اپنے شاگرد ہوتے تھے منیر سلیمان نے جواب دیا۔ ''ان کے گرد اکٹھا ہونے والے ان کے شاگرد اور عام لوگ دونوں ہی ہوتے تھے لیکن ان میں زیادہ تعداد عوام الناس ہی کی ہوتی تھی کیونکہ وہ انہیں دیکھنا چاہتے تھے وہ ان کی باتیں سننا چاہتے تھے۔ میں نے خود یہ منظر کئی مرتبہ دیکھا وہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ امر آفرین اور دل موہ لینے والے انداز میں بولتے تھے۔''

انہوں نے فروری 1909ء میں بایزید استنبول میں ایک مرتبہ مدرسہ کے طالب علموں کی طرف سے منظم کی گئی ایک بہت بڑی احتجاجی ریلی کے دوران پیدا ہونے والی سخت کشیدہ صورت حال کو بھی اپنے مؤثر انداز میں حل کیا۔ روایت یہ تھی کہ دینی مدارس کے طلباء کسی بھی قسم کی فوجی خدمات سے مستثنیٰ قرار دیئے جاتے تھے لیکن اس کے نفاذ کے بعد حکومت نے ایک ایسا امتحان متعارف کرایا جس سے اس سہولت کا غلط استعمال کیا گیا۔ جو طلباء یہ امتحان پاس کر جاتے انہیں تو فوجی خدمت سے مستثنیٰ کر دیا جاتا لیکن جو طالب علم امتحان میں فیل ہو جاتے ان کے لئے فوج میں خدمات سرانجام دینا لازمی قرار دیا گیا مگر اس امتحان کی تیاری کے لئے طلباء کو بہت کم وقت دیا گیا۔ اس صورت حال سے برانگیختہ ہو کر طلباء نے ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا۔

جب جناب نورسی اس احتجاجی جلسہ میں پہنچے تو جلسہ متلاطم اور ہنگامہ خیز ہو چکا تھا۔ آپ طلباء کے لئے ایک جانی پہچانی شخصیت تھے آپ نے ان سے خطاب کیا اور شریعت اور

آئین پسندی کے صحیح اور اصل تعلقات کی وضاحت کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ شخصی اور مطلق العنان حکومت کسی طریقے سے بھی شریعت کے ساتھ اکٹھی نہیں ہوسکتی۔اس طرح بڑے مختصر وقت میں حالات کو پرامن بنا کر انہیں کوئی خطرناک صورت حال میں تبدیل ہونے سے بچالیا۔

تیسرا باب

بدیع الزمان اور 31 مارچ کا واقعہ

یونین اینڈ پراگریس کمیٹی (CUP) کی نوماہ کی حکومت کے بعد بڑھتی ہوئی بے چینی اور عدم استحکام کے بعد اکتیس مارچ کے واقعہ کا باعث بنا اس فوجی بغاوت کے جو استنبول میں فوج کے کچھ حصوں میں برپا ہوئی اور تقریباً بارہ روز تک جاری رہی اصل حقائق ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکے۔ لیکن بات یقینی ہے کہ جو بھی وجوہات رہی ہوں اس بغاوت میں اخبار والکن اور اس کے مالک درویش وحدتی اور اتحاد محمدی کمیتی جھپت یا ''محمڈن یونین'' (جس کا یہ اخبار ترجمان تھا) کے کردار کو بڑے مبالغہ آمیز اور ممکنہ طور پر غلط رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

ذیل میں کم از کم کچھ اہم غلط بیانیوں کی طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کرنے کے تمام عمل کو یا اس واقعہ کے تمام حقائق کا کھوج لگانا ممکن نہیں۔

جناب سعید نورسی کا اس بغاوت میں کوئی کردار نہیں تھا۔ بلکہ اس کے برعکس انہوں نے باغی فوجیوں کو اپنے اعلیٰ افسران کا حکم ماننے اور واپس بیرکوں میں جانے کے لئے اپنے اثر ورسوخ اور اچھی شہرت کو استعمال کرتے ہوئے انہیں سلجھانے کی کوشش کی جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہے لیکن جب سالونیکا سے آپریشن آرمی کے پہنچنے پر امن قائم ہو گیا تو دیگر سینکڑوں لوگوں کے ہمراہ انہیں بھی گرفتار کر کے فوجی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کی وجہ ''محمڈن یونین'' کے ساتھ ان کا تعلق تھا جس پر فوجیوں کو بغاوت پر اُبھارنے کا الزام عائد کیا گیا تھا۔ بہرحال انہیں اس مقدمے سے بری کر دیا گیا۔ ان کی اپنے دفاع میں کی گئی تقریر، جس کی بناء پر چالیس یا پچاس اس مقدمہ میں ملوث دوسرے قیدی بھی رہا ہو گئے، وہ ''دو بدنصیب اسکولوں کا صداقت نامہ'' یا ''کورٹ مارشل اور سعید کردی'' کے عنوان کے تحت 1911ء میں شائع ہوئی۔ اگلے سال اس تقریر کا دوسرا ایڈیشن چھپا۔

اتحادِ محمدی:

''والکن'' اخبار کے شمارہ نمبر 36 (5 فروری 1909ء) میں دوسری خبروں کے علاوہ تین خبریں ایسی تھیں جن میں ظاہری طور پر باہمی تعلق نظر آ رہا تھا۔ پہلی خبر یہ تھی کہ فری میسن کی مشیر فواد پاشا کے گھر میں ایک نشست منعقد ہوئی جس میں تین ہفتوں کے بعد انجمن کی ایک شاخ کھولنے کی توقع ظاہر کی گئی۔ دوسری ''اتحادِ محمدی'' کی تشکیل کے بارے میں تھی اور تیسری خبر میں یہ اطلاع فراہم کی گئی تھی کہ (The Masons) کے جواب میں ایک مقدس انجمن عوام میں اپنے آپ کو متعارف کروا رہی ہے۔ ظاہر ہے اس ''مقدس انجمن'' سے مراد ''اتحادِ محمدی'' ہی تھی۔ اگرچہ عموماً درویش وحدتی کو ہی ''محمڈن یونین'' کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن درحقیقت (جیسا کہ اس نے خود بڑی وضاحت کے ساتھ ''والکن'' میں شائع ہونے والے اپنے مضامین کے سلسلوں میں ذکر کیا ہے) اسے اس انجمن میں چند ایسے لوگوں نے متعارف کرایا جو اس کے لئے اجنبی تھے اور وہ لوگ ''والکن'' اخبار کو اپنی انجمن کے ترجمان کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ان کے کہنے کے مطابق انجمن پچھلے دس سالوں سے قائم تھی۔ اس نے پہلے تو ان کی بات مان لی لیکن بعد میں جلد ہی اسے ان لوگوں پر شک گزرا اور اس نے ان لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لی کیونکہ ان کا مقصد ''سیاسی ردِعمل'' تھا اور ان میں سے کم از کم ایک شخص جاسوس یا سراغ رساں بھی رہ چکا تھا۔ پھر اس نے انجمن کا نظم ونسق اکیلے ہی سنبھال لیا۔ 17 فروری 1909ء کے شمارہ نمبر 48 سے اخبار کے پہلے صفحہ کے اوپر ''اتحادِ محمدی کا ترجمان رسالہ'' کے الفاظ لکھنا شروع کر دیئے گئے تھے لیکن اس انجمن کا مکمل منشور اور دستورِ عمل والکن اخبار میں 16 مارچ 1909ء تک شائع نہیں کیا گیا تھا۔ اس انجمن کے سرکاری افتتاح کی تقریب مولد کی شکل میں 3 اپریل کو جو حضرت محمد ﷺ کی پیدائش کا مبارک دن (12 ربیع الاوّل 1327ھ) بھی بنتا تھا، آیا صوفیا میں منعقد کی گئی۔ مولد کی تقریب میں جناب نورسی نے بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ اس موقع پر انہوں نے دو گھنٹے طویل خطبہ دیا۔ لیکن مناسب ہو گا کہ اگر ہم پہلے جناب نورسی کے اس خطاب میں سے چند اقتباسات نقل کریں جو انہوں نے کورٹ مارشل کے سامنے کیا اور جن میں انہوں نے اس انجمن میں شمولیت اختیار کرنے کی وجوہات بیان کی ہیں اور بتایا کہ وہ اسے کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

میں نے سنا جناب نورسی نے فرمایا ''کہ ایک انجمن بنائی گئی ہے جسے ''اتحادِ محمدی'' کہا

جاتا ہے۔ مجھے شدید اضطراب پیدا ہوا کہ ہوسکتا ہے کچھ لوگوں نے اس مبارک نام کو استعمال کرنے کی غلطی کی ہو۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ سہیل پاشا اور شیخ صادق جیسے با کردار اور نیک نیت انسان اس میں شامل ہو چکے ہیں تا کہ اپنے اعمال کو بہتر بنا سکیں اور پیغمبر پاک (ﷺ) کی شریعت کی پیروی کر سکیں۔ انہوں نے سیاسی جماعت سی یو پی سے اپنا ناطہ توڑ لیا ہے اور اب وہ سیاست میں حصہ نہیں لیتے۔ لیکن مجھے پھر خوف محسوس ہوا اور میں نے اپنے آپ سے کہا: ''اس نام پر تو ہر ایک کا حق ہے یہ کسی کی ملکیت نہیں اور نہ ہی اسے محدود کیا جا سکتا ہے جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں سات انجمنوں سے منسلک ہوں کیونکہ میرے خیال میں ان کے مقاصد ایک ہی تھے۔ تب میں نے اس میں شمولیت اختیار کر لی۔

والکن کے لئے جناب سعید نورسی کا پہلا مضمون اس کے شمارہ نمبر 70 (11 مارچ 1909ء) میں شائع ہوا۔ اس کے شمارہ نمبر 68 (9 مارچ) میں ایک غیر معمولی جلسہ کا اعلان چھپا جس میں انجمن کے اہم ارکان کو مدعو کیا گیا تھا جن میں سے ایک جناب نورسی تھے۔ اور اس کے شمارہ نمبر 75 میں انجمن کی گورننگ باڈی کے 26 ارکان کی فہرست شائع کی گئی جن میں سے ایک جناب نورسی تھے۔ لہٰذا یہی وہ وقت تھا جب وحدتی اس انجمن کی آزادانہ تشکیل کر رہے تھے اور جناب نورسی بھی اس میں شامل ہو گئے۔ وہ اپنا بیان جاری رکھتے ہیں۔'' چنانچہ اتحادِ محمدی جس سے میرا تعلق ہے میں اس انجمن کی تعریف یوں کرتا ہوں: یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب ایک روشن زنجیر سے بندھا ہوا ہے۔ وہ لوگ جو اس دائرے کے اندر ہیں اس وقت ان کی تعداد تین کروڑ ہے۔ جو چیز اس انجمن یا سماج کو باندھے ہوئے ہے وہ اس کا شاندار مقدس اور خدائی اتحاد ہے۔ اس کا حلف اور وعدہ ذات باری تعالیٰ پر ایمان ہے۔ اس کے ارکان اہل ایمان ہیں جن کا آغاز پرانے عہد نامے سے ہوتا ہے اس کا رجسٹر ''لوح محفوظ'' ہے۔ اس ''یونین'' کے ذرائع ابلاغ تمام اسلامی کتب' اس کے روزانہ اخبارات اور مذہبی رسائل ہیں جن کا مقصد خدا کے کلام کی عظمت کو قائم کرنا ہے۔ اس کی انجمنیں اور مجلسیں مساجد' مدرسے اور صوفی خانقاہیں ہیں۔ اس کا مرکز دو مقدس شہر (مکہ اور مدینہ) ہیں۔ اس کا سربراہ عظمت دنیا (حضرت محمد ﷺ) ہے۔ اس کی جدوجہد کا راستہ' جہاد اکبر ہے جو ہر شخص اپنی ہی روح کے ساتھ کرتا ہے۔ یعنی حضرت محمد ﷺ کی اخلاقیات پر عمل پیرا

ہونا' اپنے اعمال کو ایک نئی طاقت سے آشنا کرنا' دوسرے انسانوں کے ساتھ محبت کرنے کے جذبے کو اپنے دل میں جاگزیں کرنا اور اگر یہ ضرر رساں نہ ہو تو دوسروں کو نصیحت کرنا۔

اس سماج کا دستور العمل ''سنت نبوی ﷺ'' ہے اور اس کا ضابطہ قوانین شریعت کے احکامات و امتناعات ہیں۔ اس کی تلواریں (ہتھیار) واضح ثبوت ہیں۔ کیونکہ مہذب معاشروں کو فتح کرنے کے لئے دلائل و ترغیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبر و زبردستی کے طریقوں سے انہیں اپنا ہم خیال نہیں بنایا جا سکتا۔

سچ کے متلاشی لوگوں کی محبت کے ساتھ رہنمائی کریں جبکہ ظلم اور تعصب کے خلاف دشمنی رکھنی چاہیے۔ ننانوے فیصد شریعت اخلاقیات' عبادات' آخرت اور نیک اعمال پر مشتمل ہے۔ اس کا صرف ایک فیصد حصہ سیاست سے متعلق ہے۔ ہمارے حکمرانوں کو اس نقطہ پر سوچنا چاہیے۔

پھر وہ مزید فرماتے ہیں۔

''اب ہمارا مقصد اپنے ضمیر کے شوق اور خواہش کے ساتھ اس روشن زنجیر میں ارتعاش پیدا کر کے ترقی کے راستے پر ہر ایک کو تحصیل و تکمیل کے کعبہ کی طرف راغب کرنا ہے۔ کیونکہ اس وقت خدا کے کلام کی عظمت کو بحال کرنے کا سب سے اہم ذریعہ مادی ترقی ہی کو قرار دیا جا سکتا ہے۔''

''میں اس انجمن کا ایک رکن ہوں ...... میرا کسی بھی ایسی پارٹیوں یا گروہوں سے تعلق نہیں جو تنازعات اور اختلافات کا باعث بنتے ہیں۔''

اس کے بعد جناب نورسی سب سے پہلے اسی کوشش میں مصروف کار ہوئے کہ کسی بھی ایسی انجمن کو' جو پیغمبر پاک (ﷺ) کے نام سے موسوم ہو اور چند مخصوص لوگوں کی ملکیت ہو' اسے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال ہونے سے روکیں تاکہ وہ باہمی جھگڑوں اور اختلافات و انتشار کا سبب نہ بن سکے۔ بلکہ ''اتحادِ محمدی'' میں تمام اہل ایمان شامل ہوں اور یہ ''یونین'' ان شدید اختلافات پر قابو پانے کے قابل ہو سکے جو CUP کے اقتدار کے دوران مختلف گروہوں اور سیاسی پارٹیوں کے درمیان پیدا ہو چکے تھے۔ اور یہ اختلافات اتنے شدید تھے کہ جناب نورسی اس صورت حال کو ''عظیم تباہی'' قرار دیتے تھے یعنی خصوصاً اکتیس مارچ والا واقعہ۔

جناب نورسی نے تحریر فرمایا کہ ہماری ''یونین'' کا راستہ یہ ہے کہ محبت سے آگے بڑھنے والے ہاتھوں کو محبت سے تھامو اور دشمنی کرنے والوں سے دشمنی سے پیش آؤ۔ یعنی دوسرے الفاظ

میں مسلمانوں کے درمیان پیار و محبت کی فضاء کو فروغ دو اور دشمن قوتوں کو شکست سے دوچار کرو۔ دراصل انہوں نے ''اتحاد محمدی'' کو ''اتحاد اسلام'' قرار دیا۔ یعنی ''وہ اتحاد اور یکجہتی جو تمام اہل ایمان کی روح میں پھونکی گئی ہے۔'' ''مسلمانوں کا اتحاد اور بھائی چارہ دنیا کے نصف کونے پر سونے کی چھپی ہوئی دھاریوں کی مانند ہے۔'' ''اور ترکی میں یہ ''یونین'' ''ایک نیا شعلہ تھا جو اس کے ایک کونے میں ظاہر ہوا اور طاقتور حقیقت کی ایک اچھی خبر سنائی جواب مکمل طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔'' یہ طاقت پوشیدہ رہنے کی بجائے اب حقیقی طور پر سامنے آ چکی تھی اور دوسرے اہل ایمان کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر انہیں بیدار کرنے اور ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لئے سرگرم عمل تھی۔ مسلمانوں کو اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کا علم نہیں تھا۔ بے توجہی کے سبب اتحاد کی روشن زنجیر جو اسلام کے مراکز کو آپس میں باندھتی تھی جامد ہو چکی تھی اور اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا گیا تھا۔ اب اسے دوبارہ زندہ کرنا اور اس میں ارتعاش پیدا کرنا تھا۔

اتحاد اور ترقی کی بنیاد اور اسلامی دنیا کی آزادی ایک اخلاقی تجدید تھی۔ جناب نورسی نے اس ''یونین'' کو شریعت اور سنت رسول پر عمل پیرا ہونے کے لئے ایک اخلاقی جنگ کے لئے چلائی جانے والی ایک وسیع تحریک کے ہراول دستے کے طور پر دیکھا۔ انہوں نے فرمایا ''ہمارے دنیاوی تنزل کی وجہ اپنے مذہب پر عمل کرنے میں ناکامی ہے۔ نیز حکومتی اصلاحات سے زیادہ اخلاقی اصلاحات کی ضرورت ہے۔''

ان مضامین میں جناب نورسی نے بڑی تفصیل کے ساتھ ''اتحادِ محمدی'' کے مقاصد بیان کیے ہیں جیسا کہ یہ پھر اس کے منشور میں بھی ظاہر ہوئے۔ علاوہ ازیں اس منشور میں اس بات کی تصریح بھی موجود تھی کہ اس وقت دنیا کے مختلف علاقوں میں ہر مکتبہ فکر اور نظریہ کی انجمنیں اور پارٹیاں وجود میں آ رہی تھیں اور منشور میں بیان کیا گیا تھا کہ ایک مسلمان کے لئے اس انجمن (سوسائٹی) کا رکن بننا کوئی نقصان دہ بات نہیں اسی طرح اس انجمن کا رکن ہونے کے ساتھ کسی دوسری انجمن یا پارٹی کا رکن بننے کے لئے چاہے وہ مذہبی ہو یا سیاسی' اس پر کوئی روک یا قدغن نہیں یعنی وہ بیک وقت مختلف پارٹیوں کا رکن بھی بن سکتا ہے۔ انجمنیں وقت کی ضرورت تھیں'' کیونکہ پارٹیوں اور انجمنوں کے بغیر آئین پسندی کے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کئے جا سکتے۔ ''یونین'' اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے (اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش بھی نہیں چھوڑتی) کہ آئین کے تحت تمام شہری' چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم' قانون کی نظر میں برابر ہیں اور مساوی حقوق رکھتے

ہیں۔مزید برآں منشوراس بات کی نشاندہی کرنے میں بھی بڑا مشتاق تھا کہ اس کی تمام سرگرمیاں اور وہ سرگرمیاں جو یہ مسلمانوں میں پروان چڑھانے کا متمنی تھا قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے روبہ عمل ہوں گی۔

آیا صوفیاء میں مولد:

31 مارچ 1909ء کے اخبار والکن میں اعلان کیا گیا تھا کہ ''یونین'' کی طرف سے مولد آیا صوفیاء میں پیغمبر پاک ﷺ کی ولادت مبارک کے دن منعقد کیا جارہا تھا۔اس میں بیان کیا گیا تھا کہ اس (یونین) پر کئے جانے والے حملوں اور ان حملوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بحران پر کامیابی کے ساتھ قابو پانے کے بعد اب ''یونین'' امن اور ترقی کے ایک نئے دور میں داخل ہوگئی ہے۔''مولد حضرت محمد ﷺ کی پاک صاف اور بے داغ روح کے لئے ایک تحفہ تھا۔

تقریب مولد کی خبر نے استنبول کی آبادی اور اس مخصوص دن کو اکٹھے ہونے والے تقریباً ایک لاکھ لوگوں میں ایک عظیم ردعمل پیدا کیا۔اس سے پہلے آیا صوفیاء کے علاقے میں اتنا بڑا لوگوں کا اجتماع کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کے باوجود مولد سے پہلے یا اس کے بعد کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔تمام تقریب بڑی منظم رہی۔یہ اسلامی بھائی چارے اور تہذیب کا ایک بہترین مظاہرہ تھا۔درویش وحدتی جناب نورسی کی اس تقریب میں آمد اور ان کے خطاب کو یوں بیان کرتا ہے۔

''تقریباً دس بجے کے قریب حضرت بدیع الزماں جناب سید نورسی دینی علوم کے طلباء (جمعیت علماء طلباء) کی انجمن کے صدر دفتر پہنچے۔ہم نے ان کا بیرونی دروازے پر استقبال کیا۔جہاں ہم سب اس تقریب میں شرکت کرنے والوں سے مل رہے تھے......طلباء نے اپنے سروں پر سفید پگڑیاں باندھ رکھی تھیں جو روشنیوں کی طرح چمک رہی تھیں اور پھولوں کی طرح جاذب نظر لگ رہی تھیں۔لیکن سب سے اہم ان کی حاصل شدہ مذہبی تعلیم تھی جس نے طلباء میں ایک اعلیٰ معیار قائم کردیا تھا۔

جیسا کہ ان سے درخواست کی گئی تھی۔اعلیٰ حضرت جو دنیائے اسلام کا ایک عجوبہ ہیں (جناب نورسی) مشہور کردی لباس پہنے حسب معمول خنجر کمر سے لگائے بہادرانہ انداز میں منبر پر چڑھے اور ایک فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔

جناب نورسی نے اپنا خطاب کا آغاز ان الفاظ سے کیا۔

''سچ دل کی قبر سے برہنہ باہر نکلا ہے وہ جن کے لئے اسے دیکھنا منع ہے اسے نہ دیکھیں۔'' وہ دو گھنٹے تک اس وقت کے اہم سیاسی' سماجی اور مذہبی موضوعات پر بولتے رہے۔حاضرین میں سے ایک کے الفاظ میں ''منبر پر کھڑا ہو کر دیا جانے والا خطبہ ایک شاہکار تھا۔''

درویش وحدتی:

حافظ درویش وحدتی جو اخبار والکن کا مالک اور بانی تھا اس کی اصلیت کے بارے میں ابھی تک کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔عموماً اسے ایک شعلہ بیان بنیاد پرست اور انقلابی رجعت پسند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو آئین پسندی کے خلاف تھا۔ بلکہ اسے ایک تخریب پسند اور برطانوی ایجنٹ بھی قرار دیا گیا لیکن حالیہ تحقیقات سے یہ سارے الزامات جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔اب وہ زیادہ حالات کی ستم ظریفی کا شکار نظر آتا ہے جسے انقلاب کی علامت بنا دیا گیا تھا جس کے اسے نتائج بھگتنے پڑے۔''والکن'' کے 110 شماروں میں شائع ہونے والے مضامین سے' جن میں سے پہلا مضمون 11 دسمبر 1908ء کو شائع ہوا' اس کے فساد انگیز اور شر پسند ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔یقیناً اس کا مقصد شریعت کی بالادستی اور آئینی حکومت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی نئی آزادی کے زیر اثر ہونے والے واقعات کی طرف توجہ دلانے کے لئے اس وقت کے مسائل کو اسلامی نقطہ نظر سے پیش کرنا تھا۔جو مروجہ اقدار کے لئے ایک خطرہ تصور کئے جاتے تھے تاکہ ان پر بحث و مباحثہ کیا جا سکے۔پھر بھی بحیثیت ایک روزنامہ اخبار کے ''والکن'' اس انداز میں موجودہ سیاسی حالات و موضوعات پر تبصرہ کرتا ہے جسے عموماً اعتدال پسند کہا جا سکتا ہے۔لیکن شاید کچھ مضامین میں قدرے تلخ لہجہ بھی دیکھنے کو مل جائیں لیکن اس تلخ اور تیکھے انداز کی وجہ وزیر اعظم کمال پاشا (13 فروری 1909ء) کے جبری استعفیٰ اور اپوزیشن کے اخبار ''شربستی'' کے ایڈیٹر حسن فہمی کے قتل کے بعد خراب ہونے والی سیاسی صورت حال بھی ہو سکتی ہے لیکن جیسا کہ خود وحدتی اس بارے میں کہتا ہے کہ ''والکن'' بہت چھوٹا لیکن متحرک اخبار ہے۔وجدیت اس کا راستہ ہے۔بہر حال جب سچ اور صحیح پر حملہ کیا جاتا ہے تو پھر ''والکن'' کے لئے خاموش رہنا ناممکن ہو جاتا ہے۔تاہم یہ اخبار آئین کا کٹر حامی تھا اور CUP کے ایسے ارکان مثلاً انور پاشا اور نیازی جنہیں آزادی کے ہیرو مانا جاتا تھا' کے بارے میں ایسا مواد بھی ملتا ہے صرف خوشامد اور چاپلوسی ہی کہا جا

سکتا ہے لیکن وہ احمد رضا کی اس بات پر مذمت بھی کرتا ہے کہ ایک اچھا مقام حاصل کر لینے کے بعد وہ دوبارہ مطلق العنانیت کی طرف مائل ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس نے قانون کی حکمرانی کی حمایت و تائید کی اور سی یو پی اور اس کے حامیوں کی طرف سے دن بدن بڑھتی ہوئی لاقانونیت اور جبر کی کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر بھرپور مخالفت بھی کی۔

جب جناب نوری کو اس بات کا علم ہوا کہ کچھ لوگوں نے ایک انجمن تشکیل دی ہے جسے وہ ''محمدی یونین'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں تو ان کی طرف سے اس خبر پر خدشے کا اظہار ان کی اس تشویش کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کہیں یہ لوگ پاک نبی محمد ﷺ کے نام پہچانی جانے والی اس انجمن کو اپنی پارٹی سیاست کے لئے استعمال نہ کریں یا پھر اسے ایک ہی گروپ تک محدود نہ کر دیں۔ لیکن ان کا یہ اندیشہ خصوصاً درویش وحدتی کے حوالے سے نہ تھا۔ نہ ہو سکتا ہے کہ انہیں اس یونین کی بنیاد رکھنے والے مشکوک کردار کے حامل لوگوں کا بھی علم ہو۔ پھر بھی بہر حال وہ اس اخبار کے زیادہ تر نظریات کے ساتھ متفق تھے اور بلاشبہ ان کی یہ خواہش تھی کہ یہ اخبار ''جدیدیت'' سے وابستہ رہے جسے یہ اپنا راستہ' قرار دیتا تھا۔ کیونکہ اس دور میں وہ پریس کے ایسے کردار کے شدید مخالف تھے جو معاشرہ میں باہمی تقسیم کا باعث بنے اور کئی موقعوں پر انہوں نے اپنے مضامین میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اخبارات کو اپنا کردار کیسے نبھانا چاہیے۔ لیکن یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ سب کچھ کہنے کے باوجود 1915ء میں اپنے لکھے جانے والے ایک طویل مضمون کے آخر میں' جو الکن میں شائع ہوا' وہ وحدتی کو ایک مختصر یاددہانی کے طور پر اسے نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے تقاضوں کے مطابق اپنی تحریروں میں اعتدال کو مدنظر رکھے۔

برادر من! درویش وحدتی صاحب!:

تحریر نگاروں میں تہذیب و شائستگی ہونی چاہیے اور ان کے آداب و اطوار اسلام کے سانچے میں ڈھلے ہونے چاہئیں۔ پریس کے قوانین ضمیر کے اندر موجود دین کی سمجھ کے مطابق لکھے جانے چاہئیں کیونکہ اس اسلامی انقلاب سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ جو چیز تمام ضمیروں پر حکومت کرتی ہے وہ اسلامی ولولہ ہے جو روشنیوں کی روشنی ہے نیز یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ اسلامی اتحاد میں تمام سپاہی اور اہل ایمان شامل ہیں اور کوئی بھی اس اتحاد سے باہر نہیں۔''

یہ ''یاددہانی'' جو بغاوت کے دوسرے روز شائع ہوئی مجوزہ پریس قوانین کے ضمن میں

تھی جو تقریباً ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک پریس میں بحث کا موضوع بنے ہوئے تھے۔ یہ بات واضح نہیں کہ جناب نوری، وحدتی کے کس مضمون کی طرف اشارہ کر رہے تھے لیکن حسن فہمی کے قتل کے بعد حالات اچانک خراب ہو گئے۔ حالات خراب ہونے کی وجہ نئے قانون کے خلاف احتجاج کی اپیل تھی جو اس کے اخبار ''شربستی'' میں شائع ہوئی جو اس کی موت کے اگلے روز ہونا تھا۔ حسن فہمی کے سفاکانہ قتل نے سی یو پی کے لئے آزادی تقریر و انجمن سازی کے حوالے سے ایک دہری مصیبت کھڑی کر دی جس سے اسے ہر حال میں نپٹنا تھا...... کیونکہ سی یو پی پر ہی جذبات کو بھڑکانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس شدید بحرانی دور میں جناب نوری نے وحدتی کو یہ بتانا اپنا فریضہ سمجھا کہ حالات کو پرسکون بنانے اور امن عامہ کے قیام کے لئے ''جدیدیت'' کے راستے پر ثابت قدم رہنا اسلامی آئینی حکومت کو چلانے یعنی قانون سازی اور دوسرے انتظامی محکموں پر اسلام کے موثر نفاذ کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ یہ انارکی اور انتشار ملکی مفاد اور آزادی کے خلاف کام کرنے والوں کے ہاتھ مضبوط کرے گا۔

1909ء میں میزان اور کچھ دوسرے اخبارات کے ساتھ والکن نے سی یو پی کے خلاف پوزیشن اختیار کر لی۔ نتیجتاً یہ اخبار اور محمڈن یونین جس کا ترجمان تھا شدید تنقید کا ہدف بنے۔ جناب نوری نے بڑے اعتدال پسند موثر اور منطقی انداز میں اپنے مضامین میں محمڈن یونین کا دفاع کیا اور اس سے منسلک شکوک وشبہات اپنے مخصوص انداز میں ازالہ کیا جسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جناب نوری کا نرم لہجہ وحدتی کے جنگجو طرز عمل کی تلافی کر کے محمڈن یونین پر ہونے والے حملوں کا سد باب کرتا ہو۔ ان کے بعد میں آنے والے تین مضامین میں، جو 31 مارچ اور 15 اپریل 1909ء میں شائع ہوئے، انہوں نے اس ضمن میں تنقید، غلط فہمیوں اور سوالات کا خصوصی طور پر جواب دیا۔ تیسرے مضمون کی آخری دو اقساط ایمان حقیقت (سچ کی روشنی میں شکوک کا ازالہ کرنا) جو 31 مارچ کے واقعہ کے رونما ہونے کے بعد شائع ہوئیں ان کی گرفتاری اور کورٹ مارشل کے سامنے استغاثے کا باعث بنیں۔ جہاں تک درویش وحدتی کا تعلق ہے تو اسے سی یو پی کے ساتھ اپنی کھلی مخالفت کے نتائج بھگتنا پڑے اور اسے بغاوت پر اکسانے کے الزام میں مجرم قرار دے کر 19 جولائی 1909ء کو بارہ دوسرے افراد کے ہمراہ پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ درحقیقت ''یونین اینڈ پراگرس کمیٹی'' نے خوب اپنا انتقام لیا پھانسی پر لٹکائے جانے والے افراد کی کل تعداد 237 تھی۔

بغاوت کا پس منظر:

سی یو پی نے 31 مارچ کے واقعہ کو ایک ''رجعت پسند تحریک'' قرار دیا اور اس واقعہ کی ذمہ داری سلطان عبدالحمید پر ڈالی۔ لیکن سی یو پی کے خلاف بڑھتے ہوئے اشتعال کا سبب کئی عناصر کو گردانا گیا مگر اس بغاوت کی اصل وجہ کی تسلی بخش وضاحت نہ کی جا سکی۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ ان ذرائع کی غیر جانبدارانہ تحقیقات اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس واقعہ کے ذکر کے حوالے سے والکن اخبار میں شائع شدہ اکثریتی مواد بشمول درویش وحدتی کے مضامین اور محمڈن یونین میں اتنی زیادہ اشتعال انگیزی نہیں تھی جو بغاوت کا باعث بنتی۔ اس تشریح کا ماخذ سی یو پی اور اس کے حمایتی معلوم ہوتے ہیں اور ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کی ترتیب و تسلسل کی تصدیق بعد کے کئی مصنفین نے کی ہے۔ اس تحقیق کے مطابق یہ بغاوت اس لحاظ سے ایک رجعت پسند تحریک تھی کہ یہ آزاد آئینی حکومت کی مخالف تھی اور سلطان عبدالحمید کی مطلق العنانیت کو واپس لانا چاہتی تھی۔ بہر حال جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ والکن کے مطابق محمڈن یونین کے ممبران کی یہ خواہش نہ تھی۔ علاوہ ازیں ایک بہت مشہور مورخ نے بھی اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ سی یو پی والے اپنے ہر مخالف پر رجعت پسند' کا لیبل چسپاں کر دیتے تھے۔ اور لفظ رجعت پسند ارتقا مخالفت کا مترادف بن چکا تھا۔

مندرجہ بالا نقطہ نظر پیش کرنے والے اہم ذرائع کے مطابق بغاوت کو آزاد خیالوں میں برطانیہ کے گٹھ جوڑ نے ہوا دی تھی اور جنہیں وحدتی کی رہنمائی حاصل تھی پھر معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور سی یو پی کے خلاف شدید سیاسی جدوجہد شروع ہو گئی اور پھر لازماً اس سیاسی بے چینی پر کئی ذرائع نے جلتی پر تیل ڈالنے کا کام سرانجام دیا۔ اس کی مزید وضاحت جس کا خود جناب نورسی نے ذکر کیا ہے یہ ہے کہ یہ بغاوت ان لوگوں نے تیار کی تھی جو ملک میں سیکولرازم اور مغربیت کے نفاذ کے عمل میں تیزی لانا چاہتے تھے اور اس مقصد کی راہ میں مزاحم قوتوں کو کچلنا چاہتے تھے۔ لہٰذا وہ سی یو پی کو اپنے نشانے کی زد میں لے آئے۔ دوسرے ذرائع سارا الزام برطانوی خفیہ ایجنسی پر عائد کرتے ہیں۔ وہ ذرائع جو سی یو پی کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں وہ اس میں وحدتی کے کردار کو بہت کم ملوث کرتے ہیں۔ اس واقعہ کا تفصیلی جائزہ اس کتاب کا مقصد نہیں لیکن کیونکہ سی یو پی اور جناب نورسی کے کردار کو اس واقعہ کے حوالے سے تواتر کے ساتھ غلط انداز

میں پیش کیا گیا ہے لہٰذا ذیل میں اہم اسباب اور واقعات کا تسلسل پیش کر کے اس واقعہ میں اصل تناظر میں دیکھنے کی کوشش کریں گے۔

جیسا کہ پہلے بھی یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جب آئین کے نفاذ کے ساتھ وابستہ کی گئیں اونچی امیدیں اور توقعات پوری نہ ہوئیں تو عوام الناس میں وسیع پیمانے پر ایک نا اُمیدی اور مایوسی کی فضاء پیدا ہو گئی۔ سی یو پی کا اصل چہرہ سامنے آنے پر اس کے سحر میں روز بروز کمی آنا شروع ہو گئی۔ پس منظر میں رہتے ہوئے یہ ایک سرکاری سیاسی پارٹی نہیں تھی.......... بغاوت سے صرف ایک دن پہلے اس نے برسر عام ظاہر ہو کر اعلان کیا کہ یہ ایک سیاسی پارٹی بن چکی ہے .... اور نہ ہی اس کے ارکان کسی کے سامنے جوابدہ تھے۔ لیکن حکومتی معاملات میں اس کی مداخلت دن بدن بڑھتی گئی۔ مزید برآں سلطان عبدالحمید کے مقابلہ پر وہ (یعنی سی یو پی والے) نا تجربہ کار تھے۔ اور ان کا اس حقیقت سے انکار براہ راست فوری طور پر اپنے ملک کا علاقہ کھو دینے کا سبب بنا جس سے سلطنت اپنا اصل وجود کھو بیٹھی۔ سنسر شپ ختم کر دی گئی ''محمڈن یونین''، کارکنوں نے پریس میں سلطان کو بڑی شدید تنقیدی حملوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ آئین پسندی کو اپنی ملکیت ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے لوگوں پر اپنے نظریات بالجبر ٹھونسنا شروع کر دیئے۔ ان کا مطلق العنانیت کا رجحان ظاہر ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن جتنا وہ اپنا اصل روپ ظاہر کرتے اتنا ہی عوام میں ان پر بداعتمادی اور غیر مقبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا۔ اور سیاسی پارٹیوں اور انجمنوں کے درمیان لڑائی میں شدت آ گئی۔ پریس ایک میدان جنگ کی شکل اختیار کر گیا۔ یونین کے کارکنوں نے اپنے آپ کو زیادہ مستحکم کرنے کے لئے خفیہ اور غیر قانونی طریقوں سے سہارا لیا اور اپنے مخالفین کو کچلنے کے لئے طاقت کے استعمال میں اضافہ شروع کر دیا۔ وہ اپنے خلاف کسی قسم کی مخالفت کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے اور اپنے آپ کو ایک ''مقدس سوسائٹی'' اور ''قوم کا نجات دہندہ'' سمجھنے لگے تھے۔

دھمکیوں اور سیاسی تشدد نے ایک خوف کا ماحول پیدا کر دیا اور اس کا باعث بننے والے عناصر پس پردہ رہے۔ 15 دسمبر 1908ء کو اسماعیل مہر پاشا نامی نے سلطان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے کئی لوگ بشمول ممتاز صحافی قتل کیے گئے جن میں حسن فہمی بے بھی تھا۔ جو ''شربستی'' کا ایڈیٹر تھا اور سی یو پی کے نمایاں مخالفین میں شامل تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ ''شربستی'' نے مجوزہ پریس قوانین کے خلاف احتجاجی مظاہرے کی اپیل کی تھی۔ اور

یہ مظاہرہ 8 اپریل کو ہونا تھا یعنی اس کی موت کے ایک دن بعد۔ لیکن تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا یہ دن اس کے جنازے کا تھا جس میں لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ پریس کی آزادی کے لئے مظاہرے کا اعلان ''والکن'' کے شمارہ نمبر 97 میں شائع ہوا۔ (7 اپریل 1909ء)۔ 6 اور 7 اپریل 1909ء کی رات کو اس کے قتل کے نتیجہ میں ملک میں وسیع پیمانے پر انصاف کے لئے چیخ و پکار کی گئی۔ اب پہلے سے بھی شدت کے ساتھ جبر و استبداد کا دور پھر لوٹ آیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی سی یو پی نے ایک مہم کا آغاز کیا جس کے تحت اس نے اپنے مخالف حکومتی افسران کو ملازمتوں سے فارغ کر کے ان کی جگہ اپنے وفادار لوگوں کو افسر بنا دیا چاہے وہ متعلقہ کام کا تجربہ رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں۔ بہت زیادہ لوگ بھرتی کئے گئے پہلی حکومت کے ہزاروں فالتو جاسوس اور خفیہ ایجنٹس کو ملازمتیں فراہم کی گئیں۔ فوج کے محکمہ میں بھی اسی پالیسی پر عمل کیا گیا۔ آفیسر دو اقسام کے تھے ایک وہ غیر افسر فوجی جنہیں ان کی بہتر کارکردگی اور تجربہ کی بنیاد پر افسر بنا دیا گیا تھا اور دوسرے وہ جنہیں نئے فوجی اسکولوں میں تربیت دی گئی تھی۔ سی یو پی نے پہلی قسم کے افسران کی جگہ دوسری قسم کے افسروں کو متعین کیا۔ جن میں زیادہ تعداد سی یو پی کے حامیوں کی تھی۔ ان افسران کی تعداد جنہیں فوج کے تمام محکمہ جات سے خارج کیا گیا ہزاروں میں تھی۔ کئی افسر ناتجربہ کار تھے۔ اور ان میں سے کچھ اسلام دشمن بھی تھے جو عام سپاہیوں کو اپنے مذہبی فریضے ادا کرنے سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سے فوج میں عدم اطمینان اور بے چینی شدت اختیار کر گئی .... جس کے نتیجے میں 1908ء میں درحقیقت فوج میں ایک بغاوت کی صورت حال پیدا ہو گئی۔ ملازمتوں سے فارغ کئے گئے اہلکاروں اور افسروں نے اپنی ایک انجمن تشکیل دی جو حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کو ہردم تیار تھی۔

پھر مدرسہ کے طالب علموں اور ان کی لازمی فوجی خدمت سے متعلق مجوزہ قانون بھی حزب اختلاف کی صفوں میں رائے عامہ کے ایک اور دھڑے کی تشکیل کا سبب بنا۔ پھر ''سی یو پی'' کی دین سے متعلق آزاد خیالی کے رویے نے بھی عوام الناس میں ناراضگی اور بداعتمادی کے جذبات پیدا کئے۔ آزادی نے مغربی تہذیب و اطوار اور اخلاقیات کو اپنانے کے عمل میں تیز رفتاری پیدا کی جو اخلاقی معیار میں تنزلی کا باعث بنا۔ سی یو پی کے کچھ ممبران کی فری میسن تنظیم کے ساتھ قریبی رابطوں نے بھی سی یو پی کے لوگوں کی غیر مقبولیت میں اضافہ کیا۔

اور انجام کار مختلف پارٹیوں اور انجمنوں میں گروہ بندیاں تھیں مزید برآں سی یو پی اور

حزب مخالف کے نمائندہ اخبارات کے درمیان متواتر تلخ جنگ، مسلسل حالات کو خرابی کی طرف لے جانے کا باعث بنی۔

بغاوت:

بغاوت کا آغاز سب سے پہلے لائٹ انفنٹری بٹالین میں سے ایک بٹالین میں ہوا جو صرف چند ہفتے پہلے سالونیکا سے استنبول آزادی کے محافظوں کے طور پر لائی گئی تھیں۔ حالات کی غیر متوقع تبدیلی کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جدید تعلیم یافتہ فوجی افسران دارالحکومت کی پرجوش اور تیز رفتار سیاسی زندگی میں اپنے سپاہیوں کا خیال چھوڑ بیٹھے۔ یہ بغاوت 12/13 اپریل کی رات کو شروع ہوئی۔ اپنے افسروں کو ان کے کمروں میں مقفل کر کے سپاہیوں نے فوجی بیرکوں کا کنٹرول سنبھال لیا پھر وہ شہر کی گلیوں میں نکل گئے۔ جونہی وہ آیا صوفیاء اور اس کے نزدیک ایوانِ نمائندگان کی طرف بڑھے تو ان کے ساتھ دوسرے سپاہی، مدرسوں کے طلباء اور عام لوگ بھی شامل ہو گئے۔ وہ شریعت کے حق میں نعرے لگا رہے تھے۔ جب وہ آیا صوفیاء پہنچے تو دن کا وقت تھا۔ انہوں نے ایوانِ نمائندگان کو گھیرے میں لے لیا اور اپنی شرائط پیش کیں۔ جو یہ تھیں کہ وزیراعظم، وزیر جنگ، امپریل گارڈز کے کمانڈر۔ اور احمد رضا، جو آئین کے نفاذ کے بعد سے ایوانِ نمائندگان کا صدر تھا، کو ان کے عہدوں سے الگ کیا جائے، شریعت کا مکمل نفاذ کیا جائے، ان کے برطرف کئے گئے افسران کو بحال کیا جائے اور اس بات کی گارنٹی دی جائے کہ جن سپاہیوں نے اس بغاوت میں حصہ لیا تھا انہیں سزا نہیں دی جائے گی۔

اسی دوران باغیوں نے ایک ڈپٹی کو غلطی سے سی یو پی کا ایک اہم صحافی حسین جہد سمجھ کر اور وزیر انصاف کو وزیراعظم سمجھ کر قتل کر دیا۔ حکومت نے استعفیٰ دے دیا۔ اور سلطان نے ایک نیا وزیراعظم اور وزیر جنگ مقرر کر دیا۔ یہ بغاوت جاری رہی۔ لوٹ مار اور کچھ قتل و غارت بھی ہوئی۔ سی یو پی کے افسروں کو برخاست کر دیا گیا اور ان کے اخبارات و رسائل بند کر دیئے گئے۔ ان سب واقعات کو ایک سیاسی محرک کی طرف اشارے اور ان کے پیچھے آزاد خیالوں کی طاقت کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس بے چینی کو دور کرنے کی کوشش کی بجائے .... کسی بھی مقتدر قوت نے چاہے وہ فوجی ہو یا سول اس کی .... حمایت نہیں کی تھی .... سی یو پی نے سالونیکا سے افواج منگوانے کی حکمت عملی اختیار کی۔

بغاوت کی خبر نے سالونیکا میں، جو ابھی سی یو پی کا مرکز تھا، شدید ردعمل پیدا کیا۔ اس خبر کے پھیلنے سے کہ خود آئین کا وجود خطرے میں ہے۔ سی یو پی کو رضا کاروں کی فوج اکٹھی کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ ان رضا کاروں میں زیادہ تر سرب، بلغار، یونانی، مقدونی اور البانی دستے شامل تھے۔ اس فوجی آپریشن میں مستقل یونٹس بہت کم مقدار میں تھیں۔ انہیں استنبول کے لئے مسلح کیا گیا اور خصوصی تربیت دی گئی۔ یہ فوج شہر سے کئی کلومیٹر باہر آیا سیٹا فینوش میں اکٹھی ہوئی جہاں محمود شوکت پاشا نے اس فوج کی کمان سنبھالی۔ 24 اپریل کو انہوں نے شہر پر قبضہ کیا اور اگلے روز مارشل لاء نافذ کر دیا۔ 27 اپریل کو سلطان عبدالحمید کو معزول کر دیا گیا۔ شیخ الاسلام کی طرف سے فتویٰ دینے سے انکار کے بعد سی یو پی (CUP) کے رہنماؤں نے بالا اصرار دو اہم مذہبی شخصیات سے سلطان کی معزولی کے حق میں فتویٰ حاصل کر لیا۔ پھر ایوانِ نمائندگان اور ایوان بالا کے ارکان نے ''فوجی آپریشن'' کے ساتھ اپنی حمایت کا مظاہرہ کرنے'' آیا سیٹا فینوش جانے کے بعد سلطان کو اقتدار سے الگ کرنے کا خفیہ فیصلہ کیا اگرچہ بعد میں انہوں نے بیان شائع کیا کہ اس فیصلے کا مقصد دراصل سلطان کی حفاظت کرنا تھا۔

اگلے سال مشرقی اناطولیہ کے قبائل کی طرف سے اس موضوع پر پوچھے گئے سوالوں کے جواب میں جناب نورسی نے فرمایا:

''اسی قسم کی صورت حال اکتیس مارچ کے واقعہ کے دوران بھی میرے سامنے آئی۔ کیونکہ اسلام کے سچے پرستار آئین پسند محب وطن شریعت جو آئین پسندی کی ایک مقدس اور الٰہی فیاضی و سماوت ہے، کے راستوں کو اختیار کرنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ زندگی کا اصل جوہر ہے اور وہ انصاف کی عبادت میں حکومتی ارکان کی قبلہ کی طرف رہنمائی کر رہے تھے تا کہ آئین پسندی کی قوت سے مقدس شریعت کا بول بالا ہو اور شریعت کی طاقت سے آئین پسندی کو بقاء ملے اور گزشتہ تمام برائیوں کا سبب شریعت سے دوری کو قرار دیا جا سکے۔ پھر خدانخواستہ اسے شخصی حکومت کے لئے مددگار فرض کرتے ہوئے وہ لوگ جو دائیں سے بائیں کی تمیز نہیں کر سکتے تھے نے ایک طوطے کی طرح چلانا شروع کر دیا۔ ''ہم شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں۔'' اور پھر اس صورت حال میں

حقیقی مقصد کو نہیں سمجھا جا سکا۔ بہر طور اس ضمن میں منصوبوں کی بنیاد رکھ دی گئی تھی۔ لیکن کئی بدمعاش اور مفاد پرست لوگ جو حب الوطنی کا جھوٹا نقاب منہ پر چڑھائے ہوئے تھے اس متبرک نام پر حملہ آور ہوئے۔"

جناب نورسی یہ بات واضح کر رہے ہیں کہ ایسے منصوبوں کا آغاز صرف بغاوت کو اُبھارنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اور جب اکتیس مارچ کا واقعہ وقوع پذیر ہوا تو اسے شریعت پر حملہ کرنے اور ریاست کے اندر اسلام کی طاقت کو کم کرنے کے لئے خوب استعمال کیا گیا۔ درحقیقت بعد میں جو فوجی عدالتیں قائم کی گئیں انہیں صفائی کے کام کے طور پر بیان کیا گیا اور ان کا مقصد انصاف کی فراہمی نہیں تھا بلکہ ایک ذہنیت اور ایک نظام کو ختم کرنا تھا۔

جناب نورسی امن کا مطالبہ کرتے ہیں:

کورٹ مارشل کے سامنے ان کی دفاعی تقریر سے ہمیں انقلاب کے دوران جناب نورسی کی اپنی مصروفیات کا علم ہوتا ہے کہ فوج کے اندر امن قائم کرنے کے لئے جو کچھ وہ کر سکتے تھے اسے انہوں نے کیسے سرانجام دیا۔ انہوں نے عدالت کو بتایا۔

"میں نے اکتیس مارچ کو دو یا تین منٹ تک دور سے بڑی خوفناک سرگرمی کا مشاہدہ کیا۔ میں نے کئی شرائط سنیں .... مجھے معلوم تھا کہ معاملہ خراب ہے۔ نظم وضبط کی خلاف ورزی کی گئی تھی نصیحت یا مشورہ غیر موٴثر ہو چکا تھا۔ ورنہ ہمیشہ کی طرح میں آگ بجھانے کی کوشش کرتا۔ وہاں کئی لوگ موجود تھے۔ میرے ہم وطن ساتھی غافل، بے خبر اور سادہ لوح لوگوں میں شامل ہوتا تو فوراً اپنی شہرت (جس کا میں کوئی حقدار نہ تھا) کی وجہ سے فوراً نمایاں ہو جاتا۔ میں تین منٹوں کے بعد وہاں سے چلا آیا اور باقر کوئے گیا تاکہ جو مجھے پہچانتے ہیں اس میں شامل نہ ہوں اور میں نے وہاں موجود لوگوں سے اس میں شرکت نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اگر میرا کردار اس میں معمولی حد تک بھی ملوث ہوتا تو میرے کپڑے میری شہرت لوگوں کو میری طرف متوجہ کرتی میری شخصیت وہاں بہت نمایاں ہو جاتی۔ درحقیقت اگر میں "آیا سیتا فینوش میں اپنے آپ کو ظاہر کر دیتا اور تو چاہے

اکیلا ہی ''فوجی آپریشن'' کا سامنا کرتا تو میں بڑی دلیری اور بہادری کے ساتھ مرجاتا پھر میرا اس میں ملوث ہونا صاف ظاہر ہو جاتا اور اسے ثابت کرنا ضروری نہ رہتا۔''

دوسرے دن میں نے فوج' جو ہماری زندگی کا ذریعہ ہے' میں ڈسپلن کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے مجھے بتایا: ''افسروں نے سپاہیوں کی یونیفارم پہن لی تھیں اور نظم وضبط کسی حد تک قائم تھا۔'' میں نے یہ بھی پوچھا کہ کتنے افسر مارے گئے تھے۔'' انہوں نے مجھے دھوکہ دیا اور کہا ''صرف چار اور وہ بڑے ظالم تھے۔'' بہرحال سزا دینے کا طریقہ کار شریعت کے مطابق ہی ہوگا۔''

میں نے اخبارات کا بھی مطالعہ کیا انہوں نے اس بغاوت کو قانون کے مطابق بتایا تھا۔ ایک لحاظ سے میں خوش تھا کیونکہ میرا سب سے اہم اور مقدس مقصد شریعت کا قانونی طور پر مکمل نفاذ ہے۔ لیکن مجھے اس بات کا شدید دکھ اور رنج ہوا فوج کے ڈسپلن کو توڑا گیا تھا لہٰذا میں تمام اخبارات کے ذریعے سے سپاہیوں سے یوں مخاطب ہوا۔

> ''اے سپاہیو! اگر آپ کے افسران کچھ گناہ کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہیں تو آپ اپنی اس نافرمانی کے ذریعے ایک لحاظ سے 30 لاکھ عثمانیوں اور تین کروڑ مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہوتے ہیں اور ان کے حقوق کی خلاف ورزی کر رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت تمام عالم اسلام اور تمام عثمانیوں کی عزت اور خوشی آپ کی اطاعت کے ساتھ منسلک ہے۔ آپ شریعت چاہتے ہیں لیکن اپنی نافرمانی کے رویے سے آپ اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ میں نے ان کے کام اور ہمت کی خوشامدی تعریف کی کیونکہ اخبارات نے .... رائے عامہ کے تجزیہ نگاروں کی آراء کے برخلاف .... ہمیں بتا رہے تھے کہ ان کا عمل درست اور قانون کے مطابق تھا۔ اپنی تعریف کا اظہار کر کے میں نے اپنی نصیحت کو کسی حد تک مؤثر بنانے کی کوشش کی تھی اور ایک حد تک میں نے بغاوت کو دبا دیا۔ ورنہ یہ اتنی آسانی کے ساتھ ختم ہونے والی بات نہ تھی۔

جمعہ کو (جو بغاوت کا چوتھا روز تھا) دوسرے علماء کے ساتھ میں ان سپاہیوں کے درمیان گیا جو وزارت جنگ کی عمارت کے اردگرد جمع تھے۔ میں نے

آٹھ بٹالینز کو ہتھیار ڈالنے اور احکام ماننے پر آمادہ کیا گو کہ میری نصیحتوں نے ان پر کچھ دیر بعد اثر کیا۔"

جناب نوری پھر انہیں اپنی تقریر کا حوالہ پیش کرتے ہیں جس کا آغاز اسی طرح کے چند جملوں سے ہوتا ہے جو انہوں نے اوپر درج کئے گئے باغی فوجیوں سے کئے گئے اخباری خطاب میں استعمال کئے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ اپنی حکم عدولی کے ذریعے اسلامی اتحاد اور بھائی چارے کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

"آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ آرمی کورز ایک بڑی اور اچھی چلتی ہوئی فیکٹری سے مشابہ ہوتی ہیں۔ اگر ایک مشین بغاوت کر دے اور اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو پوری فیکٹری افراتفری کا شکار ہو سکتی ہے۔ سول سپاہیوں کو سیاست میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ جینی سری فوجیوں کو اس بارے میں حلفیہ بیان دینا ہوگا۔ آپ کہتے ہیں کہ آپ شریعت چاہتے ہیں لیکن عملاً آپ اس کی مخالفت اور اسے بدنام کر رہے ہیں۔ یہ بات شریعت' قرآن' حدیث اور عقل اور تجربہ کے مطابق ہے کہ بااعتماد' دینی اور انصاف پسند حکمرانوں کی اطاعت کرنا ایک ضروری امر ہے۔ آپ کے حکمران آپ کو سکھلانے والے اور آپ کے آفیسر ہیں۔"

جناب نوری پھر اس بات کو جاری رکھتے ہیں کہ انہیں فوجی تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل افسروں کے احکامات کو تسلیم کرنا چاہیے چاہے ان کا رویہ تھوڑا بہت غیر قانونی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی ڈاکٹر یا انجینئر کسی قسم کا کوئی غیر اہم جرم کر بھی لیتا ہے تو اس سے ضروری نہیں اس کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کو بھی کوئی نقصان پہنچے یہی بات ان افسروں کے بارے میں بھی سچ تھی۔ مقدس اتحاد کا جھنڈا سپاہیوں کے پاس تھا اور اس حد تک مضبوط ضرور تھے کہ نظم وضبط اور امن عامہ کو قائم رکھ سکیں۔ ایک ہزار مستقل اطاعت شعار سپاہی ان ایک لاکھ سپاہیوں سے بھی بہتر ہیں جو غیر منظم ایک ہجوم کی مانند ہوں۔

گرفتاری اور قید:

ان واقعات کے چشم دید گواہان کے مطابق جب سلونیکا "فوجی آپریشن" کی نقل و

حرکت کی خبر مختلف ذرائع سے استنبول پہنچی تو حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے اخبارات کے نمائندگان کا اجلاس طلب کیا گیا جس میں تمام سیاسی جماعتوں کو متحد ہونے کے لئے اعلان جاری کیا گیا۔اس کے بعد بروز ہفتہ 17 اپریل کو مختلف سیاسی پارٹیوں' انجمنوں اور اخبارات کے نمائندگان کا ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔جس میں پھر اتحاد کی طرف بلایا گیا اور آئین کے ساتھ اپنی وفاداری کا اعلان کیا گیا' حزب اختلاف کے اخبارات کے کچھ نمائندگان پھر آپریشن آرمی کی ممکنہ آمد کے خوف سے استنبول سے چلے گئے۔

یہ ممکن ہے کہ جناب سعید نورسی مؤخر الذکر میں شامل ہوں کیونکہ انہیں یکم مئی 1909ء کی ازمت شہر سے گرفتار کیا گیا جو استنبول سے 120 کلومیٹر کے فاصلے پر بحیرہ مَرمَر کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔بہر حال وہ لازماً دو یا تین روز وہاں رہے جیسا کہ ان کے تین مضامین (جن میں سے صرف ایک پر ان کا نام درج تھا) مورخہ 20 اپریل کو والکن کے آخری شمارے میں شائع ہو گئے۔ازمت کی طرف ان کی فراری کا مختصراً احوال ان کے بعد میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں درج ہے۔ان کی گرفتاری کی خبر اخبار جریدہ حوچنا میں مورخہ 2 مئی 1909ء کو شائع ہوئی۔اخبار کے پہلے صفحہ کے اوپر یہ خبر درج کی گئی تھی کہ بدیع الزماں کردی کو اِزمت میں گرفتار کر لیا گیا ہے اور بذریعہ ٹرین استنبول بھیج دیا گیا ہے اور وہاں وزارت جنگ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

دوسرے سینکڑوں افراد کے ساتھ جناب نورسی..........جن میں مجرم اور زیادہ تر معصوم لوگ' اعلیٰ عہدوں کے حامل افسران' سول سرونٹس' سفارتکار' عدالتوں کے افسران' قلمکار' سیاسی اور عام لوگ شامل تھے..........کو بایزید میں وزارت جنگ سے منسلک بدنام زمانہ باقر آغا پولو کی فوجی جیل میں قید کر دیا گیا۔قیدیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی ....بعض اطلاعات کے مطابق 3,000..........کہ قید خانے کی عمارت بھرنے کے بعد فوج کی بیرکیں دوسری عمارتیں اور خیمے وغیرہ قیدیوں کو بند کرنے کے لئے حاصل کرنے پڑے۔ان قیدیوں کی کوئی دیکھ بھال نہیں کی گئی نہ ہی انہیں خوراک فراہم کی گئی بلکہ الٹا ان کے ساتھ انتہائی بے رحمانہ سلوک روا رکھا گیا۔

جیل کے نگرانوں اور جلادوں میں سے حسن نامی ایک جلاد کا بیان جیل اور اس میں رہنے والے قیدیوں کے بارے میں براہ راست اور بڑی مفید معلومات فراہم کرتا ہے۔وہ جناب نورسی کے بارے میں بھی بیان کرتا ہے اور ان کی نمایاں ذاتی صلاحیتوں کی تائید کرتا ہے

..........ان کی دل جمعی' اطمینان' ذہنی سکون جو انہیں اس ظلم وستم اور خوفناک مقام میں پھانسی کے کالے سائے کے نیچے بھی حاصل تھا۔ دوسرے قیدیوں سے رحم دلانہ سلوک' ایک غمگین پاشا کے ساتھ جو پھانسی کی سزا سننے کے بعد سخت پست ہمتی کا شکار ہو چکا تھا بڑے فیاضانہ انداز میں اپنا راشن جو چند زیتون کے پھلوں پر مشتمل ہوتا تھا' کو مل بانٹ کر کھاتے۔ وہ مزید بتاتا ہے کہ ملاقاتیوں کے لئے مقرر کردہ ایام میں بدیع الزماں شیخ کے پاس بقیہ قیدیوں کی نسبت آٹھ گنا زیادہ ملاقاتی آپ سے ملنے کے لئے آتے۔ وہ آپ کو تمام دن مصروف رکھتے ان ملاقاتیوں میں آپ کے والد محترم' صوفی مرزا بھی شامل تھے جو کئی ماہ تک اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی خبر نہ پا کر نورس سے ان کی تلاش میں آئے تھے۔

یہ صرف آپ کے کردار کی طاقت تھی جس نے آپ کو ان جسمانی اذیتوں سے بچائے رکھا جو دوسرے قیدیوں پر ڈھائی جاتی تھیں صرف اذیت رسانی سے خوشی حاصل کرنے کے جذبے کے تحت یا پھر کسی انتقامی جذبے کے زیر اثر جیل کے دو پہرے داران کی کوٹھڑی میں داخل ان پر حملہ آور ہوئے۔ آپ نے غصہ میں آ کر انہیں دبوچ لیا اور برا بھلا کہا۔ اس غیر متوقع ردعمل سے گھبرا کر وہ بھاگ گئے اور دوبارہ وہ کبھی نہیں آئے۔

کورٹ مارشل:

اگر اس بات کی کوئی مزید مثال مطلوب ہو کہ جناب سعید نورسی اپنے مقصد سے کس حد تک مخلص تھے جسے وہ عثمانیوں اور اسلامی دنیا کے لئے نجات کا ایک ذریعہ سمجھتے تھے اور جس کو آگے بڑھانے کے لئے غیر معمولی جرأت اور بہادری کا جذبہ ان میں موجود تھا تو یہ مثال کورٹ مارشل کے سامنے اپنے دفاع میں کی گئی ان کی تقریر مہیا کرتی ہے۔ اس میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کس طرح انہوں نے استنبول آنے کے بعد اپنے مقصد کی خدمت کی اور ساتھ ہی سی یو پی کو بھی اپنی تند و ترش تنقید کی زد میں لائے جو آئین پسندی کے نام پر ایک نئی شخصی حکومت کی تخلیق کا باعث بن رہی تھی اور اکتیس مارچ کے واقعہ کے بعد انصاف کے نام پر فوجی عدالتیں قائم کر دی گئی تھیں۔ فوجی عدالت میں پیش کئے جانے سے تین ہفتے قبل جناب نورسی کو قید میں ڈال دیا گیا۔ انہی وجوہات کے زیر اثر اور پھر ساتھ دماغی امراض کے ہسپتال میں پیش آنے والے تجربات سے ہی انہیں سی یو پی کی آئین پسندی سے غداری پر شدید تنقیدی حملوں پر عبور حاصل ہوا اور اس تقریر کو کتابی صورت

میں شائع ہونے کے بعد شہرت ملی۔ بدنصیبی کے ان دو مکاتب سے انہوں نے جو بنیادی' سبق سیکھا وہ کمزور سے پیار اور ظلم واستبداد سے شدید نفرت تھی۔

سینکڑوں قیدیوں پر مقدمات چلانے کے لئے دو فوجی عدالتیں قائم کر دی گئی تھیں۔ ایک تجزیہ نگار کے مطابق پہلی عدالت خورشید پاشا کی صدارت میں قائم کی گئی تھی جو معزز اور روشن دماغ آفیسرز پر مشتمل تھی جنہوں نے عدالت کو ناانصافی میں پارٹی بننے کی اجازت نہ دی۔ بہرحال دوسری عدالت جس نے جناب نورسی پر مقدمہ چلایا اس میں ایسے نوجوان جوشیلے افسر شامل تھے جنہوں نے صرف سی یو پی سے اپنی وفاداری کا ثبوت دینے اور اپنے مفاد کے لئے قانون کو نظر انداز کرتے ہوئے قصوروار اور معصوم کی تفریق کیے بغیر ہر ایک کو بغاوت کے جرم میں موت کی سزا کا مستحق ٹھہرایا۔ جس دن جناب نورسی کو عدالت میں لایا گیا عدالت کی کھڑکیوں میں سے چوک میں پندرہ قیدیوں کی لاشیں لٹکتی دیکھی جا سکتی تھیں۔

مقدمے کے آغاز میں دوسرے قیدیوں کی طرح جناب نورسی سے بھی کئی سوالات پوچھے گئے جن میں سے ایک یہ تھا ''کیا آپ شریعت کا نفاذ چاہتے تھے؟ جو شریعت کے حامی تھے انہیں باہر چوک میں لٹکتی ہوئی قیدیوں کی لاشوں کی طرح پھانسی پر چڑھا دیا جاتا ہے۔'' جناب نورسی نے جواب دیا۔ ''اگر مجھے ایک ہزار زندگیاں بھی مل جاتیں تو بھی میں وہ سب زندگیاں شریعت کے ایک سچ پر قربان کرنے کو ہردم تیار رہتا۔ لیکن ان کی طرح نہیں جو بغاوت کر کے اس کا نفاذ چاہتے ہیں۔''

تب ان سے یہ سوال پوچھا گیا۔ ''کیا آپ ''اتحادِ محمدی'' کے رکن ہیں؟'' جس کے جواب میں انہوں نے کہا ''اس کی رکنیت پر مجھے فخر ہے میں اس کا سب سے زیادہ غیر اہم رکن ہوں لیکن اس کی تعریف میں اپنے انداز میں کرتا ہوں۔ کسی غیر مذہبی آدمی کے علاوہ مجھے کوئی بھی ایسا شخص دکھائیں جو اس کا رکن نہیں۔'' جناب نورسی نے عدالت کو بتایا:

> ''پاشو اور افسرو! ایک متعارفی انداز میں تمہیں کہتا ہوں کہ مردانگی اور بہادری جرم کے سامنے کبھی سر تسلیم خم نہیں کرتی اگر مجھے غیر منصفانہ طور پر پھانسی دی گئی تو دو شہیدوں کا رتبہ پاؤں گا لیکن اگر میں جیل میں ہی رہتا ہوں تو شاید یہ میرے لئے بڑی پرسکون جگہ ہو جب ایک استبدادی حکومت اور آزادی صرف ایک حرف پر ہی مشتمل ہو۔ مظلوم بن کر مر جانا ظالم بن کر زندہ رہنے سے کہیں بہتر ہے۔''

جناب نورسی کے جواب دعویٰ کا زیادہ اہم حصہ ان ساڑھے گیارہ ''جرائم'' کے بیان پر مشتمل تھا جن کی بناء پر انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند کیا گیا تھا۔ آزادی کے ان 9 ماہ کے دوران یہ ان کی اہم سرگرمیاں تھیں اور یہ سب اسلام اور آئین کے مقصد کے لئے تھیں۔ جن میں سے بیشتر بشمول ان کی محمڈن یونین میں شمولیت اور اس کے بارے میں ان کا نقطہ نظر اور بغاوت کے دوران ان کی تحریکات وغیرہ اوپر بیان کردی گئی ہیں۔ پھر انہوں نے اعلان کیا:

''ان تمام برے کارناموں کے ساتھ ساتھ میں نے کم از کم ایک اچھا کام بھی کیا ہے۔ میں نے شخصی استبدادی حکومت کی اس شاخ کی بھرپور مخالفت کی ہے جس نے ہر کسی کے جوش و ولولے کو مسمار کر دیا اور ان کی مسرتوں کے چراغ گل کر دیئے۔ باہمی نفرتوں گروہ بندیوں کے احساسات کو جگا دیا اور نسلی انجمنوں کی تشکیل کو ہوا دی۔ جس کا نام ''آئین پسندی'' ہے اور معنی شخصی استبدادی حکومت ہے اور جس نے اتحاد اور ترقی کے نام کو بدنام کیا ہے......... جیسا کہ میں نے شریعت کی بنیاد پر استوار کی گئی سچی آئین پسندی کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا ہے لہٰذا شخصی استبدادیت جو بھی صورت اختیار کرے چاہے یہ ''آئین پسندی'' کا لبادہ اوڑھے میں اس کی مخالفت کروں گا۔ میرے نزدیک آئین پسندی کے دشمن وہ لوگ ہیں جو آئینی حکومت کو ظالم، بدصورت اور شریعت کے برعکس پیش کر کے دوسرے لوگوں کو باہمی مشاورت کا مخالف بنا دیتے ہیں۔

اے برسراقتدار لوگو! میں اپنے نام کی اچھی شہرت رکھتا ہوں میں نے ملت اسلامیہ کی خدمت کی ہے تم لوگوں نے اسے تباہ و برباد کیا ہے میں اس شہرت کا حامل رہا ہوں جس کا میں ذاتی طور پر حقدار نہ تھا اور میں نے اپنی اس شہرت اور نیک نامی کو لوگوں کے لئے اپنی نصائح کو قابل عمل بنانے کے لئے استعمال کیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری اس نیک نامی کو ختم کر دیا ہے اب میری زندگی میں ناتوانی آ گئی ہے جس سے میں بیزار ہوں۔ مجھ پر خدا کی پھٹکار ہو اگر میں اسے پھانسی پر چڑھانا پسند نہ کروں۔ میں وہ انسان ہوں جو ہنستا ہوا اپنی موت کو قبول

کر لے گا............تم مجھے کسی بھی کسوٹی پر پرکھ لو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ جنہیں آپ ''مقدس پارٹی'' کہتے ہیں اگر انہیں کسی امتحان میں ڈالا جائے تو ان میں سے کتنے کامرانی کے ساتھ اس میں پورے اتریں گے۔ اگر ''آئین پسندی'' ایک ہی پارٹی کی استبدادی حکومت پر مشتمل ہو اور یہ شریعت کے خلاف عمل پیرا ہو تو پھر میں اعلانیہ کہتا ہوں کہ میں ایسے نظام کا باغی ہوں۔''

جناب نورسی اکتیس مارچ کے واقعہ کے بارے میں بھی ریکارڈ کو درست کرنا چاہتے تھے مثلاً فوج میں تنظیم' شریعت اور اس کا کردار جسے ابتداء سے ہی دونوں اطراف کے اخبارات میں غلط اور غیر حقیقی انداز میں پیش کیا گیا تھا۔ بغاوت کی سات وجوہات جو انہوں نے پیش کیں وہ بنیادی طور پر وہی تھیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔

اپنے خطاب کے آخر میں جناب نورسی نے عدالت کو بتایا کہ وہ اپنے اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین میں درج کی گئی ہر بات پر قائم ہے۔ چاہے وہ حضرت پیغمبر پاک ﷺ کے عہد مبارک کی عدالت میں بلائے جاتے یا آج سے تین سو سال بعد کی عدالت میں تو ان کا مقدمہ اپنے زمانے کے حالات کے تقاضوں کے مطابق بالکل وہی ہوتا۔ کیونکہ سچ کبھی تبدیل نہیں ہوتا سچ ہمیشہ سچ ہی رہتا ہے۔

عدالت میں مہیا کئے گئے مواد کے مطابق' جو زیادہ تر مُخبروں اور ان پر الزام عائد کرنے والوں کی شہادتوں کی بنیاد پر تھا' جناب نورسی کو پھانسی کی توقع تھی۔ درحقیقت انہوں نے عدالت سے کہہ بھی دیا تھا کہ 'جاسوس اب پہلے کی نسبت زیادہ بے اعتبار ہوتے ہیں ان کی باتوں پر کس طرح بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر کس طرح انصاف تعمیر کیا جا سکتا ہے؟''
مقدمے میں اپنی بریت کے بارے میں عدالت کے متفقہ فیصلے کی خبر سن کر جناب نورسی نے کسی قسم کی شکر گزاری کے احساسات کا اظہار نہیں کیا۔ رہائی پانے کے بعد وہ عدالت سے باہر آئے پھر وہ بایزید کے علاقے سے سلطان احمد کے چوک کی طرف بڑھے جو وہاں جمع ہو جانے والے ایک بڑے ہجوم کے سرے پر کھڑا تھا اور اونچی آواز میں مردانہ وار یہ نعرہ بلند کیا۔

''تمام ظالموں اور غاصبوں کے لئے جہنم زندہ باد۔''

24 مئی 1909ء سوموار کو حکمنامہ نمبر 261 میں یہ اعلان شائع ہوا۔ ''اس بات کی

تصدیق کی جاتی ہے کہ بدلیع الزماں سید کردی پر لگائے گئے الزامات جھوٹے ہیں بلکہ اس کے بر خلاف انہوں نے آئینی حکومت کے قیام کے لئے گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں لہٰذا انہیں رہا کر دیا گیا ہے۔" جناب نورسی پر مقدمہ اور ان کی رہائی گزشتہ روز 23 مئی کو ہوئی۔

جناب نورسی کے شائع شدہ دفاعی بیان میں' جس کا ایک حصہ اوپر درج کیا گیا ہے' جناب نورسی کے ساڑھے گیارہ جرائم ساڑھے گیارہ سوالات کے بعد وجود میں آئے۔ جناب نورسی اپنے ایک نوٹ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ سوالات انہوں نے پہلے کورٹ مارشل کے صدر خورشید پاشا سے اپنی رہائی کے دوسرے دن پوچھے اور بعد میں کئی دوسرے لوگوں سے بھی پوچھے۔ یہ مختصر اور جامع سوالات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس میں ملوث افراد کی اکثریت قصوروار نہیں تھی بلکہ اس واقعہ کی ذمہ داری یو پی حکومت کی طرف سے کی جانے والی ناانصافیاں تھیں۔ ان سوالات کے نتیجہ میں تقریباً چالیس یا پچاس افراد رہا کر دیئے گئے۔

اکتیس مارچ کا واقعہ درحقیقت جیسا کہ جناب نورسی بیان کرتے ہیں "ایک عظیم تباہی" تھا۔ اس میں سی یو پی کا جو بھی کردار تھا اس واقعہ نے انہیں وہ موقع فراہم کر دیا جس کی وہ تلاش میں تھے۔ پہلے انہوں نے اپنی دیرینہ خواہش کے مطابق سلطان عبدالحمید کو برطرف کیا۔ انقلاب سے فوراً پہلے وہ عوام میں آئے اور اپنے آپ کو سرکاری پارٹی ہونے کا اعلان کیا۔ اس کے بعد انہوں نے حزب اختلاف کی پارٹیوں کو ختم کیا۔ سلطان کے اختیارات میں مزید کمی کی اور ریاست پر اپنے کنٹرول کو مضبوط کر لیا۔ اسی سال پھر انہوں نے ایسے اقدامات کئے جس سے سلطان کے عہد کے مقابلے میں آزادی اور محدود ہو گئی۔ محمڈن یونین کے دفاتر بند کر دیئے گئے اور اسے بھی ختم کر دیا گیا۔ اس کے کئی اراکین کو فوجی عدالت کی طرف سے پھانسی دے دی گئی۔

استنبول میں اپنے مختصر قیام کے دوران جناب نورسی کو جو تجربات حاصل ہوئے ان سے ان کے دل میں استنبول کے بارے میں قائم طلسم ٹوٹ گیا اور اس کا بیرونی تہذیبی غلاف اپنی وقعت کھو بیٹھا۔ انہوں نے اپنے آبائی مشرق میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔

> "اگر تہذیب عزت کو پامال کرنے والی جارحیت' تفرقات پیدا کرنے والی الزام تراشیاں' ظالمانہ خیالات اور انتقامی کارروائیاں' دین سے لاپروائی پیدا کرنے کے لئے راہ ہموار کریں تو ہر کوئی سن لے کہ بغض وعناد کی ایسی جگہ کو جسے تہذیب کا محل کہا جاتا ہے تو میں کردستان کے بلند پہاڑوں پر

خانہ بدوشوں کے خیموں میں رہنے کو ترجیح دوں گا جو ایک مکمل آزادی کا مقام ہے.......... ایک لکھاری کا کردار ادب کے معیار کے مطابق ہونا چاہیے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ کچھ بداعمال اخبارات معاشرے میں نفرتیں پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔ اگر اخلاقیات کا معیار یہی ہے اور اگر رائے عامہ اُلجھن کا شکار ہے تو میں اعلانیہ کہتا ہوں کہ میں ایسے ادب پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میرا ان میں کوئی کردار نہیں ہوگا۔ اخبارات کی بجائے میں فلکی اجسام کا مطالعہ کروں گا اور اپنی آباد سرزمین کے بلند و بالا پہاڑوں پر بیٹھ کر قدرتی مناظر کا نظارا کرنا پسند کروں گا۔"

ہاں میں جنگلی زندگی کو اس تہذیب پر ترجیح دوں گا جس میں جبر و استبداد، محرومیت اور تنزلی کی ملاوٹ ہو۔ ایسی تہذیب افراد کو غریب، تنہاء اور بداخلاق بناتی ہے جبکہ سچی تہذیب انسانیت کی ترقی، نشوونما اور اس کی چھپی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس لحاظ سے تہذیب کی طلب دراصل انسانیت کی طلب ہے۔

چوتھا باب

مستقبل اسلام کا ہوگا

جناب نورسی کی مشرق کی طرف روانگی:

مئی 1909ء کے اختتام پر جناب نورسی جیل اور فوجی عدالت سے رہا ہو چکے تھے۔ اپنے دفاعی خطاب کے آخر میں استنبول کو الوداع کہنے اور یہ اعلان کرنے کے باوجود کہ وہ اب مشرق کی طرف لوٹ رہے ہیں، وان کی طرف ان کی واپسی کا سفر تقریباً نو یا دس ماہ کے بعد وقوع پذیر ہوا، جس کے بارے میں ابھی تک ان کی نقل و حرکت کے کوئی شواہد نہیں ملے۔ وہ اگلے موسم بہار میں بحیرہ اسود کے راستے اپنے دو شاگردوں کے ساتھ روانہ ہوئے راستے میں انہوں نے دوسرے مقامات کے علاوہ انی بولو، اُف اور رزے کے مقامات پر بھی قیام کیا۔ انی بولو میں حاجی ضیاء نے جو شہر کے ممتاز دینی علماء میں شمار ہوتے تھے ان کا پُر تپاک استقبال کیا اور واپسی پر سمندری گھاٹ تک لوگوں کا ایک ہجوم ان کے ساتھ تھا۔ باتم سے وان جاتے ہوئے راستے میں جارجیا کے صدر مقام تبلیسی پہنچنے پر جناب نورسی نے ایک پولیس کے آدمی سے مندرجہ ذیل دلچسپ باتیں کی۔

وہ ایک شیخ سنان نامی مشہور پہاڑی پر چڑھے جہاں سے شہر تبلیسی اور دریائے کورا کی وادی کا جس میں یہ شہر واقع ہے اور اس کے اردگرد کے دیہاتی علاقوں کا بڑا خوبصورت منظر دیکھا جا سکتا ہے۔ اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے آپ اس منظر کو بغور دیکھ رہے تھے جب ایک روسی پولیس مین آپ کے پاس آیا اور مندرجہ ذیل مکالمہ شروع ہوا۔ اس کا آغاز پولیس مین کے اس سوال سے ہوا۔

"آپ اس علاقے کا اتنا بغور مطالعہ کیوں کر رہے ہیں؟"

جناب نورسی نے جواب دیا۔

"میں اپنے مدرسے کے بارے میں منصوبہ سازی کر رہا ہوں۔"

''آپ کس علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں؟''

''میرا تعلق بتلیس سے ہے۔''

''لیکن یہ تبلیسی ہے۔''

''بتلیس تبلیسی کا ایک بھائی ہے۔''

پولیس مین حیران رہ گیا'' آپ کا کیا مطلب ہے؟''

جناب نورسی نے اس کی یوں وضاحت کی۔''ایشیا اور دنیائے اسلام میں تین روشنیاں یکے بعد دیگرے ظاہر ہونا شروع ہوتی ہیں۔ جبکہ آپ پر چڑھی ہوئی تاریکی کی تین تہیں بھی یکے بعد دیگرے اترنا شروع ہو جائیں گی۔ مطلق العنان حکومت کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ اور یہ سکڑ جائے گی تب میں یہاں آؤں گا اور اپنا مدرسہ قائم کروں گا۔''

یہ بات سن کر پولیس مین کی حیرانگی میں اضافہ ہوا۔''مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔'' اس نے کہا'' میں حیران ہوں کہ آپ ایسی اُمید لئے پھر رہے ہیں۔''

''اور مجھے آپ کو یہ بات نہ سمجھنے پر حیرانگی ہے۔'' جناب نورسی نے جواب دیا'' کیا آپ یہ بات ممکن سمجھتے ہیں کہ یہ موسم سرما ہمیشہ جاری رہے؟ ہر موسم سرما کے بعد بہار آتی ہے اور ہر رات کے بعد دن'' '' لیکن تمام اسلامی دنیا ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور ٹکڑوں میں بٹی ہوتی ہے۔''

''وہ تعلیم حاصل کرنے گئے ہیں۔ وہ یوں کہ ہندوستان اسلام کا ایک قابل بیٹا ہے۔ یہ برطانیہ کے ہائی اسکول میں پڑھ رہا ہے۔ مصر بھی اسلام کا بڑا ذہین بیٹا ہے۔ یہ سول سرونٹس کے لئے برطانوی اسکول میں سبق لے رہا ہے۔ کوہ قاف اور ترکستان بھی اسلام کے دو بہادر بیٹے ہیں وہ روس کے جنگی اسکول میں تربیت لے رہے ہیں۔ علی ہذا القیاس اسلام کے یہ سب عظیم الشان بیٹے اپنے ڈپلومے لینے کے بعد ان میں سے ہر ایک اسلام کا پرچم اُٹھائے گا۔ جوان سب کے لئے جائز اور طاقتور باپ کی حیثیت رکھتا ہے' ایک براعظم کی رہنمائی کرے گا اور تکمیل کے آفاق پر وہ ابدی ربانی مقررہ حدود اور بے قابو تقدیر کو مدنظر رکھتے ہوئے انسانیت میں ودیعت کردہ ازلی فراست کے راز کا انکشاف کرینگے۔''

یہ مختصر حکایت مشرقی اناطولیہ کے علماء اور قبائل کے لئے جناب نورسی کے اہم پیغام اور اگلے سال کے آغاز میں دمشق میں ان کے مشہور خطاب.......... بعنوان ''مستقبل کے لئے حوصلہ افزائی اور اُمید'' کا منشاء مدعا بیان کرتی ہے۔ استنبول میں رونما ہونے والی نئی صورت حال کے سحر

سے نکلنے کے باوجود جناب نورسی کا اس بات پر غیر متزلزل یقین اور اعتقاد تھا کہ اسلام کے مقصد کو آگے بڑھانے اور سلطنت کے اتحاد و ترقی کے لئے آئین پسندی ہی واحد راستہ ہے۔ درحقیقت انہوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ تمام نشانات کے مطابق اسلام یا اسلامی .... یا 'سچی .... تہذیب مستقبل کی دنیا کا مقدر ہے اور دنیا کی اکثریتی آبادی دین اسلام کو قبول کر لے گی۔ انہوں نے فرمایا ''مستقبل میں جب منطقی استدلال' سائنس اور ٹیکنالوجی کی بادشاہی ہو گی یقیناً وہ وہی وقت ہو گا جب قرآن کی برتری ہو گی جو عقلی ثبوتوں پر انحصار کرتا ہے اور اپنی باتوں کی سچائی کے لئے منطقی استدلال پیش کرتا ہے۔'' جب سماجی حرکت پذیری کے لئے آئین پسندی اور آزادی کو ایک عام آدمی کے لئے حل کے طور پر پیش کیا گیا تو جناب نورسی نے علماء کو اپنی تجاویز کا مکمل خاکہ بھیجا۔ گردمعاشرے کا بالائی طبقہ خواص جس کا مقصد اسلام کو چمکانا تھا اور اپنے خیالات کو جدید دور کے مطابق کرنا تھا۔ اخلاقی تجدید' اُمید اور اتحاد دمشق کے عربوں کے لئے ان کا اہم پیغام تھا جو تیسرا بڑا گروپ تھا جسے جناب نورسی نے اپنے دورہ کے دوران خطاب کیا۔

مشرقی اناطولیہ کے قبائل کے درمیان:

واپس وان لوٹنے کے بعد جناب نورسی نے کئی ماہ تک اسکندر پاشا مسجد میں قیام کیا جہاں انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ موسم گرما کے وسط سے لے کر اس کے آخری حصے تک انہوں نے اپنے طالب علموں کے ہمراہ جنوب مشرقی اناطولیہ کا سفر کیا جس میں وہ ان علاقوں میں آباد قبائل سے ملے۔ پہاڑوں اور میدانوں کو مدرسہ بناتے ہوئے وہ لکھتے ہیں ''میں نے آئین پسندی پر اسباق دیئے۔'' انہیں اس بات کا علم ہوا کہ اس موضوع پر عام معلومات بہت عجیب اور غلط ہے۔ لہٰذا انہوں نے ان قبائلیوں سے کہا کہ وہ اس بارے میں ان سے سوالات پوچھیں جن کے پھر انہوں نے جواب دیئے۔ ان سب سے سوالات و جوابات کو انہوں نے بعد میں ایک کتابی شکل میں مرتب کیا اور پھر 1913ء میں ترکی زبان میں ''مناظرات'' کے عنوان سے شائع کیا۔ جس کا انہوں نے بعد میں عربی ترجمہ ''رشتات العوام'' کے عنوان سے بھی تیار کیا۔

یہ سوالات آزادی اور نئی حکومت اور قبائلی عوام اور ان کے لیڈروں پر اس کے اثرات سے متعلق کئی موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان سوالوں کے جوابات اس موضوع پر جناب نورسی کے نظریات کا ایک اہم ذریعہ ہیں جو ان کے بہترین اور مسحورکن کاموں میں شمار ہوتے

ہیں۔گو کہ یہ زیادہ تفصیلی بیان کے متقاضی ہیں لیکن یہاں اس کے مختصر جائزے پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔آئین پسندی کے بارے میں ان کے کچھ نظریات کا تذکرہ گزشتہ ابواب میں دیا جاچکا ہے۔یہاں اس کی تعریف اوراس کا شریعت کے ساتھ تعلق کے حوالے سے کچھ اور نکات کو بیان کیا جائے گا پھراس بات کی مزید وضاحت کی جائے گی۔کہ عام لوگوں کی بیداری اور اسلام کی قوم کے خودمختار' باہمت اور' اپنی خواہشات کی قربانی کرنے والے افراد کی حیثیت سے شعور حاصل کر لینے سے کس طرح نیا عالمی نظام ترقی حاصل کرسکتا ہے اس مثال میں کردوں کی اور اسلامی دنیا اور سلطنت میں اتحاد کا موجب بن سکتا ہے۔بہرحال اس بات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے کہ جناب نورسی نے اس جدوجہد سے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھا اور نہ ہی انہوں نے اپنی جدوجہد کو قلم یا نظریات تک محدود رکھا۔وہ اس جدوجہد میں استنبول تک گئے۔مشرق کی مخصوص ضروریات کو حکومت کے سامنے اجاگر کیا اور تعلیمی اصلاحات کے اپنے منصوبوں کی پیش رفت کے لئے وہ جو کچھ کر سکتے تھے انہوں نے کیا۔اب وہ اپنے آبائی علاقہ میں واپس آچکے تھے اور انہوں نے اُجاڑ' غیرآباد' پہاڑی' پسماندہ اور غریب علاقوں کا سفر کرنا شروع کیا جہاں وہ زیادہ تر عام لوگوں سے خطاب کرنے کو ترجیح دیتے تھے وہ عام لوگ جو آئین کو اختیار کرنے کے بعد مقتدر اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوچکے تھے اور مستقبل کے معمار تھے۔

لوگوں کے پہلے سوال کے جواب میں جناب نورسی نے مطلق العنان شخصی استبدادی حکومت اور آئین پسندی کی مختلف تعریفیں کیں:

> ''مطلق العنانیت ایک جبر ہے۔یہ دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے من مانے انداز میں سلوک روا رکھنے کا نظریہ ہے۔یہ ایک شخص کی رائے ہے۔یہ استحصال کے لئے سب سے زیادہ موافق حالات مہیا کرتی ہے۔یہ ظلم وستم کی بنیاد ہے۔یہ مطلق العنانیت ہی ہے جو قعرِ ذلت کی پاتال میں گراتی ہے۔اسی نے اسلامی دنیا کو ذلت ورسوائی سے دوچار کیا ہے۔جو دشمنی اور بغض وعناد کو اُبھارتی ہے جس نے اسلام کو زہرآلود کردیا ہے.........اور ایک متعدی مرض کی طرح اپنا زہر ہر طرف پھیلاتی ہے اور اس نے اسلام میں نہ ختم ہونے والے تنازعے اور جھگڑے پیدا کئے ہیں جس سے معتزلہ، جبریہ اور مرجیہ جیسے منحرف فرقے پیدا کئے ہیں۔''

دوسری جانب آئین پسندی کے بارے میں انہوں نے کہا۔"یہ ان قرآنی آیات کا اظہار ہے اور عوامی نوعیت کے معاملات میں ان سے مشورہ لو(3:158) اور "جو باہمی مشورے سے حکومت کرتے ہیں۔"(42-38)۔شریعت نے باہمی مشاورت سے حکومت کرنے کا حکم دیا ہے۔اس روشن وجود کی زندگی طاقت کی بجائے سچ ہے۔اس کا دل علم ہے اور اس کی زبان محبت۔اس کا ذہن قانون ہے نہ کہ ایک فرد۔درحقیقت آئین پسندی اس قوم کا اقتدار اعلیٰ ہے..........."

بعد میں اس سوال پر کہ وہ آئینی حکومت کا مرتبہ اتنا زیادہ کیوں بلند کر رہے ہیں انہوں نے جواب دیا:

> "جب آئین پسندی کسی حکومت میں داخل ہوتی ہے تو آزادی کا نظریہ آئین پسندی کو ہر لحاظ سے بیدار کر دیتا ہے یہ ہر علاقہ اور شعبہ زندگی میں اس کی ضرورت کے مطابق ایک قسم کی آئین پسندی کی پیدائش کا باعث بنتا ہے۔یہ علماء کے درمیان' مدرسوں میں اور طلباء میں آئین پسندی کا سبب بنتا ہے۔حقیقتاً یہ ایک خاص قسم کی آئین پسندی کا ولولہ پیدا کرتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کی تجدید کرتا ہے۔پھر یہ مشاورت کی شعاعیں ہیں جو خوشی کے سورج کو نمایاں کرتی ہیں' تمناؤں کو اُبھارتی ہیں' باہمی محبت اور یکجہتی پیدا کرتی ہیں۔اور مجھے آئینی حکومت کی اس حد تک تعریف پر مجبور کرتی ہیں..........."

یہ بتانے پر کہ کچھ لوگوں کے مطابق آئین پسندی اسلام کے خلاف ہے؟ جناب نورسی نے جواب دیا۔

> "آئین پسندی کی روح شریعت سے قائم ہے اور اس کی زندگی اس سے ہے۔لیکن حالات کے تقاضوں کے مطابق یہ ممکن ہے کہ بعض معاملات سے متعلق اس میں تفصیلات کم ملیں۔بعض حالات جو آئینی دور کے دوران پیدا ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ آئین پسندی سے بھی پیدا ہوں۔یہاں کونسی چیز ہے جو ہر لحاظ سے شریعت کے مطابق ہو؟ کیا کوئی ایسا شخص ہے کہ مکمل طور پر شریعت کے مطابق زندگی گزارتا ہو؟ لہٰذا اگر یہ

معاملہ ہے تو حکومت جو اجتماعی ادارہ ہے وہ بھی غلطیوں سے کلی طور پر مبرا نہیں ہو سکتی۔ صرف افلاطون کا تصوراتی نیک شہر ہی ایسا ہو سکتا ہے۔ بہرحال آئین پسندی کے ساتھ طاقت کے غلط استعمال کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ مطلق العنانیت میں یہ راہیں کھل جاتی ہیں۔''

یوں جناب نورسی کی حکمت عملی حقیقت سے زیادہ قریب نظر آتی ہے۔ چنانچہ بنیادی طور پر آئین پسندی اسلامی اصولوں سے مختلف نہیں تھی اور اس وقت کے مشکل حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ ایک بڑی نپی تلی اور متوازن حکمت عملی اپنائی جائے۔ آئین پسندی کو بڑی باریک بینی اور تمام مطلوبہ ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے بڑے متوازن انداز میں شریعت کے مطابق بنانے کا مسئلہ درپیش تھا۔

قبائلی لوگ بھی اکثر آزادی کے بارے میں سوالات پوچھتے تھے۔ جس کے مطلق انہیں یہ بتایا جاتا کہ یہ بے راہروی آوارگی بدچلنی اور لاپروائی کا دوسرا نام ہے۔ جناب نورسی نے ان کے سامنے آزادی کی وضاحت یوں کی:

''پاکیزہ اور شائستہ آزادی شریعت کے اچھے طور طریقوں اور اخلاق کا نام ہے۔ بے راہروی، بدچلنی اور بری شہرت کا نام آزادی نہیں۔ یہ حیوانیت ہے۔ یہ شیطان کا ظلم اور جبر واستبداد ہے۔ یہ برے کام کرنے والی روح کا غلام بننا ہے۔ عام آزادی، شخصی آزادی کی پیداوار ہے۔ آزادی کی خصوصیت یہ ہے کہ کوئی شخص نہ اپنے آپ کو اور نہ ہی دوسروں کو نقصان پہنچائے۔''

انصاف اور سزا کے قانون میں آزادی یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر غلبہ اور تسلط حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر کسی کے حق کی حفاظت کی جاتی ہے۔ قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ہر شخص اپنے قول و فعل میں مکمل آزاد ہے۔ اس بارے میں قرآنی ممانعت: ''اپنے آپ میں سے کسی کو اپنا آقا نہ بناؤ ماسوائے اللہ کے۔'' (القرآن 3:64) واضح ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آزادی اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر کامل ایمان رکھنے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ''یقین اور ایمان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دوسروں کو ظلم واستبداد کے ذریعے سے رسواء نہ کرو اور نہ ہی انہیں ذلیل کرو۔ اور نہ ہی کسی کی ظالم حکمران کے سامنے تذلیل کرو۔ وہ جو خدا کا غلام ہے وہ

دوسروں کا غلام نہیں بن سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جتنا زیادہ کسی کا خدا کی ذات، حق پر پختہ یقین ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ آزادی سے ہمکنار ہوگا۔

جناب نورسی نے اس بات کو بھی واضح کیا کہ آزادی تہذیبی اور معاشرتی بندھنوں سے بھی اپنے کو آزاد کرا لینے کا نام نہیں۔ بلکہ تہذیبی وثقافتی اور معاشرتی پس منظر میں آزادی علم، نیکی اور اچھے کردار کی وجہ سے زیادہ نمایاں اور اسلام کے جامہ میں ملبوس ہوتی ہے۔

قبائلی لوگوں نے جناب نورسی سے سوال کیا کہ پھر کیوں انہوں نے وہ فوائد نہیں دیکھے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے جناب نورسی نے جواب دیا کہ ایسے سائل مثلاً جہالت، غربت، اندرونی دشمنی اور تہذیب کا فقدان وہ عوامل ہیں جو آزادی کے ثمرات وفوائد کو ان تک پہنچنے میں رکاوٹ کا باعث بنتے ہیں۔ جس بات کو وہ صاف الفاظ میں انہیں بتانا چاہتے تھے وہ یہ تھی کہ اس کی ذمہ داری کا بوجھ ان پر ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ انہوں نے ان کی غلطیاں صرف اس لئے بیان کی ہیں تاکہ وہ سستی وکاہلی سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آئین پسندی جلدی آئے تو علم اور نیکی سے ایک ریلوے لائن تعمیر کریں تاکہ یہ تکمیل وحصول کی ٹرین پر جسے تہذیب کہا جاتا ہے، سوار ہو سکے۔ اور ترقی کے بینچوں پر بیٹھے ہوئے اور راستے کی رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے آپ تک پہنچ سکے۔ بہر حال جتنی جلدی آپ یہ ریلوے لائن تعمیر کریں گے اتنی ہی جلدی یہ آپ تک پہنچ سکے گی۔

یہاں درج ذیل حکایت کو بیان کرنا مناسب ہوگا۔ اس علاقے میں اپنے سفر کے دوران جناب نورسی اُرفا سے دیار بکر پہنچے۔ انہوں نے پھر ارد گرد کے علاقے کا دورہ کیا اور اُرفا واپس جاتے ہوئے انہوں نے یوسف پاشا مسجد کے صحن میں ایک بڑے مجمع سے خطاب کیا۔ انہوں نے اپنا خطاب اس بات سے شروع کیا کہ کس طرح انہوں نے اپنے دورے کے دوران ایک جگہ ایک دیہاتی سے وہاں کی مقامی زراعت کے بارے میں سوال کیا جس کے جواب میں اس دیہاتی نے جواب دیا۔ ''ہمارے آغا صاحب (جاگیردار یا قبائلی سردار) اس بارے میں جانتے ہیں۔'' جناب نورسی نے اسے کہا: ''ٹھیک ہے! اس ضمن میں میں آپ کی ذہانت سے بات کروں گا جو تمہارے آغا کی جیب میں ہے۔'' پھر اسے سمجھایا کہ اسے ہر بات آغا کے حوالے سے نہیں کرنی چاہیے بلکہ اپنی عقل پر بھی انحصار کرنا چاہیے اور اپنے گاؤں سے متعلق ہر بات کا اسے خود علم ہونا چاہیے۔ انہوں نے اسی بات کو اپنے خطاب کی بنیاد بنایا۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جناب نورسی لوگوں کو بتانا چاہتے تھے کہ

آگے بڑھنے کا راستہ ان کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ یہ قوم کا اقتدار اعلیٰ تھا۔ جب ان سے ان کے سرداروں اور رہنماؤں کے بارے میں سوال کیا گیا.......... کیونکہ قبائلی معاشرے میں روایتی طور پر سرداروں، بزرگوں اور مذہبی شخصیات کو برتری حاصل ہوتی ہے.......... انہوں نے درج ذیل جواب دیا۔

"ہر زمانہ اپنی حکومت اور حکمران رکھتا ہے۔ آپ کے علم اصطلاحات کے مطابق سابقہ زمانے کی حکومت کو چلانے کے لئے ایک آغا ضروری تھا۔ اسی طرح مطلق العنانیت کے زمانے کی غیر مادی حکومت طاقت تھی۔ جو بھی تیز تلوار اور سخت دل رکھتا وہ حکومت کرتا تھا لیکن آئین پسندی کے زمانے میں حکومت کا منبع، روح، حکمران اور آغا حق وصداقت ہے، یہ عقل، علم، قانون اور رائے عامہ ہے۔ جو ذہین دماغ اور روشن دل کا مالک ہوگا صرف وہی کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوگا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ علم میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ طاقت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ قرون وسطیٰ کی حکومتیں جنہوں نے طاقت پر انحصار کیا وہ ختم ہوگئیں۔ جبکہ جدید دور کی حکومتیں سائنس پر انحصار کرتی ہیں اور وہ ہمیشہ قائم رہیں گی۔"

یہ باتیں کہنے سے جناب نورسی کی مراد وڈیروں اور سرداروں کے وجود پر حملہ آور ہونا نہیں تھا بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ جدید دنیا کیا رُخ اختیار کر رہی ہے اور اگر وہ وقت کے دھارے سے باہر نہیں رہنا چاہتے تو انہیں بھی زمانے کے ساتھ اسی رُخ پر چلنا ہوگا۔ وقت کے نئے تقاضوں کے مطابق لیڈر لوگوں اور قوم کے خادم ہیں۔ انہوں نے اپنا بیان جاری رکھا۔ "اور کر دو! اگر طاقت پر انحصار کرتے ہوئے تم نے اپنی تلواریں تیز رکھیں تو تمہارے سردار اور آغا اور حتیٰ کہ تمہارے شیخ بھی زوال پذیر ہوجائیں گے اور وہ اسی قابل ہوں گے۔ لیکن اگر انہوں نے اندھی طاقت کی بجائے عقل اور معقولیت پر انحصار کیا اور محبت کو بروئے کار لاتے ہوئے جذبات کو دل میں جگہ دی تو حقیقتاً کامیابی کی بلندیوں پر پہنچیں گے۔"

ان کی دوسری تحریروں سے ہمیں ان کی سرداروں پر کی گئی تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ وضاحت بھی کرتے ہیں کہ یہ سابقہ سردار ہیں جن پر وہ اپنی تنقید کے پتھر مار رہے ہیں اور اسے مطلق العنانیت یعنی شخصی حکومت کی ایک اور برائی گردان رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض

سرداراور کچھ جعلی چہرے جواپنے آپ کومحب وطن گردانتے تھےاورقوم کے لیے کی گئی اپنی قربانیاں جتواتے تھےاور کچھ نااہل نقلی شیخ (مذہبی رہنما) جوغیر معمولی روحانی طاقتوں کے دعویدار تھے انہوں نے قوم کے مادی اوراخلاقی وسائل کو بہادیا۔اورقوم کی اجتماعیت کوتباہ وبرباد کردیا۔یہ اجتماعیت کا طریقہ یاقوم یامعاشرتی ادارے کی اجتماعی شخصیت یامشترکہ شناخت جناب نورسی کی تحریروں میں عام ملتی ہے۔وہ جدید دورکو جماعتوں یامعاشرتی اداروں کازمانہ (Cemeet) کہتے ہیں......
اگراجتماعی شخصیت جوایک معاشرتی ادارے کی روح ہوتی ہے نیک اوردرست ہے تو یہ ایک فردکی نسبت زیادہ ذہین اور مکمل ہوتی ہے۔ اور اگر یہ بری ہے تو پھر یہ بہت زیادہ بری ہوتی ہے۔دراصل جناب نورسی مشرقی اناطولیہ کےلوگوں پر یہ بات واضح کررہے تھے کہ جواب ان پر وارد ہورہا ہے وہ ان کے تنگ نظر مفادات اور وفاداریوں کواونچائی اور بلندیوں کی طرف لے جائے گا۔جس سے ان کے خیالات میں وسعت پیدا ہوگی اوراسلامی قومیت کاادراک نشوونما پائے گا۔انہوں نے بتایا:

> ''اگرصرف ان لوگوں میں بیداری کی روح پھونک دی جائے جو کچھ فوائد حاصل کرنے کے لئے یاجھوٹی شہرت یاتصوراتی عزت کے حصول یاپھر صرف یہ سننے کے لئے کہ فلاں فلاں ہمارابہادر ہیرو ہے یاپھراپنے آغا کی عزت کی سربلندی کے لئے اپنی زندگیوں کوکم اہمیت دیتے ہیں تو کیا وہ اپنی اسلامی قوم کے لئے جوکئی حاصل کئے جانے کے لائق خزانوں کی حامل ہے' اگر ہزاروں روحیں بھی ان کے قبضے میں ہوں' اپنی زندگیوں کوکم اہمیت نہیں دیں گے۔ اسلامی قوم جو انہیں تیس کروڑ مسلمانوں کابھائی چارہ اوراخلاقی مددفراہم کرتی ہے؟''

پھر جناب نورسی فرماتے ہیں کہ اپنی قوم کے لئے اپنی جان کی قربانی پیش کرنا اسلام کے اعلیٰ اخلاق کا حصہ اورضرورت ہے لیکن اب غیر مسلموں نے اسلام کے اس اخلاق کواپنالیا ہے۔یہ جدیدترقی کی ایک بنیادفراہم کرتا ہے۔''ہمیں اپنے دلی جذبات روح کی گہرائی اورپوری طاقت سے یہ اعلان کرنا چاہیے کہ''اگر ہم مرتے ہیں تو اسلام کو جو ہماری قوم ہے' لازماًزندہ رہنا چاہیے' یہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔میری قوم کوطاقتوراورمضبوط ہونے دو۔آخرت میں ملنے والاانعام

میرے لئے کافی ہے۔ میری زندگی میری قوم کا حصہ ہونے کی وجہ سے مجھے زندہ رکھے گی۔ یہ مجھے عالم بالا میں خوش رکھے گی۔''

مندرجہ بالا بیان کے اہم نکات یہی ہیں کہ شخصی مطلق العنانیت کی دیواریں گرتے ہی تمام اسلامی دنیا میں آئین پسندی اور آزادی کے نظریئے کو مقبولیت حاصل ہونا شروع ہوئی جو عوام میں بیداری' نئے نظریات اور عظیم تبدیلیوں کا باعث بنی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک قوم کے وجود کا احساس دلایا اور قومیت کے خول کے اندر چھپے ہوئے اسلام کے چمکتے ہوئے ہیرے کو نمایاں کیا۔ اسلام متحرک اور زندگی کی رمق سے آشناء ہو رہا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو احساس دلایا کہ وہ تنہاء اور بکھرے ہوئے نہیں ہیں بلکہ وہ مشترکہ جذبات اور مفادات کی زنجیر میں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں۔ تمام اسلامی دنیا ایک قبیلے کی طرح باہم متحد ہے۔ اس تحریک نے مسلمانوں کو اس بات سے بھی باخبر کیا کہ وہ عظیم طاقت اور اخوت کے وسائل سے مالا مال ہیں۔ اس بدلتی ہوئی صورت حال میں مسلمانوں کو' جو مایوسی کا شکار تھے' اُمید کی ایک نئی کرن دکھائی دی۔

ان حالات میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سی یو پی کی حکومت کے خلاف جائز اور قانونی اعتراضات کے باوجود جناب نورسی اس حکومت کے قائم رہنے پر کیوں اصرار کر رہے تھے۔ انہوں نے قبائلیوں کی طرف سے غیر یقینی صورت حال پر اُٹھائے گئے سوالات کے جوابات دیئے اور انہیں بتایا کہ یہ دو برائیوں میں سے کم برائی ہے۔ اگر اب موجودہ مشاورت میں شریعت سے ایک انگشت جتنا انحراف کیا جاتا ہے تو اس سے قبل شریعت سے یہ انحراف ایک سو گز جتنا تھا۔ اس انداز سے سمجھانے سے ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ان کے دلوں سے یہ خوف ختم کیا جائے کہ انقلاب کے بعد مذہب کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے بلکہ اس کے برخلاف آئین پسندی نے اسلام کو تحفظ فراہم کیا ہے۔ ایک مایوس اور شکست خوردہ بادشاہ یا اس کے خوشامدی افسروں پر مذہب کی حفاظت کا معاملہ چھوڑنے کی بجائے قوم کی مجموعی رائے عامہ کے پس منظر میں اسلام کے لئے عوامی جذبات اور مذہب کے تقدس کے احساسات اس کی حفاظت کا ایک یقینی' زیادہ مؤثر اور ایک ارفع ذریعہ ہیں۔

اقلیت کے حقوق پر سوالات:

قبائلیوں نے آرمینیوں سے متعلق اور عمومی طور پر غیر مسلموں کے بارے میں بھی کئی

سوالات پوچھے کہ آئین کے تحت مساوی حقوق حاصل کرنے کے ضمن میں شریعت سے مطابقت کیسے اختیار کی جائے گی۔ یہاں دو نکات زیرِ نظر ضروری ہیں ایک یہ کہ اس بارے میں بھی جناب نورسی اور سی یو پی کے نظریات میں مطابقت ملتی ہے۔ سلطنت کی شیرازہ بندی قائم رکھنے کے لئے اور اس میں مختلف عناصر کے درمیان اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے کے لئے' عثمانیت کا نظریہ اور ''نوجوان ترک'' (Young Turks) نے مختلف معاشرتی طبقات اور فرقوں کے درمیان مساوات قائم کرنے پر بڑا زور دیا۔ آئینی انقلاب کے بعد بھی وہ آرمینی لوگوں کے ساتھ انقلاب سے پہلے کی طرح گفت وشنید اور تعلقات کا سلسلہ برقرار رکھنے کے حامی تھے اور یہ سلسلہ پہلی جنگ عظیم کے دوران آرمینیوں کے حملہ آور اور روسی فوجوں کے ساتھ اتحاد اور لوگوں کو وسیع پیمانے پر بغاوت پر اکسانے تک قائم رہا۔ جناب نورسی اس کام میں آرمینیوں کے ساتھ شریک نہیں تھے لیکن قبائلیوں کو دیئے گئے جوابات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے حقوق اور مساوات پر یقین رکھتے تھے۔

دوسرا قابل توجہ نقطہ جناب نورسی کی غیر معمولی انسانی ہمدردی اور مخلوق خدا سے پیار ہے جو انہوں نے تمام مذاہب اور طبقات کے کمزور اور مظلوم لوگوں کے ساتھ اپنے عملی اقدامات سے دکھایا۔ جس کا خصوصی مظاہرہ پہلی جنگ عظیم کے خوفناک ایام میں سامنے آیا جو ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ دو نکات ان کے نظریات کو واضح کرتے ہیں۔ ان کا پیار اور ہمدردی صرف معصوم غریب لوگوں کے لئے ہی تھی کسی بھی قسم کی جارحیت کے مرتکب افراد کے لئے نہیں تھی۔ ان کے کچھ جوابات درج ذیل ہیں۔ انہوں نے اپنے دلائل کو شریعت کے اُصولوں کی مدد سے ثابت کیا۔

سوالات کے سیاق وسباق کو سمجھنے کے لئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اگرچہ آرمینی قوم صدیوں سے سلطنت عثمانیہ کا ایک حصہ رہی تھی اور اس میں قومی عصبیت کے بیدار ہونے کے باوجود کئی آرمینی باشندے اب بھی سلطنت کے وفادار تھے۔ 78-1877 میں روس اور ترکی کی جنگ کے بعد روسیوں نے برطانیہ کی حمایت اور مدد سے سلطنت کے مزید حصے بخرے کرنے کے لئے آرمینیوں کو سلطنت کے خلاف دہشت گردی اور بغاوت پر اکسایا۔ دہشت گردی اور قتل وغارت بنیادی طور پر پروپیگنڈا کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے کی گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے جوابی اقدامات کرنے پر آرمینیوں نے یورپی اقوام کے سامنے اپنے کو ایک مظلوم اور معصوم قوم کے طور پر پیش کیا جس پر سلطنت عثمانیہ ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رہی تھی اور مشرقی اناطولیہ

میں ایک آرمینی ریاست کے قیام کے لئے مدد حاصل کی اور اس معاملے میں روس اور برطانیہ کو مداخلت کرنے پر زور دیا۔

آزادی کے بارے میں جناب نورسی کی تعریف سننے کے بعد قبائلیوں نے اسے ایک اچھی چیز کے طور پر تسلیم کیا اور کہا کہ یونانیوں اور آرمینیوں کی آزادی انہیں بری لگتی ہے اور انہیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ جناب نورسی کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ ان کا جواب دو حصوں پر مشتمل تھا۔ اوّلاً انہیں آزادی حاصل کر کے فالتو ملا ان پر ظلم وزیادتی نہیں کی گئی۔ شریعت بھی اسی بات کا حکم دیتی ہے۔ مزید یہ کہ آپ کی غلط کاریوں اور پاگل پن کے جواب میں ان کی جارحیت تھی۔ آپ کی جہالت سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ اس سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ جناب نورسی کردوں پر یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ ان کے حقیقی دشمن ان کے وہ حالات ہیں جن سے انہیں دو چار کیا گیا ہے۔ ہمارا دشمن اور جو ہمیں تباہی کی طرف دھکیل رہا وہ ''آغا جہالت'' ہے اور اس کا بیٹا ''غربت آفندی'' اور اس کا پوتا ''دشمنی بے'' ہے۔ اگر آرمینیوں نے ہم سے نفرت کی ہے ہماری مخالفت کی ہے تو انہوں نے یہ سب کچھ حالات خراب کرنے والی ان تین ہستیوں کی کمان میں کیا ہے۔

اس سوال کے جواب کے دوسرے حصے میں جناب نورسی نے اس بات کی وضاحت کی کہ اگر آرمینیوں کی آزادی اتنی ہی بری چیز ہے جتنا کہ وہ سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کو پھر بھی اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ تیس کروڑ سے زیادہ افراد پر مشتمل پوری مسلمان قوم کے مقابلہ میں سلطنت میں موجود آرمینیوں اور تمام غیر مسلموں کی کل تعداد بہت کم ہے۔ اور یہ تیس کروڑ افراد پر مشتمل مسلمان قوم مطلق العنان شخصی حکومت کی تین خوفناک زنجیروں سے باندھی گئی تھی۔ اور یورپی ظلم و استبداد کی گرفت میں اس پر ہر قسم کا جبر اور زیادتیاں ہو رہی تھیں۔ لہٰذا جناب نورسی نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا ''غیر مسلموں کی آزادی' جو ہماری آزادی کی ایک شاخ ہے' ہماری تمام قوم (اسلامی دنیا) کی آزادی کے لئے ایک رشوت (یا قیمت) ہے۔ یہ اس مطلق العنانیت کا قلع قمع کرنے کا ایک ذریعہ ہے اور ان زنجیروں کی چابی ہے۔ یہ اس ظلم کا خاتمہ ہے جو یورپی قوموں نے ہم پر ڈھائے۔'' جناب نورسی کے خیال میں وہ یہ قیمت برداشت کر سکتے ہیں کیونکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ''سلطنت عثمانیہ کی آزادی ایک طاقتور ایشیا کی خوش بختی کا ظہور ہے۔'' یہ اسلام کی ترقی اور خوشحالی کی کنجی ہے۔ یہ اسلامی اتحاد کی بنیاد ہے۔

جناب نورسی کا مستقبل کی نسل سے خطاب:

جناب نورسی مستقبل میں جھانک رہے تھے۔ یہ اسلامی دنیا کے لئے شکست' تنزل اور تاریکی کا دور تھا۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ اچھا وقت آئے گا ایک سنہرے دور کی صبح طلوع ہوگی جو انسانیت کو تہذیب' ترقی اور حقیقی خوشی سے آشنا کرے گی۔ زندگی کی طرف واپسی شروع ہو چکی تھی۔ روشنی کی کرنوں اور زندگی کے آثار کو دیکھا جا سکتا تھا۔ جناب نورسی کو یہ سب کچھ اتنا واضح نظر آ رہا تھا کہ وہ قبائلیوں کی طرف سے مستقبل کے اس منظر نامے کے ادراک میں ہچکچاہٹ دیکھ کر بے چین ہو جاتے۔ اپنی اس بے چینی کا اظہار وہ اپنے ہم عصروں سے عموماً کرتے رہتے۔

دوسری ہر قوم کے لئے تو یہ دنیا ترقی اور خوشحالی کا سبب بنے اور صرف ہمارے لئے تباہی و بربادی کا سبب کیوں بنے؟ دیکھیں! میں آپ سے مخاطب نہیں ہوں گا میں اور ہی سمت دیکھ رہا ہوں میں مستقبل کے لوگوں سے خطاب کروں گا۔

او! سعید، حمزہ، عمرو، عثمان، حمد اور باقی لوگو جو آج سے تین صدیوں کے بعد کے دور میں چھپے ہوئے ہیں' اور میرے الفاظ کو خاموشی کے ساتھ سن رہے ہیں۔ وہ ہمیں پوشیدہ دکھائی نہ دینے والی نظروں سے دیکھ رہے ہیں! میں آپ سے مخاطب ہوں۔ اپنے سروں کو اونچا کرو اور کہو "آپ درست کہہ رہے ہیں!" یہ کہنا آپ پر لازم ہے۔ اگر وہ نہیں چاہتے تو میرے ان ہم عصروں کو نہ سننے دو۔ میں وائرلیس ٹیلی گراف کے ذریعے آپ سے مخاطب ہوں جو ماضی کی وادیوں سے' جنہیں تاریخ کہتے ہیں' آپ کے بلند و بالا مستقبل تک پھیلا ہوا ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میں جلدی میں تھا۔ میں موسم سرما میں آیا لیکن آپ بہار فردوس میں آئیں گے۔ اب بوئے گئے روشنیوں کے بیج آپ کی زمین پر پھول بن کر کھلیں گے۔ ہم اس لمحہ کے انتظار میں ہیں جب ہمیں اپنی خدمات کا اجر ملے گا جب آپ ماضی کی یادگاروں کو دیکھنے آئیں گے اور وان کے قلعہ کے قریب میری لحد کے پاس سے گزریں گے۔ اور بہار کے پھولوں کا تحفہ وہاں رکھیں گے۔ وان کا یہ قلعہ میرے مدرسے کا سنگ لحد ہوگا جہاں میری ہڈیاں دفن ہونگی اور Horhor کا محافظ ہے۔ ہم اس محافظ کو خبردار کریں گے۔ بلائیں گے اور آپ اس اونچی آواز کو سنیں گے۔ "خدا آپ کو صحت مند و توانا رکھے............"

اگر وہ چاہتے ہیں! تو ان کے بچوں کو جنہوں نے اس زمانے کی چھاتیوں سے ہمارے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے اور جن کی نظریں اپنے پیچھے ماضی پر لگی ہیں اور جن کے خیالات ان کی طرح باغیانہ اور

اجنبی ہیں انہیں اس کتاب کی سچائی کو ایک دھوکا اور مغالطہ سمجھنے دیں۔ کیونکہ مجھے علم ہے کہ آپ کے ذریعہ سے اس کتاب کی باتیں سچ ثابت ہوں گی۔ اے میرے سامعین میں واقعی چلا رہا ہوں کیونکہ میں تیرھویں صدی (ہجری) کے مینار کی چوٹی پر کھڑا ہوں اور ان لوگوں کو مسجد کی طرف بلا رہا ہوں جو اپنے نظریات میں ماضی کی گہری وادیوں میں گم ہیں۔

اے دو ٹانگوں پر چلنے والے افسوس ناک مقبرو جو اسلام کو خیر باد کہہ چکے ہو جو دو زندگیوں کی روح کی مانند ہے! اس نسل کے دروازے پر مت رکو جو آ رہی ہے۔ قبریں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔ ان میں سما جاؤ اور نئی نسل کو آگے آنے دو۔ جو اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام کی حقیقت کو آشکار کرے گی۔

علماء کے لئے ہدایت:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے جناب نورسی کی چالیس سے پچاس دنوں پر مشتمل مختلف قبائلی علاقوں کی سیر و سیاحت ''مناظرات'' (بحث و مباحثہ) تھی جس میں انہوں نے عام لوگوں سے خطاب کیا تھا اور کئی انقلابی نظریات اور تجاویز پیش کی گئی تھیں جس میں ان کُرد قبائلیوں کی بڑے مؤثر انداز میں بیسویں صدی میں داخل ہونے کی رہنمائی کی گئی تھی اور اپنی سماجی، معاشی اور سیاسی ترقی میں اور ملت اسلامیہ کی جدیدیت کے عمل میں انہیں ایک فعال حصہ دار بنانے کی سعی کی گئی تھی۔ اور ان کی دوسری کتاب، جسے اصل عربی زبان میں شکل السلام کہا جاتا ہے یعنی اسلام کو جلا بخشنا یا رشتات العلماء یعنی ''علماء کے لئے ہدایت'' تھی۔ جس میں وہ علماء سے مخاطب ہیں۔ اس کے ترکی زبان میں ترجمہ کا نام محکامات یعنی دلائل ہے۔ یہ 1911ء میں شائع ہوئی۔ یہ ایک بلند معیار کی بنیادی نظریات پر مبنی کتاب تھی۔ یہ تین اہم حصوں پر مشتمل تھی جس میں جناب نورسی نے قرآن مجید کی تفسیر کے اصول بیان کئے تھے۔ اس میں انہوں نے کچھ ایسے معاملات کی شناخت کرائی جو اسلام کی حقانیت کو نظروں سے اوجھل کرنے کا سبب بن رہے تھے۔ مثلاً اسرالحیات قدیم یونانی فلاسفی جس نے ان کے ہم عصروں کو قرون وسطی کے دور میں ہی مقید رکھا اور ان کی ترقی کی راہ میں آڑے آئے۔ پہلے حصے میں انہوں نے اسلام کو جلا بخشنے اور ان زوائد اور اضافہ جات سے پاک کرنے کے اصول بیان کئے۔ دوسرے حصے میں مرصع زبان اور فصاحت و بلاغت سے متعلق کئی مسائل کی تشریح کی گئی ہے کیونکہ قرآن کا معجزاتی وجود صرف اس کی زبان کی فصاحت و بلاغت

میں ہی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ یونانی فلاسفی کے مطالعہ میں نہیں۔ تیسرا حصہ جو نامکمل تھا اس میں قرآن کے چار مقاصد کے بارے میں ثبوت اور شہادتیں فراہم کی گئی ہیں۔ خالق' نبوت' موت کے بعد یوم حشر کو قبروں سے جسموں کا زندہ اُٹھنا اور انصاف کے ضمن میں ثبوت۔ جناب نورسی کا خیال یہ تھا کہ چونکہ مستقبل (جس سے ان کی مراد ''موجودہ زمانہ'' تھا) دلائل اور عقل کا دور ہوگا لہٰذا اسلام (جملہ اضافہ جات کے بغیر) پھیلے گا اور غلبہ حاصل کرلے گا۔ حالات کے تحت حاصل ہونے والی نئی فہم وفراست سے جنم لینے والے ''نئے سعید'' جناب نورسی سمجھ گئے کہ اس وقت اپنی خواہش کے مطابق اسلام پر اعتقاد رکھنے والوں کی مایوسی کو دور کرنے کے لئے .... انہوں نے اس وقت اس یقینی اعتقاد کی غلط ترجمانی کی تھی کیونکہ اس کے بارے میں سمجھتے تھے کہ یہ بڑی وسعت کے ساتھ سیاست اور اسلامی معاشرے میں ایک حقیقت بن کر اُبھرے گا لیکن جبکہ یہ رسالۂ نور کے ساتھ (1930ء اور 1940ء میں) ''ایمان'' کے ضمن میں حاصل کیا جا رہا تھا۔ بہر حال مختصراً ان دلائل کو بیان کرنا مفید ہوگا جو انہوں نے محاکمۃ میں اپنے نظریہ حق میں دیئے ہیں۔

تاہم اپنے اِعتقاد کی حمائیت کے لئے محاکمۃ میں دیئے گئے دلائل کے اِختصار کے لئے یہ مفید رہے گی۔ جناب نورسی اَز خود تشریح کرتا ہے کہ نظریات ماضی کی للکار کے لئے کیا چیز اُسے ایک حوصلہ بخشتی ہے۔ جیسا کہ کہیں پیچھے مذکور بھی ہوا تھا کہ وہ چیز معاملات غیر متعلقہ اِسلام سے اِس پختہ یقین کے ساتھ چلتے چلے جانا ہے کہ سانچ ہی کو آنچ نہیں ہوتی ہے۔ اور آج' ایسا اس لئے بھی ہے کہ آج کا دور دلیل وعقل کا دور ہے جس میں نظریات ودائل اور سچ وحکمت میں سے سائنسی سچائیاں جنم لیتی ہیں جو زمانہ حال کے میدانوں اور مستقبل کے پہاڑوں پر بارش برساتی ہیں۔

ماضی میں شرعی کامیابیوں اور کامرانیوں کو دُور پرے رکھنا از خود ایک رکاوٹ ہی تھی بلکہ کچھ سائنسی سوالات اور خارج اَز اِسلام معاملات کا تضاد اور تصور بھی اِس ضمن میں لیے جاتے رہے۔ تلاشِ حق' محبت اِنسانیت اور نیکی کی طرف میلان کی خواہش کی ترغیب وتحریک کے ذریعے تعلیم اور سائنس اُلٹ پلٹ بھی ہوگئیں اور اپنے آگے آنے والی دیگر رکاوٹوں کو بھی تہہ وبالا کر رہی تھیں۔ بذریعہ اثراتِ مثبت سائنس جزوی طور پر زمانہ حال میں جبکہ مکمل طور پر زمانہ مستقبل میں حق طاقت پر' اثبات منطق پر' دلیل فطرت اور جبلت پر اور فکر جذبات پر فوقیت حاصل کرے گا۔

جو کوئی شئے بھی اسلام کو بطور ایک منشور اور فلاح انسانیت کے لئے اِس کی سچائیوں کو عیاں اور بیاں کرتی ہے سچ ہی کی بنیادوں پر اُس کی تعمیر' بمع ثبوت کمربستگی بمشاورت اثبات'

حقیقت بر حقائق اور تحقیق بہ منطق ہوتی چلی آ رہی ہے۔ ارشاد برائے آزادی میں بمطابق جناب نورسی تمامتر سلسلۂ ہائے تعلیم اِسلامی مبنی پر قوتِ تحریک ہے اور اِنسانی رشتوں اور قدروں میں حسب حال بدلتی چلی جاتی ہے۔ توجیہاتِ جناب نورسی زیر مطالعہ لاتے ہوئے لگتا ہے کہ مستقبل میں اِسلام کا ہی غلبہ ہوگا اور بس یہی تصورِ ترقی بھی ہے۔

اُس کے نزدیک صرف دُنیائے اِنسانیت تک ہی نہیں بلکہ یہ ایک کائناتی تصور بھی ہے' یہ وہ قانون اور قاعدہ ہے جو انسان اور کائنات دونوں میں رَوان دَواں ہے۔ کیونکہ یہی چیز تو کائنات میں حصہ باغ و بہار اور پھلوں پھولوں پر مبنی ہے۔ اور پھر' ایسا اِس لیے ہے کہ اِس میں جو مکمل اور ترقی یافتہ ہونے کی خواہش خوابیدہ اور پوشیدہ ہے یہی تحرک ہی کسی چیز کے قاعدہ اور قانون بننے کا کلیہ ہوتی ہے۔

اور پھر یہ بھی تو ہے کہ قوانین قدرت اور اصولِ قرآنی میں کس قدر موافقت اور عنصر رسل و ترسیل پایا جاتا ہے۔ بہت ہی معروف اور جانی پہچانی جانے والی شریعت میں اِس کا درجہ بدرجہ بیان اور تشریح ہے جو اِنسان کے رضا کارانہ اعمال کے اِحکامات جاری کرتی ہے جبکہ شریعت تخلیق کائنات میں موجود قوانین نظریات طاقت پر مشتمل ہیں۔ بمطابق جناب نورسی شرعی صداقتیں اُن حساس ترین قوانین کے تابع اور تعمیل میں ہیں جو طاقت تخلیق کی اُس نہج پر متعین ہیں کہ قوانین قدرت کا توازن برقرار اور بحفاظت رہے۔ یہ بھی اُسی شرعی موافقت اور موزونیت ہی کی وجہ سے ممکن العمل ہے کیونکہ اِنسانی معاشرتی احکاماتی توازن اور ترقی کی قرآنِ پاک مکمل ضمانت دیتا ہے۔ یہ تو رہی بر بیان بنیادی نظریات جناب نورسی کی مختصر سی تمہید' خطابِ دمشق' مزید دلائل و تحیص پر مشتمل ہے۔

خطاب دمشق:

1910ء کے موسم خزاں سے آنے والے موسم بہار تک آئین ساز اسباق و خطبات پر مشتمل جناب نورسی نے جنوب کی طرف عرب سرزمین پر موسم سرما کا سفر اختیار کیا۔ دیار بکر' اُرفا اور کلس میں سے تو اُس کا گزر ہوا لیکن کہا جاتا ہے کہ شیخ آفندی کی خانقاہ میں اُس کا قیام بھی رہا۔ بعد از چند مقامات اُس کی دمشق آمد ہوئی جہاں جبل قسیون کے قدموں تلے وہ ڈسٹرکٹ صالحی میں بطور مہمان مقیم ہوا۔

یہ وہ جگہ ہے جہاں ترکوں اور کردوں کی خاطر خواہ آبادی ہے اور مولانا خالد بغدادی مدفون ہیں۔ایک خبر تو یہ بھی ہے کہ الازہر یونیورسٹی کو قریب سے دیکھنے کی خواہش کے پیش نظر جناب نورسی کی نیت سفر قاہرہ تک بھی تھی لیکن دمشق میں ہی جامعہ الازہر کے فارغ التحصیل گریجوئیٹ علماء سے مطلوبہ معلومات مل جانے پر اُس نے اگلا ارادہ ترک کر دیا۔ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ اُسی سال 21 نومبر 1910ء کو اُن کا حج کرنے کا بھی ارادہ تھا مگر کر نہ سکے۔اگر تو جناب نورسی کی سابقہ سفر کاری میں یہ سب مراحل شامل ہیں تو پھر اُس عظیم تعلیماتی مرکز کے علماء کے ساتھ اُس کی سیر حاصل بحث و تمحیص بھی لازم ہیں اور 1911ء کے موسم بہار میں اُنہی علمائے کرام کے ازحد اصرار پر اُنہوں نے اُمیہ مسجد میں ''خطبہ دمشق'' دیا۔

سینکڑوں علماء اور ہزاروں لوگوں سے بھرپور اُس تاریخی عمارت میں اُس شخصیت کو واقعی قابل قدر اور گراں گردانا گیا اور بعد ازاں اِقتباسِ خطبہ ہذا کو ایک ہی ہفتے میں دو بار چھاپا گیا۔خطبہ جناب نورسی مایوسیاں ماپنے اور اہمیت افروزئ اسلام کے پیش نظر ہی ترتیب دیا گیا تھا اور اِس کی پیش قدمی میں حائل ضرر رساں اذیتوں کا توڑ بھی مل گیا تھا بلکہ اخلاقی جواز بھی لاگو کر دیا تھا جو کہ سلطنت عرب کے صوبہ ہذا کی سیاسی صورتِ حال میں واقع مبنی بر چند زمینی حقائق مفید تر رہے گا۔

حتیٰ کہ 1910ء میں نوجوان ترک بھی اپنے طور پر تسلیم کر رہے تھے کہ حورِ عثمانیت ناقابلِ کار ہو کر رہ گیا تھا اور برخلاف جو کچھ اِس کے لکھا گیا اُس کی رُو سے وہ نوجوان ترک نیشنلزم کے قریب جانے کی بجائے اِسلامی اِتحاد کے ضمن میں لیبیا اور بلقان صوبہ جات کے نقصانات کی طرف مبذول ہو گئے۔اگرچہ دونوں ہی اطراف میں یعنی CUP اور حزبِ اختلاف میں وہ عرب ہی تھے جنہوں نے حکومت کی اُن مرکز پذیر حکمت عملیوں کے خلاف غیر یقینیت اِختیار کی جن میں مراعات افسر شاہی ڈھٹائیاں اور CUP کے خلاف اسلام رویئے تھے۔

1910-11ء کی دہائیاں عربوں کی ترکوں کے خلاف جبلّی نفرت کی گواہ ہیں جس کی ایک وجہ تو بمعہ عدلیہ تمام محکمہ جات میں اور پھر بالخصوص عربی کی جگہ ترکی زبان کی ترویج تھی۔اِس کا ایک بنیادی مقصد تو اِتحاد سلطنت کو نئے سرے سے طاقت زدہ کرنا تھا۔جب 1910-11ء میں جناب نورسی دمشق میں تھے تو بہت سے عناصر نے اُس بے چینی کو خوب ہوا دی اور اُن ہی حالات

میں خلافِ ترک حکومت مخصوص محاورہ جات میں مرکز کے خلاف ایک جزب اِختلاف بھی پروان چڑھی جس کے پیشِ نظر شدتِ موسم سرما اور فلسطین میں مسئلہ آبادکاریٔ اِسرائیل بھی تھا۔

آبادکاروں کے ہاتھوں فردِ خستگی زمین بھی ایک آواز واعلانِ غور وفکر تھا۔ صاف صاف تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ جناب نورسی اِتحاد وترقی کے حوالے سے مختلف انداز میں اپنا مدعا بیان کر رہا تھے بلکہ کسی حد تک پاش پاش ہوتی ہوئی اُس طاقت کے لئے آئینی اور حکومتی تریاق اور توڑ بھی پیش کر رہا تھا۔ خطاب جناب نورسی نے دواسازیٔ قرآن کریم سے اخذ کردہ اقوال چھ کی ہی حیثیت اِختیار کر لی تھی جس سے کہ ہولناک قسم کی بیماریوں کی دوا اور علاج تجویز اور مقرر کر لیا گیا تھا' اُن بیماریوں کے لئے جنہوں نے دنیائے اِسلامی کی ترقی کو قابو کر رکھا تھا۔

اُنہی سے متعلقہ اُس کا بیان کچھ یوں ہے۔ ''موجودہ دَور میں اِن خطوں کے حالات کے پیشِ نظر میں نے اِنسانی معاشرتی مکتبِ حیات سے یہی کچھ سیکھا سمجھا ہے کہ مادی ترقی کے نام پر ہمیں قابو اور کنٹرول کرتے ہوئے مستقبل پر کمندیں ڈالنے کی یورپ والوں کو اجازت کس نے دے رکھی ہے۔ زمانۂ وسطیٰ میں چھ بڑے اہم مصائب اور بیماریاں کچھ یوں ہیں۔ پہلے نمبر پر تو حیاتِ اِنسانی کی طرف بڑھتی ہوئی معاشرتی مایوسیاں اور نااُمیدیاں ہیں' دُوسرے نمبر پر معاشرتی اور سیاسی زندگی سے مرگِ صداقت ہے' تیسرے نمبر پر نفرت سے محبت ہے' چوتھے نمبر پر اُس روشنی سے دُوری ہے جو اہلِ ایمان کو باہم مربوط اور متحد رکھتی ہے اور پانچویں نمبر پر وہ شخصی حکومت ہے جو کہ متعدی اور وبائی اِمراض کی طرح پھیلتی ہی چلی جاتی ہے۔ اور پھر چھٹے نمبر پر شخصی فلاح کے راستے میں رکاوٹی کارستانیاں ہیں۔

جناب نورسی نے آغاز ہی حدیث اور قرآن پاک کی آئیت نمبر 39:53 کے حوالے سے کیا کہ ''رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہوں۔'' میں تکمیلِ اِخلاق کے لئے آیا ہوں۔ جس سے کہ اقوالِ چھ کا مواد میسر ہوا اور جس سے کہ خطابِ ہٰذا مرتب ہوا۔ پہلا لفظ ''اُمید'' ہے جو کہ بہت ہی تفصیل سے بیان ہوگا کیونکہ اِس میں دُنیائے اِسلامی کے مستقبل بارے جناب نورسی نے مزید پر اُمید توجیہات دی ہیں۔ اُس کے اِس مضبوط مؤقف کی تائید کے لئے یہاں ایک مکمل اور ایک آدھی دلیل بھی ہے کہ نہ صرف مستقلاً اسلام ہی اسلام ہوگا بلکہ صداقتِ قرآن وایمان' ہی کی حکمرانی ہوگی۔

اُس کی دلیل سازی کا مقدمہ اور آغازِ بیان ہی یہی ہے کہ صداقتِ اسلام مادی اور غیر مادی معاملات کی ترویج وترقی کے لئے بیک وقت صلاحیت اعلیٰ رکھتا ہے' بلکہ پہلوئے اوّل تو ہے

ہی ترقی معاملاتِ مادی و غیر مادی' جس میں پانچ چھ مزید بھی بڑے اہم نکات ہیں۔ دُوسرے مذاہب کی وضاحت اور اعزاز میں کہے گئے ایک جاپانی کمانڈر انچیف کے تبصرے کے حوالے سے جناب نورسی آغاز گفتگو کرتا ہے کہ ایک صحیح معاشرت اور تہذیب کے حصول کے لئے مذہب اِسلام میں یہ ضروری شئے کی بہت گنجائش موجود ہے۔ معنی خیزیت تو یہ رہی کہ ایسی عمیق تحقیق اور مشاہدہ نہ کہ ایک غیر مسلم بلکہ ایک جاپانی کی ہے۔

جس جاپانی کا تذکرہ ہوا اُسے بہت بڑی تعداد میں تائید کنندگان بھی مل گئے جو کہ اپنی تہذیب اور اخلاق میں ہی رہتے ہوئے اور اپنی تہذیب و ترقی کی طرف گامزن ہوتے ہوئے از مغرب سائنس اور ٹیکنالوجی جن کی گفتگو کا محور رہا کرتی تھی۔ بربیان سلسلۂ دلائل جناب نورسی کہتا چلا گیا کہ تاریخ کے پاس ایسی کوئی گواہی نہیں ہے کہ مضبوط دلائل کے سہارے کوئی مسلمان دوسرے اہلِ مذاہب کو قریب لایا ہو'ہاں' کہیں' کہیں دلائل کے زور پر بھی دُوسرے اہل مذاہب بتدریج دائرہ اِسلام میں داخل بھی ضرور ہوئے۔ پھر اُس نے اپنا اِنتہائی مؤقف اہلِ یقین کے سامنے رکھ دیا کہ اگر ہم اخلاقِ اسلام اور صداقت ایمانی کی تکمیل کا عملی مظاہرہ کرتے تو دوسرے اہل مذاہب بلاتردید پورے طور پر دائرہ اِسلام میں داخل ہو جاتے' حتیٰ کہ دوسرے خطوں اور ملکوں والے بھی اِسلام ہی کو جائے پناہ جانتے۔

اِس سے آگے ایک ماڈرن اور روشن خیال اِنسان کی ایک سچے مذہب کے بارے میں جستجو پر جناب نورسی نے روشنی ڈالی۔ اُس نے کہا کہ سائنس' قبائلی جنگوں اور بیسویں صدی کے واقعات کی ترویج و ترقی سچ ہی کی تلاش میں ایک انسان کی خواہش کے مظہر تھے اور اس سے ہوا یہ کہ اِنسان جاگ اُٹھا اور اِنسانیت کا صحیح آئینہ دیکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی تزئین و آرائش سے بھی آگاہ ہو گیا۔ اِس سے اُس پر اُس کی مذہبی ضروریات بھی عیاں ہو گئیں' بے شمار مصائب کے چنگل میں پھنسے ہوئے اور پھر اندرونی بیرونی دشمنوں کے ہاتھوں طاعون زدہ اِس اہم انسان کی حمائیت میں صرف اور صرف نکتۂ کامل یہی ہے کہ خالق کائنات کی ہستی پر یقین کامل کرتے ہوئے موضوع ایمان و آخرت پر دلجمعی کر لی جائے۔ اِس سے ہٹ کر بنی نوع اِنسان کے لئے بسلسلۂ آگاہی کوئی مددگار رہے ہی نہیں۔ وہ مزید بھی کہتا چلا گیا کہ اِنسان کے علاوہ ملک و ملتوں نے بھی ضرورت انسانیت کا اِحساس کرنا شروع کر دیا ہے۔ اپنے دلائل کے اگلے مرحلے میں جناب نورسی اِنسان کو

اُس کے اَصل کی طرف رجوع کرواتا ہے اور اپنی ذہانت سے کام لیتے ہوئے اور غور وفکر کرتے ہوئے زیست ہذا اور واقعات ماضی سے سبق سیکھنے کی بھی تحریک دیتا ہے۔

اپنے سامعین کو خبردار اور متوجہ کرتے ہوئے جناب نورسی نے آخرکار کہہ ہی دیا کہ مستقبل میں قرآن چھا جائے گا۔ ہم مسلمان جو کہ قرآنِ پاک کے طلباء ہیں کو اثبات مانتے ہیں' خیالوں کے علاوہ دلائل اور دِلوں تک حق کو ہاتھ لگانا ہے۔ دُوسرے مذاہب کی طرح اور پھر دوسرے پادریوں کی طرح ہمارے اندھے عقائد کی بہتاب ہرگز نہیں ہے۔ مستقبل میں جب عقلی سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہی دَور دَورہ ہوگا تو وہ یقیناً قرآن کی بھی سربلندی کا دَور ہوگا' جس کا عقلی اثبات پر اِنحصار اور ادائیگی الفاظ کے تیقن کے لئے دعوتِ دلیل بھی ہوگی۔ اپنے پہلے عنوان کو مکمل کرنے کے لئے جناب نورسی نے اُن آٹھ واقعی مشکلات کو بیان کیا جنہوں نے ماضی کو اِسلامی صداقتوں کے ہاتھوں مفتوح ہونے میں مدد دی' بعد ازاں جو کہ رفع دفع بھی ہو گئیں اور صداقت اِسلام کی پیروی میں اثبات و دلائل کی بھی قائل ہو گئیں۔

پہلی تین مشکلات تو جہالت' یورپی لوگ' اُن کا ظلم تشدّد اور اپنے مذہب بارے ہٹ دھرمی پر مشتمل تھیں۔ جو کہ علمیت اور تہذیب کے زور پر رفع دفع بھی ہو ہی گئی تھیں۔ چوتھی اور پانچویں مشکلات اُن کی من مانی حکومت' تسلّط' مذہبی لیڈروں کی طاقت اور پھر یہ بھی حقیقت ہی تھی کہ تمام تر یورپی اُن کی اندھا دُھند تقلید میں لگے ہوئے تھے۔ یہ دونوں مشکلات تو اِنسان میں خواہش آزادی اور تلاش حق و سچ کی کوشش میں اپنی موت آپ ہی مر گئی تھیں۔ چھٹی ساتویں مشکل ہمارے ساتھ چمٹی ہوئی آمریت' غیر اخلاقیت اور مزید بگاڑ ہے جو کہ بوجہ دُوریٔ شریعت ہے۔

اور یہ تمام الائیں بلائیں برائیوں اور غیر اخلاقی سرگرمیوں سے آگاہی اور اِسلام کے جذبوں اور ولولوں سے مات کھا گئیں۔ آٹھویں اور اہم مشکل جدید سائنس اور اسلامی صداقتوں کے مابین معنی اور مفہوم کا اُلجھاؤ ہے۔ اِسی لئے کہا جاتا ہے کہ سائنس دانوں اور فلاسفروں نے اسلام کے صحیح معنوں کو سمجھے بغیر اس کی مخالفت کی تھی۔ البتہ اِس کے سچ سے سوجھ ہو جانے کے بعد اِنتہائی قسم کا نظریاتی فلاسفر بھی اِس کی تائید پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پہلے مرحلے پر جناب نورسی نے نتائج پر پہنچتے ہوئے اُنیسویں صدی کے معروف رُوسی مفکر اوٹو وون بسمارک اور سکاٹش فلاسفر تھامس کارلائل کی سچائی اسلام کے بارے میں تصدیقات کے حوالے دیئے اور اس کی تائید میں اُس نے شیخ بخت سے کی جانے والی اپنی پیشین گوئی کو بھی دوہرایا۔

یورپ اور امریکہ میں اسلام کا بیج بطورِ حمل ٹھہر چکا ہے اور ایک دن ایک اسلامی مملکت کو بھی جنم دیدے گا' جس طرح کہ سلطنت عثمانیہ میں یورپی حمل ٹھہرا اور ایک یورپی ریاست کا جنم ہوا۔ دلائل جناب نورسی کا دُوسرا پہلو مستقبل میں اسلام کی مادی ترقی اور برتری میں دعوت اثبات و نتائج ہے جو کہ انتہائی طاقتور' ناقابل تنسیخ اور مضبوط ترین پانچ پہلوؤں میں نمایاں ہیں اور پھر دُنیائے اِسلامی میں مجموعی مسلمانی تشخص کے دِل میں قوت اور قوسِ قزح بن کر مزین و مستحکم ہے۔ اُن عنوانات کو زیر بحث لانے سے پہلے اُس نے ایک دو بڑے ہی اہم اور دلچسپ موضوعات کو ہاتھ لگایا کہ قرآنِ پاک تو از خود اِنسان کو اپنے آپ پر غور اور ترقی کا درس اور ہدایت دیتا ہے۔

معجزات نبوی کا حوالہ دیتے ہوئے اُس نے کہا کہ قرآن تو نوعِ اِنسانی کو باخبر کرتا ہے کہ مستقبل میں معجزات سے مشابہہ واقعات بذریعہ سائنسی ترقی رُونما ہوں گے اور اپنے حصول کے لئے متقاضی بھی ہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ' آئیں' آگے بڑھیں اور کام کریں بلکہ ایسی مثال سامنے لائیں کہ جیسی نبی پاک ﷺ نے دو ماہ کا سفر ایک ہی دِن میں مکمل کر کے پیش کی تھی یا پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے مہلک ترین بیماریوں کا کامیاب علاج کر کے قائم کی تھی۔ آگے دی گئی مثالوں میں اُس نے مزید معجزات کے حوالے دیئے۔

اگر پانچواں عنصر استحکام ہے تو پہلا عنصر حقیقت اسلام تھی اور دوسرا عنصر وہ شدید ترین ضرورتِ وقت تھی جو کہ صنعت اور تہذیب وتمدن کی واقعی ماسٹر ثابت ہوئی پھر جن کی معیت میں کمر توڑ غربت تھی۔ تیسرا عنصر آزادی تھی لیکن بمطابق شریعت' چوتھا عنصر اِستحکام اور حوصلہ وقوتِ ایمانی تھی جبکہ پانچواں عنصر عظمت اِسلام ہے جو کہ خدا کی رسّی کو مضبوطی سے تھامنے کا باضابطہ اِعلان ہے۔ اور جیسا کہ اِس دور میں بھی ہم دیکھ چکے ہیں حکم خداوندی مادی ترقی میں مظہر ہے۔

جناب نورسی نے یہ بھی نتیجہ اخذ کیا کہ جدیدیت کی دوڑ میں جہاں تک سلطنت عثمانیہ کا بس چلا کوئی خاطر خواہ فوائد سامنے نہ آسکے بلکہ مصنوعی طور پر بُرائی اور ناانصافی ہی سامنے آئی اور مزید یہ کہ ریاست کو حالت شکست سے بھی دوچار کرنے سے گریز نہ کیا گیا۔ ایسا اِس لئے بھی ہو کر رہا کہ اِسی صدی کی ہولناک اور خونریز جنگیں جو نوعِ انسانی نے جھیلیں تھیں میں مخفی فوائد پر تہذیب اور تمدن ہی کی ناانصافیاں غالب آ گئی تھیں۔ از خوشنودیٔ خدائے بزرگ و برتر' بقول جناب نورسی مستقبل میں بزورِ اِسلام تہذیب وتمدن کی اچھائیاں چھا جائیں گی' اَرضِ پاک کا چہرہ تمام غلاظتوں سے صاف ہو جائے گا اور امنِ کائنات کو بھی اَمن مل جائے گا۔

پھر جناب نورسی نے اپنے سامعین سے پوچھا کہ اہلِ ایمان و اِسلام کے لئے اگر مادی اور اخلاقی ترقی کے نام پر قوت افروز اور نا قابلِ اِنتقال ذرائع اور وسائل میسر آ جائیں اور نظامِ ریلوے کی طرح راستہ خوشحال مستقبل کا کھل جائے تو کیا آپ مستقبل کی مایوسیوں میں گم ہوتے ہوئے دُنیائے اِسلامی کے اِخلاق کو تباہ کر دیں گے؟ جب سے فطرتِ انسانی میں تلاش حق اور اکملیت کی جستجو سمائی ہے آئندہ مستقبل کے دُنیائے اسلامی میں سچ اور انصاف ہی دُنیاوی خوشیوں کے راستے دکھائیں گے۔ لگتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی مرضی ہی یہی ہے کہ اِس اِنسان کے سابقہ گناہوں اور غلطیوں کی تلافی بھی ہو جائے۔

جس طرح ہر سرما اور خزاں کے بعد بہار اور ہر رات کے بعد دِن آتا ہے ایسے ہی اِس اِنسان کی قسمت کی رات میں بھی دِن ضرور آئے گا کیوں کہ خدا کی مرضی یہی ہے۔ رحمتِ خداوندی سے بھی آپ صداقت اسلام کے سچ کے سورج کی کرنوں میں قائم امن عالم کی گود میں ایک سچی تہذیب کی تکمیل کی توقع کر سکتے ہیں۔ خطبہ ہذا میں بچ رہنے والے نکاتِ پانچ کے مطابق جناب نورسی نے اپنے سامعین پر اشارۃً واضح بھی کر دیا کہ صحیح تہذیب کے حصول میں اُن کا کیا کردار ہو سکتا ہے۔ بس اُنہیں زیادہ سے زیادہ دامنِ اخلاق سے واستہ و پیوستہ رہنا ہے۔

مایوسیوں پر مبنی تباہ کُن نتائج میں دُوسرا نکتہ بیماری نمار نجیدگی ہے جو کہ دُنیائے اِسلام کے دِل میں اُتر گئی ہے۔ اُسی مایوسی اور رنجیدگی نے باہم مسلمانوں کے اخلاقِ عالیہ کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا تا کہ یورپی لوگ اُن پر غلبہ پالیں۔ جناب نورسی نے تمام عربوں کو بُلا کر اور ہلا کر کہا کہ وہ مایوسی کے اندھیروں سے نکل کر ترکوں کے ساتھ ایک وحدت اور استحکام میں شامل ہو جائیں اور قرآن کے پردے اور بینر کو پوری دُنیا پر پھیلا دیں۔ تیسری دُنیا کا مطلب ہے سچائی اور ایمانداری' اور یہ جو جناب سعید نورسی ہے یہ اسلام اور اسلامی معاشرے کے بنیادی اُصولوں کا ہی داعی ہے اور عمل نجات بقول اُس کے بذریعہ ایمانداری ہی ممکن العمل ہے۔ ماضی میں تو کبھی یہ سب عناصر جائز العمل رہے ہونگے لیکن اب کے ناجائز العمل سمجھے جاتے ہیں۔

اب تو صرف دو ہی راستے ہیں نہ کہ تین' یعنی سچ یا سکوت۔ نکتۂ چہارم محبت اور بھائی چارے کا بلاوا تھا اور بقول جناب نورسی اگر کوئی قابلِ قدر شئے ہے تو وہ محبت ہی محبت ہے جبکہ نفرت اور عداوت کی انتہاء بھی عداوت اور نفرت ہی ہے۔ یہ محبت ہی ہے جو معاشرے میں خوشیوں کی ضامن بنتی ہے جبکہ نفرتیں قاتل ہوتی ہیں اِس سب کچھ کے لئے نکتۂ پنجم میں جناب

نورسی نے عربوں سے تقاضا کیا ہے کہ وہ اُمت مسلمہ کے قلعے کی حفاظت کے لئے بطور سنتری اور سپاہی ترکوں کے ساتھ اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ یہ تو ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارے کے لحاظ سے آگاہی کے زمرے میں دستوری طور پر کیا ترویج وترقی ہوئی ہے اور یہیں سے ہی یہ سبق بھی ہمیں ملتا ہے کہ یہی کچھ ہی دُنیائے اِسلامی کے لئے حیات افروز تھا۔

جناب نورسی نے اپنے سامعین پر واضح کیا کہ اِس دور میں اِنسان کے اچھے یا بُرے اعمال اُس کے دروازے تک ہی محدود نہیں رہے ہیں۔ بلکہ پورے طور پر رُو بہ انجام ہیں۔ اچھے اور نیک اعمال کے لئے سُستی چھوڑنے پر اُس نے عربوں کو خبردار کیا کہ اُن کی اِس ادا سے لاکھوں اوروں کا بھی بھلا ہوسکتا ہے۔ جناب نورسی اُن چھوٹے چھوٹے مسلمان گروہوں اور لوگوں کو بطور ٹیچر اور لیڈر اُن کی ذمہ داریاں یاد دلاتا چلا گیا' وہ ذمہ داریاں جو وہ بوجہ لاپروائی دور پرے پھٹک چکے تھے۔ ایک ہی وقت پر اُن کی اچھائیوں اور بڑائیوں کی بناء پر جناب نورسی نے پیشین گوئی کی تھی کہ چالیس پچاس سالوں میں عرب قوم تعریفی زینوں پر قدم رکھتے ہوئے بلندیوں کو بھی چھوسکتی تھی جس طرح کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ تھی بلکہ آدھی دُنیا پر حکومت قائم کرنے میں بھی کامیاب ہوجاتے۔

اور اگر قریب قریب میں کوئی مصیبت نہیں پھوٹ پڑتی تو آنے والی نسل جلد ہی ایسا بھی ہوتا ہوا دیکھ لے گی' مرضی باری تعالیٰ بھی یہی ہے۔ فی الفور کلام جناب نورسی پھر سے جاری ہوا کہ "میرے بھائیو" خبردار ہو جاؤ اور کہیں یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنے اِن الفاظوں کے ذریعے آپ کو سیاست میں دھکیل رہا ہوں۔ خدا تعالیٰ معاف رکھے' سچائی اسلام تو ہر سیاست سے بالاتر ہے۔ تمام تر سیاست سازیاں اِس ایک اسلام ہی کے لئے تو ہو سکتی ہیں لیکن اِسلام کسی سیاست کا آلۂ کار نہیں ہوسکتا۔

اور پھر' میری ناقص سمجھ کے مطابق تو اِسلامی معاشرہ اِس وقت ایک ایسے کارخانے کی مانند ہے جو بہت ساری مشینوں اور پہیوں پر مشتمل ہے۔ کیا ایک پہیہ پیچھے سے کھسک جائے یا ایک دوسرے میں مداخلت آمیزی ہونی چاہیے؟ تو پھر کیا مشینری کے کل پرزے جام نہ ہو کر رہ جائیں گے۔ پس تو پھر سمجھ لیں کہ اتحادِ اسلام کا موسم شروع ہو رہا ہے اور یہ اِسلام ہی ہے جو ایک دوسرے کی کوتاہیوں پر نظریں نہ جمائے رکھنے کی ضرورت پر بھی زور دیتا ہے۔

جناب نورسی کہے جارہا تھا کہ اِسلامی برتری مادی اور تکنیکی ترقی کے ذریعے ہی ہوگی جو کہ دُنیائے اسلامی کا چہرہ سنوارنے والے لوگوں اور گروہوں کے اِتحاد اور تعاون سے محصول

ہے۔نکتہ ششم کا دستورِ ششم بفرض بحالی دُنیائے اِسلامی کے لئے جناب نورسی باہمی مشاورت کا نسخہ تجویز کرر ہا تھا۔

اُس نے اِسی چیز کو ہی اسلامی معاشرے میں مسلمانوں کی خوشی کی کلید قرار دیا تھا بلکہ سائنسی ترویج اور دُوسری ترقی کے لئے بھی اُسی چیز کو بنیادی عنصر گردانا تھا اور تو اور اُس نے ایشیاء کی ناکامی کو بھی عدم مشاورت ہی کی وجہ پر معمور کیا تھا۔اِسی ضمن میں مزید کہا یہی عنصر ہی براعظم ایشیاء کے مستقبل کی کلید کشادگی ہے یعنی جس طرح شخصی اور ذاتی طور پر مشاورت ہونی چاہیے اِسی طرح براعظمی اقوام کو بھی اِسی ڈگر پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

برنتائج تشریحات وتوجیہاتِ جناب نورسی بہ خلوصِ نیت واستحکام اِیمان ہی تھا بذریعۂ مشاورت جو مجموعی زندگی اور ترقی کا زینہ اور ضامن بن جاتا ہے۔بالفرض، تین آدمیوں میں سچے اِستحکام کے فوائد اگر اِس قدر ہو سکتے ہیں تو ایک قوم میں سو آدمیوں کے برابر ہونگے بلکہ بہت سارے تاریخی واقعات بتاتے ہیں کہ سچے خلوص، استحکام اور مشاورت کی بناء پر صرف دس افراد ایک ہزار کے برابر کام کر جاتے ہیں۔

پانچواں باب

مدرستہ الزہرا

استنبول کو واپسی:

فی الفور بعد از خطاب جناب نورسی دمشق سے بیروت پہنچ گیا اور وہاں سے اِزمیر اور استنبول کے لئے بحری کشتی لے لی۔ استنبول واپسی پر مدرستہ الزہرہ یعنی مشرقی یونیورسٹی بنانے میں کارفرما اور پنہاں کوششوں کو ایک نیا رنگ دینا تھا۔ مناظرات کا آخری حصہ تو عقیدت کی حد تک جناب نورسی کے لئے تصوراتی حیثیت رکھتا تھا جسے کہ کئی سال قبل اُس نے اپنے کام کی بنیادی رُوح قرار دیا تھا۔ اُس خطے میں طویل ترین سفر میں ہی اُس نے یونیورسٹی کی تعمیر کے لئے سرکاری امداد بھی قبول کرنے کا عہد کر لیا تھا بلکہ اپنے آپ میں بھی ایک پختہ عزم کر لیا تھا کہ خطے بھر کے دور رَس نتائج کی حامل یہ ایک جامعہ ہوگی۔ اَب کی بار اُسے کامیابی تو ملنے ہی والی تھی کہ ناسازگاریٔ حالات منصوبہ ہذا کی راہ میں پھر آڑے آ گئی۔

رُومیلیا کا سفر:

5 جون 1911ء کو بہت سے نوکروں چاکروں کے جلوس، وزیراعلیٰ حاکی پاشا، بہت سے نائبین اور دو عدد شہزادیوں کی معیت میں سلطان محمد رشاد بطرف رومیلیا اپنے مشہور سفر پر روانہ ہوا اور بہت جلد اپنا وجود گم کرتی ہوئی سلطنت کے آخری دورانیے میں کوئی عثمانوی سلطان پورے صوبوں کی سیر کو نکلا تھا۔ پچھلا سال البانیہ میں طلوعِ انقلاب دیکھ چکا تھا۔ سلطان کے دورے کا مقصد مقدونیہ اور البانیہ کے مختلف النوع لوگوں میں معاشرتی امن اور قومیت پرستی کے تحفظ کے لئے جذبۂ حب الوطنی اور احساسِ استحکام کو نئے سرے سے جگانا تھا۔

آزادی کے ہیرو اور آئینی اِنقلاب کے بانی مبانی البانوی نیازی بے نے CUP کی زیرِ ہدایت اُس سفری گروہ کی تشکیل سازی کی اور یہ بھی اُنہی کی خیال آفرینی تھی کہ جناب نورسی بھی بطور نمائندہ مشرق اُن سے آن ملے، اُس سے تمام تر نسلی اور علاقائی طبقات کی نمائندگی عبارت تھی۔ بطرف

سالونیکا بذریعہ بحری سفر طائفہ سلطان نے بعداز قیام دو دِن بذریعہ ٹرین سفر جاری کیا اور 11 جون کو سکوپیا آمد ہوئی۔ جناب نورسی ہی کے سفری کیبن میں کسی سیکولر سکول سے متعلقہ دوعدد ٹیچر صاحبان بھی تشریف فرما تھے لہٰذا اُن کے درمیان موضوعاتی گفتگو شروع ہوگئی اور اُنہوں نے اُس سے پوچھ ہی لیا کہ جذبہ مذہبی اور جذبہ قومیت میں سے کونسا عنصر ضروری اور مضبوط تر ہونا چاہیے۔

تو خلاصہ جوابِ جناب نورسی یہ تھا کہ اگر چہ مذہب اور قومیت میں ظاہری نظریاتی اور حادثاتی قسم کی تقسیم تو ہے لیکن انہیں باہم متحد ہونا چاہیے اور ہیں بھی۔ جذبہ مذہبی اور اِسلامی بھائی چارہ ترکوں اور عربوں میں بیک وقت پگھل چکے ہیں اور اُن کی علیحدگی بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور پھر اِس مقابلے کی فضا میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک چھ سالہ بچے کی حیثیت سے تھی جبکہ یورپی اور لادینی لوگ جن کے ہیرو ہرکولیس اور رستم وغیرہ تھے لیکن اُس چھ سالہ بچے کا اِحتجاج اور اِعتقاد اُس ناقابلِ کنٹرول وشکست آسمانی اِتحاد پر تھا۔ واپسی پر اُس نے وہ تمام بحث وتمحیص بنام ''تشخیص اولا'' یعنی نسخہ بیماری ہذا' عربی قطعات میں شامل کر لیے تھے جنہیں بعدازاں اُس نے ضمیمے کے طور پر ''خطبہ شامیہ یعنی خطبہ دمشق کی 1911ء والی اشاعت میں شامل کرلیا تھا۔

بمطابق اُن حالیہ باشندوں کی یادداشتوں کے جناب نورسی کا حلیہ اور احوال کچھ یوں تھے۔ ''بدیع الزماں کی مونچھیں ہلکی آنکھیں روشن اور اُس نے بوٹ پہن رکھے تھے۔ وہ سیاہی مائل رنگت میں بڑی مؤثر اور دیدہ زیب شخصیت کا حامل جوان تھا۔ اُس کے پاس سرکیشین چابک اور کمربند میں ہاتھی دانت کے دستے والا خنجر ہوتا تھا۔ بڑے ہی قلیل عرصے میں وہ سکوپیا میں ملاں سعید کے نام سے پہچان پا گیا۔ سکوپیا کے علماء اُس کے پاس گروپوں کی شکل میں آتے اور سوالات پوچھتے۔

جب سُلطان رشاد کو ایک ہائی سکول کی بالکونی میں کھڑے لوگ مبارک دے رہے تھے تو وہ اُس کے فوراً بعد ظاہر ہونے والی شخصیت تھی۔ وہ سکول بعدازاں ایک زلزلے کی نذر ہوگیا تھا لیکن اُسی عمارت میں ہزاروں لوگوں نے اُن کا بڑا پرجوش اِستقبال کیا تھا۔ 16 جون کو پرشتینا سے کوسووہ سلطان کے لاؤلشکر کی آمد ہوئی اور سُلطان مراد (وفات 1451ء) کے مقبرے کے اردگرد کافی جگہ پر البانویوں کے ساتھ اُس نے نمازِ جمعہ ادا کی جس سے کہ وقتی طور پر اپنے گلے غصے بھول گئے۔ وہ سینکڑوں ہزاروں پر مشتمل ایک مذہبی اِجتماع ہی لگتا تھا بلکہ جذبات سے بھرپور موقع یادِ ماضی بھی تھا۔

جب وہ کوسووہ میں تھے ایک عدد یونیورسٹی کے موضوع پر اُن کی بات چیت چلی جو کہ اُن کے پروگرام کا حصہ بھی تھی اور جس کو وہ البانویوں کی خودمختارانہ خواہش پر بنانے بھی لگے تھے تا کہ دوسرے لوازمات کے ساتھ اُن کے سکولوں میں لاطینی مسوّدات متعارف کروائے جائیں۔اِس سے جناب نورسی کو وہ مواقع میسر آ گئے جن کا کہ وہ متمنی تھا۔اُس نے سلطان اور اُس کے حواریوں کو مشورۂ کہا کہ مشرقی حصے میں ایسی ہی ایک یونیورسٹی کی اشد ضرورت ہے۔

کیونکہ یہ جگہ اِسلامی دُنیا کا مرکز بھی ہے۔سواُنہوں نے اُس کی رائے کو تسلیم کیا اور وہاں یونیورسٹی کھولنے کا وعدہ کیا۔آنے والے سال میں ہی پہلی بلقان جنگ جاری ہوگئی اور سلطنت کے ہاتھوں کوسووہ صوبہ ہی جاتا رہا جس جگہ برائے یونیورسٹی جناب نورسی نے اُن سے ہزار طلائی لیروں کی منظوری لی تھی بلکہ اُس کی درخواست منظور کرتے ہوئے اُسے ایک ہزار لیرے پیشگی بھی ادا کردیئے گئے تھے۔اُس کے بعد وہ وان پلٹ گیا اور بہ مقام ایڈریمت وان جھیل کے کنارے بالآخر مدرسۃ الزہرا کی بنیاد رکھ دی۔

لیکن یہ کام بھی اللہ کو منظور نہ تھا کیونکہ جلد ہی بعد میں جنگ عظیم اوّل جاری ہوگئی اور تعمیراتی کام ٹھپ ہوگیا اور پھر کبھی بھی شروع نہ ہوا۔سالونیکا کی طرف واپسی تک سلطان رشاد اور اُس کے حواری رومیلیا کا دورہ مکمل کر چکے تھے۔وہاں سے وہ دوبارہ جنگی بحری بیڑے بار براس پر سوار ہوئے' کشتیاں دیکھیں بھالیں اور بر مقام چنک کلے توپوں کی سلامی لینے کے بعد دوبارہ استنبول جانے والی راہ پر گامزن ہو گئے۔تین ہفتے کے دَورے کے بعد 26 جون کو اُس طائفے کا بھرپور استقبال کیا گیا۔اِس وقت عثمانویوں کے خلاف جو مخالف ہوائیں چل رہی تھیں اور بھی زیادہ تیزی اختیار کر گئیں حالانکہ سلطان کے طائفے کو اِحتجاجی وفاداری کی صورت میں بہت بڑی پذیرائی بھی مل چکی تھی۔قومیّت پسندوں اور علیحدگی پسندوں کو غیر ملکی امدادیں ملنا بھی جاری تھا۔CUP کی غیر متوازن حکمرانی' متلون مزاجی اور سُوزشوں کے بھڑک جانے سے بالآخر بلقان میں 1912-13ء کی جنگوں میں ترکی یورپ کی بانہوں میں جھول گیا۔

1911ء کے آخر میں تریپولی کی جنگ جاری ہوگئی' اٹلی نے تریپولی اور بن غازی پر حلہ بول دیا جس کے نتیجے میں جدید دَور میں لیبیا اور تریپولی سلطنت کے ہاتھوں سے نکل گئے۔اتالین ڈوڈ کینیز کے جزیرے پر قابض ہوتے چلے گئے بلکہ اُنہوں نے ڈارڈنلیز کے داخلی

دیہانوں پر بمباری بھی کی۔ بلقان میں جنم لینے والی پہلی جنگ جاری ہوتے ہی نومبر 1912ء کو یونانیوں نے بھی جزیرہ آنجین کو بند کردیا جس سے کہ سالونیکا بھی جاتا رہا۔

معزول سلطان عبدالحمید کو بڑی ہی عجلت میں معزول اور جلا وطن محل سے نکال کر استنبول میں واقع بے لربائی محل میں لا بٹھایا گیا۔ تریپولی پر غیر متوقع قبضے سے کئی ایک اور واقعات بھی متصل ہو گئے' استنبول سیاسی بحران کی لپیٹ میں آ گیا' CUP کو چھ ماہ کے لئے اِقتدار سے الگ کر دیا گیا یعنی جولائی 1912ء سے لے کر 1913ء میں اَنور کے مشہورِ زمانہ دھاوے تک۔ جولائی 1913ء میں ایڈرنے والی آزادانہ روش کے بعد انور بے کو وزیر جنگ بنایا گیا تو یہ وہی تھا جس نے جرمنی کے ساتھ الحاق کیا تھا اور ترکی کو مرکزی طاقتوں کے ایک طرف لا کھڑا کیا تھا۔

رُومیلیا کی طرف جانے والے طائفے کے ساتھ گزرا ہوا دورانیہ جناب نورسی کی ابتدائی زندگی میں ایک خلا سا ہی ہے کیونکہ اِس کا ذِکر اُس کی سوانح حیات میں نہیں ملتا۔ 1951ء میں وزیر تعلیم کو لکھے گئے خط کے حوالے سے لگتا ہے کہ مدرسۃ الزھرا کے لئے ایک ہزار طلائی لیروں کی امداد کی یقین دہانی کے بعد ہی اُس کی بطرف مشرق واپسی ہوئی۔ چونکہ آٹھ اکتوبر 1912ء کو پہلی بلقانی جنگ چھڑی اور اِنتہائی تیز رفت عثمانوی شکست کے بعد تین دسمبر کو التوائے جنگ یا عارضی امن کے معاہدے پر دستخط ہوئے اور لگتا تو یہی تھا کہ کوسودہ یونیورسٹی کو ملنے والی امداد کا دوبارہ احکامات کے باوجود کھو جانا ایک انہونی سی بات ہے ورنہ مشرقی یونیورسٹی بہت جلد وجود میں آ چکی ہوتی۔ 1912-13ء میں شائع شدہ (Iki Mekteb-i-Musibetin Sehadetnomesi) کے دوسرے ایڈیشن کے مؤلف احمد رمیض کا کہنا ہے کہ تب تک جناب نورسی بطرف مشرق پلٹ گیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ چونکہ سلطنت عثمانیہ میں رومی کیلنڈر ہی بااختیار تھا لہٰذا یکم مارچ کو شروع ہونے والے سال نو کو کسی پیش بندی کے تحت وہ فوری کوچ کر گیا۔

خطبہ دمشق بھی اُسی سال تالیف ہوا۔ 1910-11ء میں احمد رمیض نے ہی نطق نامی تقریر کا دُوسرا ایڈیشن چھاپا تھا جبکہ جناب نورسی از خود مشرق کی طرف نکلا ہوا تھا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ 1951ء میں لکھے گئے خط کو نہ تو سنجیدگی سے لیا گیا اور نہ ہی کسی ضابطے میں رکھا گیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ابتدائی تاریخوں میں ہی جناب نورسی مشرق کی طرف پلٹ گیا اور 13 جون

1913ء کی طرح اُس سے بذریعہ ٹیلی گراف یا پھر کسی دوسرے وسیلے سے واسطہ اور رابطہ رہا بلکہ بذریعہ گورنروان تحسین بے زیادہ موثر رابطہ تھا۔ آج کل کے پیش نظر تو یہ بہت ہی غیر یقینی لگتا ہے۔

خصوصی تنظیم:

یہاں ایک تیسرا پہلو ہمیں اُس نا قابل جواب اور نا قابل حل سوال کی طرف لے جاتا ہے جو ''تشکیلات مخصوص'' نامی ایک سپیشل تنظیم سے وابستگی جناب نورسی سے پیدا ہوتا ہے جو سلطان عبدالحمید کی معزولی کے بعد اُس کے جانشین سلطان رِشاد نے سرکاری طور پر ایک خفیہ فعال تنظیم کے طور پر بنائی تھی۔ یہ تنظیم سلطنت ہذا کی ایک بڑی تحفظاتی تنظیم بن گئی جس نے تریپولی بلقان اور جنگ عظیم اوّل میں بڑا ہی اہم کردار ادا کیا۔ اِس کی اہم ذمہ داری اور مقاصد سلطنت میں اِتحاد و انصاف کے علاوہ تمام ترک ازم اور عالم اِسلام کے لئے کام کرنا تھا۔

1913ء میں بعدازاں وزیر دفاع ہونے کے انور پاشا کو کمانڈر انچیف بنادیا گیا لیکن وہ حکومت اور CUP کی طرف سے اپنے عملی معاملات میں آزاد رہا۔ اُس کی اُس عہدہ داری میں فوجی استحکامیت کے ساتھ ساتھ مذہبی اور عقلی دانشوروں کے علاوہ دوسرے شعبہ جات سے متعلقہ لوگ بھی رہنمائی حاصل کر رہے تھے۔ معاملاتِ خفیہ تنظیم کو مزید سمجھنے کے لئے جو کمی بیشی اندر باہر نظر آئی اُسے فلپ ایچ سٹوڈر کی نظریاتی تحقیق متعلقہ پرنسٹن یونیورسٹی 1963ء سے مکمل کیا گیا۔

1903ء میں بننے والی مشہورِ زمانہ تنظیم کے بانی اشرف کوشاباشی (1964-1873ء) جن کے سٹوڈر نے متعدد انٹرویو کئے ہوئے تھے وہ بھی معتبر ذرائع تھے۔ اشرف نے اپنی بے شمار یادداشتیں مشہور مؤرخ جمال کوتائے کے حوالے کی تھیں جس نے اشرف کی وفات کے بعد دعویٰ کیا تھا کہ جناب نورسی نے اُس تنظیم میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اُس نے اشرف کی ہی یادداشتوں کی ریکارڈ سازی کی کشادگی کی نیت سے کئی کام اشاعت پذیر کیے۔

دوسری بھی کئی زبانوں میں اب تک جناب نورسی پر جا بجا اور حد درجہ بیجا کام بھی ضابطوں میں لایا جا چکا ہے بالخصوص بہ عنواں ''جدید ترکی میں مذہبی اور معاشرتی تبدیلیاں'' از شریف مردین۔ مصنف ہذا ہی کے ہاتھوں تصنیف ہونے والی ''مقدمہ بدیع الزماں جناب سعید نورسی (1989ء) اور ''رسالۂ نور بدیع الزماں جناب سعید نورسی (1992ء) بھی ایک اہمیت کی

حامل تھیں۔حیاتِ جناب نورسی کے مزید مطالعے کے لئے جمال کوتائے کی تحریروں سے پیدا شدہ شکوک رفع کرنا ہوں گے۔لیکن موضوع ہذا سے ایسی وابستگی اور پھر کافی سارے ریکارڈ وغیرہ کے ضائع ہو جانے سے تمام حقائق سے آگاہی ممکن نہیں ہے۔

آج تک کوئی ایسی تحقیق سامنے نہیں آسکی ہے جو جمال کوتائے کی تحقیق اور دعویٰ جات کی آزادانہ تصحیح کر سکے۔اِس چیز کا بھی حوالہ ہونا چاہیے جو کہ سٹوڈر نے جمال کوتائے کی تخیلاتی طاقت اور مطالعہ تاریخ کے اِبہام اور شکوک سے متعلق اپنی جھنجھلاہٹ میں ظاہر کی تھیں یہ مواد اُن موضوعات سے متعلق ہے جو سٹوڈر یا کو اشرف کے نظریاتی اور اشاعتی کھاتوں میں جنگ عظیم اوّل کے ابتدائی سالوں میں تنظیم خفیہ عربیہ اُس کی دلیرانہ شمولیت کی کوئی واضح تشکیل نہیں کرتا ہے۔بلکہ دوسری بار بھی جناب نورسی کی اِمکانی شمولیت کو خارج از بحث نہیں کرتا ہے۔

بمطابق سٹورڈ اُس تنظیم کی انتہائی سرگرمیوں کے دِنوں میں یعنی 1913ء میں پوری دُنیائے اسلامی میں اِس کی تیس ہزار شاخیں سرگرم عمل تھیں۔جمال کوتائے کے دعوے کی توثیق کے لئے کچھ بھی نہیں ہو پایا تو جناب نورسی کی اُس تنظیم کے ساتھ وابستگی کی تصدیق کے لئے بہت سارے اثبات موجود ہیں۔سب سے مضبوط شہادت تو ہمیں جناب نورسی کے انور پاشا سے تعلقات خاص سے بھی مل جاتی ہے۔اور اب یہ سوال آنے والے ابواب میں مل جاتا ہے۔جمال کوتائے تو یہ بھی دعویٰ کرتا ہے کہ 13-1912ء کے بلقان جنگی مصائب میں جناب نورسی نے فوجی دستوں کی قیادت بھی کی تھی اور تو اور اشرف اور سلیمان عسکری کے ساتھ 13 اگست 1913ء کو ایدریمت پر دوبارہ قبضے کے وقت صوبائی مغربی ہنگامی حکومت بھی قائم کی تھی۔لیکن آج تک نہ تو اُن کے اپنے یا پھر کسی اور یادداشتی کام میں اُن کی ایسی شمولیت کا پتہ نہیں چلا۔لیکن اِس چیز کا گمان بہت زیادہ ہے کیونکہ 1913ء میں وہ اپنی یونیورسٹی مدرسۃ الزہرا کی عمارتی تکمیل میں وان میں موجود تھے۔

جہاد کے موضوع اور مواد کے حوالے سے کہ جناب نورسی اُس تنظیم خاص کی معاونت کرتا رہا' اِس بارے میں جمال کوتائے کا دعویٰ بعید از قیاس ہی ہے' ساتھ ہی یہ بھی کہ افریقہ میں بفرض جہاد اُس نے اُس گروپ کے لیڈر کے ساتھ سفر کرنے کا باقاعدہ اعلان بھی کر دیا تھا۔اِس دعوے کی صداقت کے لئے کوئی بھی ثبوت اور شہادت نہیں ملی ہے اور نہ ہی جناب نورسی کی اپنی دستاویزات میں سے کہ اُس نے جنگ شروع ہوتے ہی فوج میں بھرتی دے دی تھی اور محاذ پر دو سال بعد 1916ء میں گرفتار ہو گیا تھا۔

واپسی بطرف وان:

وان واپسی پر جناب نورسی نے دوبارہ تدریس شروع کردی۔علی چاؤش نامی اُس کے ایک شاگرد کے مطابق کہ کس طرح اُنہوں نے چوراونیس گاؤں کے قریب اپنے آپ کو مقیم کیا یعنی اُن کا بسیرا وان کے قریب ایرک پہاڑی کی ڈھلوان پر تھا۔وہاں وہ ایک بڑے سارے خیمے میں رہے اور وہی اُن کا مدرسہ بھی ٹھہرا۔سردیاں سر پر آتے ہی شاگردین کی تعداد چالیس پچاس ہوگئی تو گاؤں کی بڑی مسجد میں چلے گئے۔عینی شاہدین کے مطابق وہاں اُنہوں نے دوسال تک تدریس کی تھی۔

یہ مغالطہ ہی ہونا چاہیے لیکن اِسی سے اشارہ سا ملتا ہے کہ جناب نورسی 1911ء میں رُومیلیا دورے کے بعد واپس مشرق میں پہنچا تھا اور استنبول میں کوئی لمبا چوڑا قیام نہیں کیا تھا۔ بقول علی چاووش کے جناب نورسی چوراونیس گاؤں کے قریب ہی وعدہ کی گئی یونیورسٹی بنانا چاہتا تھا لیکن گورنر تحسین پاشا کی طرف اجازت نہ ملنے پر برمقام ایدریمت شمالاً وان جھیل وان کے ساحل پر اُس نے ایک جگہ کا انتخاب کرلیا تھا' پھر اُس کی بنیاد بھی رکھ دی گئی تھی لیکن سردیاں سر پر ہونے کی وجہ سے اُس کی تعمیر نہ ہوسکی۔

تب جناب نورسی کو وان میں چھوٹے سے قلعے کے قدموں میں ہی خورخور مدرسہ دے دیا گیا جو کہ اوقاف نام سے وزارت مقدسات سے منسوب اور منسلک تھا اور 13-1912ء کی وہ سردیاں ہی تھیں۔خورخور مدرسہ قریباً دوسو طلباء کی اقامت کے ہوتے ہوئے بڑا مشہور ہوگیا تھا۔وہاں بڑی کشادگی اور وسعت تھی' تالاب تھا اور لکڑی کے مینارے تھے جن کے ذریعے بذریعہ سپرنگ صوتی الفاظوں کے مرکبات اوپر تک اور دور تک جاتے تھے۔اپنے طریقہ کار کے مطابق پڑھانے کے علاوہ جناب نورسی نے اپنے خیال میں اہم ترین خوبیوں کو اپنے شاگردین کو ذہن نشین بھی کرایا جن میں کہ اُس کی زندگی بھر کے کفائیت شعارانہ اُصول پنہاں تھے جو کہ بعد ازاں شاگردین رسالہ نور کی حوصلہ افزائی کا سبب بنے۔

گرمیوں میں وہ لوگ جنوبی وان میں باشد پہاڑ پر چلے جاتے' اپنی پڑھائی کرتے رہتے اور اُس خوبصورت بلند چوٹی پر دو سے تین ماہ گزار دیتے۔اِس دورانیئے میں نپٹنے والے دو کام چورنصاب کی طرف سراغ فراہم کرتے ہیں۔ایک تو جناب نورسی کے تبصرہ جات وتشریحات کے مجموعہ جات ہیں جو کہ بہ عنوانِ عقل بمعنی برہانِ النحوی ہیں جنہیں ملاں حبیب نام کے اُس کے

ایک شاگرد نے بڑے واضح فرق سے اور اپنے ہاتھ سے تیار کیا تھا۔ النبوی (91-1730ء) سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی بڑا ہی لائق ماہر حساب ہوگا جس نے نئے قائم شدہ بحریہ انجینئرنگ سکول سے مستفید ہو کر بہت سارے معرکے مارے ہوں گے۔

مگر اُسے از خود بھی گماں گزرتا تھا کہ جیسے وہ مدرسہ جناب نورسی سے فارغ التحصیل ہو۔ جناب نورسی لکھت پڑھت کو طریقت کا نام دیتا تھا مگر بعد ازاں بہ احترام منطق ایک شاہکار قرار دینے لگا تھا۔ اُس نے (21-1920ء) مبنی بر عقل بہ عنوان قزلِ اعجاز علیہ السلام بھی بڑے بلند دعوے سے تالیف کی تھی۔ یہ بھی 1913ء کے لگ بھگ ہی کی بات ہے جب جناب نورسی نے اشارات الاعجاز فی مظان الاعجاز یعنی معجزاتی اشارہ جات پر قرآنی تبصرہ جات کا بڑا اعلیٰ کام شروع کیا تھا۔ وہ تو بس قرآن پاک کا ایک عدد نسخہ لے لیتے اور بغیر کسی دُوسری کتاب کے حوالے سے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے۔

جو کچھ بھی وہ ارشاد فرماتے ملاں حبیب اُسے لکھ لیتے جو کہ بعد میں اُس شاندار کام کی بنیاد اور معیار بن جاتے اور بعد از وہائے جنگ کا کیشین مورچوں تک پہنچ پڑتے رہے۔ جناب نورسی نے اپنے اُس انتہائی اہم کام کا مقصد بھی واضح کیا تھا کہ "پس جان لیں کہ اُن ہدایات کی روشنی میں ہمارا مقصد اُولیٰ ہمیں قرآنی الفاظوں اور اشاروں کی تبصرہ و تشریح کرنا ہے کیونکہ معجزاتی پہلو پر یہ دعویٰ دُنیاوی میں واضح اور آشکارا تھا۔ اور "واقعی دعویٰ دنیاوی کی حاشیہ آرائی اِس کے لئے انتہائی روشن معجزاتی عمل ہے۔ دیباچے اور پیش الفاظ میں وہ طریقہ کار جس میں آج کے دور میں قرآنی تبصرہ جات کو لکھا جانا چاہیے جناب نورسی اپنی مزید تحریروں میں واضح کر دیتا ہے۔ اُس کی پہلی وضاحت ہر زمانے کے اِنسان کے لئے خدائی احکامات پر قرآنی قدرت ہے اور مادی دُنیا کی ہیت ترکیبی کے ظواہر کی سائنس کے محاصرہ جاتی اشارہ جات بھی ملتے ہیں۔ واقعی قرآنی سچائیاں سائنسی دریافتوں میں عین عیاں نظر آتی ہیں۔

اِس دَورِ جدید میں جو کائنات کھلتی چلی جا رہی ہے اور اِس کے کارہائے نمایاں مبنی بر سائنس بطرف اِنکشافات جا رہے ہیں اور قرآنی تبصرہ جات بھی جنوں جیسی چھلانگیں بھرتی ہوئی سائنس کے ہم قدم ہی ہیں۔ جناب نورسی تو یہ بھی کہتا ہے کہ کسی فردِ واحد یا کسی ایک گروپ اور طبقے کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ تمام تر سائینسز سے آگاہی حاصل کر سکے یا ایسے مفکرین کا کوئی ایسا اِجتماع ہو جو بہت سی سائنسز، مذاہب اور جدیدیت سے بھی انتہائی آگاہ ہو اور تبصرہ جات دیتا چلا

جائے اِس کے لئے پھر سے ذہن پر زور دینا پڑے گا کہ جناب نورسی کی تعلیمی تجاویز اور اصلاحات میں مذہب جدید سائنس اور سپیشلائیزیشن کے لئے مشترکہ تعلیمی نظام ہونا چاہیے۔

جب جناب نورسی نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ کچھ بڑی ہیبت ناک قسم کی بلائے ناگہانی وقوع پذیر ہونے والی ہیں تو اُس کے بہت سارے شاگردوں نے بھی تصدیق کی کہ جنگ عظیم اوّل کے اوائل میں ہی اُس نے بار بار خبردار کرنا شروع کر دیا تھا اور اپنے طور پر عشرت العجاز بھی لکھنا شروع کر دیا تھا۔ جنگ کے اُن نامصائد حالات میں بھی اُس نے اپنا وہ کام جاری رکھا کیونکہ وہ اُس کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھا۔ دراصل جنگ کی شروعات کا اُسے ایک خواب سا حاصل ہو گیا تھا جس سے کہ اُس کے اُن تبصروں کے لکھے جانے کی نیت کے مطابق اُس کی پیشین گوئیوں کی بھی تصدیق ہو گئی تھی۔ اُس کا کام تو بطورِ مثال اور نمونہ تھا جس پر کہ مفکرین کی کوئی کمیٹی غور و فکر کر سکتی تھی جسے کہ کہیں مستقبل کی پیش بندی میں اُس نے واضح بھی کیا تھا۔

مدرسۃ الزھرا:

مدرسۃ الزھرہ پر کام وہیں کا وہیں ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا کیونکہ وعدہ کئے گئے فنڈز نہیں ملے تھے۔ بنیادیں رکھنے کی تقریب تقریروں سے سجائی گئی تھی جس میں سب سے اہم تقریر جناب نورسی کے پرانے دوست طاہر پاشا کی تھی۔ جون جولائی 1913ء میں اُس کے جانشین تحسین پاشا نے وہ معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے ہی وزیر اعظم اور وزارت داخلہ کو اُن فنڈز کی فراہمی کے لئے بڑا زوردے کر ٹیلی گراف لکھے۔ یعنی بیس سے زیادہ دستاویزات استنبول میں وزیر اعظم کے دفتری انبار میں داخلِ دفتر کر دی گئی تھیں۔ 17 جون 1913ء بتاریخ 4 جون گورنر نے وزیر اعلیٰ کے دفتر کو لکھا کہ نامی گرامی لوگ قبائلی سردار اور اُس علاقے کے علماء خزانہ سرکار ایک سے تسلی بخش رقم کی تیز تر ترسیل کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ لیکن حکومت کی طرف سے بڑی ہی معمولی رقم بھیجی گئی تا کہ وان میں صرف اسی طلباء کے لئے ایک یونیورسٹی کی تعمیر ہو سکے' جس کی کہ منصوبہ بندی اور ابتدائی تعمیر پہلے ہی سے ہو چکی تھی۔

اور اُمید کی گئی تھی کہ رَواں تخمینہ شاہی ریاستی تخمینے کے برابر جائے گا۔ اُس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اِس علاقے میں کردوں کی جہالت اور شرعی افواہوں کے پیش نظر اِس اقدام سے اِسلام اور عثمانیہ کی وجود پذیری کی نگہداشت بھی ہو سکے گی۔ اِس اقدام سے ہر ابہام رفع دفع ہو

جائے گا۔ انتہائی مؤثر اور نفع بخش ہو گا بلکہ مبنی بر اسلام اِحساسات و جذبات کو بھی تقویت دے گا۔ مگر آخر کار 2 اگست 1912ء کو وزیر اعظم، وزارت داخلہ اور وزارت مقدسات کی طرف سے گورنر موصوف کو آگاہ کیا گیا کہ یونیورسٹی ہذا کے تعمیری اخراجات پورے نہیں کیے جا سکتے۔

واقعہ بطلس:

اُن تمام تر کوششوں اور کاوشوں کے دوران جناب نورسی اپنے اندر کی دُنیا میں بڑی عمیق اور پُر مصائب تبدیلیاں محسوس کر رہا تھا۔ دستور پسندی کی تصحیح کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو اُس راہ پر ڈالتے ہوئے اِسرار و رموز معجزاتِ قرآنی نے اُسے ایک آزادانہ نیت اور قوت کے ساتھ پُرانے سعید سے غیر مادی طور پر کوشاں نئے سعید کی طرف بر سوار کر دیا اور یہ ایسے ہی تھا جیسے کسی منطقی نتیجے کے طور پر کوئی آہستہ رَو اور لامحدود دُکھ بھری پرانی حکمت قبر میں اُتر گئی ہو۔ مبنی بر عثمانوی حکمت عملیاں نوجوان ترکوں کی اُمیدیں دھری کی دھری رہ گئیں حالانکہ اُن میں جناب نورسی کی بھی اشاعتی تشہیر شامل حال تھی مگر قبولیت شکست کی شکل میں ہی ہو کر رہی۔

موری بند سلطنت کا ہر سو اثر و نفوذ پھیلاتے ہوئے کشادگری کی رُو سے طاقت اعلیٰ نے ہر ایک سے مقابلے کی ٹھان لی تو اقلیتی قومیں اُنہیں کمزور کرنے کے لئے متحد ہونا شروع ہو گئیں۔ جنگ عظیم اوّل میں اپنی شام غم کی اُفق سنوارتے ہوئے اور بطورِ خاص 78-1877ء میں اپنی شکست کا بدلہ اُتارتے ہوئے روس نے اُن اقلیتی عناصر کو خوب استعمال کیا۔ آرمینوں کو تحفظ دینے کے بہانے اُنہوں نے آخر کار عثمانوی حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کیونکہ مشرقی صوبوں میں اِصلاحات کے نام پر آرمینیوں کی ہی حسب منشاء اصلاحات ہو رہی تھیں۔ لیکن اُس دباؤ کو سلطان عبدالحمید نے مسترد کر دیا' لہٰذا یہ آرمینی خود مختاری کی طرف اور اپنی سلطنت کی تباہی کی طرف ایک اہم قدم تھا۔ کرد اور شیخ سرداروں کی حمائیت حاصل کرتے ہوئے روس نے مشرقی اناطولیہ کو غیر مستحکم کرنے کی کوششیں بھی کر دیکھیں۔ بہت ساری عوام CUP حکومت کی مرکزی سیاست' بدنام زمانہ لادینیت اور سیکولرازم نوجوانان ترک بڑے غیر مطمئن تھے جنہیں وہ برخلاف حکومت بغاوت پر اُکسا رہے تھے۔ مارچ اپریل 1914ء میں ہونے والا مشہورِ زمانہ وقوعہ بطلس روسی مداخلت کا ہی نتیجہ تھا۔

اُس بغاوت کو شیخ سلیم آف حزان کی رہنمائی حاصل تھی جو کہ حکام کی کافی پکڑ دھکڑ کے

بعد بھی بمعہ جناب نورسی قبائلی سرداروں اور آرمینی تاشنک انقلابیوں کی مدد اور تعاون سے بطلس کے قصبہ پر قابض ہو گیا تھا۔ فوج نے اُس اُٹھتی ہوئی فوجی بغاوت کو ہوا دی تھی جبکہ وان اور بطلس کے گورنر نے اُس آگ کو پھیلنے سے روکنے کی پوری پوری کوشش کی۔

جناب نورسی نے اُس میں حصہ تک نہ لیا' بلکہ اُس کا رجحان شیخ سلیم کی طرف تب ہوا جب اُس نے اُس سے ملنے کی کوشش کی لیکن اُس نے مسلمان بھائیوں کے خلاف تلوار کھینچنے سے انکار کر دیا۔ اُس بغاوت کا ایک بہانہ تو اُس علاقے میں فوجی کمانڈروں کا خلاف مذہب رویہ تھا۔ لیکن جناب نورسی نے اُسے بتایا کہ فوجیوں کے برخلاف مذہب جیسے رویوں جیسا تو اُن کا اپنا رویہ بھی ہے اور اکیلی فوج ہی اِس صورتِ حال کی ذِمہ دار نہیں ہے۔ عثمانوی فوج سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں انتہائی نیک اور سادھو قسم کے انسان بھی ہیں۔

''اور یہ میرے لئے انتہائی غیر مناسب ہے کہ میں اِس سلسلے میں اپنی تلوار اُٹھالوں۔ میں تمہارا ساتھ ہرگز نہ دوں گا۔'' مزید بھی کہا کہ وہ لوگ تو مجھے چھوڑ چھاڑ گئے' اپنی تلواریں تک کھینچ لیں اور ایک فرسودہ سا واقعہ بطلس رونما ہو گیا۔ جلد ہی بعد جنگ عظیم اوّل چھوٹ پڑی اور اِسی فوج نے اُس میں مذہب ہی کے نام پر لڑائی لڑی تھی بلکہ اِس نے اُس لڑائی میں جہاد ہی کیا تھا۔ اُس لڑائی میں ایک لاکھ کے قریب شہادتیوں نے سادھوؤں کے سے رتبے پائے' جو بول میں نے بولے تھے اُن کی تصدیق کی اور اپنے خون سے اپنی بزرگی پر مہر ثبت کی۔

کتاب اور اَسلحہ ایک ساتھ:

جیسے ہی قوانین اور ضابطۂ دہشت گردی بڑھتے چلے گئے حالات بھی ابتر ہوتے چلے گئے۔ جناب نورسی نے بھی اپنی کفائیت شعارانہ کامیابیوں کا شکریہ ادا کیا' پانچ چھ موزر رائفلیں خرید ڈالیں اور اب اُن کے شاگردین کی تعلیمی اِستعداد گوریلا جنگ کی تربیت میں بدل گئی۔ وہ انہیں پہاڑوں کے اُوپر لے جاتا اور نشانہ بازی کے طور پر انڈے رکھ کر ہدف بناتا۔ اُن تربیتیوں میں سے جو کوئی بھی اُن انڈوں کا نشانہ باندھ لیتا اُسے میجی ڈی یعنی چاندی کا سکہ انعام ملتا۔ تربیت یافتگانِ جناب نورسی اتنے ماہر اور بہادر ہو کر اُن پہاڑوں سے نیچے آئے تھے کہ آرمینی اِنقلابی انہیں مزید کندن کر کے آگے کہیں بھی بھیج دیتے تھے۔

اپنے شاگردوں اور ساتھیوں میں جناب نورسی کی پُرشکوہ شخصیت اور قابلیت ایک محبت

اورعقیدت بھردیتی بلکہ اُن میں ایک بےخوفی اورقوت برداشت داخل کردیتی کہ وہ بڑے بہادرانہ کاموں کے لئے ڈٹ جاتے۔اُس نے از خود اُن کی سرگرمیوں پر کچھ یوں روشنی ڈالی۔''اُنہی دِنوں میں بہت ہی پہلے اُس بوڑھے جناب سعیدنورسی کے شاگردین کی اپنے ماسٹر کے ساتھ کچھ ایسی وابستگی تھی کہ وہ اُس پر اپنی جانیں بھی قربان کردیتے' اِسی لئے تو وہ بوڑھا جناب نورسی وان اور بطلس کے گردونواح میں آرمینی انقلابیوں کی راہ میں رکاوٹ بن سکا اور وہی وہ مقام تھا جہاں وہ پورے تول پر تھے اورانہوں نے انہیں ایک حد پر ہی رہنے پر مجبور کئے رکھا۔

اُس نے اپنے شاگردین کوموزر اور رائفلیں خوب دیں بلکہ اُس کا وہ مدرسہ ایک بیرکوں میں بدل گیا جہاں کتابیں اور اسلحہ ساتھ ساتھ پڑے ہوتے تھے۔پھرایک فوجی جنرل نے وہاں کا دورہ کیااورکہا،کہ یہ اب صرف ایک مدرسہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک فوجی بیرک ہے۔بطلس کے سانحے کی وجہ سے اُس کا ذہن مشکوک ہوگیااوراُس نے اُن رائفلوں کی ضبطی کا حکم دے دیالیکن جب ایک دو ماہ بعد بڑی جنگ جاری ہوگئی تو میں نے اُنہی رائفلوں کی بازیابی کا دعویٰ کردیا۔مدرسہ ہذا جناب نورسی میں تین عدد سیاسی شاگردین کی آمداوردورہ بعد کے پیش منظر میں کیا خوب رنگ بھرتا ہے۔

چھٹا باب

جنگ اور اسیری

اعلانِ جنگ ہوتے ہی جناب سعید نورسی کو ملاں حبیب کے ساتھ رضا کارانہ طور پر فوج میں کے طور پر شامل کرلیا گیا اور اُنہیں 33۔ڈویژن (فرقہ) میں بمقام وان تعینات کر کے ارض روم کے محاذ پر بھیج دیا گیا جہاں جناب نورسی نے بغرضِ رضا کاری ہی تمام تر خدمات سرانجام دیں۔ جرمنی اور عثمانوی حکومت کے درمیان جو کوئی بھی معاہدہ تھا وہ نوجوانانِ ترک رہنماؤں کے ہاتھوں 2 اگست 1914ء کو اِنتہائی رازداری سے نپٹایا گیا۔ اِس طرح برطانیہ فرانس اور روس کے ایک بڑے اتحاد کے خلاف عثمانوی سلطنت بھی آسٹرو، ہنگری اور جرمنی کی مرکزی طاقت میں تحلیل ہوگئی۔

اگلے ہی دِن اعلان کوچ ہوا اور 7 ستمبر کو وان ڈویژن سے وابستہ گیارہویں فوجی پلٹن کو مشرقی ارض روم کے علاقے حسن قلعے میں جمع ہونے حکم ملا۔ پہلی جنگی جھڑپ 22-21 ستمبر کو اُس وقت ہوئی جب ابتدائی تحقیقاتی روسی فوجی دستے نے عثمانوی ریاستی سرحد عبور کی جبکہ مزید ابتدائی جنگی اسباب چندروز بعد سامنے آئے۔ عین اُس وقت اہم ترین آرمینی بھی عثمانوی فوج کو چھوڑ کر روسیوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ عداوتیں اُس وقت جوش میں آئیں جب 29 اکتوبر 1914ء کو روسیوں نے جارحانہ پیش قدمی اِختیار کی اور 14 نومبر کو عثمانویوں نے بھی نفوذِ اعلانِ جہاد کر دیا۔

کہیں کہیں جناب نورسی کو قوتِ قومی سپاہ کو اِکٹھا کرنے کا حکم بھی ہوا اور کئی عینی شاہدین کے مطابق محاذ جنگ پر بحثیت کمانڈر وہ اپنے شاگردین کی تشکیل کرتا ہوا نظر آتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ دورانِ جنگ کہاں کہاں اُس سے ایسا کام لیا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ وان پر روسی حملے سے قبل اور وہاں اپنی آمد سے قبل اُس نے یہ کمی پوری کر دی ہو اور اِس کی تصدیق کے لئے ایک رپورٹ بھی آگے دی جاتی ہے۔ جو کہ اُسے اُس کام پر تعینات کرنے والے انور پاشا سے منسوب ہے۔ بعد ازاں جناب نورسی نے بھی انور پاشا کی خدمات کی تعریف کی تھی۔

اگر انور پاشا اُسے ذاتی طور پر متعین کرتا تو وہ لازماً 13 دسمبر 1914ء اور 9 جنوری

1915ء کے درمیان کا کیشین محاذ کے دورے کے دوران ہوتا جہاں اُسے سخت ترین جارحیتی مقابلے سے نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔ متبادل کے طور پر بھی با توسط سابقہ گورنر وان تحسین پاشا جسے کہ ارض روم کی طرف بدل دیا گیا تھا۔ انور پاشا نے جناب نورسی کو ہی آگے لانے اور رہنمائی کے لئے موزوں سمجھتا تھا۔ جناب نورسی کے بھائی عبد المجید کے مطابق گورنر تحسین نے جناب نورسیؔ کے حوالے کچھ مصدقہ دستاویزاتؔ کی تھیں جو کہ وان ڈویژن کی فوجی اور اخلاقی معاونت اور خدمات کے لحاظ سے اُسی سعید کردی کے کھاتے میں جاتی تھیں۔ تشکیلات مخصوصہ سے جناب نورسی کی تہمت زدَہ وابستگی جو کہ سابقہ باب میں موضوعِ بحث آئی تھی کو بھی ذہن میں جگہ دیتے ہوئے قابلِ حصول وسائل سے مہیا کردہ حقایق سے تو ایسا ہی لگتا ہے کہ گورنر ارض روم یا وان سے تعلقات یا ہدایت پر سپاہِ جناب نورسی ایک تنظیم سے منسلک تھی۔

ارض روم میں تحسین پاشا کی تعیناتی اُسی خطے میں تشکیلات مخصوص کی مسمارتی مہم کے مشاورتی ڈایرَیکٹر ڈاکٹر بہاؤ الدین شاکر سے وزیر اعظم طلعت پاشا نے بھی زیر بحث لائی۔ تحسین پاشا کی جگہ لینے والے پرانے گورنر وان طاہر پاشا کا لڑکا جیودت بے جناب نورسی کا ایک اور ہم خیال ساتھی تھا۔ اُس کی انور پاشا کی ہمشیرہ سے شادی ہوئی تھی۔ موصل میں سرحدی صوبوں سمیت وان' ارض روم اور طرابزون کے گورنروں کو انور پاشا کی بنائی گئی وزارتِ جنگ میں عملی طور پر اکٹھا کر دیا گیا جن کا مقصد خاص رضا کارانہ قوتوں اور خاص الخاص تنظیموں سے متعلقہ معاملات کو زیر ہدایت لانا تھا۔

جنگ سے قبل ہی قائم کردہ انور پاشا کے اُس عظیم منصوبے کو منظم کرنا ہی اُس شعبے کا مقصد اوّلین تھا تا کہ اِسلامی حدود کو غیر ملکی قیود سے آزاد کرایا جائے۔ اُسی خطے میں مشرقی اَناطولیہ سے روسی خوف وخطر کی پسپائی کے لئے اُس نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ کاکیشیا اور آزربائیجان کے مسلمانوں کو ذہنی آزادی دی جائے' ترکستان کو روسی تسلّط اور بندھن سے آزاد کرایا جائے' ایران اور افغانستان سے غیر ملکی اثر و نفوذ ختم کرایا جائے اور اُنہیں آزاد مسلمان ریاستیں بنا دیا جائے۔

اُس خواہشوں کے جزیرے اور جنگلی خواب کی تعبیر کو جنرل سابس نے حقیقت کی روشنی میں اِنتہائی نامعقول نا قابلِ عمل اور مایوس کن قرار دیا جو کہ اُس خاص الخاص تنظیم کے اہم منصوبوں میں سے ایک تھا۔ خاص الخاص تنظیم کے فوجی دستے کے کامیاب کارناموں کو اپنی یادوں میں تازہ کرتے ہوئے جنرل سابس روشنی ڈالتا ہے کہ شروع میں عثمانوی فوج کے پہلو میں واقع مغربی

کا کیشیا پر اُس تنظیم نے کچھ کر دکھایا تھا کیونکہ وہ دستے اُن کے کسی رہنما کی رہنمائی میں کام دے گئے تھے۔ جیسے کہ ڈاکٹر بہاؤ الدین شاکر اجاریلی رضا بے اور نیل بے وغیرہ تھے۔ گوریلا ہتھکنڈوں کی عملی تربیت کے لئے انہوں نے وقتی طور پر آردرہان، آرتوین اور آردونوچ نام کے گاؤں قابو میں لے لئے تھے جو کہ 78-1877 میں روس کے زیر قبضہ تھے تا کہ مغرب میں روسی طاقت کے دباؤ کو توڑا جائے۔ جناب نورسی اِس لسٹ میں کودنے کا بالکل کوئی قصد نہیں کرتا ہے جبکہ یہ انور ہی کے ایک دُوسرے منصوبے کا اہم عنصر تھا کہ جس میں اُس نے بطرف ایران ایک سفری فوجی مہم میں شرکت کی تھی۔ پہلی سفری فوجی مہم انور پاشا کے چچا ہلال پاشا کی رہنمائی میں روانہ ہوئی جس کا مقصد روس کے خلاف باغیانہ تحریک کو ہوا دیتے ہوئے اور اُن کی پیغام رسانی کو تباہ کرتے ہوئے براستہ تبریز ایران میں داغستان تک جانا تھا۔

اُسے خاص ہدایت تھی کہ وہ گورنروان سے رابطے میں رہے جو کہ اُس کے راستہ منزل سے متعلق اور اُس کی سپاہ کی سہولیات سے متعلق باخبر رہے گا۔ دس ہزار رائفل برداروں پر مشتمل ایک دوسری کمک کو کاظم کارابک کی سرکردگی میں بطرزِ ہلال مہمیں سر کرتے ہوئے تہران اور ترکستان تک جانا تھا۔ اُن تمام تر سفری فوجی مہمات کا مقصد ایران کو فتح کرنا ہرگز نہ تھا بلکہ اُسے روسی تسلّط سے آزادی دلانا تھا لیکن آخر کار نہ تو تبریز اور نہ ہی تہران تک پہنچا گیا حتیٰ کہ وان اور ارض روم کے اپنے صوبے بھی ہاتھ سے نکل گئے۔ مبنی بر تبادلہ خیالاتِ خفیہ مابین جناب نورسی اور ہلال پاشا آگے زیر بیاں آئیں گے۔

محاذِ جنگ:

بہر چند کہ عثمانوی افواج نے ناکافی رسد اور ناکارہ سرپرستی، سڑکوں اور پیغام رسانی کی کمی، سخت سرد موسم بمعہ تیس سینٹی ڈگری منفی ٹمپریچر اور حملہ آور فوجوں کی برتری کے باوجود شکست سے دوچار ہوتے ہوئے بھی بہت سے یونٹوں نے بڑی بہادرانہ جان، لڑائی جناب نورسی کی رضا کارانہ فوج میں کوئی کمی نہ تھی جس کی کہ اُس نے غیر معمولی بہادری سے کمان کی تھی۔ اگر وہ اُس وقت تک ایک مفتی پلٹن بھی تھی تب بھی اُس نے اُس لڑائی میں خوب جان ماری۔ اُن مشقت طلب حالات میں رضا کاروں کی حوصلہ افزائی کے لئے وہ اُن کی خندقوں میں اُترتا اور محاذِ جنگ کی سرحدوں کے اردگرد گھوڑے پر گھومتا بلکہ لڑائی میں بھی ہمیشہ آگے ہی

آگے ہوتا تھا۔ بعدازاں اُس نے لکھا بھی کہ:

''اُس بڑی جنگ کے دَوران پاسنلر کے محاذ پر میں اور ملاں حبیب مرحوم دشمن پر حملے کی نیت سے گھوم پھر رہے تھے کہ اُن کے توپ خانے نے ہم پر دو سے تین منٹ کے وقفے سے تین گولے داغے جو کہ ہمارے سروں سے دو میٹر اُوپر سے دائیں طرف گذر گئے جبکہ ہمارے سپاہی بھی ہمارے پیچھے گہری کھائیوں میں چھپ کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے اور پسپائی بھی اختیار کر گئے۔ مُلاں حبیب کو دیکھنے بھالنے کے لئے میں نے کہا کہ ''تم کیا کہتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ ''میں اِن ملحدین کے گولوں سے پس پردہ جانے والا نہیں ہوں، میں پسپا بھی نہیں ہو رہا ہوں بلکہ آپ کی پشت پناہی پر رہوں گا۔ ایک اگلا گولہ ہمارے بہت ہی قریب آ گرا، اور میں نے چیخ کر کہا کہ اِس حالت میں بھی باری تعالیٰ ہماری یقینی مدد کرے گا۔ ملحدین کی یہ گولہ باری ہمیں ہلاک نہیں کر سکتی اور ہم پیچھے ہٹنے والے بھی ہرگز نہیں ہیں۔

پاسنپلر محاذ پر موجود سپاہیوں سے حاصل کردہ حالات و واقعات کی روشنی میں کہ جناب نورسی گھوڑے پر بیٹھ کر محاذ کی کھائیوں میں روسی گولہ باری کی شدت میں بھی گھوما پھرتا تھا۔ آگے آنے والے حالات اُس گولہ باری کی شدت کو واضح کر دیں گے۔ بوجہ برف باری ہر شئے سفید ہو رہی تھی اور ہم برخلاف روسیوں کے اپنے پیارے ملک کا بچاؤ کر رہے تھے۔ ہم بارش کی مانند برستی گولیوں کی وجہ سے اپنے سروں کو بھی اُونچا نہ کر سکتے تھے بلکہ آسمان سے اُترتی ہوئی الاؤں بلاؤں کی مانند گولہ باری تلے ہم لڑائی لڑ رہے تھے، جس شئے کے آگے ہم بالکل بے بس ہو کر رہ گئے تھے وہ ہوا میں ہی دھماکوں سے پھٹ جانے والی کوئی چیز تھی۔ وہ ہمارا صفایا کئے جا رہی تھی اور ہمارا بڑا بھاری نقصان ہو رہا تھا۔ وہ دھماکے والی شئے ہوا میں پھٹ جاتی اور اُس کے ٹکڑے دائیں بائیں بکھرتے چلے جاتے تھے۔''

اُس گولہ باری کی اِنتہاء میں بھی مصروف جناب سعید نورسی کھائیوں میں گھوم پھر رہا تھا

بلکہ اوپر نیچے تک گھوڑے پر آ جا رہا تھا۔ پھر بہت تھوڑے لوگ اُن کھائیوں میں سے باہر تک آئے تو سہی مگر نشانوں پر آتے اور مرتے گئے۔ ملاں حبیب کے ہاتھ چومنے کی میری خواہش تو بڑی تھی مگر مارے جانے کا خوف بھی تھا۔ میں نے اُس کا نام تو سُنا ہوا تھا لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اُسے پاسینلر کے خونیں محاذ پر اِن آنکھوں سے دیکھ بھی لیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ تو میرا اہم سر ہو گیا تھا اور میں نے اُسے یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ ''اللہ کے لئے لڑو' اللہ ہی ہمارا حامی و ناصر ہے۔''

مصطفیٰ یالچین نام کے پاسنلر محاذ پر جناب نورسی کی زیرِ کمان لڑنے والے ایک دوسرے سپاہی کی یادداشتیں کچھ یوں ہیں۔ ''روسی اور آرمینی دستے ہم پر بلا روک ٹوک گولہ باری کر رہے تھے لیکن ملا سعید ہمارے سر پر تھا اور وہ ہمیں ہر رات مذہب بارے تبلیغ کیا کرتا تھا۔ حسن قلعے (پاسپلر) کے محاذ پر ہم روسیوں کے خلاف ملاں سعید کی سرکردگی میں بڑی بے جگری سے لڑے تھے۔ وہ عموماً پگڑی باندھا کرتے تھے مگر دورانِ لڑائی فیلٹ ہٹ پہن لیا کرتے تھے۔ میں بر مقام حسن قلعے زخمی ہو کر واپس بھیج دیا گیا تھا۔ زخم میری پشت پر آیا تھا اور لگتا تھا کہ جیسے ابھی تک کھلا ہوا ہی ہو۔ میں تو پہلے ہی کبھی کا مر گیا ہوتا مگر ملاں سعید نے ہم چاروں کے لئے خصوصی دُعا فرمائی تھی۔ وہ دُعا ہم نے اپنی گردنوں کے اِردگرد لپیٹ لی تھی لہٰذا ہمیں کوئی بھی گولی چھو تک نہ سکی۔ اُس کے اور ایک ایک مسلمان پر سینکڑوں ملحدوں کی گولیاں برسیں اور آخر میں میں زخمی ہو کر واپس اُٹھوا لیا گیا تھا لیکن ملاں سعید مسلسل لڑتا رہا' ملاں سعید ایک ہیرو اور بہادر شخص تھا اور محاذِ جنگ پر وہ گھوڑ سوار ہو کر حملے کی رہنمائی کیا کرتا تھا۔

وہ بہت اچھا اور پکا نشانچی تھا اور کبھی کھائیوں اور مورچوں میں نہ گیا تھا۔ ایک دفعہ اُسے بتایا گیا کہ کچھ دستے باہم بکھرنے کو ہیں تو وہ فوراً اُن پر پہنچا اور اُنہیں الگ الگ کر کے یقین دہانی کرائی کہ وہ بالکل بد دِل نہ ہوں۔ وہ چیزوں کی تشریحات کچھ اس انداز سے کیا کرتا تھا کہ جیسے لوگوں پر وہ کوئی جادو ہی کر دے گا۔ اُس شیطانی جنگ میں وہ کوئی کتاب بھی لکھ رہا تھا اور جو کچھ وہ لکھواتا جاتا اُس کے شاگردین لکھتے چلے جاتے تھے۔ وہ بہترین قسم کا گھوڑ سوار بھی تھا۔ وہ بڑی بڑی چٹانوں پر چڑھ کر اُنہیں روسیوں کے اُوپر گرا دیا کرتا اور پھر ہمیں کہا کرتا تھا کہ ''کسی بھی شئے سے مت گھبرائیں' ایک مسلمانوں کا ایمان ہر طاقت سے طاقتور ہے۔''

وہ ہر رات' ہمیں اُس کتاب سے کچھ نہ کچھ پڑھ کر سنایا کرتا جو کچھ کہ وہ لکھا کرتا تھا' چونکہ میں زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا اِس لئے زیادہ سوجھ بوجھ بھی نہ رکھتا تھا لیکن جب میں نے ملاں

سعید کو دیکھا تو میرا حوصلہ جوان ہو گیا۔ وہ بڑا دبنگ قسم کا اِنسان تھا مگر ہمارے لئے انتہائی شفیق تھا۔ (اُن سپاہیوں سے حوالہ جاتی کتاب جناب نورسی کے تبصرہ جاتِ قرآنی ہی پر مبنی تھی، یعنی عشرت اِلعجاز (علاماتِ معجزاتیات) جس کا کہ سابقہ باب میں تذکرہ ہوا تھا۔

سقوطِ وان اور نورسؔی کی اِنسان دُوستی:

اگر چہ اپنی پہلی جارحیت کی ناکامی پر روسؔی پیچھے تو جا چکے تھے لیکن پھر بھی ایک لمبے چوڑے محاذ کی بناء پر وہ عثمانیوں کو واپس اناطولیہ کی طرف دھکیل بھی رہے تھے اور وہ محاذ بحر اسود سے ہٹتا ہوا اریکسز دریا کے ساتھ ساتھ جنوبی کاکیشیا سے ہوتا ہوا ایران اور بعد از وان جنوبی سمت کی طرف نکل جاتا تھا۔ مارچ 1915ء کے شروع میں ہی روسیوں نے مشرقی محاذ اور پھر جنوبی محاذ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی اور بظاہر اُن کا ارادہ وان پر قبضہ کرنا اور آرمینیوں کو مشتعل کرنا تھا۔

جیودت' گورنر وان نے اعلیٰ حکام کو باخبر اور متنبہ کیا کہ وہ پہلی سفری فوجی مہم کی معاونت کے لئے ہلال پاشا کو بھیجیں۔ اور پھر' بمطابق پیش بنیوں کے 17۔اپریل کو وان کے گردونواح میں آرمینیوں نے ایک بغاوت کھڑی کر دی بلکہ اُس شہر اور اردگرد کے گاؤں تک میں مسلمانوں کے مکانات وغیرہ حملوں میں مسمار کر دیئے۔ وہ خونریزی ایک ماہ تک جاری رہی جس میں وہ شہر اِنسان نما جانوروں کا اجتماع بن گیا لیکن مکمل طور پر خالی تب کروایا گیا جب وہاں روسی آن پہنچے۔

جب بغاوت پھوٹی تو جناب نورسی پارنسپلر کے محاذ سے واپسی میں تھے۔ اُس کے بھتیجے نے لکھا کہ اپنی آمد پر بمعہ اپنے شاگردین وہ اپنے مدرسے میں چلا گیا اور اُس سلسلے میں کوئی قدم نہ اُٹھایا ہاں البتہ' بے یارومددگار آنے والی عورتوں اور بچوں کو تحفظ اُس نے ضرور فراہم کیا۔ ایران کے محاذ پر پہلی سفری مہم نے اب بطرف جنوب پیش قدمی اختیار کی تھی لیکن ڈلمان میں پہنچتے ہی اُنہیں روسیوں سے شکست ہوئی۔ اِس سے انور پاشا کے وہ دونوں خواب چکنا چور ہو کر رہ گئے کہ وہاں کے مسلمانوں کو آزادی دے کر روسیوں کی پیش قدمی تک راستہ کھول دیا جائے۔

گورنر جیودت بے نے بذریعہ ٹیلی گراف بڑی عجلت میں درخواست کی کہ یا تو وان کی مدد اور معاونت کے لئے یا پھر کاکیشیا پر روسؔی پیش قدمی روکنے کے لئے سفری مہم بھیج دی جائے لیکن وہ فوج اپنی سست روی کی وجہ سے جنوبی سمت بڑھتے ہوئے روسیوں کو روکنے میں ناکام

رہی۔ ابتدائے بغاوت سے لے کر اب تک گورنر جیودت آرمینیوں کے ساتھ اپنی ہی صوابدید پر لڑتا چلا آ رہا تھا لیکن 17-16 مئی کی درمیانی رات دست برداری پر مجبور کر دیا گیا۔ جناب سعید نورسی روسیوں کے آگے فرار پانے اور ہار ماننے پر سخت بیزار تھے لہٰذا بمعہ اپنے شاگردین اُس نے اپنے مدرسہ نما قلعے کی ناکہ بندی کر لی اور اپنے آخری سانسوں تک ڈٹے رہنے کا مصمم ارادہ بھی کر لیا۔

اور یہ گورنر جیودت کا پرزور اصرار ہی تھا جو اُنہوں نے اپنے ہاتھ ڈھیلے کر لئے۔ پھر اُنہوں نے بچی کھچی بہت سی مسلمان آبادی کے ساتھ روسیوں کی دوسری پیش قدمی سے پہلے پہل جنوب سے واستان کی طرف پسپائی بھی اختیار کر لی تھی۔ جبکہ روسیوں نے واستان پر متعین عثمانوی فوجی دستوں کو بھی شکست سے دوچار کر دیا تھا۔ اِسی اثنا میں آرمینیوں نے جنوبی جھیل کے کنارے پر سے ترکوں کے مکمل اِنخلاء کے لئے نئے سرے سے طاقت سازی شروع کر دی تھی تاکہ بطلس صوبے تک کے لئے روسیوں کی راہ آسان کر دی جائے۔ جناب نورسی کی ہمراہی میں رہنے والا ایک شاگردِ خاص بیان کرتا ہے کہ اُس دوران اُس نے گورنر جیودت بے کے ساتھ مل کر ایک پیدل فوجی دستے کی تشکیل کی تھی۔

یہ پیدل فوجی دستے سابقہ فوجیوں اور سپاہیوں کی کمک پر مبنی تھے اور یہ اُس کے شاگردین کے ساتھ واستان میں رہے اور روسی پیش قدمی کے خلاف اُنہوں نے ایک گھمسان کی لڑائی لڑی۔ اُن کے سامنے مقصد مسلمان آبادی کے بحفاظت انخلاء کے لئے ایک مختصر سا عرصہ تھا ورنہ اُن کا قتلِ عام کر دیا جاتا۔

رات کو جناب نورسی نے بہت سے لوگوں کو روسیوں کے اوپر پہاڑوں پر چڑھا دیا جنہوں نے اُنہیں دھوکہ دینے کے لئے کہ کوئی بہت بڑی کمک پہنچ آئی ہے اُن پر بڑے بڑے پتھر گرائے اور اُس وقت تک اُن روسیوں کو ساحل تک ہی روکے رکھا جب تک کہ بہت ہی کم نقصان کی حاملیت میں عوام الناس اُس علاقے سے اِنخلاء نہ کر گئی۔ اُس دوران بہت سے شاگردانِ جناب نورسی گرتے پڑتے بھی رہے اور اُن میں جناب نورسی کا کاتب ملاں حبیب بھی تھا جو کہ ہلال پاشا کو خاص پیغام دے کر کامیابی سے واپس پہنچا تھا اور اُسے اِس وقت باش قلعے کے جنوب میں ہونا چاہیے تھا۔

گورنر کے زیرِ استعمال سابقہ نظامِ ٹیلی گراف بھی بے اختیار ہو چکا تھا۔ جناب نورسی کی باضابطہ سوانح حیات میں سے ایک آدھ اشارہ ہمیں انور پاشا کی خاص فوج کے ساتھ جناب نورسی

کی خاص وابستگی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ بمطابق جنرل سابس جیودت بے کی فوجوں نے بطرف واستان پسپائی نہیں کی تھی جس طرح کی سوانح حیات سمت طے کرتی ہے بلکہ باش قلعے کی طرف اِنتہائی جنوب میں ایرانی سرحد کی طرف گئی تھیں جہاں اُنہوں نے ہلال پاشا کی سفری فوجی مہم میں شمولیت کرلی تھی۔ بعدازاں روسیوں کو دور رکھنے کے لئے ممنوعہ پہاڑوں پر پھندہ نما رستے بھی بنا دیئے گئے اور جون 1915ء میں تھک ہار کر اور ادھ موئے ہوکر بطلس تک پہنچ پڑے۔

بمطابق شاگردین جناب نورسی، گورنر جیودت اور جناب نورسی بعد تک بھی واستان اور بطلس میں اکٹھے رہے تھے مگر حالات وحادثات ایسا نہیں کہتے تھے۔ اُس کی سوانح حیات اِس نہج پر اُس جنگی افراتفری میں اُن قصابوں کے ہاتھوں خلقت کی بحفاظت منتقلی کی مثالیں بھی پیش کرتی ہے بلکہ اُس حسن عمل میں آرمینی عورتیں اور بچے بھی شامل حال تھے۔ اُس تضاداتی موسم میں جنوبی شام کی طرف مشرقی صوبوں سے آرمینی آبادی کی روانگی پہلے سے ہی شروع ہوچکی تھی۔ واستان سے روسیوں کے بچ نکلنے پر وان جھیل کے جنوبی کنارے کے ساتھ جانب مغرب سے بطلس کی طرف ہجرت کرنے والے لوگ چیتھڑوں اور چیخ وپکار میں چلتے نظر آتے تھے۔ گورنر جیودت بے کے ساتھ ہی جناب نورسی بھی بطلس کی طرف سفر کرگئے تھے جہاں اُس نے پانچ سو سے زائد یتیم بچوں کی رہائش خوراک کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔

ایک دفعہ فوج اور پیدل رضا کاروں کی کمک نے وان جھیل کے دونوں اطراف میں شمالاً جنوباً روسی پیش قدمی کو روکے رکھا تھا جس سے کہ مقبوضہ علاقوں سے اور پھر سیرت سے بھی پچھلی طرف جنوب تک لوگوں کی ہجرت جاری رہی۔ ایک دوسرا اہم کام جو کہ جناب نورسی نے اپنے ذمہ لیا تھا وہ پیدل رضا کاروں سے مل کر ہجرت کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے فوج کی پشت پر محاذ کی نگرانی کرنا تھا۔ کہیں کسی جگہ جناب نورسی کو اِطلاع ملی کہ اسپارٹا کے قریب اُس کے آبائی قصبے (نورس) پر آرمینی حملے کررہے تھے لہٰذا اُس نے اُنہی پہاڑوں میں سے ہی اپنے گاؤں کی طرف ایک دستے کی کمان کی اور خونریز دستوں کے ساتھ تین ماہ تک کی ڈاکہ زنی اور حملوں سے دیہاتیوں کی حفاظت کرتے ہوئے اُنہیں پسپائی پر مجبور کردیا۔

آخرکار اُس کی طاقت وری دشمن کو دبانے اور مسلمان باشندوں کو اُس کی بربریت سے بچانے میں کامیاب ہوگئی۔ اور پھر بہرصورت اور بمثالِ کمال اُس نے گردونواح کے محصور علاقوں سے کسی بھی قسم کی اِنتقامی کاروائیوں سے آرمینی عورتوں اور بچوں کو بھی بچالینے کی غرض سے اُنہیں

ایک جگہ جمع کرلیااور بعدازاں اُنہیں آرمینی فوجیوں کے سپرد کردیا۔اُس کے اُس حسن سلوک سے وہ بھی اِس قدر متاثر ہوئے کہ اُس کے بعد وہ بھی معصوم شہریوں کی خونریزی سے باز آ گئے۔سردیاں اِختتام پذیر ہورہی تھیں جب جناب نورسی بطرف بطلس پلٹ آیااور اُس نے اپنے پیدل دستوں کی نئے سرے سے اصلاح شروع کردی۔

جناب نورسی کی اِنتہائی اِنسان دوست سرگرمیوں کے بارے میں علاوہ ترک دستاویزات میں بھی حوالہ جات موجود ہیں جن میں سے ایک فرانسیسی دستاویز (ئرلیس ایڑوسائیٹس آرمینوروسس) بھی ہے اور آگے ایسے ہی ایک صفحے کا ترجمہ پیش ہے بلکہ یوسف اور عبدالرحمٰن ولد محمد کا حلفیہ بیان کچھ یوں ہے "ہمارا خاندان نورس واونک آنداور میزرائے آند سے متعلقہ ہے جو کہ حیزان کے درجہ درم صوبے میں ضلع اسپارٹا کے سبزہ زاروں میں واقع ہے۔جاتک کے صوبہ ہذا پر روسیوں کے قبضہ کے بعد آرمینیا کے نواح میں لیور کے گاؤں جیسے کہ یوکرائی' کوتس' آسائی کوتس' جاچین' سکواراور یوکرائی آدرلاٹو المعروف میہران اور کاذرڈیلو کی قیادت میں یوکرائی کوتس کی طرف آ گئے اور دونوں ہی روس کی طرف سے اُناطولیہ میں داخل ہوئے تھے۔وہاں کے ناموروں کے آگے اُنہوں نے اپنی تین تجاویز رکھی تھیں اوراُن ناموروں میں ایک ملاں حبیب المعروف بدیع الزماں بھی ہے۔اُسے قیدی بنالیا گیا تھایامار دیا گیا تھامیں نہیں جانتا کہ وہ دستاویزاتصلع چھوڑ کر بھاگنے' اِنخلاء کرنے یا کہ پھر ہتھیار پھینک دینے پر مبنی تھیں۔ٹھیک نو گھنٹے بعد دشمن سر پر چڑھ آیا اور قریباً چھ سوحملہ آور گاؤں پر ٹوٹ پڑے۔حملہ آوروں نے وردیاں اورٹوپیاں پہن رکھی تھیں جس سے ہم یہ جان ہی نہ سکتے تھے اُن میں کوئی روسی سپاہی بھی تھا۔اُن میں سے بھی بہت سارے تو قلاش ہی لگتے تھے اور روس سے ہی آئے ہوئے روسی یاامریکی ہوسکتے تھے۔

وہ دشمن لوگ ہمارے گاؤں میزرائے آند سے تمام لوگوں کو لے گئے۔عبدالرحمٰن نامی شخص جو کہ ایک نامور باپ کا بیٹا تھا کو بھی بیوی بچے سمیت حاضر کردیا گیا تھا۔اگلے ہی دِن تینتیس کے قریب لڑکوں آدمیوں اور قریباً اسی عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کو ایک الگ سواری میں مروکرس لے جایا گیا۔جاچین کے مقام پر عورتوں کی سواری کو تو ایک طرف کرلیا گیا جبکہ رات کو تمام تر مردوں کو تہ تیغ کردیا گیا۔مجھے اُن قصابوں سے ایک حکم کی بجا آوری کی وجہ سے نجات مل گئی تھی اور جب مجھے وہ حکم دیا گیا تو کہا گیا تھا کہ پیسے بھی ملیں گے لہٰذا جاؤ اور مولا حبیب سے کہو کہ جوامریکن

اُس کے ہاں ہیں اُنہیں ہمارے حوالے کر دے۔ اور اُسے یہ بھی کہہ دینا کہ اِنہیں قتل کر دینے میں اُس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

پورے ملک پر بس قبضہ ہونے والا ہے اور روسی الپو پر تک بھی پہنچ چکے ہیں۔ آرمینیا مٹھی میں آچکا ہے ہمیں ترک فوج کی طاقت اور تعداد کے بارے میں معلومات لا کر دو۔ مجھے یہ سب بذریعہ ڈیلو کہا گیا' میں فوراً کوچ کر گیا اور جب میں جا چین پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سابقہ فوجیوں اور کردوں پر مشتمل ہماری کمک ملاں حبیب اور اپنے میسٗر کی معیت میں پہنچ چکی ہیں اور پانچ گھنٹوں کی گھمسان جنگ کے بعد بدیع الزماں سیّد آفندی کی زیر کمان ہماری فوج عورتوں بھری اُس سواری پر قابو پانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اُن عورتوں کی حالت واقعی قابلِ رحم تھی ان میں چلنے تک کی سکت نہ تھی۔ بہت سے بچوں کے پاؤں توڑے موڑے جا چکے تھے اور تینتیس مردوں میں سے صرف ہم دو ہی بچ پائے تھے۔

ایک دوسری دستاویز جو کہ جناب نورسی کو ماہ اگست میں وان جھیل پر جنوبی پہاڑوں پر منج دکھاتی ہے' کے مطابق ''میں نے 1915ء (1331ھ) میں پہلی بار نورسی کو سبحان پہاڑ پر دیکھا تھا' وہ سفید رنگ کے گھوڑے پر سوار تھا اور فوجیوں کی حوصلہ افزائی کے لئے گھوڑے کو دوڑیں اور چھلانگیں لگوا رہا تھا۔ وہ اُس وقت پیدل رضا کار فوج کا کمانڈر تھا' اُس کے سر پر پگڑی تھی' پہنی ہوئی وردی کے کندھوں کی خوبصورتی اپنی جگہ تھی۔ اُسی گھوڑے کی کاٹھی پر ہی وہ اُن رضا کاروں کی حوصلہ مندی کے لئے لگاتار آ جا رہا تھا۔ انور پاشا سے اُس کے تعلقاتِ دیرینہ تھے اور اُسی نے اُسے اُن پیدل دستوں کی صف بندی پر لگایا تھا۔

(اِس دستاویز کے تسلسل میں بعد از سردیاں فوج کا بھی ایک وضاحتی بیان شامل ہے یا کہ یہ وان کے محاذ سے بھی منسوب ہو جہاں بمطابق حوالا جاتی ذرائع فروری 1916ء کو ارض روم کی شکست پر جناب نورسی لڑائی لڑ رہا تھا اور ایسا گماں بطلس کی شکست سے بھی ہو سکتا تھا۔)

''جناب نورسی کی پیدل رضا کار فوج ہتھیار یا دوسری ضروریاتِ زندگی ہم سے ہرگز پوری نہ کرتی تھی بلکہ از خود ہی کرتی تھی۔ وہ ہمیشہ محاذ جنگ پر پہنچ کر اگلی صفوں میں مقابلہ دشمن کیا کرتے اور فیلٹ ہیٹ کہلاتے تھے۔ روسیوں کو اُن سے چھٹکارے کی راہ نہ ملتی تھی اور وہ کہا کرتے تھے کہ فیلٹ ہیٹ والے آرہے ہیں۔

اُس وقت تو صرف تلواریں ہی کام آیا کرتی تھیں لیکن وہ اُنہیں اپنے گھوڑوں کی

کاٹھیوں پہ ڈال کر بعد میں جو سلوک چاہتے کرتے۔ سخت سردیوں میں کچھ اِس قسم کی ٹوپیاں پہن لیتے کہ جس سے برف باری سے بچاؤ ہو جاتا اور دشمن بھی دھوکا نہ دے سکتا۔ پھر وہ لگامیں وغیرہ ڈھیلی چھوڑ کر اُنہیں ایک دوسرے کی گردنوں سے منسلک کر کے پورے طور پر آزاد کر دیا کرتے تھے اور پھر اِتنی تیز رفتاری سے اُن پر سواری کیا کرتے کہ گولی تک اُنہیں چھو نہ پاتی تھی اور اُن کے اپنے نشانے بھی ہرگز نہ چوکتے تھے۔ جب افسرانِ بالا اُنہیں لڑنے مرنے کی حوصلہ مندی دیا کرتے تھے تو اُن رضا کاروں کے جوش و جذبات کا عالم یہ ہوتا تھا کہ آگے بڑھنے کے حکم سے پہلے ہی وہ اپنی جگہ سے اُچھل پڑتے اور اپنے گھوڑوں کی کاٹھیوں پر پہنچتے ہی دشمن پر چڑھ دوڑتے تھے۔

یاد رہے کہ ماہ ستمبر میں عثمانیوں کو خفیہ اطلاع ملی کہ ڈیوک اعظم نکولس زار کے چچا نے کاکیشین محاذ جنگ پر ایک نیا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا ہے اور اب روسی فوج ایک بہت بڑے حملے کی تیاری میں ہے۔ اُس سلسلے میں ایک حملہ 10۔ جنوری 1916ء کو ہوا۔ عثمانوی ایک اور تین کی نسبت میں اپنے ہتھیاروں کی کمیابی کی لپیٹ میں آ چکے تھے لہٰذا روسیوں نے بہت پیچھے تک پسپا کرتے ہوئے اور بڑی کھلی جنگ و جدل کے بعد 16 فروری کو ارض روم پر قبضہ کر لیا۔ اِسی اثناء میں ایک دوسری روسی کمک نے جانب جنوب بڑھ کر وان جھیل کے ساتھ ہی بطلس اور موس پر بھی پیش قدمی کی۔ اِس وقت جناب نورسی بطلس میں ہی تھا اور اُس مرکز مہمات و منصوبہ جات کو بچانے کے لئے جناب نورسی کا بہت عمل دخل رہا۔ جس کے صلے میں بعد ازاں اُسے نوازا بھی گیا تھا۔

سقوطِ بطلس اور جناب نورسی کی گرفتاری:

روسیوں نے اپنی تین ڈویژن فوج کی تیاری کے ساتھ حملے کی ٹھان لی تھی۔ عثمانوی فوجی کمانڈروں میں سے ہی کیل علی اور ممدوح بے کو بطلس کا نیا گورنر نامزد کر دیا گیا' کیل علی نے حال ہی میں یعقوب جمیل سے کمان لی تھی جسے کہ بعد از ہلال پاشا بطرف بغداد بھیجا گیا تھا۔ اور وہ تینوں ہی فدائے ضابیطن تشکیلات مخصوصہ کے سرگرم ترین اراکین بھی تھے۔ گورنر اور کیل علی نے آناً فاناً جناب نورسی سے رابطہ کیا کہ اب تو اُن کے پاس ایک باقاعدہ فوجی دستے اور دو سو رضا کاروں کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں اور ماسوائے پسپائی کے اور کوئی چارہ بھی نہیں رہا۔ جناب نورسی نے اُنہیں جواب دیا کہ اگر انہوں نے ایسا ہی کرنا تھا تو کیوں نہ بطلس اور اُس خطے کے لوگوں نے

اپنی جانیں اور مال دشمن کی خونریز جھولی میں جھونک دیئے اور اُس جنگ و جدل کو اِتنا طول کیوں نہ دیا کہ دشمن از خود ہی میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوتا۔

اُنہوں نے اُسے یہ بھی اطلاع دی کہ موس پر قبضہ کیا جا چکا ہے اور اُن کی فوج تیس عدد بھاری توپیں ٹھکانے لگانے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے۔ اگر جناب نورسی اور اُس کے رضا کار بمعہ اُن توپوں کے سپاہیوں کو بطلس لے بھی آتے تو ممکن تھا کہ اُس شہر کو کئی دِنوں تک محفوظ کر لیا جاتا۔ جناب نورسی نے اُنہیں یہ بھی بتایا کہ میں اِس کمک کو یہاں لانے میں کامیاب ہو جاؤں گا یا کہ اپنی اِس کوشش میں مر جاؤں گا لہٰذا راتوں رات ہی اُس نے اپنے تین سو رضا کاروں کے ساتھ نورسین کی طرف صف بندی۔ جب وہ دشمن فوج موس کے قریب پہنچی تو اُس نے ان کی رائفل بردار رجمنٹ کو غلط اطلاع بھجوائی کہ ایک بہت بڑے ڈاکو کی سرکردگی میں ایک بہت بڑی طاقت اُن پر غلبہ پا لینے کو ہے۔

اِس سے وہ روسی الجھ کر رہ گئے اور اُن کی پیش قدمی بھی جاتی رہی۔ جناب نورسی کی ہمراہی میں سولہ سترہ سالہ سب سے کم عمر شاگرد علی جادوس اِس کہانی کا راوی بنتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ جیسے ہی دشمن رات کو اپنی توپوں کی حفاظت کرتے ہوئے سفر پر نکلتا تو اُسے فوجیوں کے علاوہ عام لوگوں سے بھی دو دو ہاتھ کرنے پڑتے اور اُنہوں نے ہی اُنہیں خبردار کیا تھا کہ روسیوں نے موس پر قبضہ کر لیا ہے۔ جناب نورسی نے اپنی ملیشیا کو چودہ چودہ کے گروپوں میں تقسیم کر کے اُن میں سے ہر ایک کو بھاری بھر بندوقیں اور توپیں اُٹھا لے جانے کا حکم بھی دے دیا۔ اُس اسلحہ خانے کی منتقلی کے لئے چھ رضا کاروں کی الگ سے ذمہ داری لگائی اور پھر اُن سب نے مل جل کر برفانی راستوں پر قریباً ساٹھ کلومیٹر تک اُس ساز و سامان کو کھینچا اور بطلس تا توان روڈ کی کھائی میں مخفی رجمنٹ کے جا سپرد کیا۔ روسیوں نے تینوں اطراف سے حملہ کیا لیکن دیدیبان پہاڑ کی دِفاعی سرحد پر ترک فوج اور رضا کاروں کی باہمی طاقت کا خوفناک سامنا کرنے پر اُن کی مزید پیش قدمی جام ہو کر رہ گئی۔

جناب نورسی اور اُس کے رضا کار بھی ایک تنگ سی گزرگاہ پر ایک جال میں پھنس گئے لیکن جلد ہی اُنہوں نے فرار کی راہ بھی نکال لی اور سات دِن اور سات ہی راتوں تک اُنہوں نے مسلسل لڑائی لڑی۔ بمطابق اپنی عادت اور عمل کے نورسی اپنے رضا کاروں کی حوصلہ مندی اور خون گرمانے کے لئے نہ تو نیچے کھائیوں میں اُترتا اور نہ ہی گھوڑے پر چڑھتا اُترتا محاذ آرائی کرتا

تھا۔ جب اُس پر چار گولیاں نشانہ بنیں تب بھی وہ پیچھے نہ ہٹا تھا اور کیسا روح پرور اتفاق ہے کہ ایک نشانہ اُس کے خنجر کے دستے پر' دوسرا اُس کے تمباکو کے ڈبے پر اور تیسرا بھی سگریٹ پینے کے پائپ پر ہی کہیں آن لگا جبکہ چوتھا نشانہ اُس کے کندھے کو رگڑ کر نکل گیا۔

فی الحقیقت اور دراصل اُس کا بال بیکا تک نہ ہوا تھا جس پر کیل علی نے مثالیہلاتی طور پر کہا تھا کہ وہ گولیوں وغیرہ کے اثر سے بالاتر ہے۔ جناب نورسی خود بھی کہا کرتا تھا کہ جسے اللہ رکھے توپ کا گولہ تک اُس پر بے اثر ہے' آنے دیں جو بھی گولی آتی ہے۔ ہفتہ بھر کے گھمسان کے بعد روسی عثمانوی سرحدوں کو توڑنے اور عبور کرنے میں ناکام رہے اور وہ پیچھے ہٹ ہی رہے تھے کہ آرمینیوں نے اُنہیں جنوبی بطلس سے رہنمائی فراہم کردی بلکہ اُنہوں نے بطلس سیرت کراس کر کے عرب پُل پر کنٹرول کرلیا۔ آرمینیوں نے دیدیان پہاڑ قبضہ کر کے اُن کے لئے راستہ بھی کھول دیا اور پھر اُس آخری قطعی مقام پر مشین گنیں نصب کر کے نیچے مقیم لوگوں کو بھون کر رکھ دیا۔

اِس طرح وہ بالآخر اُس شہر میں داخلے کے قابل ہو سکے۔ اِس موقع پر گورنر کیلی علی جو کہ فوج کا ایک اہم ستون بھی تھا نے ہمراہ اُس عوام الناس کے انخلا اختیار کیا۔ مشرقی اناطولیہ میں تین تین چار چار میٹر تک برف باری جیسے خوفناک موسمی حالات میں ایک بار پھر بچوں عورتوں' بیماروں لنگڑوں لولوں کے ساتھ ساتھ حکومتی افسران اور فوجیوں تک کو بھی دشمن کی پیش قدمی سے پیشتر ہی انخلاء اور پسپائی اختیار کرنی پڑی۔ لیکن ایک فوجی دستہ ایسا بھی تھا جو کہ آخر دم تک بغرض نیت لڑائی ٹھہرا رہا۔ وہاں سے بچ نکلنے والے چار شاگردین میں سے ایک کے مطابق وہاں اپنے قدموں پر کھڑے اور ڈٹے رہنے والوں میں سے ان بمعہ اپنے پچیس رضا کاران کے وہ جناب سعید نورسی ہی تھا۔ بسلسلۂ بیان ہذا شاگرد خاص علی جاووس جاری ہے اور اِس میں بعد از گرفتاری جناب نورسی اور روسی قابضین پر مبنی تفصیلی بیان بھی شامل تحریر ہے۔ 3 مارچ 1916ء کی آدھی رات کو اُنہوں نے بطلس پر حملہ شروع کیا اور ہم بھی ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اپنی گلیوں میں اُن روسیوں سے نبرد آزما ہو رہے تھے اور وہ کوئی بڑی ہی گھمسان دار جنگ و جدل تھی جس میں ماسوائے ہم چاروں کے ہمارے سب ساتھی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ استادِ محترم کا بھتیجا عبید جس کے کہ وہ بڑے ہی گرویدہ تھے میری دائیں طرف جام شہادت نوش کر گیا۔ روسی توپیں ہم پر گولیوں کے فوارے چھوڑ رہی تھیں اور اُس نے گرتے ہوئے مجھ سے یہ کہا تھا کہ میری پیٹی میں سے سُونا اور میرے کپڑے وغیرہ اپنے قابو میں لے لو یہ اُن کے ہاتھ نہیں لگنے چاہئیں۔

روسی ہمیں گھیرے میں لے چکے تھے اور ہم اُستاد کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ ہم بندوقیں بھر بھر کر بھی اُنہیں دیتے جاتے تھے اور وہ اُنہیں اُن پر چلاتے جاتے تھے اور اِس قدر تیزی سے چلاتے جاتے تھے کہ اُن پر خودکار ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ ایک دفعہ ہم نے اُنہیں بغیر حفاظتی چوندی کو سمجھے بندوق دے دی اور اُس میں سے جب صحیح فائر نہ ہوا تو پھر بھی وہ زندہ سلامت رہے۔ وہی ایک موقع تھا جب وہ ہم سے اِس انداز سے مخاطب ہوئے بلکہ چلا کر بولے کہ کیوں تم لوگوں نے مجھے بیکار بندوق دے دی تھی اور اُسے ایک پتھر پہ دے مارا مگر ہم نے جلد ہی اُسے ایک دوسری بندوق پہنچا دی۔

پھر فوراً ہی ہمارے اِردگرد فوجیوں کی چار قطاروں میں اُنہوں نے غوطہ سا لگایا کیونکہ ہم اُن کے اوپر سے گزر کر کبزل ماسد شہر تک پہنچنا چاہتے تھے۔ ہم نے ایک دم اپنے آپ کو ایک دیوار سے ٹکراتا ہوا پایا جو کسی بڑی ساری سُرنگ جیسی تھی اور ہم نے اِس کے بھی اُوپر کی طرف سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اِس طرح ہم ایک بڑی ساری عمارت کے نیچے سے گزر گئے جو کہ کاظم پاشا کے پرائمری سکول پر مشتمل تھی۔ چونکہ رات کا وقت تھا اور پانی کو مکمل طور پر برف نے ڈھانپ رکھا تھا لیکن اُستاد نے ایک پتھر پر اپنی لات مار کر اُسے توڑ دیا اور اُس کے نیچے ایک بڑی سی آبی گزرگاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یہیں سے لے لینا اور خود جائیں۔

میری طرف سے تمہیں اِجازت ہے اور اگر اللہ نے چاہا تو تمہیں ضرور فرار ملے گا۔ ہم نے اُسے وہیں نیچے کر کے تسلی بخش طریقے سے ٹھہرا دیا۔ ہم نے اُس کی ٹانگیں دو بندوقوں پر ٹکا کر اُسے کسی قدر آرام بھی فراہم کیا۔ وہ تو ہمارے چلے جانے پر اصرار کیے جا رہا تھا مگر ہم نے کہا کہ ہم بھی آپ کے ساتھ ہی شہادت کی موت چاہتے ہیں اور جب اُسے چھوا تو بولے کہ "مقدر نے ہمیں قیدی بنا دیا ہے اور ہمیں بھی برملا مان لینا چاہیے کہ ہم نے مقدر کے آگے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جون 1917ء میں بچ نکلنے والے دوترک عینی شاہدین سے حاصل شدہ معلومات کافی دلچسپ مواد پر مبنی ہیں کہ پورے طور پر دشمن کے نرغے میں آجانے کے بعد لگتا تھا کہ جناب نورسی اور اُس کے شاگردین پر آرمینی وحشی گولیاں برساتے اور سنگینیں گھماتے چلے جا رہے تھے اور اُنہیں گویا ختم ہی کر دیا گیا تھا۔ ایک وقت پر اُسی آبی گزرگاہ میں چھپے ہوئے ہی جناب نورسی نے اُنہیں کہا کہ وہ اُن کو اُس کے وہاں ہونے کی اطلاع کر دیں لیکن اُس کے شاگردین ڈر گئے کہ وہ جناب نورسی کو مار ڈالیں گے اور پھر دوسری صورتِ حال کے بارے میں سوچنے میں کوشاں رہے بلکہ اُس برف زدہ

کیچڑ میں بھوکے اور تھکے ہارے ہوئے وہ تیس گھنٹوں تک تہہ ہوئے پڑے رہے۔ بالآخر عبدالوہاب نامی اپنے ایک روسی جاننے والے ساتھی کو روسیوں کو اطلاع دینے کے لئے بھیجا۔ دستاویز ہذا دراصل علی کاووس کو 'علیحدہ مہیا کردہ دستاویزات پر مشتمل ہے'' اور جاری ہے۔

روسیوں نے اُس سرنگ نما گزرگاہ کے اوپر والی عمارت پر قبضہ کر لیا تھا اور اُن کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ قریباً ایک گھنٹہ گذر جانے پر ایک بندوق کے چلنے کی آواز آئی اور ہم نے سمجھا کہ عبدالوہاب کو گولی ماردی گئی ہے پھر ہم نے قدموں کی آوازیں سُنیں اور اپنی بندوقیں بھر کر منتظر ہو رہے۔ آخر کار ہم سب کو وہاں سے نکال لیا گیا' استاد کے لئے ایک سٹریچر بھیج دیا گیا پھر ہمیں ایک ایسی عمارت میں لے جایا گیا جو نیچے سے ہوٹل تھی اور اُس میں روس کی درجہ دُوم کی فوج مقیم تھی۔ اُس طرف جاتے ہوئے جب آرمینیوں نے ہماری گرفتاری کا سُنا تو وہ ہمارے اردگرد جمع ہونے لگ گئے۔ وہ ہمیں ہرگز زندہ نہ چھوڑتے اگر ہم روسیوں کی تحویل میں نہ ہوتے۔

ایک رجمنٹ کمانڈر کے سامنے پیش ہونے کے بعد اُنہوں نے ہمیں ایک کمرے میں رکھ کر ہمیں باسی روٹی کے ٹکڑے دے دیئے لیکن ہم تین دن تک بغیر کھائے پیئے رہے اور یہی ہمارا سواگت تھا۔ بعد ازاں اُستاد کو ایک دوسرے کمرے میں لے جا کر اُسے ایک بھنا ہوا مرغ دیا گیا۔ پھر دو روسی کمانڈروں نے اُس سے سلسلۂ سوال شروع کیا اور ظاہر تھا کہ وہ جنگ کے متعلق ہی پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ استاد محترم اُن سے ایک ہی ٹانگ پر کھڑے ہو کر باتیں کر رہے تھے اور ایسا اِس لیے تھا کہ اُستاد صاحب کمانڈر رہتے تھے اور اُن کے آگے جھکنا نہ چاہتے تھے کیونکہ قیدی وہ دونوں روسی کمانڈرز تھے نہ کہ اُستاد۔

پھر اُنہوں نے خود ہی محسوس کیا کہ اُس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی تھی لہٰذا ایک ڈاکٹر کو بُلایا گیا جس نے کہ اُس پر پلستر چڑھا دیا۔ قریباً ڈھائی گھنٹوں بعد ایک حفاظتی دستے نے ہمیں حکومتی عمارتوں میں پہنچا دیا۔ ایک تاتاری آفیسر جو کہ بعد میں معلوم ہوا کہ مسلمان تھا' نے ہم پر کافی ترس کھایا اور ہمیں گورنر کے کمرے میں رکھا گیا۔ اُس حکومتی عمارت میں رہتے ہوئے ہمارا پہلا ہی ہفتہ تھا کہ ایک فوجی عہدیدار آن پہنچا اور اُستاد کے بارے میں پوچھ کر کہنے لگا کہ جنرل صاحب کا اُن کے لئے بلاوا ہے۔ اور پھر اُستاد کو سٹریچر پر محل باسی میں مقیم جنرل کے پاس لے جایا گیا۔ اُستاد اندر گیا تو اُس سے جنرل' نے بہت سے سوالات کیے جن میں عبدالمجید نام کی شخصیت ہی مرکزِ تفتیش رہی کیونکہ وہ ایران جا چکا تھا اور وہاں سے کاکس آ کر مسلمانوں کو روسیوں کے خلاف لڑانے کی

منصوبہ بندیاں کر رہا تھا۔ وہ اُستاد سے اُس کے متعلق معلومات چاہتے تھے اور اُستاد نے بھی مطلوبہ سوالوں کے ہی جواب دیئے۔ اُس جنرل کے سوال و جواب کا سلسلہ اور اُس کا اپنا آنا جانا دو ہفتوں تک لگا رہا۔

ہم اُس کمرے سے باہر منتظر اُن کی گفت و شنید سُنتے رہتے تھے۔ اُن کے ترکی بہ ترکی اور جامع جواب مہمانوں سے ٹکراتے رہتے بلکہ وقفے وقفے سے میز پر پڑنے والے اُن کے مکوں کی آوازیں بھی آتی رہتی تھیں۔ جبکہ ہم پر کسی بھی لمحے قطار میں کھڑے کر کے گولی مار دیئے جانے کا خوف اور لرزہ طاری رہتا اور جب وقفے وقفے بعد اُس کمرے سے اُستاد باہر آتا تو ہم اُس سے کسی بھی قسم کی ملامتی گفتگو کرنے سے بالکل رہ جاتے۔ جب وہاں حکومتی عمارتوں میں رہتے سہتے ہوئے ہمیں ستائیس دِن ہونے کو ہو گئے تو اُنہوں نے ہمیں فوجیوں کی اُن اقامت گاہوں میں منتقل کر دیا جو اب عدالتیں بن گئی تھیں۔ ہمیں گرفتار کرنے والے اور اپنی تحویل میں لینے والے زیادہ سے زیادہ پچیس آفیسران ہوں گے مگر تھے سب کے سب اعلیٰ عہدیداران۔

ایک بڑا عہدیدار نمودار ہوا اور استاد سے کہنے لگا کہ تم اپنے ساتھ ایک دو نوکر بھی رکھ سکتے ہو۔ ہم تمہیں یہاں سے کہیں دُور بھیج رہے ہیں لیکن اُستاد کا جواب تھا کہ یہ میرے نوکر نہیں ہیں بلکہ میرے بھائی ہیں اور ہم میں سے ایک سیّد کہلانے والے کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ہم تو اُس سے جدا ہی نہ ہونا چاہتے تھے لہٰذا ہماری دلجوئی کے لئے اُس نے افسر اعلیٰ پولیس (از خود قیدی) سے کہا کہ میں اپنے اِن شاگردین کو آپ کے حوالے کرتا ہوں اِنہیں پولیس وغیرہ دکھائیں، بعد اُس کے اُنہوں نے ہمیں اُستاد سے الگ کر لیا اور روس بھیج دیا۔ روسیوں اور آرمینیوں کے خلاف مشرقی خطے میں نورُسی اور اُس کے رضا کاروں کی حفاظتی دلیری اور دفاعی بہادری مہر زمانہ ہی ہو کر رہ گئی۔

بقول اُنہی لوگوں کے کہ کیسے بوقت گرفتاری روسیوں نے نورُسی کو ہلاک کرنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن اُس کی اگر کوئی خواہش تھی بھی تو وہ بھی اُس کے حوصلے اور ہمت میں بدل گئی تھی کیونکہ وہ تو تب بھی بالکل نہیں ہلا تھا جب اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے ساتھ وہ اُن کے ہتھے چڑھا تھا۔ جناب نورسی کے ساتھ جنگ میں برسرپیکار رہنے والے ایک شاگرد کے مطابق کہ وہ روسیوں کے سوالات اور آرمینیوں کی غلط ملط تشریحات پر کس قدر برہم ہوتا تھا لہٰذا روسیوں نے ایک تاتاری ترجمہ ساز کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ اور وہ کردش افسر اعلیٰ پولیس جس نے اپنی آزادی کے عوض روسیوں میں شمولیت اِختیار کی ہوئی تھی نے تمام قبائل کو ہتھیار پھینک دینے کے لئے خطوط

لکھے مگر جناب نورسی نے اُس کی بھی تمام شرائط کو یکسر ٹھکرا دیا تھا۔ 3 مارچ 1916ء کو بطلس روسیوں کی صوابدیدی دست نگری تھا۔

حال ہی میں ملنے والی انتہائی دلچسپ دستاویزات الغرضِ اسیری روسی سرحد کے ساتھ ساتھ ہونے والے سفر کی روداد بتاتی ہیں۔ بڑے مشہور صوفی مفکر ارض روم مُلا ابراہیم حقی کے نسلی اور نصبی محمد فیاض جو کہ ایک فاضل فوجی آفیسر تھے کے روزنامچے کے مطابق وہ سفری معلومات بڑی ہی دلکش ہیں کیونکہ اُس دوران وہ بھی نورسی کی ہمراہی میں رہا تھا۔ نورسی کو دو ہفتے تک تو بطلس میں رکھا گیا' کیونکہ محمد فیاض نے اُنہیں پہلی دفعہ 18 مارچ کو کنارہِ وان جھیل پر تاتوان اور بطلس کے درمیان باشوان میں دیکھا تھا اور اُنہوں نے ہی لکھا تھا کہ۔

18۔ مارچ کو بطلس میں ہی اُنہوں نے ہمارے ناموں کے اندراج کیے اور پھر دوپہر سے پہلے پہل ہی ہمیں اُونٹوں پر سوار کردیا گیا۔ اُونٹ بان ایرانی تھے اور روسیوں کے زیرِعتاب محو سفر تھے۔ اُن روسیوں کو یقین تھا کہ ترک ہی اصل الوجوہ ہیں سو وہ ہمیں اِنتقاماً اذیتیں پہنچاتے۔ قریب شام ہم ماشوان پہنچ آئے جہاں ہم حان کے باہر کی اطراف میں چالیس کے قریب ترکوں کی لاشوں کے ڈھیر دیکھے اور اُن کے پیچھے روسی سپاہیوں کے جتھے دیکھے جو کہ آپس میں کچھ محوِ گفتگوئے خاص تھے۔ ہمیں ہمارے اُونٹوں سے اُتار لیا گیا اور جب قریب لے جایا گیا تو دیکھتے ہیں کہ جو ساک ہمارے محافظوں سے بہ دلیلاً بضد تھے کہ کُردی سعید کو اُن کے حوالے کیا جائے تا کہ وہ اُس کا کام تمام کردیں۔

بعد میں متعین ہونے والا عہدے دار اِس اُلجھاؤ کو بڑے آرام اور سکون سے لے رہا تھا مگر میں اُسے فوری طور پر بالکل نہ پہچان پایا تھا۔ اُنہوں نے ہمیں ایک گندے اُصطبل میں پھینک دیا جہاں ہمیں دو دِن تک رہنا پڑا۔ 20 مارچ کو ہم وہاں سے چلے اور تاتوان سے گزرتے ہوئے جھیل کنارے کنارے ایک تباہ حال گاؤں میں جا پہنچے اور وہاں ایک رات گذاری۔ روسی فوجیوں میں سے کاضان مسلم فوجی نے ہم پر ترس کھایا اور ہم بھوکوں کے لئے ایک بیل ذبح کر ڈالا۔ اُس دِن سبھی نے ہی پیٹ بھر بھر کر کھایا اور پیچھے بچ جانے والا گوشت اپنے اپنے تھیلوں میں بھی بھر لیا۔

21۔ مارچ کو ہم وہاں سے روانہ ہوئے' بڑی سخت قسم کی ژالہ باری ہو رہی تھی اور ہمارے کپڑے بوجہ نمی نچڑ رہے جا رہے تھے۔ قریب شام ہم پھر ایک اُجڑے پجڑے ہوئے گاؤں

پہنچے' آگ جلائی اور اوراپنے آپ کو خشک کیا۔اگلے دِن 22۔مارچ کو پھر روانگی ہوئی اور جھیل کنارے کنارے چلتے چلے گئے۔یہ سب کچھ ایک بہت بڑاہوا اور دماغی دباؤ تھا جس کے تحت ہم بہت ہی دشوار گزار راستوں پر سے بھی گزرے اور وہ والی رات ہم نے ایک تباہ شدہ گرجے میں گذاری۔ہاں تو' وہاں ایک عدد ٹیلی فون ایکسچینج بھی تھی' اور اُس رات اُن روسی سپاہیوں نے ہمارے ہی ساتھ کچھ کھایا پیا بھی تھا۔23۔مارچ کو سورج چڑھ آنے پر اُس کارواں کی پھر روانگی ہوئی۔وہ دِن واقعی بڑا دھوپ دار تھا اور سورج ہمارے سر پر تھا۔اُس شام جھیل کنارے ہمارا پڑاؤ آرمینی طرز پر بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے مکانوں پر مشتمل گاؤں میں ہوا۔وہاں ہمیں ڈبہ بند گوشت روٹی اور چینی بھی دی گئی۔وہاں ایک عدد روسی فوجی دستہ بھی متعین تھا۔

24۔مارچ کو ہم خچروں پر سوار ہو کر دوپہر کو تاتوان پہنچ گئے اور روسیوں کے بنائے ہوئے چھوٹے چھوٹے مکانوں میں ٹھہر گئے اور وہاں بھی ہمیں ویسی ہی روٹی چینی اور چائے دی گئی۔وہاں بڑے حیران کن قسم کے بند چولہے تھے' لکڑیوں سے بنے ہوئے مکانات بھی تھے جہاں ہمیں آفیسروں سے علیحدہ کر کے رکھا گیا تھا۔

25۔مارچ کو دوبارہ خچروں پر ہمارا سفر شروع ہوا اور بعد دوپہر وان پہنچ ہوئی۔وہاں بمعہ جناب سعید نورسی ہم تینوں کو اُنہوں نے ایک ہی کمرے میں ڈال دیا۔وہاں ہمیں چار دِن تک رہنا پڑا اور روزانہ ہی فوجی کمانڈر ہمیں دیکھنے بھی آتا کہ ہم کس حال میں ہیں۔29۔مارچ کو ہمیں بذریعہ ویگن ایر جک لے جایا گیا جو کہ آرمینیوں سے بھرا پڑا تھا اور وہ سب جناب سعید نورسی کو جانتے تھے۔پھر ہمیں اُن لوگوں کو دکھایا گیا تو ہمارے اِردگرد نہ صرف ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا بلکہ لعنت ملامت بھی ہونی شروع ہو گئی۔لگ رہا تھا کہ اُس رات وہ ہمیں مار ڈالیں گے مگر سیف اللہ نامی ایک محافظ کی بدولت ہم بچ نکلے۔وہ رات ہم نے بڑی ہی الجھن میں گزاری جبکہ صبح ایک کمانڈر اپنی بیوی کے ہمراہ ہمیں دیکھنے آیا' اُن کے ساتھ ایک بارہ سالہ مسلم لڑکا بھی تھا۔

وہ کمانڈر کوئی بہت ہی مہربان قسم کا اِنسان تھا' اُس کی بیوی روسی تھی اور آرمینیوں سے بڑی چڑ رکھتی تھی۔اُس نے ہی ہمیں ترکی کے ٹوٹنے پھوٹنے کی وجوہات سمجھاتے ہوئے کہا کہ حکومت ترکی نے اپنے دشمن کو تہہ تیغ کرنے میں بڑی بھیانک غلطیاں کی تھیں جبکہ وہ اِس کارروائی میں بہت آگے تک چلے گئے تھے۔ایک بچوں والا خاندان آرمینیوں کے ہاتھوں قصابی کارروائی سے گذرا تو اُس کمانڈر اور اُس کی بیوی نے بچ جانے والوں کو اپنی سپردگی

میں لے لیا تھا۔ جو کچھ اِس بچے نے ہمیں اپنے خاندان کی خونریزی کے متعلق بتایا سُن کر ہم تا دیر سوچوں میں ڈوبے رہے۔

پھر ہمیں بتایا گیا کہ ہماری ویگن تیار ہے اور وہ کمانڈر میاں بیوی ہمیں اُس ویگن تک چھوڑنے آئے۔ اُس دِن 31۔ مارچ 1916ء تھی اور اُسی شام ہم مولا حسین پہنچ گئے اور وہاں روسی کمانڈر نے تسلی کر لی کہ ہم بخیریت ہیں۔ 31۔ مارچ کو سارے پہنچے اور پھر کاظم پاشا پہنچ گئے۔ یکم اپریل کو کوتور پہنچے اور 2۔ اپریل کو کروان سرے پہنچ گئے' اور پھر 4۔ اپریل کو کھوٹے کو کراس کرتے ہوئے ایران میں داخل ہو گئے۔ کوئی آدھے گھنٹہ بعد شہر کے درمیان میں ہی کہیں ہمیں قید تنہائی میں ڈال دیا گیا۔ وہاں آٹھ دس لمبی لمبی جھونپڑیاں' تین خیمے ایک بڑا سا غسل خانوں والا حصہ اور ایک ہسپتال بھی تھا جہاں ہمیں اکیس دِنوں تک رکھا گیا۔ اُس دوران ہم جب چاہتے نہاتے' آگ جلاتے اور ہر صبح ہسپتال کا ایک جارجین ڈاکٹر ایک شفیق سی نرس کے ساتھ میرے اور ملاں حبیب کے لئے تین تین انڈے اور بسکٹ لے کر آتا بلکہ ہلکی پھلکی گپ شپ بھی کرتا۔ الغرض ہمیں شہر سے لا کر ایک اچھی قسم کی خوراک مہیا کی جاتی تھی۔

بالآخر 25۔ اپریل کو بذریعہ ویگن ہم جلفہ کے لئے نکل پڑے اور شام تک اُس شہر کے رہائشی علاقے میں جا اُترے۔ جلفہ کے مقام پر سے ہی ہم نے 26۔ اپریل کو روسی سرحد عبور کی اور قریباً 48 گھنٹے بعد بذریعہ ٹرین براستہ داغستان سیدھا کوستورما ہمیں پہنچا دیا گیا۔

روزنامچہ ہذا میں روزانہ کے مندرجات یہاں ختم ہو جاتے ہیں اور بعد ازاں بھی متعلقہ جناب نورسی کوئی مواد نہیں ملتا۔ جارجیا کے دارالحکومت تفلس (تبلسی) میں وہ مقیم رہا اور ہمراہ دیگر قیدیوں کے آگے کہیں نہ گیا۔ دراصل' استنبول میں دفتر وزیراعظم سے ملنے والی سرد دستاویزات کے مطابق جناب نورسی اپنی ٹانگ کے علاج کے لئے ستمبر 1916ء برمقام تفلس ہی مقیم رہا۔ سب سے پہلے (9۔ اگست 1332ء) یعنی 22۔ اگست 1916ء کو بطلس کے ڈپٹی گورنر ممدوح کی طرف سے وزارتِ داخلہ استنبول کو یہ مصدقات بھیجی گئیں۔ بمطابق اُن کے تفلس کے آفیسران نے اپنی تنخواہوں کی وصولی کے لئے اُن قیدیوں کو اپنی تحویل میں لے رکھا تھا۔

تقاضائے رقم ہی کے لئے وہاں سعید کردی بدیع الزماں بمعہ اپنے رضا کاران کی فہرستوں اور جنگ بطلس میں برمقام مودس ہاتھ لگنے والی بڑی بڑی بندوقیں لے کے موجود تھا۔ دوسری دستاویز بیسم عمر پاشا ڈائریکٹر ہلال احمر سوسائٹی آف عثمانیہ کو طلعت بے وزیر داخلہ کی

طرف سے یہ مقام ایلرول 20۔ستمبر 1916ء سے متعلقہ ہے جس میں کسی سپیشل ڈاک کے ذریعے جناب نورسی کو 60 لیرے بھیجنے کی درخواست کی گئی تھی۔ تیسری دستاویز تین دِن بعد بسیم عمر پاشا کے طلعت پاشا کو جواب کی صورت میں ہے کہ 60 لیرے 254-1 مارکس میں بدلے جا چکے ہیں اور بھیج بھی دیئے گئے ہیں۔

جنگی کیمپوں کے قیدی:

جناب نورسی کو شمال مغربی روس کے صوبہ کوستورما میں بھیج دیا گیا۔ پہلے تو اُسے کولو گریف کے شہر میں بھیجا گیا اور پھر' بمطابق کسی ذرائع کے' ایک بہت بڑے پڑاؤ کے بعد بطرف شمالاً دریائے وولگا پر کوستورما شہر میں بھیج دیا گیا اور یہی وہ مقام ہے جہاں اُس نے اپنی اسیری کا ایک بڑا حصہ گزارا۔ بمطابق ساتھی اسیران اور از خود وہ وہاں سے متعلقہ اُس کی کافی ساری سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں کے کمانڈنگ آفیسر کے پاس ہی تمام تر اختیارات تھے اور وہ اُن قیدیوں کی مذہبی سرگرمیاں دیکھ کر اُنہیں اُن کی آزادی کا بھی یقین دلاتا رہتا تھا۔ اُسی نے اُن کے اپنی نگرانی میں نہ صرف روزانہ کی پانچ نمازیں روا کر رکھی تھیں بلکہ بطور مسجد ایک الگ کمرہ بھی مختص کیا ہوا تھا۔

ایک کمانڈر کی حیثیت سے جو وہ تنخواہ لیتا تھا اُس میں سے بھی وہ اُن کی اُس مسجد اور اُن قیدیوں کی فلاح پر خرچ کر ڈالتا۔ قریباً نوے آفیسران میں وہ واحد تھا جو کہ اُنہیں مذہبی درس بھی دیا کرتا تھا۔ سخت سرد اور سیاہ ترین موسم سرما کی وجہ سے حالات انتہائی ناسازگار تھے لیکن اُن حالات میں بھی وہ اُن قیدیوں کے حوصلے بلند کرنے کی سعی ثواب کرتا رہتا۔ مصطفیٰ یا لجین کی تحریر کردہ متعلقہ جناب نورسی دستاویز کا تو حوالہ دیا جا چکا ہے کہ اُس دِن اُن کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب جناب نورسی کو بھی اُسی کیمپ میں لایا گیا جہاں وہ تھا۔ اپنی یادوں کی روشنی میں وہ کہتا ہے کہ۔

ہمارے پہنچنے پر ہمیں بتایا گیا کہ مشرقی محاذ سے کچھ قیدی پہنچ چکے ہیں تو مارے حیرت کے ہم باہر صحن میں جمع ہو گئے۔ وہ بہت زیادہ تعداد میں قیدی تھے لیکن اُن میں دو قیدیوں کو دوسری طرف سے لایا گیا اور ایک کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے بھی اُدھر دیکھا اور فوراً پہچان لیا کہ وہ ایک تو ملاں حبیب اور ایک اُن کا شاگردِ خاص تھا جسے کہ ہم ازنیکلی عثمان کہا کرتے تھے۔ وہ ایک ٹرنک بھی اُٹھائے ہوئے تھا اور اُس میں اُستاد کی کتابیں تھیں۔ عثمان کے علاوہ وہ کسی

دوسرے کو اپنے ساتھ ہونے کا شرف بھی نہ بخشتے تھے اور وہی ان کی ضروریات کا خیال بھی رکھتا تھا۔ وہ اپنی ایک ٹانگ میں ہونے والے زخم کی وجہ سے زخمی تھا' اُنہوں نے اُس کا علاج کیا اور ایک کمرے میں مقیم رکھا۔

سردی بڑے غضب کی تھی یعنی رات دِن میں تمیز ہی بڑی مشکل تھی جبکہ گرمیوں میں سورج غروب ہونے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ وہاں بھی ملاں حبیب نے راتوں کو کاہلی بالکل نہ دکھائی اور باوجود کہ اجازت نہ تھی وہ دوسرے کیمپوں میں پہنچ کچھ نہ کچھ پڑھ کر سناتا۔ دِن کے وقت وہ ہمیں نمازیں بھی پڑھاتا اور پہلے پہل تو ہمارے اِس عمل میں مداخلت بھی کی گئی لیکن بعد ازاں اُستاد کی گفتگو سے ہمیں تھوڑی بہت آزادی بھی مل گئی۔ وہ ہمارے اِس طرح سے اکٹھا ہونے کے خلاف تھے لیکن ہم جناب نوری کو اپنا امورِ مذہبی مہتم کہا کرتے تھے اور وہ ہمارے علاوہ روسی محافظوں کو بھی مذہبی تشریحات سمجھایا کرتے تھے۔ اُن آفیسران میں سے جو بھی سنتا ہماری سرزنش ہی ہوتی لیکن ملاں حبیب نے اپنی دُھن میں ہمیشہ ہمیں حوصلہ مندی ہی بخشی۔ مت گھبرائیں ہم بحفاظت ہی رہیں گے (وہ اکثر کہا کرتے) میں نے تو اُسے رات کو سوتے ہوئے کبھی نہ پایا۔ وہ اکثر و بیشتر کچھ لکھتے پڑھتے ہی رہتے تھے۔ ہمیں کہا کرتے تھے کہ ''مستقبل بعید میں سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن فی الحال وہ اِس چیز کا ادراک نہیں رکھتے ہیں۔'' اگرچہ ہم وہاں بہت ہی خوف اور دباؤ میں ہوتے تھے لیکن وہ ہر حال میں ہمارے ساتھ تھے۔

مصطفیٰ یالچین کہتا چلا گیا کہ کس طرح ایک رات سترہ دوسرے قیدیوں کے گروپ کے ساتھ وہ بھی فرار ہوا۔ اُن کی معیت میں نکل جانے میں آمادہ تو جناب نوری بھی تھے لیکن اُسی کا تربیت یافتہ میجر ہی کافی تھا کیونکہ وہ اُنہی کی ہدایت پر عمل پیرا تھا یعنی ستاروں' درختوں اور دلالوں میں سے بھی راستہ تلاش کرنا جانتا تھا۔ بمطابق جاری از بیان ''ملاں حبیب مکمل بے خوف تھا' اُس کے دِن رات اِسلام ہی کے لئے وقف تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ خدائے واحد پر ایمانِ کامل نہ صرف از حد ضروری ہے بالکل ہر چیز سے افضل واکمل ہے۔''

ڈاکٹر ایم آصف ڈیمیجی نام کے ایک اور قیدی ساتھی نے اپنی یادوں میں بتایا کہ اُس نے جناب نوری کو سب سے پہلے کولوگریف شہر میں دیکھا تھا۔ وہاں وہ چھ ماہ تک اکٹھے رہے تھے اور پھر اُس کے بعد جناب نوری کو کسی بہت بڑے کیمپ میں اور پھر مزید براں حکومت داخلہ میں بھیج دیا گیا تھا۔ کولوگریف میں اُنہیں ایک سینما ہاؤس میں رکھا گیا جسے کہ جناب نوری نے تقسیم

کر کے آدھے حصّے کو مسجد نما بنا دیا تھا۔ ڈاکٹر آصف ڈیسیجی ہی آگے کہتا ہے کہ ’’کیونکہ وہ ہماری قیدی رجمنٹ کا کمانڈر تھا لہٰذا سب ہی قیدی اُس کی دِلی عزت کرتے تھے مگر وہ اپنے آپ کے متعلق کہا کرتے تھے کہ میں تو ایک حوجا (مُدرس) ہوں۔ اُن کا رہن سہن اِنتہائی کفائیت شعارانہ تھا یعنی وہ دو انڈوں اور ایک روٹی کے ٹکڑے پر دِن گزار لیا کرتے تھے۔

اُن کا وقت بڑا بھرپور گزرتا تھا یعنی وہ منی قرآن اپنے تبصرہ جات پڑھتے اور قیدیوں کو پڑھاتے رہتے تھے‘ جس سے کہ آفیسران اور قیدیوں کی اُس کے متعلق آراء بدلتی چلی گئیں اور اُسے ایک عزت ملتی چلی گئی۔ مصطفیٰ بولے‘ جس نے کہ کوستورما کیمپ میں جناب نورسی کے ساتھ چھ ماہ گزارے تھے‘ نے کہا کہ‘ روسی جناب نورسی کو ہلاک کرنا چاہتے تھے اور اِسی مقصد کے لئے ہی حکامِ اعلیٰ نے اُسے اُس کیمپ میں پہنچایا تھا۔ جناب نورسی کے بھتیجے عبدالرحمٰن نے جو متعلقہ سوانح حیات لکھی تھی کے مطابق اِس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ بمطابق اُس کے‘ میرے چچا کو اُنہوں نے براستہ وان‘ جلفہ‘ تفلس اور کولوگریف کوستورما بھیجا تھا۔ میں ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتا تھا کہ اِس وقت جو جو بھی خطرات اُسے اِس سلسلہ میں درپیش ہوئے وہ یہی تھے کہ روسی آفیسر اُسے چاہتے تو قتل کرنا تھے مگر بنانا خودکشی چاہتے تھے لیکن اُس نے اُنہیں ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہ دی تھی‘ لہٰذا میں نے بھی اِسے ذرا تفصیل سے ہی لکھا تھا۔

مصطفیٰ بولے اور مصطفیٰ یالجین دونوں ہی جنگی کیمپ کے اِن حالات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ اُس جناب نورسی کا بے داغ اِشتراکِ عمل ہی تھا جس نے اُس کے جلال کو قیدیوں اور حاکموں میں یکساں مؤثر اور مقبول بنا دیا تھا۔ کاکیشین محاذ پر روسی افواج کے کمانڈر انچیف نکولس نکولائیوچ یعنی زار کے چچا ایک موقع پر کیمپ کے دورے پر آیا اور دورانِ دورہ جناب نورسی کے پاس سے گزرا تو وہ بیٹھا ہوا تھا اور اُس میں بالکل کوئی اضطراب وغیرہ پیدا نہ ہوا۔ جنرل نے اُسے محسوس کیا اور اُس کا عذر معلوم کرتے ہوئے اُس کے پاس سے دوسری بار گذرا لیکن جناب نورسی بالکل ہی اپنے قدموں پر اُٹھ کر کھڑا نہ ہوا۔ وہ بھی اُس کے پاس سے تیسری بار گزرا اور ٹھہر گیا۔

اور بذریعہ ایک ترجمان اُس سے کہا کہ ’’کیا تم نہیں جانتے کہ میں کون ہوں۔ ہاں‘ میں جانتا ہوں‘ جناب نورسی نے جواب دیا۔ ’’تو پھر تم نے میری توہین کیوں کی؟ جنرل بولا۔ ’’مجھے معافی دے دیں‘ لیکن میں نے آپ کی توہین نہیں کی ہے‘ میں نے تو وہی کیا ہے جو بمطابق میرا ایمان ہے۔‘‘ تمہارے ایمان کا کیا معیار ہے؟ جنرل بولا ’’میں ایک مسلمان ہوں اور میرا ایمان

میرے دِل میں ہے۔صاحبِ ایمان اِنسان بغیر ایمان انسان پر افضل ہے۔اور اگر میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو جاتا تو یہ میرے ایمان کی کم مائیگی تھی' اِس لئے میں نے یہ سب نہیں کیا۔

''تم یہ کیسے کہہ رہے ہو کہ میرا کوئی ایمان نہیں ہے؟ تم نے تو میری اور میری فوج کی جس کا کہ میں ایک رکن ہوں بلکہ میری قوم اور زار کی بھی توہین کی ہے۔لہٰذا جلد ہی ایک فوجی عدالت بنے گی اور تم سے پوچھ گچھ ہوگی۔ جونہی جنرل نے اپنا فیصلہ دیا توں ہی ایک فوجی عدالت بھی بن گئی۔ترک جرمن اور آسٹریلوی فوجی آفیسران ہیڈکوارٹر پہنچ گئے اور جنرل سے معافی مانگنے کے لئے جناب نورسی کو قائل کرنے لگے لیکن اُس نے اُن سے کہا کہ:''

''میں سلطنت جہانِ آخر کو جانے کے لئے تیار ہوں اور خدا کے رسُول کی بارگاہ میں حاضری چاہتا ہوں۔یوں سمجھیں کہ میرے پاس پاسپورٹ ہے اور میں برخلاف اپنے ایمان کوئی بھی کام نہیں کرسکتا۔مزید براں کوئی جواب نہ پاتے ہوئے وہ عدالت کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔تفتیش مکمل ہو چکی تھی اور زار اور روسی افواج کی توہین کرنے کے جرم میں جناب نورسی کو پھانسی کی سزا دی جائے۔

جب اُس سزا پر عملدرآمدگی کے لئے گولی ماردستہ پہنچ آیا تو جناب نورسی نے اپنے ادائیگی فرض کے لئے پندرہ منٹ کی مہلت مانگی اور وہ بعد از وضوادائیگی دو رکعت نمازِ نفل تھی۔جب جناب نورسی مصروفِ عمل ہذا تھا تو روسی جنرل اُسی منظر کو دیکھنے کے لئے آیا کیونکہ فوری طور پر اپنی اُس غلطی کا اِحساس ہو گیا تھا اور بعد از ادائیگی نماز اُس نے کہا'' مجھے معاف کر دیں کیونکہ میں نے سمجھا تھا کہ تم نے واقعی میری توہین کی تھی اور میں یہ سب کر بیٹھا لیکن اب مجھے احساس ہوا ہے کہ تم نے تو بمطابق اپنے ایمان کیا تھا جو کیا تھا۔

تمہاری سزا کالعدم قرار دی جاتی ہے اور تمہارے ایمانِ مستحکم کی توسند سفارش ہونی چاہیے' ایک دفعہ پھر میں معافی چاہتا ہوں۔'' جناب نورسی نے اِن احوال کا بھی اظہار کیا تھا جن سے اُس کے مذہب اسلام کو ایک حوصلہ' طاقت اور احتجاجی شناخت ملی تھی۔بہر مقام اَفیون بوقت 1916ء کسی دوسری قید میں اپنے ایک شاگردِ خاص کو لکھے گئے خط میں بھی اِنہی احوال کی وضاحتیں ہیں اور یہی کہانی اخبارات میں چھپی تھی' اُس نے مزید لکھا کہ'' وہ سارے واقعاتِ جنگ

وقید واقعی صحیح تھے لیکن میں اُنہیں اِس لئے چھیڑنا نہیں چاہتا کیوں کہ اُن کا کوئی عینی شاہد نہیں ہے۔ بہر حال، مجھے پہلے پہل بالکل ہی پتہ نہ چل سکا کہ مجھے موت کے گھاٹ اُتارنے کے لئے گولی ماردستہ پہنچ بھی چکا ہے، میں بہت بعد میں باخبر ہوا۔

اور تو اور، مجھے تو یہ بھی پتہ نہ چلا کہ روسی کمانڈر نے روسی زبان میں مجھ سے معافی مانگی تھی۔ یوں کہہ لیں کہ مسلمان کیپٹن جو کہ پاس کھڑا تھا، نے اخبارات کو بتایا کہ کمانڈر نے کوئی معافی وغیرہ مانگی تھی۔ 1918ء کے موسمِ بہار میں بالشویک اِنقلاب کی لائی ہوئی اُلجھن سے فرار کے لئے جناب نورسی کو ایک راہ سلجھائی دی۔ بعدازاں آنے والے ماہ وسال میں اُس نے اپنی یادداشتی وضاحتوں میں اُن سیاہ ترین اور سرد ترین دِنوں میں اپنے فراری عمل میں پنہاں اپنی عارضی سی بیداری اور ہوشیاری کے بارے میں لکھا تھا کہ کیسے معجزاتی آسانیوں سے وہ کام تمام ہوا۔

ایک لمبے تحریری تراشے کا حوالہ دینے سے پہلے یہ حوالہ بھی ہو جانا چاہیے جو کہ ایک تاتاری بوڑھیا سے منسوب ہے جو 2002ء تک کوستورما میں زندہ تھی اور جس نے کہ وولگا میں کسی مسجد کی کھڑکی یا دروازے میں سے آٹھ سال کی عمر میں جناب نورسی کو دیکھا ہوا تھا۔ اُس کا نام عائشہ آپا تھا، مامیتی وا کی بیٹی تھی، مسجد سے آگے اُن کا گھر تھا اور وہ وہاں برائے ادائیگی نماز آنے والے کرنل (اُستاد) کو دیکھتی رہتی تھی۔ وہ مسجد میں مختلف لباس پہن کر آتا تھا، کبھی پگڑی باندھتا اور کبھی تاتاری پشم والی ٹوپی۔ جناب نورسی کے بارے میں وضاحتی بیان کچھ اِس طرح سے ہے۔

جنگِ عظیم اوّل میں شمالی روس کے دور دراز صوبہ کوستورما میں بطور جنگی قیدی میں مقیم تھا۔ مشہور دریائے وولگا کے ساتھ تاتاریوں کی ایک مسجد بھی تھی۔ اپنے دوستوں اور آفیسروں کے درمیان ایک تھکی ماندی زندگی گزار رہا تھا بلکہ وہ ایک ایسی گھڑی گھڑائی قید تنہائی تھی جس میں بغیر اجازت باہر جانا منع تھا۔ پھر مجھے دریائے وولگا کنارے مسجد اور ملحقہ تاتاری مکان تک بہ ضمانت لے جایا گیا۔ موسم بہار ختم ہونے کو تھا اور اُس مسجد میں سونا میرا معمول بن گیا تھا۔ اُن شمالی علاقہ جات کی لمبی لمبی راتوں میں کافی جاگنا بھی رہتا تھا۔

دریائے وولگا کی بے کیف موجوں کے تھپیڑوں، بارش کے چھینٹوں اور افسردہ ہواؤں کی آہوں اور سسکیوں نے اُن سیاہ راتوں میں ملبوس سیاہ جلاوطنی پر مبنی طاری بے پروائیوں سے مجھے ایک دفعہ تو وقتی طور پر ہی سہی جگا دیا۔ میں تو ہرگز اپنے آپ کو کوئی بوڑھا نہ سمجھتا تھا مگر اُس ایک بڑی جنگ سے جو کوئی بھی نبرد آزما ہوا تھا بوڑھا ہی ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ دِن ایسے تھے کہ اِس آیت سے آشکارا ہیں،

''وہ دِن جب بچوں کے بھی بال سفیدی مائل ہو جائیں گے۔'' القرآن (17-73) اور بچے بوڑھے تک ہو جائیں گے' اور جبکہ میں چالیس سال کا تھا لیکن اپنے آپ کو محسوس اسّی سال کا کرتا تھا۔

اُن طویل ترین سیاہ راتوں' افسوسناک جلاوطنی اور مایوس کُن صورتِ حال میں میں اپنی زندگی اور اپنی جنم بھومی کے لئے بڑا ہی غمگین رہتا تھا۔ میں اپنی کمزوریوں اور تنہائیوں کو تکتا رہتا بلکہ دم توڑتی ہوئی اُمیدوں کو دیکھتا چلا جاتا تھا۔ پھر' جب' اُسی صورتِ حال میں حکمت القرآن (3-173) سے اُس آڑے وقت کی مدد درآئی کہ ''ہمارے لیے اللہ ہی کافی شان والا ہے' اور وہ کس قدر عالی مرتبت قادر القادر ہے' روتے روتے میرے دِل سے حال پکار اُٹھتی کہ' میرے اللہ میں اجنبی اور اکیلا ہوں' کمزور اور ناتواں ہوں' معافی' مدد اور رحم کا طالب ہوں۔''

اپنی جنم بھومی پر بسنے والے اپنے سنگیوں ساتھیوں کے بارے میں سوچتے ہوئے اور اُس جلاوطنی میں نیازی مصری کی طرح فنا ہوتی ہوئی صورت حال کے بارے میں تصور کرتے ہوئے میری روح آگے آنے والے حالات و حادثات میں محو پرواز رہتی۔ ''دُنیاوی آلام سے نجات پاتے ہوئے' آرزوؤں کے جھولوں میں بڑی گرم جوشی سے اڑان بھرتے ہوئے' اُس لامحدود خلا کی طرف اپنے پروں کو کھولتے ہوئے اور ہر ہر سانس میں دوست دوست پکارتے ہوئے۔'' میں اپنے اُنہی دوستوں کی ہی تلاش میں تھا۔ بہرطور' اُس جلاوطنی میں کاٹی گئی لمبی راتوں' تنہائیوں' ترسناکیوں' افسردگیوں اور ایذاء رسانیوں کی زد میں آئی ہوئی میری کمزوریاں اور بے بسیاں اور پروالی خدائی عدالت میں امدادِ غیبی میں ڈھل گئیں۔ کئی دِنوں کے بعد انتہائی غیر متوقع طور پر مجھے فرار حاصل ہوا' صرف مجھے وہ روسی جو کہ پیدل یا مسافت منی بر پورا سال کے فاصلے پر تھے اُس فراری عمل سے بالکل بے خبر تھے۔

خدا تعالیٰ کی ہی طرف سے دی گئی کمزوری اور نقاہت والا عجیب وغریب انداز اور حلیہ ہی وسیلۂ فرار بن گیا۔ اور پھر' میں وارسا اور آسٹریا کو کراس کرتا کرتا بڑی ہی آسانی اور حفاظت سے استنبول تک پہنچ گیا۔ میں نے وہ ساری فراری مسافت اِتنی آسانی اور آرام سے طے کر لی تھی کہ وہ بڑے دلیر اور ہوشیار روسی بھی جسے اپنے اِختیار میں نہ لا سکتے تھے۔ اُس ایک رات کو دریائے دولگا مسجد کے کنارے کے پاس کھڑے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی باقی ماندہ زندگی غاروں میں ہی گزار دُوں۔ لوگوں میں جتنا گھل مل کر رہنا تھا رہ لیا ہے۔

کیونکہ' آخر کار' اپنی قبر میں تو مجھ اکیلے کو ہی داخل ہونا ہے' میں نے اپنے آپ سے یہ

بھی کہا کہ میں کوئی ایسی تنہائی والی جگہ ڈھونڈھ لوں جس کا کہ بعدازاں میں عادی ہو جاؤں۔لیکن یہ انداز صد افسوس کہ استنبول کی رنگین دُنیاوی زندگی اور بے نتیجہ زندگی گزار دینے والے میرے بہت سے سچے دوست اور بالخصوص مجھے ملنے والی عزت اور شہرت جنہوں نے کہ مجھے وقتی طور پر میرے حتمی فیصلوں اور فرائض سے دُور کر دیا تھا میرے واجب الادا پروگراموں سے بہت دور واقع ہوئے تھے۔ایسا لگتا ہے کہ جلا وطنی کی راتوں کی سیاہی ایک درخشاں اندھیروں کی مانند تھی اور استنبول میں دِن کے اُجالے بے چراغ اُجالوں کی مانند ہیں۔یہ زیادہ آگے تک بجھائی نہ دیتے تھے بلکہ ابتلائے غنودگی میں تھے۔تاوقت کہ دو سال بعد گودے گیلانی کی کتاب فتوح الغیب نے تو میری آنکھیں کھول دی تھیں۔

ساتواں باب

التوائے جنگ کا پہلا سال
دارالحکمت اسلامیہ میں تعیناتی اور برطانیہ کی مخالفت

فرار اور واپسی کا سفر:

استنبول کے واپسی سفر اور فرار پر مبنی جناب نورسی کی کوئی زیادہ تفصیلات نہیں ہیں۔ اُس نے اپنے بھتیجے عبدالرحمٰن کو بھی کسی قسم کی معلومات دینے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ کوستورما سے فرار پیٹر برگ تک پہنچنے میں جناب نورسی کامیاب رہا بلکہ بغیر کسی اضافی اسیری کے وہ براستہ وارسا اور وی آنا استنبول آ گیا تھا۔ وہ سارا سفر نہ تو سیدھا اور نہ ہی تیز رفتار تھا۔ وولگا کنارے مسجد میں گزاری گئی راتوں کی وضاحتیں بتاتی ہیں کہ موسم بہار جانے کو تھا تو اُس کی کوشش فرار بھی مارچ اپریل سے آگے تک نہ گئی ہوگی اور اُسی لحاظ سے وہ جون 1918ء تک استنبول بھی نہ پہنچا ہوگا۔

ایک معلوماتی ذرائع تو یہ بھی کہتا ہے کہ اُس نے برلن کا بھی دورہ کیا تھا جبکہ اُس کی باضابطہ سوانح حیات اور بھائی عبدالمجید کہتے ہیں کہ وہ براستہ جرمنی آیا تھا۔ کیونکہ اُس کے ذاتی ذرائع کے مطابق اُس کا فرار اور سفر انتہائی آرام دہ ثابت ہوا تھا تو اُس نے راستے میں کہیں کوئی وقت بھی گزارہ ہوگا لیکن اُس کی اِس ہڈبیتی کا کوئی ثبوت یا سُراغ نہیں ملتا۔ چلو' خواہ کسی بھی طرح سہی' وہ براستہ وی آنا' صوفیہ اور پھر آخری حصہ سفر بذریعہ ٹرین طے کرتا ہوا استنبول پہنچ پڑا تھا۔ صوفیہ میں اُسے ملٹری اتاشی نے پاسپورٹ دے دیا تھا' جس پر 17۔ جون 1918ء کی تاریخ درج تھی اور اِسی چیز سے نورسی پر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ مندرجات پاسپورٹ کچھ یوں ہیں۔

نام	=	سعید مرزا آفندی (لیفٹیننٹ کرنل)
فوجی دستہ	=	رضا کارانہ کرد گھوڑ سوار رجمنٹ
قومیت	=	عثمانوی
مقام اخراج	=	صوفیہ
منزل	=	استنبول (درساد)
وجہ سفر	=	اسیری سے واپسی
بتاریخ	=	17۔ جون 1918ء

جناب نورسی کے پاسپورٹ کی پشت پر اُس کی تصویر بھی تھی جو کہ جرمن حکام نے لی تھی اور ٹرین وغیرہ کا کرایہ بھی فوج کے کھاتے میں ڈال دیا گیا تھا۔ استنبول میں جناب نورسی کی آمد بھی بہت سارے اخبارات میں نشر ہوئی جن میں سے 25 جون 1918ء کے تانن اخبار میں تشہیری تراشا کچھ اِس طرح سے تھا۔ بدیع الزماں سعید کردی آفندی، ایک کرد عالم جس نے کہ کاکیشین محاذ پر بمعہ اپنے شاگردین جنگ لڑی، روس میں قید کاٹی اور اب ہمارے شہر میں اُن کی واپسی ہوئی ہے۔

استنبول:

استنبول واپسی پر جناب نورسی کو ایک ہیرو کی سی پذیرائی ملی۔ اَنور پاشا نے وزارتِ جنگ میں بڑے اعلیٰ عہدیداروں سے یہ کہہ کر جناب نورسی کا تعارف کرایا کہ "آپ اِس اُستاد محترم کو دیکھتے ہیں، یہ وہ شخص ہے جس نے مشرقی محاذوں پر روسی فوجوں کے خلاف ٹکر لی تھی، پھر اُسے بڑے نامور پاشوں کی طرف سے دعوتیں اور ملاقاتیں بھی خوب ملیں۔ الغرض اُسے بڑی عزت اور آؤ بھگت ملی بلکہ تحفۂ جنگ بھی ملا۔ ملاں سلیمان، ایک شاگردِ خاص کی یادوں کے مطابق مابین انور پاشا اور جناب نورسی گفتگو کچھ یوں ہے۔

"میں نے تانن میں جناب نورسی کی واپسی کے متعلق پڑھا، اُسے سلطان احمد مسجد بلایا اور اُس کے ہاتھ چومے۔ بعد میں وزیر جنگ انور پاشا نے اُسے وزارتِ جنگ میں بلایا اور اُس سے پوچھا کہ آپ ہیں کیسے؟ اور آج کل کر کیا رہے ہیں۔ جناب نورسی نے جواب دیا کہ اگر تو آپ مجھے دُنیادارانہ کام سونپ رہے ہیں تو وہ میرے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔ ہاں، اگر آپ کے ذہن میں متعلقہ علم اور تعلیم کچھ کرنے کو ہے تو یہ ایک الگ بات ہے۔ فی الحال جو کچھ مجھے درکار ہے

وہ ہے آرام کیونکہ دورانِ قید بطور قیدی مجھے بڑا رگیدہ گیا تھا اور میں نے بڑی مشقتیں اُٹھائیں۔''

جناب نورسی کے بڑے بھائی عبداللہ کا لڑکا عبدالرحمٰن بھی اُس سے مل گیا تھا۔ وہ مشرقی علاقہ جات کی طرف سے تبصرہ جاتِ مبنی بر جنگ ''عشرت الاعجاز'' کی صاف صاف نقول لایا اور جونہی جناب نورسی کی واپسی ہوئی اُس نے اُنہیں چھاپے چڑھادیا۔ اپنی اہمیت جتانے اور داد و تحسین کے لئے انور پاشا نے جناب نورسی کے حالات جنگ اپنی طرف سے چھاپنے کی پیشکش کی جسے کہ جناب نورسی نے قدرے قبول کرتے ہوئے کہا کہ وہ کاغذ کی بازیابی کے لئے کوشش کریں کیونکہ بوجہ حالات جنگ ترکی میں کاغذ کا حصول مشکل ہو چکا تھا جسے کہ انور پاشا نے آسان بنایا اور جناب نورسی نے عشرت الاعجاز کو چھاپے چڑھایا۔ اور دفتر شیخ الاسلام نے صوبہ بھر کے مفتیوں کو اس کی کاپیاں تقسیم کیں جنھیں کہ خوش آمدیدگی پذیرائی ملی۔

بعد از آمد جناب نورسی' پہلے چند ہفتوں کے حالات تو یہی ظاہر کرتے ہیں کہ عین درمیان استنبول مسجد سلطان احمد کے قریب پارک میں وہ بعد دوپہر ہوا خوری کیا کرتا تھا۔ اُسے پُروقار اور پُرخیال پایا گیا اور تب تک ایک نئے جناب سعید نورسی کے قالب میں ڈھلنے سے پہلے وہ مشرقی اناطولیہ کا روایتی لباس ہی زیب تن کیا کرتا لیکن جیسے کوئی مکمل مہربان شخصیت ہو۔ ایک کالی ٹوپی کے اردگرد بڑی عمدہ سی پگڑی لپیٹی ہوتی اور اُس کی ایک نوک اُس کے کندھے پر لٹک رہی ہوتی تھی۔ جس سے کہ وہ بڑے مؤثر لگ رہے ہوتے تھے۔ پہلے پہل اُس نے ایوب میں قیام کیا' پھر فاتح وینز جیلر میں اور آخر میں باسفورس کے ایشیائی اطراف میں ایک بڑی مشہور پہاڑی پر اُن کا قیام ہوا۔

برائے رہائش جناب نورسی کی ترجیح ہمیشہ بلند تر کھلے کھلے اور منظر کش مقامات رہے ہیں۔ وہاں وہ یوسف اریتین پاشا کروسک نام کی ایک پرانی سی عمارت میں رہائش پذیر ہوئے جسے کہ انور پاشا نے ہی اُن کے لئے مختص کیا ہوگا۔ لیکن جناب نورسی کو آرام اور اپنی بحالی کے لئے ہرگز وقت نہ ملا۔ 12۔ اگست 1918ء کو دار الحکمت اسلامی کے نام سے ایک تعلیمی مشاورتی اسلامی درسگاہ بنائی گئی' اور اگرچہ شیخ الاسلام کی مشاورت سے بنائی گئی تھی لیکن جناب نورسی کو بغیر اُس کی اجازت فوج کی طرف سے نامزد کر دیا گیا۔ اور پھر' قبل از روانی درس ہذا اور برائدازِ بہتر آگاہی مسائل کے لئے جناب نورسی کے رویوں کو سامنے رکھنا پڑا' لہٰذا اُس کے خیالات اور سرگرمیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اُن دِنوں کے تلخ واقعات کو شاملِ تحریر کرتے ہیں۔

خلاصۂ حالات از 1918 تا 1922ء:

مرکزی طاقتوں کی طرف سے سلطنت عثمانیہ کو جنگ میں ملوث کرتے ہوئے اتحاد و ترقی کے سربراہان اِس کے اثاثوں کی منتقلی کو بھی اپنے ہاتھوں میں لے چکے تھے کیونکہ اِس کی شکست کے بعد فاتحین بالخصوص برطانیہ سلطنت عثمانیہ جیسے اپنے قدیمی حریف کی فیصلہ کن توڑ پھوڑ کرنے اور اُسے اپنے کنٹرول میں رکھنے کے قابل یقیناً ہو جاتا۔ 30۔اکتوبر 1918ء کو ترکی اور برطانیہ سے دستخط شدہ موڈراس اُلتوائے جنگ کی شرائط سنتے ہی سلطان کو بھی بڑبڑاتے ہوئے سنا گیا کہ یہ التوائے جنگ یا کوئی صلح وغیرہ نہیں بلکہ مشروط ہتھیار پھینک پروگرام ہے۔

معاہدے کے اگلے ہی دِن CUP کے سرکردہ ممبران نے ملک ہذا کو بھی برلن کی راہ پر ڈالتے ہوئے 13۔نومبر کو 55 بحری جہازوں پر مشتمل جنگی بحری بیڑہ استنبول کے سرہانے آن لنگر انداز ہوا جس میں معاہدہ ہذا کی سراسر خلاف ورزی کے طور پر چار عدد یونانی جنگی جہاز بھی شامل تھے اور 8۔دسمبر کو ایک فوجی اِنتظامیہ بھی نظم وضبط میں آ گئی۔ترک مسلمانوں کی دِل آزادی اور حوصلہ شکنی کے لئے اور کیا ہو سکتا تھا کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے فاتح فوجیں استنبول میں داخل ہو رہی تھیں اور عثمانوی یونانی' یہودی اور آرمینی اُنہیں والہانہ مبارک بادیں دے رہے تھے۔فرانسیسی جنرل فرنچیٹ ڈسپیرے ایک سفید گھوڑے پر سوار ہو کر بطرف فرنچ سفارتخانے استنبول کی گلیوں میں سے یوں گزرا جیسے کوئی بہت بڑا فاتح بادشاہ یا شہنشاہ ہو۔

سلطنت عثمانیہ سے ہی متعلقہ بہت سارے جنگی خفیہ معاہدے اُن مطلق طاقتوں نے ہی طے کیے تھے۔ 1917ء میں جب روس نے بالشویک اِنقلاب میں اپنے دعوؤں سے دستبردار نہ ہونا چاہا تو اُس کی جگہ اِٹلی نے لے لی تھی اور جب اُسی سال یونانی وزیراعظم وینزیلوس نے بھی اپنے ملک کو ہر وقت اُس جنگ میں جھونک دیا تو یہ بھی معاہدہ ازمیر کے مطابق اَنجین نامی ترکی کے ایک حصے سے متعلقہ تھا بلکہ یہی وہ علاقہ تھا جو پہلے سے ہی اِٹلی کی جھولی میں بھی ڈالا جا چکا تھا۔معاہدہ التوائے جنگ پر دستخط ہونے پر فرانسیسوں نے جنوب میں جنوبی ترکی پر قبضہ کر لیا اور جیسا کہ پہلے ذِکر ہوا فروری 1919ء میں اُن کے دستے استنبول میں داخل ہو گئے تھے۔

29۔اپریل کو اٹالین دستے انطالیہ میں جا اُترے۔برطانیہ نے ڈارڈینیلس اور دوسرے جنگی حکمت عملی میں اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔آرمینیوں نے شمالی خطہ جات میں ایک

آرمینی ریاست بنانے کی تیاری اور تلافی ٹھان لی جبکہ یونانیوں نے بھی سیاہ سمندری خطہ جات نئے سرے سے پونٹس کی یونانی ریاست بنانے کے ارادے باندھ لئے۔ درحقیقت وینز یلوس اور بہت سے یونانیوں نے تو بائیزانٹائین کومنی بر استنبول جو کبھی قابلِ قدر بازنطینی دارالحکومت تھا' عظیم تر سلطنت بنانے کی نیت تھی۔ اور جب 15۔ مئی 1919ء کو فرانسیسیوں' برطانویوں اور امریکی بحری بیڑوں کی معاونت سے ازمیر پر چڑھائی کرآئیں تو اِس سے اناطولیہ کے مسلمان باشندوں کو حملہ آوروں کے خلاف مزاحمت میں ایک نئی چنگاری ملی۔

اور پھر تین چار سال کی ہی جدوجہد اور جنگ و جدل کے بعد اُنہوں نے ملک کو جارحیت پسندوں سے آزاد کرالیا۔ لیکن اُس کارنامے کے مقابلے میں کوئی متحدہ محاذ نہ تھا' جبکہ بہت سے گروہ اناطولیہ میں لڑائی لڑ رہے تھے مگر قوم پرست طاقتوں کے استنبول میں بہت حامی تھے' جن میں کچھ پارلیمنٹ نائبین' از خود سلطان' بڑے بڑے مشہور سیاستدان علماء اور جناب نوری بھی' جو اُن کی مخالفت میں تھے اور سمجھتے تھے کہ سلطنت عثمانیہ کی بہتری قابض طاقتوں کے تعاون اور اشتراکِ عمل میں تھی۔ جب قوم پرستوں کے حامیوں نے استنبول میں طاقت پکڑلی اور نئے چہروں کے ساتھ جنوری 1920ء میں پارلیمنٹ بھی کھول دی گئی جس نے کہ مارچ میں برطانوی دستوں کے لئے شہر پر غلبے کی نئی راہیں روشن کردیں اور بڑے وسیع پیمانے پر گرفتاریاں اور دربدریاں عمل میں آنے لگیں۔ اگلے ہی ماہ خاطر خواہ قسم کے برطانوی دباؤ پر سلطان نے اسمبلی تحلیل کردی اور خاطرِ خاص مندلیش سعئی الاسلام سے فتوئ لے لیا گیا کہ قومیت پرست باغی ہیں اور انہیں قتل کر دینا چاہئے اور پھر اُن کی سرکوبی کے لئے ایک فوج بھی متعین کردی گئی۔

انقرہ جو کہ قومی تحریک کا مرکز اعلیٰ بن گیا تھا' ایک نئی نمائندہ اسمبلی بھی وجود میں آگئی اور 23۔ اپریل 1920ء کو گرانڈ ترک اسمبلی اپنے ابتدائی کام کی شروعات بھی کر چکی تھی۔ لیکن اگست 1920ء کو معاہدۂ علیحدگی (دونکڑے) پر دستخط استنبول کی حکومت ہی کی رضامندگی سے ہو [illegible] تھے کہ قوم پرستوں نے لوگوں کی زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کی تھی۔ ختم مزاجی دستاویز [illegible] والے دستخطوں نے اس حد تک برداشت میں غصہ بھر دیا تھا کہ طاقت کے توازن [illegible] ترکی کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کرنے کی نیت اور عمل کو جائز قرار دینے کی کوششوں [illegible] آزادی کی حامل ریاستوں کی دیانت دارانہ علاقائی قلم روی میں ہتھیار پھینکنے کی تشریح و تسریح نے اُنہیں غیر ملکی غاصبوں سے ملک کو آزاد کرانے کی سعئی لامحدود دے دی۔

راہِ جنگ آزادی پر بیانِ آرائی تو اِس کتاب کی گنجائش سے باہر ہے لیکن اس حد تک قابل ذکر و تحریر ضرور ہے کہ تا حد التوائے جنگ 1909ء تا 1920ء ترک قوم بہت سی جنگوں میں مبتلائے حالات ہوتے ہوئے تھک ہار کر کردوں کی شرحِ پیائش میں کافی حد تک کنگال ہو چکی تھی۔ آخر شکست اتحادی فاتحین نے عثمانوی فوج سے ہتھیار لے کر اُسے اُن کی ٹوپیوں پیٹیوں سے آزاد کر کے تیتر بتر کر دیا اور اُس غیر متوقع تقسیم حالات و ملک نے بوجہ مذہب اسلام اور یقین خداوندی کے ایما پر ترکوں کو ایک سچی آخرت اور فتح سے ہمکنار کر دیا۔

درحقیقت مذہب اور مذہبی لوگوں نے اُس جنگ میں اعلانِ جہاد کے نام پر ایک بہت بڑا کردار ادا کیا اور بمعہ حکومت انقرہ جو سب کا مقصد واحد واعظم بن گیا تھا وہ سلطان اور خلیفہ کو دشمن کے نرغے سے بحفاظت نکالنا تھا۔ اُن کی فتح مبین التوائے جنگ مدانیا سے منسوب کی گئی جس پر کہ 11۔ اکتوبر 1922ء کو برطانیہ اور ترکی کے دستخط ہوئے تھے بلکہ 24۔ جولائی 1923ء کو معاہدہ لاثانی نے تو ایک لحاظ سے بین الاقوامیّت کی حیثیت بھی اختیار کی تھی۔ آزادی کی جنگ میں ترکوں کی فتح صرف بہت سی یورپی طاقتوں کی سرمایہ دارانہ سوچوں کا ہی شاخسانہ نہ تھی۔ جیسا کہ پہلے سے طے کیا جا چکا ہے کہ معاملات کو وسیع تر تناظر میں دیکھنا چاہیے کہ ترک قوم تو سینکڑوں سالوں سے مغربی عیسائیوں کے خلاف دُنیائے اِسلامی کا علم اُٹھائے نبرد آزمائی رہ چکی تھی۔

''ترک'' مذہب و مفہوم اِسلام کا ایک معیار متعیّن کرنے والا ''لفظ'' ہے۔ جب وہ برخلافِ مغرب فاتح تھے تو بنام اِسلام تھے اور جب شکست سے دوچار تھے تو بھی بنائے اسلام ہی تھے جس کی نمائندگی اُنہوں نے اِس مفہوم میں کی کہ صدمات و آلام میں بھی وہ راہِ ہدایت پر ہی ہوتے ہیں۔

جب عثمانوی مادی دوڑ میں مغرب والوں سے پیچھے رہ گئے تو حاصل حالات یہ رہے کہ یورپی عیسائیوں نے اُسے اپنی تہذیبی برتری سمجھ لیا۔ اُن کے لالچ کے جواز کے لئے ایک یہ پہلو بھی دیکھنے میں آیا کہ بیمار ذہنیت کے حامل یورپی حاکم کی ریاستی حدود پر انتظامی معاملات میں ایک دوسرے سے بھی الجھتے چلے گئے۔ برطانویوں کو ''ترکی کے جھنڈے کے سب سے بڑے دشمن'' کہہ کر اُن کے ایک ہم عصر فرانسیسی مصنف نے اُن پر خوب روشنی ڈالی اور یہی وہ مقام برطانوی سرمایہ دارانہ تھا جس کی مزاحمت کاری کے لئے اِسلام آگے بڑھا تھا۔

دُنیائے اِسلامی کو بے بس منقسم اور مفتوح کرنے کے لئے کی گئی کوششوں میں عثمانیوں

کو کسی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی تھی بلکہ حکمت خلافت اور تحریک اتحادِ اسلامی کے نتائج بھی مثبت تھے۔ پہلی جنگ عظیم اوّل کے دوران عربوں کی سلطنت عثمانیہ کے خلاف بغاوت اور بعد ازاں سلسلۂ الگ ریاست ہائے عرب عثمانیوں کے خلاف برطانیہ کی گئی گہری قسم کی جاسوسی اور کھڑی کی گئی منفی تشہیری مہم کا نتیجہ تھا۔ 1918ء میں سلطنت عثمانیہ کی شکست کو اتحادی فاتحین کی نظر سے یوں دیکھا گیا کہ جیسے نہ صرف مغرب نے اسلام پر اور مغربی تہذیب نے اسلامی تمدن پر بلکہ صلیب نے ہلال پر برتری پائی ہے۔

سقوطِ استنبول کو ایک نظر اس طرح بھی دیکھ لینا چاہیے اور ذہن میں بھی دیکھنا چاہیے کہ مقالۂ معاہدۂ امن کی شرائط دانت کھٹے کر دینے والی تھیں بلکہ دوسری مفتوحہ قوموں پر تو یہی شرائط اور بھی زیادہ سخت تھیں۔ برطانیہ اور فرانس کی قدیمی دشمنی کی دبی ہوئی خرافاتی خواہشات بھی ویسی کی ویسی ہی تھیں۔ سمندر پار تک بہت سی وزارتِ خانہ جات میں عہدیداران متعیّن کرتے چلے جانے پر حکومت کی اپنی حیثیت بھی کٹھ پتلی کی سی ہو کر رہ گئی تھی اور کئی سالوں سے عیسائی اقلیت و ریاست عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر اُکساتے چلے آنے کے بعد اب وہ اُنہیں مقامی حکومت اور افسر شاہی میں مستحکم ہونے کی حوصلہ مندی دے رہے تھے۔ ترک مسلمانوں کے اپنے ہی ملک میں اُن کے خلاف روا رکھے جانے والے امتیازی فرق کے نتیجے میں تو پھر عیسائی بچے ہی سکول وغیرہ جا سکتے تھے۔ اتحادی فاتحین اور قابضین کے اپنی بے حس آنکھیں پھیرتے ہی آرمینیوں اور یونانیوں نے ہزاروں مسلمانوں کے خون میں خوب ہاتھ رنگے تھے۔

غیر ملکی قابضین افواج کے ساتھ مسائل بھی بہت سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور معاملات ہذا میں تو فاتحین کے ہی تہہ در تہہ رویوں نے اُن کے غصے کی شدت کو بھڑکایا۔ واحد مسئلہ یہی نہیں تھا کہ قابضین گروپوں کی تعداد میں زیادتی' آرام اور اِحساس ذلت شکست کے لئے جس دِل گردے کی ضرورت تھی وہ ابھی پوری ہونا باقی تھا بلکہ اسلام کو نیچا دکھانے کے لئے ایک تہہ در تہہ عیسائیت آمیز منصوبہ سازی تھی اور پھر شراب و شباب جیسے غیر اخلاقی افعال سے آرائش و زیبائش یافتہ تہذیبی برائیوں سے ترکوں کی اخلاقی جڑھیں مارنا بھی تھا۔

گرانڈ نیشنل اسمبلی میں جناب نورسی نے ذرا بعد میں بتایا کہ مغربی تہذیب تو ایک عرصہ سے اپنی فکر سائنس اور تعلیمی سفیروں کے علاوہ بھی دیگر ذرائع سے دُنیائے اسلامی پر حملے کرتی چلی آ رہی ہے اور پھر کسی حد تک اِس پر اُس نے مادی لحاظ سے غلبہ بھی حاصل کر لیا ہے جس

کے جواب میں مذہبی طور پر تو اِس کا بال بھی بیکا نہیں کیا جا سکتا ہے۔اب تو یوں لگتا ہے کہ اِس غیر مقدس و متبرک مقصد کے لئے ایک سٹیج سجا دیا گیا ہے۔

جناب نورسی اور دارالحکمت اِسلامی:

پیچھے دی گئی وضاحتی تحریروں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دارالحکمت اسلامی کی اِختیاراتی سطح پر ایک عالم فاضل دماغ کی کتنی بڑی ضرورت تھی۔سال کے شروع میں اِس کی انتظامیہ پارلیمنٹ میں اِس سے متعلقہ بل تو پیش کر چکی تھی لیکن وہ اپنے اندر سموئے ہوئے بہت سے موضوعات کی وجہ سے خطرات سے بھرپور تھا' کیونکہ اُس میں اِسلامی دُنیا کو درپیش مسائل کے حل ڈھونڈھنے تھے' اُس پر ہونے والے حملوں کے علمی اندازِ بیان وتحریر میں جوابات چاہیے تھے اور مذہب اسلام کی تحقیر کے لئے کی جانے والی مقابلہ آمیز کوششوں کی وجوہات بھی چاہیے تھیں اُس بل میں متعلقہ بااختیارات محکمہ جات کو اسلامی اِخلاقیات پر ہونے والی طعنہ بازی پر طاقت کے استعمال کی بھی سفارش کی گئی تھی۔اندرونی بیرونی خطرات سے آگاہی دیتے ہوئے سوال و جوابات کی صورت میں اور مختلف مطبوعات کے ذریعے مذہبی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے ترک عوام کی ایک لحاظ سے خدمت بھی کی گئی تھی۔

آخر میں' تمام صوبوں کے ساتھ بڑے بڑے شہروں میں اِس کی شاخیں بھی قائم کی گئی تھیں۔اور ایک وقت پر تو ایک پرنسپل اور دیگر افسران پر مشتمل اِس کے نو اراکین تھے۔ محمد عاکف اِس کا پہلا سیکرٹری تھا۔ارکین جو کہ تمام علماء حضرات ہی تھے' تین کمیٹیوں میں تقسیم کر دیئے گئے' یعنی' عدلیہ (فقہ) اخلاقیات اور علمِ دین۔دارالحکمت اسلامی کے چار مختصر سے سالوں کے قیام میں جناب نورسی بھی اُس کا باقاعدہ رکن رہا۔نومبر 1922ء میں جب انقرہ حکومت نے سلطنت کو تہہ کر کے رکھ دیا تو ادارہ ہذا بند ہو گیا۔تاہم' جہاں تک ہمارا قیاس کام کرتا ہے ضروریاتِ دارالحکمت اور اراکین ادارہ کی کوششوں کے برعکس حالات ہی حصول مقاصد کی راہ میں بڑے روڑے تھے۔

جناب نورسی کی حاشیہ آرائی کرنے والی بہت سی دارالحکمت اسلامی کی دستاویزات اب بھی موجود ہیں اور آگے دی گئی شیخ الاسلام کی سرگزشت کے مطابق خلیفہ کے حکم پر اُس کی تعیناتی منصب ماہرین پر ہوئی تھی۔سب سے پہلے تو وزارت جنگ کی طرف سے اُس کی تعیناتی کے سفارشی دستخط شیخ الاسلام کے حوالے سے انور پاشا نے کئے تھے۔(مبنی بر تعریفی و توصیفی کلمات

درخواست کی جاتی ہے کہ مجاہدانہ طور پر مختلف قبائل کو لڑائی پر آمادہ اور آگے پیچھے کرنے اور اپنے باپ دادا کی جنم بھومی کے لئے خدمات پر عوام الناس میں بیداری کی لہر پیدا کرنے والا بدیع الزماں سعید آفندی، جس نے بطلس کے مقام پر روس کے خلاف جنگ میں حصہ لیا' قیدی بنا اور اب حال ہی میں جس کی واپسی بھی ہوئی ہے کو مذہبی اِنتظامیہ میں اُس کے علمی رُتبے کے مساوی تعینات کرلیا جائے)

10۔اگست 1918ء(10-1334)ڈپٹی کمانڈر انچیف/ وزیر جنگ۔انور از دفتر شیخ الاسلام۔212...............عزت مآب

برمقام معقول وزارتِ جنگ کی طرف سے تائید کی جاتی ہے کہ بدیع الزماں سعید کردی کو جس نے برمقام بطلس روسی فوج کے خلاف جنگ میں نمایاں حصہ لیا' قیدی ہوا' حال ہی واپسی ہوئی ہے' اپنی مجاہدانہ کاوشوں' قبائلیوں کو جنگ میں جھونکنے اور لوگوں میں باپ دادا کی جنم بھومی کی حفاظت کے لئے حوصلہ مندی بخشنے کے عوض اور اعزاز میں مذہبی اِنتظامیہ میں باقاعدہ ایک قدر و منزلت دی گئی ہے۔

دفتر شہنشاہی نے دستاویزاتِ پر دوبارہ پر سوچ بچار کے بعد اِسے انتہائی معقول قرار دیا ہے کہ مذکورہ شخصیت جو کہ حال ہی میں دارالحکمت اسلامی کے لئے متعین کی گئی ہے' روانہ اور حاضر بھی کردی گئی ہے اِسے ماہر بیج کے عہدے کے برابر مرتبہ دیا جائے۔کہیں بھی خلیفہ شہنشاہی کی طرف سے کوئی تخفیف یا تخصیص وغیرہ سامنے آتی ہے تو' جناب عالی' وہ جلدی اور عجلت کی بناء پر کی گئی تعمیل کی وجہ سے ہی ہوگی۔(ذالعقد 17-1336)

24۔اگست 1918ء شیخ الاسلام......موسیٰ کاظم......دفتر شیخ الاسلام......محمد وحید الدین' بدیع الزماں سیّد آفندی بطور رکن دارالحکمت اِسلامی کو اعزازِ ماہر بیج سے نوازا گیا ہے۔دفتر دارالحکمت اسلامی اِس حکم شہنشاہی کی تعمیل کرتا ہے۔(ذالعقد 18-1336/ اگست 25-1331)......شیخ الاسلام......موسیٰ کاظم۔

جیسا کہ کہیں پیچھے ذکر ہوا کہ استنبول واپسی ہو جانے پر 1903ء تا 1928ء تک جناب نورسی اپنے بھتیجے عبدالرحمٰن کے ساتھ منسلک رہا۔اپنی پندرہ سالہ اوائل اور کمزور عمری کے باوجود وہ لڑکا بڑا ذہین قابل اور شاگردین جناب نورسی میں بھی بڑا مقبول تھا' بلکہ جناب نورسی کا روحانی بیٹا بنا ہوا تھا۔وہ اپنے چچا کے پاس سالہا سال تک رہا' اُسی دوران ہی اُس نے اپنی سوانح

حیاتِ بھی لکھی۔ یہ کل پینتالیس صفحات پر مشتمل تھی اور ذرائع معلومات جناب نورسی کی حیاتِ اولین تھی۔ یہ 1919ء میں استنبول میں چھپی تھی۔

اب آگے آنے والی تحریر اُس ایک ضمیمے جیسے مطبوعے میں سے جناب نورسی کی دار الحکمت اسلامی میں تعیناتی پر سے ایک راستہ سا ہے جس میں سے وہاں پر اُس کی سرگرمیوں پر مبنی نتائج بھی آجاتے ہیں۔ ''میں نے اپنے چچا سعید کردی کی زندگی پر روشنی ڈالی ہے جو کہ مجموعہ جاتِ لیمیت کے مصنف تھے اور اپنے کام میں آخری حد تک خودمختار تھے۔ دو سال تک کے لئے فرائض دار الحکمت اسلامی کی وجہ سے اُن پر بہت بوجھ رہا' اِس لیے وہ کہا کرتا تھا کہ ''میں نے یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ تو دیا ہے پھر بھی چاہتا ہوں کہ اِس ضمن میں قوم کو بھی کچھ نہ کچھ دے دوں۔ اور' اب میں چند لفظ لکھ رہا ہوں کہ کیسے میرے چچا نے فرائض دار الحکمت اسلامی کے دوران اپنے حصے کا کام تمام کیا۔''

1918ء (1334ھ) یعنی دو سال پہلے کی یہ بات ہے کہ میرے چچا کو بغیر اُن کی منشاء کے دار الحکمت اسلامی کا رُکن خاص مقرر کر دیا گیا۔ لیکن اُسے اُس کی اسیری نے بڑی بری طرح بدحال کر رکھا تھا لہٰذا اُس نے کام نہ کر سکنے کی بناء پر دو سال کے لئے چھٹی ہی لے لی تھی۔ حقیقت تو یہ بھی ہے کہ اُس نے تو بہت سے مواقع پر اُس کارِ خیر سے مستعفی ہونے کی بھی کوشش کی مگر اُس کے احباب نے ہی اُس کی جان نہ چھوڑی۔ لہٰذا وہ سلسلہ چلتا رہا اور اِس طرح سے وہ ڈھائی سال کا عرصہ بیت گیا۔

شروع میں ہی میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ اپنے طور پر کوئی بھی اپنا کام وقت پر نہیں کر پاتا تھا جو کوئی اُس سے اُس کی کفایت شعارانہ زِندگی کے بارے میں سوال کرتا تو وہ کہہ دیا کرتا تھا کہ میں مسلمانوں کی اکثریت کی طرح ہوں اور وہ اکثریت زیادہ سے زیادہ یہی تیر مار سکتی ہے۔ دار الحکمت اِسلامی کی طرف سے ملنے والی تنخواہ میں سے بہت ہی تھوڑی مقدار میں ایک رقم اپنے پاس رکھ کر بچتی رقم میرے حوالے کر دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ اسے سنبھال کر رکھنا۔

لیکن میرے چچا کی مجھ پر مہربانی اور اُس بچی ہوئی رقم کے متعلق حقارت ملاحظہ کریں کہ میں اُن کی سال بھر کی اُس بچت کو اُن کی اجازت کے بغیر ہی کہیں نہ کہیں خرچ کر دیا کرتا تھا۔ اُس ساری رقم کو خرچ کر ڈالنے کا تمہیں قانونی اور شرعی اختیار نہ تھا اِس رقم کا قوم سے بھی کوئی واسطہ تھا' تم نے کیوں یہ خرچہ کیا لیکن جب تک کہ یہ مسئلہ سیدھا ہو میں تمہیں اِس فرائض منصبی سے

سبکدوش کرتا ہوں اور خود یہ ذمہ داری لیتا ہوں۔ لہٰذا اُس کے بعد اُس نے بیس لیرے میرے لئے اور پندرہ اپنے لئے علیحدہ کرنے شروع کر دیئے۔ دیگر اخراجات بھی اُس کے اُن پندرہ لیروں میں ہی پنہاں رہے۔

یوں کہہ لیں دس بارہ لیرے ہی اُس پر ماہوار خرچ ہوتے تھے۔ جو کچھ وہ پس انداز کرتا وہ اِس سب کچھ سے ہٹ کر ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اُسے خیال آیا کہ بسلسلۂ مذہب اُس کے بارہ عدد کام چھپنے والے ہیں تو اُن پر اُس نے وہی پس انداز کی ہوئی رقم خرچ کر ڈالی جو کہ کوئی سو لیرے کے لگ بھگ تھی۔ پھر ایک یا دو موقعوں کی مناسبت کے علاوہ وہ سب مطبوعات اُنہوں نے مفت میں ہی بانٹ دیں تو میں نے پوچھا کہ اُنہیں فروخت کیوں نہ کیا تو مجھ سے کہنے لگے کہ اپنی تنخواہ میں سے صرف زِندہ رہنے کے لئے ہی مجھے کچھ لے لینے کی اِجازت ہے اور بس۔

اِس سے زیادہ جو کچھ بھی ہے وہ قوم کی ملکیت ہے اور اِسی بہانے میں قوم کا اپنے اوپر قرض واپس کر رہا ہوں۔ دار الحکمت میں بھی اُس کی فرائض آوری اُس کے ذاتی جوش و جذبے والے کاموں کی نوعیت کی سی تھی۔ اُس دوران بھی اُس نے وہاں کافی ساری قباحتیں ملاحظہ کی تھیں۔ لوگ جو اُس سے آگاہی رکھتے تھے دیکھ رہے تھے کہ اپنی زندگی کی بے ثباتی کی بناء پر فکر کفن پوشی میں لگا ہوا ہے۔ یہی وجہِ اغلب تھی کہ وہ معاملاتِ دار الحکمت میں چٹان کی طرح ڈٹ جایا کرتا تھا اور اُس دار الحکمت کو غیر ملکیوں کے ہاتھوں ہتھیار بھی ہرگز نہ بننے دیا۔ وہ غلط مسلط فتوؤں کے آگے بھی ڈٹ جایا کرتا اور جب ایک دفعہ خلافِ اسلام ایک شوشہ چھوٹا تو اُس نے اُسے نیست و نابود کرنے کے لئے اپنا اشاعتی زور بھی خوب لگا کر دکھایا تھا۔

معاملہ ہٰذا کے ماضی میں جھانکنے کے لئے یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ 30۔ اکتوبر 1918ء کو سقوطِ استنبول اور معاہدہِ التوائے جنگ پر دستخط کرتے ہوئے کلی طاقتوں کے حاملین کو اِس سے متعلقہ قانونی پہلوؤں پر نظر رکھنی تھی کہ ہر لحاظ سے ہتھیار پھینک کر عثمانوی افواج کی نقل و حرکت پر پابندی اور عمل معاہدہ اُمن کو سرد خانوں کی نذر کرنا صرف سلطان اور عثمانوی حکومت کو زیر بار کرنا تھا کہ وہ ترکی کی تقسیم کے لئے اُن کی عملداری کے تسلسل کی حمایت جاری رکھیں۔ اِس پیش منظر میں CUP کے سرکردہ اراکین تو میدان ہی چھوڑ گئے تھے البتہ اِس کے ممبران اور حمایت گان ابھی تک فوج، پارلیمنٹ اور دوسرے اداروں کے سر پر سوار تھے۔

اُن کے کوچ کرنے سے قبل سابقہ سربراہانِ نے قابضین کے خلاف کچھ نہ کچھ مزاحمتی

ساز و سامان جوڑ لیا تھا اور نہ صرف استنبول بلکہ اناطولیہ میں بھی یہی صورتِ حال تھی۔ جولائی 1918ء میں سلطان رساد کو وحید الدین کی حمایت میں کوئی کامیابی کی کرن نظر آئی کیونکہ وہ اُس CUP اور اُن قومیتی کوششوں کا زبردست مخالف تھا اور اپنے برادرِ نسبتی (داماد فرید پاشا کی) آزادی اور اتفاق (FAP) پارٹی کا زبردست حامی تھا۔

بعد ازاں تذکرے میں آنے والی پارٹی نے نہ تو قابضین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی تھیں بلکہ بعد میں فاش ہونے والے رازوں کی رو سے وہ تو زیادہ سے زیادہ برطانویوں کے ہی نقش قدم پر جوق در جوق چل رہے تھے اور دلیل یہ دیتے تھے کہ صرف اور صرف اُنہی کے زیر سایہ ہی ترکی کی کوئی بچت اور عافیت ہے۔ 1919ء اور 1922ء کے درمیان ہی داماد فرید پاشا نے اپنی پانچ رُکنی کابینہ بنائی کیونکہ اُس وقت تک پارلیمنٹ میں طاقت سازی کے لئے اُس کے پاس بنیادی پتھروں کی بڑی سخت کمی تھی۔

اس کے پاس اگر کوئی ہتھیار تھا تو وہ صرف اور صرف برخلاف یونینسٹ محاذ اور قوم پرستوں کی مخالفت برائے مخالفت تھی۔ وہ جو کابینہ اور وزارتیں مشاورت بن رہی تھیں قابض طاقتوں کے تعاون اور معاونت کی ہی مرہونِ منت تھیں اور اگر ان کی زیر ہدایت نہیں تھیں تو زیر بار اور دباؤ میں تھیں ہی۔ FAP فرینڈز آف انگلینڈ ایسوسی ایشن کے بڑی قریب تھی جو کہ برطانوی سرمائے سے برطانوی مفادات کی دیکھ بھال کے لئے وجود میں آئی ہوئی تھی۔

اُس کے بنیادی عناصر میں سے ایک برطانوی دفتر خفیہ کا ناظم اعلیٰ ڈاکٹر فریو ہیں استنبول میں ہی براجمان تھا۔ اُس ایسوسی ایشن کا مقصد خاص یہی تھا کسی بھی ذرائع سے برطانوی فرمانروائی کی حمایت حاصل ہونا کہ اُن قوم پرستوں کی اشک شوئی ہو۔ لہٰذا اس پیش منظر میں اور اُس دار الحکمت میں اب جناب نورسی کی بڑی سے بڑی سرگرمی قابض طاقتوں کی تقسیمی تگ و دو اور بدعنوان اشتراکِ عمل اور بادِ سموم سے نبرد آزمائی تھی۔ جس طرح کہ اس کا لائحہ عمل ہونا چاہیے تھا کوئی واضح طور پر ویسا ہو نہ سکا۔

یوں کہہ لیں کہ جب برطانیہ اپنے ہر علاقائی اثر اور طاقت کو استنبول پر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہا تھا تو جہاں تک دار الحکمت اسلامی کا تعلق تھا جناب نورسی نے اُس طاقتور حکومت اور اُس کے اداروں کے اثرات کم کرنے کے لئے کام ضرور کیا۔ بمثال سب سے زیادہ جو اُس پر دباؤ تھا وہ اناطولیہ میں قومی طاقت کے دھاروں کے خلاف کتابچے وغیرہ چھاپنے پر تھا۔ دوسری مثال

قومی طاقتوں کی حوصلہ شکنی کے لئے مشہور فتویٰ ہی تھا۔ (جبکہ) جناب نورسی نے اُس کی تردید بھی شائع کی تھی۔

مارچ 1920ء میں براستہ محلاتی سازشیں استنبول پر دوبارہ قبضے کے لئے برطانوی حکام نے شیخ الاسلام کے ناظم اعلیٰ دوری زیدی عبداللہ آفندی کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی جگہ حیدری زادے ابراہیم آفندی کو اپنا جانشین مقرر کرے لیکن وہ دستخط کرنے کی بجائے مستعفی ہو گیا ایک ایسا فتویٰ جاری کرنے سے پہلے جس میں 10۔ اپریل 1920ء کو اناطولیہ میں مختلف قومیتی گروہوں کو مسلمانوں کی مزاحمت کے خلاف خونریزی کی سند ہو۔ تو آخر کار اناطولیہ ہی سے مفتیوں اور 60 علمائے کرام کے دستخطوں سے جاری کردہ ایک عدد فتویٰ بھی سامنے آ گیا ان میں سے گیارہ انقرہ اسمبلی کے نائبین تھے۔ اِس سے ظاہر تو یہی ہوا کہ دشمن کے دھمکی آمیز وعدوں میں لیا جانے والا فتویٰ بیکار اور کالعدم ہی تھا جس میں قومیتی جدوجہد کو جہاد کہا گیا۔

ایک ایسی حکومت اور دفتر شیخ الاسلام جو کہ برطانیہ جیسے دشمن کے قبضے اور کنٹرول میں ہو، بالغ آزاد ماحول میں حاصل شدہ فتویٰ فرسودہ اور غور طلب بھی نہیں ہونا چاہیے۔ وہ جو دشمن کے ارادوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں ہرگز مزاحمتی اور باغی نہیں ہیں ایسا سیاہ رو فتویٰ واپس ہونا چاہیے۔ اُس نے دلائل دیتے ہوئے کہا کہ کیونکہ یہ بہت بڑے قانونی فیصلے پر مشتمل ہے اور کیا ہی اچھا ہوتا جو قبل از فیصلہ دونوں فرقوں کو مدنظر رکھا جاتا۔

اُس نے لکھا کہ "یہ صرف ایک فتویٰ ہی نہیں ہے کہ اِسے کسی جواز میں لایا جاتا۔ یہ ایک ایسا فتویٰ ہے جو قانونی فیصلے پر مشتمل ہے، فتوے اور قانونی فیصلے میں فرق یہ ہے کہ اِس کا موضوع عام ہوتا ہے خاص نہیں ہوتا نہ ہی محدود ہوتا ہے۔ جبکہ قانونی فیصلہ قطعی اور محدود ہوتا ہے۔ اور جہاں تک یہ فتویٰ ہے تو یہ بھی قطعی ہی ہے، جو کوئی بھی اِسے دیکھتا ہے لازمی طور پر اِس کا مقصد بھی سمجھ جاتا ہے کہ یہ محدود ہی ہے کیونکہ آخر کار اِس میں وجہ یہی پوشیدہ ہے کہ مسلمان عوام الناس کو قومیتی قوتوں کے خلاف اکسایا اور اُٹھایا جائے۔

یہ فتویٰ قانونی فیصلے پر ہی محیط ہوتا ہے لیکن ایک قانونی فیصلے میں تو یہ ہوتا ہے کہ دونوں پارٹیوں کے لئے اُس میں ایک تحکمانہ مفہوم ہوتا ہے۔ اناطولیہ کو بھی بولنے کی اجازت ہونی چاہیے تھی۔ بحق اسلام علماء اور سیاست دانوں کی کسی کمیٹی کے دعوؤں اور منہ توڑ جوابی فیصلوں کے بعد بھی یہ فتویٰ دیا جا سکتا تھا۔ درحقیقت اِن دِنوں حالات کے بندھن بڑھائے جا رہے

ہیں۔مخالفین اپنے نام اور چہرے بدل رہے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے نعم البدل بن رہے ہیں۔جبر واستبداد کو انصاف کہا جا رہا ہے' جہاد کو بغاوت اور اسیری کو آزادی کہا جا رہا ہے۔

جہاں تک دار الحکمت کی بات تھی تو جناب نورسی نے وضاحت کی کہ یہ ایک بے اختیار ادارہ تھا اِسی لئے جو ہونا چاہیے تھا نہ ہو سکا۔ بمثال جو اِسے غیر اخلاقی رویئے نظر آئے یہ تو اُن کو کھل کر غلط نہ کہہ سکا' شراب کا استعمال اور جواء وغیرہ بھی جسے حکومت اناطولیہ نے ایک ہی حکم سے بند کرا دیا تھا۔دار الحکمت اسلامی کی دوسری بڑی کمزوری اور نااہلی اُس کے اراکین کی باہم فکری ہم آہنگی کا نہ ہونا تھا۔اُن کی ذاتی خصلتیں فرقہ وارانہ روح کی نجات کی راہ میں مانع تھیں۔لفظ ''میں'' ہم'' کا لبادہ نہ اوڑھ سکا۔سنجیدہ ترین موضوعاتِ سیاست زیر بحث آنے چاہئیں تھے۔درحقیقت جناب نورسی کی ایک لمبی سوچ تھی کہ اُس دار الحکمت میں مختلف شعبہ ہائے حیات سے ماہرین لئے جائیں جو کہ صرف سلطنت عثمانیہ کو ہی نہیں بلکہ دُنیائے اسلامی کو درپیش مسائل کے بارے میں بھی سوچ بچار کریں۔

1919-20ء کی اِشاعت ''سونوحات'' میں اُس نے بحوالہ خلافت بحث کی جو کہ وقت حاضرہ کا اہم موضوع تھا اور وضاحتیں پیش کیں کہ سلطنت اور خلافت ایک دوسری سے الگ نہیں ہیں اور آج کی جدید سوسائٹی اور اسلامی دُنیا کو درپیش بے شمار مسائل کے پیش نظر سابقہ وزیراعظم کا اور بعد ازاں شیخ الاسلام کا عہدہ اپنے اپنے طور پر فرائض کی بجا آوری میں ناکافی ثابت ہوئے ہیں۔لہٰذا ایک بااِختیار آواز اور آرڈر کی ضرورت تھی جو کہ پیچھے بیان کردہ کمیٹی یا کونسل سے ہی متوقع تھی۔اُس نے تو یہ بھی مشورہ دیا کہ عثمانیہ اور دوسری اِسلامی دُنیا سے بھی جید علماء کے کٹھ سے دار الحکمت اسلامی اپنے اصل الاصول فرائض بجا لا سکتی تھی۔

سبز ہلالی سوسائٹی اور مدرسین مدرسہ ایسوسی ایشن:

تب جناب نورسی دیگر تنظیموں اور سوسائٹیوں میں بھی ملوث ہو گیا جن میں سے ایک 5 مارچ 1920ء کو قائم کردہ سبز ہلالی سوسائٹی بھی تھی۔وہ اُس غیر سیاسی سوسائٹی کا بنیادی رُکن تھا جو کہ بطور خاص شراب اور دوسرے مہلک نشہ جات کے پھیلاؤ کی روک تھام کے لئے وجود پذیر تھی۔دیگر ممبران میں سے شیخ الاسلام نے حیدری زادے ابراہیم آفندی' ڈاکٹر توفیق روسترد آراس' اشرف اِڈیپ اور فاخر دین کریم گور کے تھے۔

1975ء میں جناب نورسی کے بارے میں پوچھے گئے سوال پر فاحر دین گور کے نے سبز ہلالی سوسائٹی کی ہی کسی میٹنگ میں سیّد آفندی کے کہے ہوئے الفاظ اور مشورہ جات دوہرا دیئے کہ تحریر و مضامین اور کتابچوں کی کھلے عام ترسیل اور تقسیم ہونی چاہیے۔ایک دوسری سوسائٹی جس میں جناب نورسی ملوث تھا وہ انجمن مدرسین (جمعیت مدرسین) کے نام سے 15۔فروری 1919ء میں قائم ہوئی تھی۔اِس کے بڑے مقاصد میں وہ ولولہ اُبھارنا تھا جو کہ تہذیب ملت اِسلامیہ کے عین معیار کے مطابق فرائض مدرسین کو لے جا سکے اور پیشہ ور میں سے ایسے طلباء پیدا کرے جو عصر حاضر کی ضروریات کے مطابق جدید اور اسلامی سائنسز سے بخوبی آگاہ ہوں۔مسلمانوں کی رُوح میں مذہبی حقانیت اور اعلیٰ اسلامی رویوں کو اُتارنے کے لیے مضبوطی بھائی چارہ' ذاتی جوش و جذبات کی حوصلہ افزائی اور حقوق مدرسین کی دیکھ بھال ضروری ہے۔24۔نومبر 1919ء وہ سوسائٹی بعدازاں اسلام کی ترویج و ترقی والی سوسائٹی (تیلی اسلام جمعیت) میں تبدیل ہوگئی لیکن بہت سارے بنیادی اور نمایاں اراکین میں جناب نورسی کا نام کہیں بھی سامنے نہیں آتا ہے۔اُس ٹیچر سوسائٹی میں مصطفیٰ سفوت آفندی' مصطفیٰ صابری (دوہری رکنیت شیخ الاسلام) اور محمد عاطف آفندی پر مشتمل بہت سے علماء تھے۔

اُن میں سے دو علماء نے جناب نورسی کے ساتھ مل کر خلافِ اسلام اِشاعت پذیر مضمون کی جوابی کارروائی کو ہاتھ میں لیا۔اپنے بعد ازاں تحریری کاموں میں جناب نورسی نے کثیر الازدواجی غلامی' مقام خواتین اور حقوق انسان کی نمائندگی جیسے موضوعات پر بھی قلم اُٹھایا۔ اُس کے قابل قدر دلائل کی مثال بعنوانِ غلامی اور کثیر الازدواجی آگے آنے والے مختصر سے جوابات ہیں۔فرمان اِسلام دو طرح سے ہیں' ایک تو وہ ہیں جن پر شریعت انحصار کرتی ہے اور یہ جنس اِسلام بہت ہی اچھی ہے دوسری جنہیں کچھ بدل کر بہتر کر دینے والی شریعت ہے' یہ ظالمانہ اور وحشیانہ معاملات کو ہاتھ میں لیتی ہے۔دو برائیوں میں سے کم تر کو دیکھتی ہے اور فطرتِ انسانی کے مطابق اُنہیں ڈھال کر قابل عمل بناتی ہے۔

اُنہیں مقام اصل یعنی نیک عمل تک لاتی ہے بلکہ وقت اور مقام کے تقاضوں کے تحت اُن کی تصحیح بھی کرتی رہتی ہے اور اچانک ضرورت پسپائی فطرت انسانی کے وجوہاتی معاملہ جات پر محمول کرتی ہے۔تاہم شریعت نے کہیں بھی غلامی مسلّط نہیں کی بلکہ اِسے اس انداز سے بہتری بخشی کہ اِس میں بندش آتی چلی گئی اور بمعہ تصحیح اُس کی راہیں آزادی تک پہنچ گئیں۔شریعت نے

ایک سے چار بیویوں کے تجاوز کو پنپنے نہ دیا حالانکہ کثیر الازدواجی فطرت نفسیات اور عقل کے عین مطابق سکون بخش عمل ہے۔ کثیر الازدواجیت میں اگر تعداد آٹھ نو سے کم کر کے 4 تک لے آئیں تو ساتھ ایسی شرائط بھی ہوں گی جو عمل ہذا کے قابل عمل ہونے میں نقصان دہ ہرگز نہیں ہیں۔ اور اگر' اس میں کوئی برائی ہے بھی تو وہ دو برائیوں میں تفریق کرنا ہے اور تفریق ہی قریب تر انصاف ہے۔ افسوس کہ دُنیا میں کوئی واقع امر مکمل نیک نہیں ہوسکتا ہے۔

علالتِ جناب نورسی:

سوانح عمری کے آغاز میں ہی اُس کے بھتیجے نے روشنی ڈالی تھی کہ یہ تو محض احساس و علم تذبذب ہی ہے کہ جناب نورسی نے دار الحکمت میں کوئی مقام بنالیا تھا۔ اُسے جنگ نے بڑی بُری طرح مجروح کر کے رکھ دیا تھا لیکن اپنی سوجھ کے مطابق اُس نے خدمت قوم کے لئے اپنے اوپر چند ذمہ داریاں لے ہی لیں۔ عبد الرحمٰن نے اپنے چچا سے پوچھا تھا کہ جنگ میں اُن کے مجروح ہونے کی وجہ خاص کیا تھی تو جناب نورسی کا جواب تھا' میں اپنے غم تو برداشت کرسکتا ہوں لیکن غم اِسلام نے مجھے گھائل اور زائل کر کے رکھ دیا ہے۔

اِسلام پر ہونے والا ہر ہلّہ مجھے اپنے دِل پر ہونے والا ہلّہ لگتا ہے اور میرے دِل گرفتہ ہونے کی بھی یہی وجہ ہے۔ لیکن مجھے ایک روشنی کی کرن سی بھی دکھائی دیتی ہے کہ' انشاء اللہ ایک دن یہ سب کچھ بھول بھال جائے گا۔ دار الحکمت کی حالیہ دستاویزات میں جناب نورسی کی بغرض بیماری دو عدد درخواستیں ہیں۔ 26۔ ستمبر 1921ء کے شناختی کاغذات اور 17۔ اکتوبر 1921ء کے باضابطہ سلسلۂ سوال و جواب پر مبنی کاغذات بھی ہم ساتھ ہی شامل کرتے ہیں۔

واجب الاحترام شیخ الاسلام .... درخواست .... کاکیشین محاذِ جنگ پر ملک اور قوم کے دفاع کی خاطر لگاتار دو سال تک جو میں نے صعوبتیں اُٹھائیں ضعف و ناتوانی دے گئی ہیں' دوران اسیری دو ڈھائی سالہ ناقابل برداشت مشقتیں جو میں نے جھیلیں اور اِنتہائی قابلِ افسوس صورتِ حال جو اِن دنوں ہمیں دیکھنی پڑ رہی ہے' نے مجھے اعصابی مریض ہی بنا دیا ہے۔ بعد از طبی معائنہ ملنے والی رپورٹ کے مطابق پانچ سے چھ ماہ کی تبدیلی آب و ہوا بہت ضروری تھی۔ میں آب و ہوا ہی کی تبدیلی کی خاطر واجب الاحترام شیخ الاسلام سے قریباً چھ ماہ چھٹی کی درخواست کرتا ہوں......(منسلکہ اِنتظامیہ سے بھی)

نشان 19۔اپریل (19-1919) بدیع الزماں سعید۔ رکن دارالحکمت اسلامی۔

شدید ترین اعصابی تناؤ اور دباؤ پر مبنی ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق تبدیلی آب وہوا کے لئے رُکن سعید آفندی کی درخواست منظور کر لی گئی ہے۔ چونکہ اُس کی چھٹی والی مدت میں اُس کی جگہ کے بارے میں کوئی الجھن نہیں ہے یا بمطابق حالات مورخہ 17۔رجب 1337 ہجری۔نشان۔

19۔اپریل 1919ء.......... واجب الاحترام شیخ الاسلام' واجب الاحترام و پرشکوہ۔ چونکہ ڈاکٹری رپورٹ نے اُس بیماری کی تصدیق کر دی ہے جس میں مبتلا رہا اور جلد واپسی بھی ہوئی اور آج کل سارسیر میں معالج خاص کے زیر علاج ہوں' لہٰذا بمطابق رپورٹ ہذا بغرض علاج اور آب وہوا تین ماہ کی چھٹی دے دی جائے۔

(13۔ستمبر 1921ء)

جناب سعید نورسی۔ رُکن دارالحکمت اسلامی

سلطنت عثمانیہ کے دفتری اہلکاروں کی مہیا کردہ دستاویزی تعلیمی معلومات:۔

(قیمت دس گرش)

(۱) میرا نام سعید ہے' میں بدیع الزماں کے نام سے پہچانا جاتا ہوں' میرے والد کا نام مرزا تھا۔ میرا کسی معزز خاندان سے تعلق نہیں ہے۔ میرا شافعی مسلک سے واسطہ ہے اور میں سلطنت عثمانیہ کا ایک شہری اور باشندہ ہوں۔

(۲) میری تاریخ پیدائش (1293ھ) یعنی 1877ء اور بمقام صوبہ بطلس میں ضلع ہیزان کے ذیلی ضلع اسپاریت کے قریب نورس گاؤں ہے۔(۳) میں نے اپنی ابتدائی تعلیم سابقہ مذکورہ ذیلی ضلع اسپارٹا میں اپنے بڑے بھائی سے مکمل کی تھی۔ بعد ازاں دُنیاوی تعلیم صوبہ ارض روم کے دعوبیازت میں شیخ محمد جیلانی کے حلقۂ تعلیمات میں ہوئی' مزید بعد وان میں بھی میں نے تعلیم لی اور پھر پندرہ سال تک تو میں مختلف قسم کی سائنسی تعلیمات میں مستغرق رہا۔

حالیہ اعلانیہ جنگ میں میں نے ایک رضا کار کمانڈر رجمنٹ کی حیثیت سے حصہ لیا۔ بطلس محاذ پر روسیوں کے ہاتھوں اسیری جھیلی۔ اُس اسیری سے فرار پایا اور استنبول جا

پہنچا۔ دار الحکمت کی جب بنیاد پڑی تو میں اُس کے بنیادی اراکین میں سے تھا۔ جب میں جنگی قیدیوں میں سے تھا تو میں نے محمد جیلانی آفندی سے ایک عدد سرٹیفکیٹ بھی پایا تھا۔ میں سترہ اہم ترین کار خیر اور خیر سگالیوں میں سے ایک ہوں۔ مبنی عقل و دلائل مقالہؑ (رسالہؑ) طالیقت قزل اعجاز اور خطبۂ شامیہ بمعنٰی ''اشارات الاعجاز'' بزبان عربی تبصرۂ قرآن ہی ہے۔

بمعہ بزبانِ ترکی میں نے اپنا کام نوکتہ' سعاعات' سنوحات' مناظرات' محکامات' تولوعات لمحات' رُموز' اشارات العجاز' خطوعات ستہ' دومکتب مصیبت کے شہادت نامے' تولو ائینمسی اور حقیقت چیکر وکلری جیسی زبانوں میں کیا تھا۔ میرا بہت سا کام نصیحت رہنمائی اور مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانا تھا۔ جیسے کہ بول چال مبنی بر ''ترک اور کرد'' اور اِسی لحاظ سے میں عربی اور فارسی میں لکھتا ہوں۔ رموز' عشرت' حوتوتِ سیتی' اِکی' مکتب موسیتیبن' شہادتِ نامسی' الخطبت' الشمیعیہ' موناظرت' محاکمت اور تالیقت کی کوئی بھی کاپی یا جلد باقی نہیں رہتی ہے۔ میرے پاس کسی سائنس یا کسی دوسرے مضمون میں کوئی سند وغیرہ بھی نہیں ہے۔

(۴) اعلانِ جنگ عظیم اوّل پر میں نے جنگ ہی کے لئے بطور رضا کار اُس میں شمولیت کی' پہلے تو رجمنٹ مفتی کے طور پر اور پھر بحیثیت رجمنٹ کمانڈر۔ وہی فرائض ہی سرانجام دیتے ہوئے بمقام بطلس میں روسیوں کے ہاتھوں جنگی قیدی بنا اور وہ تمام فرائض بجا آوریاں رضا کارانہ طور پر ہی تھیں۔ صرف' میرے استنبول واپس پہنچنے پر وزارت جنگ نے تین ماہ تک مجھے پچاس لیرے ماہانہ ادا کیے۔ ماسوائے ایک عدد میڈل کے میرے پاس کوئی دوسرا تحفہ وغیرہ نہیں ہے۔

بلکہ کوئی غیر ملکی میڈل اور تحفے وغیرہ بھی نہیں ہیں۔ میں فرمانِ شاہی کے مطابق مورخہ 26 شوال 1336 ہجری کو پانچ ہزار کُرس پر دار الحکمت اسلامی میں تعینات ہوا تھا اور 18۔ ذی القعد 1336 ہجری حکم شاہی کی ہی طلب پر مجھے ماحرک کی حیثیت دی گئی تھی۔ 17 تسرین ایول 1337 ہجری (17۔ اکتوبر 1921ء) بدیع الزماں۔ رُکن دار الحکمت اسلامی۔

روزنامچہ ریاست عثمانیہ:

نام	=	بدیع الزماں سعید آفندی
والد کا نام	=	مرزا آفندی مرحوم
والدہ کا نام	=	نورائی جامن مرحومہ

تاریخ ومقام پیدائش = 1295(AH)1293(رومی)78-1877ء گاؤں نورسی ذیلی ضلع حزان

مذہب وملت = مسلمان، پیشہ ومرتبہ اوراہلیت برائے رائے دہندگی رکن دارالحکمت اسلامی

خانگی حیثیت = غیر شادی شدہ

شناختی عنوانات اور مقام اِندراج:

قد = مناسب

آنکھیں = سُرخی مائل

رنگت = سیاہ

کوئی اہم علامت = کوئی نہیں

ولائیت = استنبول

ضلع = بے یولو یورپی باسفورس

علاقہ = ساریئر

گلی = فسٹیکلی بالار

رہائش نمبر = 18/11

رہائش کی نوعیت = غیر ملکیوں جیسی، گاؤں نورس، ضلع حزان، صوبہ بطلس میں اصل الاوقات اندراج ہوا۔

بدیع الزماں سعید آفندی، جس کا نام، شناخت اور وضاحت جو پیچھے دی گئی ہے کے مطابق سلطنت عثمانیہ کا باشندہ ہے اور اُس کی دستاویزات ظاہر کرتی ہیں کہ رجسٹر تاریخ پیدائش پر اُس کا اندراج ہے۔

ایلرول(1337-26)26۔ستمبر 1921ء

وزارتِ امور داخلہ

جناب نورسی خود مختار کردستان کی مخالفت کرتا ہے:

میدان سیاست میں ہونے والی سازباز اور مابین علماء نفاق کے بیج بونے جیسی کوششوں کے خلاف جناب نورسی نے اخبارات میں برطانیہ کی بڑی کھل کر مخالفت کی۔ اس صورت حال پر غور کرنے سے پہلے وہ اہم ترین پہلو جس سے جناب نورسی وابستہ تھا اور برطانیہ سے منسلک تھا' وہ مسئلہ کردستان تھا اور وہ بھی نمایاں ہونا چاہیے۔ یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ جب برطانیہ اور فرانس اپنے اپنے نقصانات کے تخمینے لگا رہے تھے تو اُنھوں نے کردستان کے جغرافیائی خطوں میسوپوٹامیہ کے تیل والے علاقوں پر بھی دعوے دھر دیئے تھے۔

اُن علاقوں میں مزید دلچسپی بڑھانے کے لئے برطانیہ نے آزاد کردستان کی داغ بیل ڈال دی اور اُسے معاہدۂ علیحدگی پسندی سے مشروط بھی کر دیا۔ پھر جنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے انگلینڈ ایسوسی ایشن کے دوستوں میں سے داماد پاشا اور ملاں سعید جیسے ایجنٹوں کے ذریعے برطانیہ نے وعدۂ آزاد ریاستی کا استعمال قومیتی قوتوں جیسی رکاوٹیں توڑنے اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف وہاں کے باشندوں کو اُکسانے کے لئے خوب کیا۔ اِسی مقصد کے لئے بہت ساری سیاسی سوسائٹیاں وجود پذیر ہوئیں جن میں سے ایک سوسائٹی آزاد اور ترقی پسند کردستان (جمعیت کردستان) تھی جس کے ساتھ ملاں سعید بھی وابستہ تھا اور ہاتھوں کی طرح برطانیہ کے دستانوں میں تھی۔

جناب نورسی کے اثر و رسوخ اور حمایت کے لئے ایک دفعہ پھر سے اُس سے رابطہ کیا گیا لیکن اوّل و آخر اُس نے ترکی اور قوم کے خلاف ہونے والے ہر عمل کی مخالفت میں ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ جس شخص کی اُس تک رسائی ہوئی وہ پیچھے سے مذکورہ سوسائٹی کا صدر عبدالقدیر تھا۔ اُسے کچھ اِس طرح سے جواب دیتے ہوئے جناب نورسی کو پایا گیا کہ (قرآن کریم میں ربّ القادر کہتا ہے' خدا تعالیٰ ایسے اِنسان پیدا کرے گا جو اُس سے اور وہ اُن سے محبت کریں گے' قرآن 54-5)۔

میں نے اِس آسمانی بیان اور اِعلان پر بہت غور و خوص کیا اور یہ سمجھا کہ اِس کا رُخ ہی ترک قوم کی طرف ہے جس نے صدیوں تک دُنیائے اِسلامی میں اپنا معیارِ علم بلند رکھا۔ میں چند ایک بے دماغ نسل پرستوں کی تائید نہیں کر سکتا' میں کروڑوں کی تعداد میں سچے مسلمان بھائیوں اور اِس دلیر قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ ایسے ہی ذرائع سے حاصل کردہ ایک اور سچی کہانی اِسے اور بھی سجا دیتی ہے اور یہ معروف مصنف کونسولیدجی آصف بے سے منسوب ہے۔

ایک دِن چھاپے خانے کے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اُس کے سر پر تو ایک لمبی سی ٹوپی تھی مگر لباس بھی عجیب سے ساز و سامان سے مزین تھا۔ اُسے دیکھتے ہی میولن زادے اپنے اُنہی قدموں پر کھڑا ہو گیا اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا' سعید۔ یہ ہمارے مصنف لیڈر کونسولید جی آصف ہیں۔ پھر مجھے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ یہ بدیع الزماں سعید آفندی ہیں' ہمارے ایک مفکر لیڈر۔ تب سے میں گاہے بگاہے جناب نورسی سے ملتا رہا اور اُس کے علم اور گفتگو سے عظیم ترنیکیاں اور فائدے پائے۔

وہ بھی اکثر و بیشتر ہمارے چھاپے خانے پر آتا جاتا اور ہم اُس سے ہم کلام ہوتے بلکہ بعض اوقات تو ہم اِکٹھے ہی باہر کو نکل پڑتے اور شہر کا چکر لگاتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اُس سے کتنی دیر بعد جناب سعید نورسی نے استنبول چھوڑا تھا۔ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں پڑتا کہ وہاں سے وہ اپنے آبائی علاقے کو یا کہ کہیں اور چلا گیا تھا۔ بہرحال جرمنی اور اُس کے اِتحادیوں کو شکست فاش ہوئی تھی۔ پورے ملک کو تقسیم کر دیا گیا تھا اور اُس کے ہر حصّے میں نئی ریاستیں بننا شروع ہو گئی تھیں۔ آرمینیا اُن میں سے ایک تھی۔ ایک دن میولن زادے نے مجھ سے کہا۔

وہ آرمینیا کی ریاست قائم کر رہے ہیں' اور' چونکہ پوری سلطنت ہی الگ تھلگ کی جا رہی ہے لہٰذا' ہمیں کرد قوم کا شوشہ چھوڑ دینا چاہیے۔ جب میں نے حیرت و استعجاب سے اُس کی طرف دیکھا تو کہا' میں کوئی غدار نہیں ہوں اور نہ ہی میں سلطنت عثمانیہ کو توڑنے والوں میں سے تھا۔ خدا تعالیٰ کی اُن پر لعنت ہو جنہوں نے یہ پاپ کیا اور جو چوروں کی طرح رفو چکر ہو گئے۔ یقیناً قومی قوتیں ہی اِس قابل ہیں لیکن وہ کوئی زیادہ اُمیدوں کے پل بھی نہیں باندھتی ہیں۔

ہم معجزاتی طور پر زندہ رہنے والے زمانے میں نہیں رہ رہے ہیں۔ میں تو ہر صورت حال بدیع الزماں کو لکھنے لگا ہوں اور ہم میں شمولیت کا بھی اُسے کہنے لگا ہوں کیونکہ وہ بہت زیادہ مؤثر ہے۔ میولن زادے نے لکھا بھی اور خط بھیج بھی دیا اور پھر دس دِن یا دو ہفتے بعد ہم سب کچھ مہمانوں کے ساتھ چھاپے خانے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے پاس اُس وقت کے وزارت بحریہ کے وزیر جیکالی حامدی پاشا اور فوجی عدالت کے سربراہ بھی موجود تھے۔ ہم اِدھر اُدھر کی ہانک رہے تھے کہ ڈاکیا اندر آیا اور ایک خط چھوڑ گیا۔ لیکن' اُسے پڑھتے ہی رِفعت بے کا چہرہ سیاہ پڑ گیا' ظاہر تھا کہ وہ ناراض ہو گیا تھا' بعد پڑھنے کے اُس نے اُسے میری طرف دے مارا اور کہا' اِسے پڑھو اور دیکھو' بدیع الزماں میری تجویز اور منصوبے کو رد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ میری ہاں میں ہاں نہیں ملاتا۔

اب اپنے طور پر اُس خط کو پڑھنا مناسب نہ تھا لہٰذا میں نے اُسے بہ آواز بلند پڑھنا شروع کر دیا۔ جیکالی حامدی بے اور سربراہ فوجی عدالت مصطفیٰ پاشا نے اُسے بغور سنا۔ مجھے صحیح طور پر یاد نہیں کہ خط واپس کیسے گیا' بہرحال جناب نورسی نے الگ ریاست کردستان کے قیام کا منصوبہ مسترد کر دیا اور کہا' رفعت بے' ہمیں قیامِ کردستان نہیں کرنا ہے بلکہ سلطنت عثمانیہ کو دوبارہ فعال بنانا ہے۔ اگر تو آپ کو یہ قابلِ قبول ہے تو مقصد ہذا کے لئے میری جان بھی حاضر ہے۔ یہ سب سننے کے بعد مصطفیٰ پاشا میولن زادے کی طرف پلٹا اور کہا' تم غلط ہو رفعت بے جبکہ جناب نورسی صحیح ہے۔

کردستان کو قائم نہیں کرنا چاہیے بلکہ سلطنت عثمانیہ کی دوبارہ کوئی شکل وصورت ہونی چاہیے۔ بروقت ہی یہ سانحہ بھی تو رونما ہو سکتا ہے کہ مشرقی فرانس میں ایک بہت بڑی اور آرام دہ رہائش میں مقید بین خاندان سے متعلقہ شریف پاشا پیرس میں بوگوس نیولر پاشا سے ہونے والے سمجھوتے پر آرمینیائی نمائندے کی حیثیت سے امن کانفرنس میں مشرقی صوبہ جات میں آزاد ریاست کے قیام کے سلسلے پہنچ جائے اور سلطنت عثمانیہ برطانوی محصور اور محروسہ ملک بن کر رہ جائے۔

اُنہوں نے کانفرنس میں ایک مشترکہ یادداشت یا رُوداد پیش کی۔ کردستان سوسائٹی کے بانی میانی سیّد عبدالقدیر نے بھی خودمختاری کردستان کی قرارداد پیش کی تھی اور پیرس میں شریف پاشا کی تحریک کی حمایت بھی کی تھی۔ جب خلاف ورزئ معاہدہ کی خبر پھوٹی تو بمعہ مشرقی صوبہ جات استنبول میں بھی غم وغصّے کی لہریں چھوٹ گئیں۔ عثمانوی پارلیمنٹ پر ٹیلی گراموں کی بمباری ہوئی۔ جب معاملہ ہذا عوام کے اشتعال کا سبب بنا تو تمام تر ذمہ دارنائبین نے شریف پاشا اور سیّد عبدالقدیر کی حوصلہ شکنی اور مذمت کی۔ ایوانِ بالا میں جس کا کہ وہ خود بھی رُکن تھا کے خلاف اُس کی برخواستگی کی تحریک بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

جناب نورسی نے اِس قسم کے معاہدے کے احتجاج میں شامل ہوتے ہوئے شائع ہونے والے چندایک مضامین میں ایک دو مضمون بھی لکھے۔ پہلا مضمون 22۔ فروری 1920ء کو روزنامہ ''اِقدام'' میں بعنوان ''کرد اور عثمانویت'' یعنی ''کردوں کی توہین اور برہمی'' اِس میں برغبت اسلام کردوں کی ایک لمبی تاریخ بزاز ورد ے کر بیان کی گئی اور یہی نکتہ اُٹھایا گیا کہ وہ کسی بھی دشمن سے کوئی بھی معاہدہ کر کے نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتے جس سے کہ اُن کے قومی ضمیر کا تضاد سامنے آئے۔ مذہب اور قومی اتحاد اُن کے لئے سب سے مقدم ہے۔

دوسرا مضمون سیب الرشاد میں شائع ہوا' 461 نمبر'4۔ مارچ 1920ء کو جس کی کہ استنبول میں اشاعت جاری تھی۔ قومی شاعر محمد عاکف بطور مدیر اعلیٰ اور مدیر اشرف ادیپ جو کہ پریس ہذا کے مالکان تھے کے ساتھ جناب نورسی کے بڑے قریبی تعلقات تھے۔ بعد ازاں اُس مشہور عوامی فتوے کے سامنے آنے پر پہلے عاکف اور بعد میں اشرف ادیپ نے بھی استنبول چھوڑ دیا۔ رکن دار الحکمت اسلامی بدیع الزماں سعید کردی' مذہب میں کردوں کی مضبوطی ایمان اور فطری نقل وحرکت کا ایک سچا ترجمان ثابت ہو رہا تھا بلکہ اُس سے بہتر کوئی اِس مسئلہ پر بول ہی نہ سکتا تھا۔ یہ اُسی نے کہا تھا۔ اُس معاہدے پر اِنتہائی خاموشی مگر مؤثر ترین طریقے سے لوگو میں نیو برا اور شریف پاشا کا دستخط شدہ جواب بذریعہ ٹیلی گراف حاصل کیا گیا اور مشرقی صوبہ جات کے قبائلی سرداروں کی طرف سے مراسلہ بنا کہ' کرد کبھی بھی اپنی اِسلامی برادری کو نہیں چھوڑیں گے۔

وہ مٹھی بھر لوگ جو اِس کے علاوہ اور برخلاف کچھ کہتے ہیں تو اُن کے کچھ اپنے خصوصی مقاصد ہو سکتے ہیں لیکن اُن کی کردوں میں کوئی اہمیت بالکل نہیں ہے۔ حال ہی میں اُنہوں نے ایک بار پھر سے بلندی عظمت اسلام اور خلافت سے وفاداری کی خاطر اپنی پانچ سو جانوں کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ اَب اُس بدنام زِمانہ یادداشتی روداد کی طرف آئیں کہ امریکیوں نے یہ بات باور کرائی ہے کہ' چونکہ مشرقی صوبوں کی اُن کی قلیل اقلیت ہے تو اِس لئے وہ وہاں پر اپنی ملکیت کا دعویٰ بھی نہیں دکھا سکتے ہیں۔

انہوں نے بھانپ لیا تھا کہ شریف پاشا کو اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کا وہ ایک آسان راستہ تھا اور اِسی لئے یہاں وہ کردوں کی نمائندگی کا دعوے دار تھا۔ اِس لحاظ سے اور اِ ـ وجہ سے کردوں اور امریکیوں کے وجۂ مقاصد ہر نئی سوچ پر پہرے بٹھا ـ ـ اور علیحدگی کا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہو جاتا۔ اِس سے اِس مقصد کو اُجاگر کرنا تھ کہ وہ روداد یا قرار دادِ مشتہ کے ط ـ دستخط شدہ اور امن کانفرنس کو بھیجی گئی تھی۔ جبکہ امریکیوں کی نیت کردوں کو دھوکے میں ہی رکھنا تھا۔ یہاں تک بھی کہ اگر مستقبل میں بھی وہ کردوں کی عددی اکثریت کو جھٹلانے کے قابل نہ رہیں گے تو بھی یقینی طور پر وہ انہیں رعایا کی حیثیت سے ہی رکھیں گے کیونکہ وہ علم اور تعلیم کے لحاظ سے کافی کم تر درجے پر فائز ہیں۔

کوئی بھی سمجھدار کرد کبھی بھی اِس بات کی تائید میں نہ جا سکا۔ اور اگر کسی طور لفظوں میں نہ سہی حرکات وسکنات سے ہی اپنے جوش وجذبات کا اظہار کرد کر پاتے ہیں تو بھی اُنہیں اُ ـ ـ

نہاد قرار داد کی مار دی جاتی ہے۔ کرڈوں کا مقدمہ اِس لئے بھی کمزور ہے کہ سب سے پہلے وہ مسلمان ہیں' اپنے مذہب سے ایک مضبوط وابستگی رکھتے ہیں' اتنی مضبوط وابستگی جتنا کہ تعصب' الغرض وہ سچے مسلمان ہیں۔ اِسی لئے وہ امریکیوں کی اِس سوچ کے برخلاف کہ اُن کی کوئی مخصوص نسل بھی ہے' بالکل یقین نہیں دھرتے ہیں۔ اسلام نظریہ نسل پرستی کی نفی کرتا ہے کیونکہ یہ اِسلامی بھائی چارے کی رُوح کے منافی ہے۔

یہ بات بھی زیرِ بحث ہے کہ کردوں کو آزاد ریاستی حیثیت دی جائے گی لیکن' کرد غیروں کے ہاتھوں ایسی آزادی خودمختاری اور محرومی کی بجائے موت کی قبولیت کو ترجیح دیں گے۔ اگر اُن کی طرف سے دی گئی آزادی مبنی بر ترقیات ہے تو از خود عثمانوی منصب اعلیٰ اِس پر سوچے سمجھے گی نہ کہ لوگوس نیو براور شریف پاشا وغیرہ۔ المختصر' معاملات ہذا میں کردوں کو کسی کی بھی بیجا مداخلت اور مصالحت کی ضرورت نہیں ہے۔

جناب نورسی نے مقدمہ اِتحاد و یگانگت کو اپنی از سرِ نو کوششوں میں میدان تعلیم میں اُجاگر کر دیا۔ وہ اُن پندرہ بنیادی ممبرانِ سوسائٹی میں سے تھا جنہوں نے کردوں کے درمیان (کرد جناب نورسی معارف جمعیتی) کے نام سے 1919ء میں سوسائٹی ہذا قائم کی تھی اور جو کہ کُلی ہی غیر سیاسی' آزادی کی حامل اور صرف منسلکہء تعلیم ہی تھی۔ مقصد اوّل استنبول میں کرد بچوں کے لئے ایک عدد سکول کا قیام تھا' سرزمین مملکت کے اُن سپوتوں کے لئے جنہیں تعلیم کی نعمت سے محروم کر دیا گیا تھا اور بعد ازاں' بعد اَز منظوریٔ بجٹ کرڈ اکثریتی علاقوں میں بھی ایسی ہی اصلاحات ہوں گی۔ جناب نورسی مدرسۃ الزہرہ کے لئے بھی حکومت سے بجٹ لیئے جانے کے لئے کامیابی کی آس پر تھا' یوں کہہ لیں کہ ہم اِنشاءاللہ دیکھیں گے کہ مشرق میں وہ مدرسہ یونیورسٹی کے معیار کا منصوبہ ہوگا۔

محاذ آرائی مابین نُورسی و برطانوی:

اِس دوران حکام چرچ آف اِنگلستان کے ذریعے دفتر شیخ الاسلام ایک سوالنامے کے طور پر پیش کیا گیا اور بطور رُکن دارالحکمت جناب نورسی کو جوابات کی تیاری کے لئے کہا گیا۔ جناب نورسی نے چند مختصر سے الفاظ پر مشتمل جواب تو لکھ دیا لیکن وہ مبنی بر توہین آمیز تھا کیونکہ اُس کا مقصد اعلیٰ تحفظِ ناموسِ اسلام تھی' جسے بعد اَزاں اُس نے یوں بیان کیا۔ ایک وقت پر' جب

برطانویوں نے باسفورس پر اپنی بارودی توپیں توڑ دیں اور پھر استنبول پر چڑھائی کر دی تھی تو اس مملکت میں انگلیقان چرچ کے مذہبی سربراہِ اعلیٰ نے ادارۂ شیخ الاسلام سے مبنی بر مذہب چھ سوالات پوچھے تھے۔

تب میں بھی دارالحکمت اِسلامی کا رکن تھا اور مجھ سے بھی کہا گیا کہ میں بھی اُن کے جوابات دوں۔ تو میں نے کہا کہ میں اپنا جواب چھ سوالفاظ میں نہ دوں گا' نہ چھ الفاظ میں اور نہ ہی ایک آدھے لفظ میں بلکہ ایک منہ بھر تھوک برابر وزن میں۔ کیونکہ آپ بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ ایک لمحے اُن کے اعلیٰ مرتبت پادری نے ساحل پر قدم رنجا فرمایا تو اگلے ہی لمحے وہ بڑے متکبرانہ انداز میں ہم سے سلسلۂ سوال و جواب کر رہا ہے۔ اور پھر رموز (علامات) پر مبنی جو کام اُس دوران شائع ہوا جناب نورسی نے بعنوان ''ہمیں تحقیر بخشنے والے پادری کو جواب'' پر مبنی آگے مذکور ہونے والے کئی ایک اِقتباسات شامل تحریر کیے ہیں۔

کسی شخص نے تمہیں کیچڑ میں پھینک دیا ہے اور قتل کرنے پر درپے ہے۔ اُس نے تمہاری گردن پر پاؤں بھی رکھ دیا ہے اور از راہ مذاق پوچھتا ہے کہ تم کس قانونِ کالج یا سکول سے فارغ التحصیل ہو؟ تو اِس کا جواب تو اِحساس ارتکابِ جرم ہی ہے' مگر خاموش رہا جائے اور پھر اُس کے منہ پر تھوک دیا جائے۔ لیکن ایسا اُس کے لئے نہیں بلکہ بنام سچ و حق۔

سوال نمبر ا۔ دینِ محمد ﷺ کن (مادی و غیر مادی اشیاء) پر مشتمل ہے؟

(الف) اثباتِ زندگی اور اسباقِ زندگی میں اِس کا کیا کردار ہے؟

سوال نمبر اا۔ اتحاد و ہدایت آسمانی اور جدیدیئت؟

(الف) غم اِنسان اور پریشانیوں کا حل اور تدارک کیا ہے؟

سوال نمبر ااا۔ مانع سود و سود خوری اور لازم ادائیگی زکوٰۃ کی حقیقت کیا ہے؟

(الف) اِنقلاباتِ زمانہ پر یہ کیا رائے رکھتا ہے؟

سوال نمبر IV۔ جس چیز کے لئے انسان کوشش کرتا ہے ناچیز ہو کر کیوں رہ جاتا ہے۔ (القرآن 39-53)

اور وہ لوگ جو سونے چاندی کے انبار لگا لیتے ہیں مگر اللہ کی راہ میں خرچ تک نہیں کرتے انہیں کہہ دو کہ اُن کے لئے بڑی مغموم سزا ہے۔ (القرآن 34-9)۔

اِس وقت تک جناب نورسی کا جو انتہائی مؤثر کام سامنے آیا وہ بعنوان ''چھ نکات تھا'

س میں اُس نے چھ نکات کے ہی ذریعے مسلم اُمہ میں ناچاقی اور نااتفاقی کے بیج بونے والے برطانویوں اور یہودیوں کو ننگا کیا تھا۔ سرفہرست یہ آیت کریمہ تھی کہ 'شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ (القرآن 2-168)' اور اِس کی وضاحت جناب نورسی نے تب کھل کر بیان کی جب قومی تحریک کی حمایت میں استنبول کے علمائے اکرام بھی برطانویوں کے خلاف پھٹ پڑے' جس سے کہ استنبول پر قابضین کمانڈروں کا خوف بھی کم ہوتا چلا گیا۔

مقصد منصوبہ ہذا یہ تھا کہ مسلمانوں میں نفاق کا بیج بو کر حتیٰ کہ علمائے شیخ الاسلام کو آپس میں لڑا کر' دونوں جیتی ہوئی سیاسی پارٹیوں یعنی یونینسٹ اور ایف اے پی کے حامیوں کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کر کے قومیتی قوتوں کے مقابلے میں یونانیوں کی کامیابی کے لئے راہ ہموار کی جائے۔ یادداشت پر زور ہی دینا پڑے گا کہ بعدازاں اَناطولیہ میں سلطان اور بعض علماء نے قومیتی قوتوں کی ازحد مخالفت کی تھی' یہ خیال کرتے ہوئے کہ اِس تحریک میں ملوث لوگ سی یو پی کے اراکین خاص یا پھر اُنہی کے اوڑھنوں بچھونوں والوں میں سے ہیں' یا یوں کہہ لیں کہ یہی وہ فسادی قسم کے لوگ ہیں جو ترکی کو جنگ میں جھونکنے اور پھر شکست فاش کے بھی ذمہ دار ہیں' انہوں نے موت کو سلطنت پر ترجیح دی تھی۔

لہٰذا سلطان وغیرہ نے اُنہیں غیر ملکی جارحیت پسندوں سے بھی زیادہ ناپسندیدہ دشمن گردانا۔ اضافی طور پر بہت سے مغربی دانشمندوں اور مصنفین نے قوم پرستوں کو رَد کیا جن میں عبدُاللہ جیودت بھی نمایاں ہی تھے اور جن کی حاشیہ آرائی کی حد یہ تھی کہ ہر چیز پر مغربیت کا رنگ وروغن تھا اور اُن کی ہر تشہیری مہم برطانویوں کی ضربوں تقسیموں کی منصوبہ سازیوں کی دم ساز تھی جس سے نہ صرف لوگوں میں ایک غلط فہمی رواں تھی بلکہ اُن کے عقیدے کمزور ہوتے جا رہے تھے اور قابضین قوتوں کے حوصلے بڑھتے جا رہے تھے۔ اپنی اگلی تحریروں میں جناب نورسی نے بھی اُسی توڑ پھوڑ کی نشان دہی کی اور ''چھ نکات'' میں تو بالخصوص اپنے وضاحتی انداز میں ثابت کر دکھایا کہ کس طرح برطانوی تفریقی چالیں چل رہے ہیں اور اپنے باطنی مشورے یوں دے رہے ہیں جیسے کہ اُس کے جوابات اُس کے پڑھنے والوں کی آنکھیں کھول رہے ہیں جبکہ اُن مخالفین کے دلوں کو گرفت کر رہے ہیں۔

جناب نورسی نے اُن لوگوں کی بھی خوب مذمت کی جو اپنی قوم کی توتوہین کر رہے تھے اور برطانوی قبضے کی قبولیت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی کرتے تھے کہ برطانویوں کے مقاصد اور

مفادات اسلام کے مقاصد اور مفادات سے ملتے جلتے ہیں۔ برطانوی اپنے آپ کو آگے بطور ''محافظ'' اسلام بنا کر لا رہے تھے کیونکہ اُنہوں نے ترکی کو سی یو پی کے بے رحم اور خوفناک پنجوں سے نجات دلائی تھی۔ ایف اے پی پارٹی نے بھی اپنی بقاء اِنہی کوششوں میں معلوم کی۔ جب جناب نورسی سے معلوم کیا گیا کہ کس سوسائٹی یا دھڑے سے اُس کا تعلق رہا ہے اور کس وجہ سے مخالفین نے اُس پر شدید ترین تنقیدی حملے کیے تو اُس کا جواب تھا کہ وہ ایف اے پی ہی ہے۔

میرا تعلق شہداء کی سوسائٹی سے ہے۔ اِنکار و انکسار میں کسی سادھو کی طرح بڑی ہی بھاگوان ہے۔ لہٰذا یہ بھاگوانوں کی بھاگوان ہے اور بیس لاکھ سادھوں کی شہادت سے اِنکاری ہے اور اُن کے خون بہا کو فرسودہ خیال کرتی ہے۔ کیونکہ مخالفین کہتے ہیں کہ جنگ عظیم اوّل میں شامل ہو کر انہوں نے بہت بڑی غلطی کی تھی' بمقابلہ ہم' ہمارے دشمن حق پر تھے اور پھر یہ کوئی جہاد وغیرہ بھی نہ تھا۔ لہٰذا ایسے فیصلے بیس لاکھ اِنسانوں کی شہادت کو جھٹلانے کے مترادف ہی تو ہیں۔ میرے خیال میں جو نمازیں اور دعائیں ہمیں مانگنی اور پڑھنی چاہیں زیادہ تر یہ ہیں' اے اللہ ہمارے درمیان نفاق نہ ڈالنا۔

جب کسی بیرونی دشمن سے پالا پڑتا ہے تو اُس کی اطاعت اور تابعداری میں وحشی سے وحشی قبائل بھی اپنا سر جھکا دیتے ہیں بلکہ اپنی فطری دشمنی کی حدتیں تک تہہ کر دیتے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہی ہے۔ اور تو یہ کتنے تعجب کا پہلو ہے کہ اپنے آپ کو بہت زیادہ مہذب اور روشن خیال سمجھنے والے اُن وحشیوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ جن کا جب کسی بیرونی دشمن سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو اِن کی اندر کی دشمنی میں اور زیادہ شدت آجاتی ہے۔ اگر سائنس اور تہذیب یہی ہے تو پھر اِنسانی خوشیاں وحشت اور جہالت میں ہی پنہاں ہیں۔

غالباً چھ نکات چھپ گئی تھی اور وہ بھی اشرف ادیپ کی کوششوں سے اور مارچ 1920ء میں وہ دورانیہ استنبول پر دوبارہ فوجی قبضے کا ہی تھا۔ جناب نورسی کی مؤثر ترین مخالفت کو بھانپتے ہوئے اُس سے پیچھا چھڑانے کا عہد کر لیا تو جناب نورسی کے ایک شاگردِ خاص ملاں سلیمان سے منسوب ایک سانحہ نے اِسے اور بھی بڑھا چڑھا دیا۔

دیوان کے راستے کی طرف نکل کھڑے ہوئے' سعید ملاں وہاں پر تھے۔ وہ فرینڈز آف انگلینڈ ایسوسی ایشن کے نائب صدر تھے۔ وہ کوئی معمار تھا یا کیا کچھ تھا مجھے نہیں معلوم لیکن اُس کا مذہب وغیرہ کوئی نہ تھا۔ وہ برطانیہ کی طرف سے اُستاد صاحب کی معلومات لینے پر لگا ہوا تھا وہ

اُنہیں اُس کی چال ڈھال' خدوخال لباس اور یہ کہ وہ رہتا کہاں ہے کہ متعلق بتایا کرتا۔ اور یہ اِس لیے تھا کہ اُستاد اخبارات میں اُن پر بڑے رقیق حملے کیا کرتا تھا۔

تو پھر ایک دن قابضین قوتوں کے سپاہی صوفیہ چوک میں اُستاد صاحب کے اِنتظار میں تھے اور اُسے دبوچ لینے والے تھے۔ میں خوفزدہ تھا اور اُنہوں نے مجھے کہا کہ 'میرے ساتھی میری پچھلی طرف آجاؤ اور ہاں دِل چھوٹا نہ کرنا' پھر اُس نے سورۃ یٰسین کی تلاوت کی۔ اور پھر ہم نے اپنے آگے اور اپنے پیچھے ایک رکاوٹ سی بنالی' بلکہ اپنے آپ کو ڈھانپ لیا تاکہ وہ ہمیں دیکھ نہ سکیں اور واقعی وہ ہمیں دیکھ بھی نہ سکے (القرآن 9-36)۔ اِس طرح سے ہم اُن کے دائیں جانب سے گزر کر اپنے مکان پر آگئے۔

میں نے دروازہ کھٹکھٹایا اور آہستگی سے کھلنے پر میں نے اپنے دوست سے کہا کہ دروازہ کھول دو بدیع الزماں میرے ساتھ ہے۔ تو اُس نے اُسے جلدی سے کھولا اور ہم اندر داخل ہو گئے۔ استاد صاحب دیوان پر بیٹھ گئے' میں نے اُن کے بوٹ اُتارے اور اُنہوں نے کہا' تم نے اس ساری صورت حال سے کیا سمجھا ہے' میں نے کہا کچھ بھی نہیں تو کہنے لگے۔ اِن کے پاس مجھے گولی مار دینے کا حکم تھا لیکن میں نے تمہیں بچانے کے لئے جو کیا سو کیا کیونکہ تمہارے پاس بندوق وغیرہ نہ تھی ورنہ میں اُن میں سے دَس کو تو نیچے بچھا دیتا اور اپنا مقصد پالیتا۔ میں اپنے مارے جانے سے پہلے اُن دس کو تو ضرور جہنم واصل کر دیتا۔

اِنہی وقتوں پر محیط ایک دوسری روداد توفیق دیمراولو سے ملی ہے جو کہ کئی سالوں تک بحیثیت نائب وان رہے تھے۔ جناب نورسی کی زِندگی سے متعلقہ بہت سی تفصیلات اُس نے دی ہیں' اُس نے عبدالرحمٰن کے ساتھ اپنی وہ یادداشتیں بھی تازہ کی ہیں جب حکومت برطانیہ کی ناک کے عین نیچے چھ نکات انتہائی رازدارانہ طور پر تقسیم ہورہا تھا۔ وہ اشرف ایدیپ' محمد عاکف اور سبیل الرساد' نام کے ماہنامے سے اُس کی قربت کی یادداشتیں بھی تازہ کرتا ہے کہ کس طرح وہ سب یوسف ایزیدین پاشا کی بیٹھک پر لمبی لمبی بیٹھکیں کیا کرتے تھے اور بعد ازاں جہاں جملیکا میں جناب نورسی کا قیام بھی رہا تھا۔ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ کس طرح برطانوی اسلحہ خانوں سے وہ اپنے زیر جاموں میں اُن کی بندوقوں اور توپوں کو ناکارہ کرنے کا سامان چرالیا کرتا تھا جبکہ دوسرے تیسرے وہاں سے رائفلیں اور دیگر ہتھیار وغیرہ چرایا کرتے تھے۔

ہتھیاروں' اوزاروں اور اسلحہ کی چوری استنبول پر غیر ملکی قابضین کے خلاف بڑی

کامیاب حکمت عملی تھی۔ یہ مال استنبول سے غیر قانونی طور پر قوم پرست قوتوں کے ہاتھوں پہنچتا جو اناطولیہ کے مقبوضہ حصوں پر موجود تھیں۔ توفیق دیمراولو کی وضاحتوں سے یہی سامنے آتا ہے کہ اُس وقت رواں دواں کئی گروہوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اُس کا بھی بڑا گہرا ربط تھا۔ مارچ 1920ء میں استنبول پر دوبارہ قبضے بعدازاں گرفتاریوں اور بہت سی نامور شخصیات کی دربدریوں پر بہت سارے گروہوں کی عمل سازیاں جاری وساری رہیں جیسے کہ تشکیلیتِ محسوسۂ اور ہلال احمد سوسائٹی (ریڈ کریسنٹ ایسوسی ایشن) تھی۔

سب سے زیادہ فعال اور مؤثر کاراکول تنظیم تھی۔ 1920ء سے ہی انقرہ سے تربیت یافتہ بہت سی تنظیموں نے جنم لیا جن میں سے سب سے نمایاں ملی مہر ووفا گروپ کے نام سے تھی اور اُس اکیلے ہی گروپ نے 38 ہزار ٹن اوزار ہتھیار اور اسلحہ انقرہ کی طرف بھیجا جس سے کہ اُنہیں بڑے وسیع پیمانے پر انتہائی خفیہ طور پر تخریب کاری کا منصوبہ بھی سوجھا۔ وہاں کئی ایک چھوٹے چھوٹے گروپ بھی تھے لیکن ایسی کارسازی دیمراولو اور اُس کے دوستوں سے ہی منسوب ہونی چاہیے۔ مگر یہ کیسی دلچسپ بات ہے کہ وہ ملی مہر ووفا گروپ کا نام لگاتا ہے لیکن اُس کے قابل ترین اراکین تو ایسے عمل کو ناپسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس کے گروپ نے اُن کے علم میں لائے بغیر وہ کام کر دکھایا تھا۔

کسی طور پر بھی یہ سمجھ نہیں آتا ہے کہ جناب نورسی اُن عمل سازیوں میں مصروف کار تھا اُس کے اپنے اور دوسروں کے کاموں سے تو ایسی کوئی نشانی ظاہر نہیں ہوتی جو کہ آج کے مصنف نے بھانپ لیا ہے کہ اِس معیار کا مشہور آدمی اسلحہ کی رسد اور ترسیل میں ضرور ملوث رہا ہے کیونکہ اگر کوئی اُس کی ممکناتی سرگرمیوں کا موازنہ کرتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ اِس دوران ایک طرف تو جناب نورسی کی کمزور صحت اور مصیبت زدہ حالت دماغی نظر آتی تھی اُس کے مسائل کا حل ناگہانی طور پر نئے سعید کے ظہور میں پنہاں تھا جو کہ 1920ء کے آخری نصف میں کسی بھی وقت شروع ہو رہا تھا۔ اُس کی اپنی رُوداد کے مطابق اُس تکلیف دہ دُورانیے میں وہ خلوت نشیں ہو گیا۔

پہلی بات تو یہ رہی کہ وہ تحریر و اشاعت کے ہی بہت سے کام تلے آیا ہوا تھا۔ اکتوبر 1921ء سے پہلے پہلے اُس نے اپنے بارہ عدد کام شائع کیے جن میں کچھ کتابچے نما بھی تھے۔ مثلاً اشارات الاعجاز (1918ء) حقیقت کے بیج ا (20-1919ء) نوکتہ (19-1918ء) خطوط ستہ (1920ء) قزلِ اعجاز (21-1920ء) شعاعات (21-1920ء) رُموز (21-1920ء)

اشارات (1920-21ء) تلوعات (1920-21ء) سنوحات (1919-20ء) لمحات (1921ء) اور حقیقت کے بیج جیکیر دیکلیری II (1920-21ء) اُس کے بعد جو اُس کی اشاعتیں ہوئیں وہ ایک نئے سیّد زادے کی حیثیت سے کمال کی تصنیفیں تھیں۔

اپنی تمام تر کارکردگی میں جناب نورسی نے ہمیشہ ہی ''چھ نکات'' کا ضرور حوالہ دیا کیونکہ انقرہ میں بمعہ مصطفیٰ کمال اور دوسرے قوم پرست اُسے بار بار وہاں بلوا لیتے تھے' کہ اُس نے ایک فوجی ڈویژن کے مساوی خدمات سرانجام دی ہوئی ہیں۔ تاہم' کوئی دو سال بعد اُس نے وہاں جانے کی حامی بھر لی کیونکہ فالتو پُر خطر مقام پر مقیم رہنا اُس کی ترجیحات میں شامل تھا اِس میں بظاہر تو کوئی خاص معقولیت نہ تھی کہ' اِس لیے اگر وہ وقت کی اُس طوالت میں اپنی کوششیں ترک کر دیتا تو وہ پھر اُس کی آمد پر مسلسل مصر رہتے۔

اگر کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ مصطفیٰ کمال کی جناب نورسی سے کب کی واقفیت تھی تو جواب یہ ہے کہ مئی 1919ء میں اَناطولیہ چھوڑنے سے پہلے استنبول میں ہی ہوئی ہوگی جب جناب نورسی استنبول کی جانی پہچانی جگہوں پر آتا جاتا تھا یا پھر دستوری انقلاب کے وقت سالونیکا کے مقام پر ملے ہونگے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ جناب نورسی کو محض جانتا ہو اور جب وہ اناطولیہ کے تمام مذہبی رہنماؤں کی حمایت کی آبیاری کر رہا تھا تو اُس نے اُسے بلا بھیجا ہو۔ اور' یہ پہلو بھی عین عیاں ہے کہ مزاحمتی لحاظ سے دُوسروں کی نسبت اشرف ادیپ کی طرف سے شائع شدہ ''چھ نکات'' میں جناب نورسی زیادہ ملوث رہا۔

1960ء کے اوائل میں ہی ادیپ نے جناب نورسی کے ایک نوجوان شاگرد کو بتایا کہ زمانۂ التوائے جنگ میں ضلع فتح میں بر مقام زئی ریک بعنوان جماعت وہ ہمیں ہر ہفتے تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اِس انداز سے شاید اُس کی مراد اجتماعی ذہانتی عمل ہو جس میں سبوتاژی منصوبہ سازیاں اور دوسری سرگرمیاں سرفہرست رہتیں جن کے لئے وہ آسان فہم میں ''جماعت'' کی اِصطلاع استعمال میں لایا کرتا تھا۔ اِس سے برطانوی حکام کے اُن ارادوں کی بھی تشریح ہو جاتی جو کہ اُس کے استنبول میں رہنے یا رہنے کے متعلق رہا کرتے تھے اور پھر انقرہ میں مقیم دوسرے قومیتی لیڈروں کے دوش بدوش اُس کی مقبولیت سے بھی وہ خائف رہتے' جبکہ اُز خود وہ کسی انتہائی پُر خطر مقام پر مقیم ہونے کو ترجیح دیا کرتا تھا۔

بہت سے اہم مواقع پر اُسے حکم دے کر اور دعوت دے کر انقرہ بھی بلایا گیا' دو دفعہ تو

مصطفیٰ کمال نے بلا بھیجا تھا' جب وہ 24۔اپریل 1920ء کو مارشل فوزی چقماق و دیگر اہم شخصیات کی معیت میں گرانڈ نیشنل اسمبلی کا صدر منتخب ہوا تھا۔فوزی چقماق 17۔اپریل 1920ء تک حکومت استنبول میں وزیر جنگ رہا' پھر وہ خفیہ طور پر ہی استنبول سے انقرہ پہنچ گیا اور چیف آف سٹاف بنا دیا گیا۔استنبول میں متحارب تنظیموں کی ساری کی ساری ذمہ داری اور جوابدہی اُس پر تھی جو جنگ آزادی کے لئے دونوں فریقین کے لئے اکسیر ثابت ہو رہی تھی۔

یہاں سے ہماری توجہ ایک دوسرے معاملۂ متعلقہ پر جا ٹھہرتی ہے جس کے بغیر اِسے مکمل نہیں کہنا چاہیے اور وہ اپنے انور پاشا سے جناب نورسی کی خط و کتابت اور اِس خلاف توقعات ترسیلی ترقی کو اُس کے اُسی شاگردِ خاص سلیمان نے نوٹ کر لیا تھا۔1921ء میں ہی کسی دِن شاید ایک چھوٹی سی کشتی پر اُسکودار جاتے ہوئے' جو کہ باسفورس بھی لحظہ بھر کو ٹھہری' جناب نورسی اور وہ ساحل گھاٹ سے کوئی سو گز دور چٹان پر واقع لینڈر ٹاور پر رُک گئے' بیٹھ گئے اور آتی جاتی دُنیا کا نظارہ کرتے ہوئے جناب نورسی اپنے خیالات کی غواصی میں اُتر گیا۔

پھر اچانک ہی اُس نے اپنے بیگ میں سے ترکستان سے انور پاشا کا ایک خط نکال لیا (جس میں اُس کا اصرار تھا کہ مصطفیٰ کمال کو صدر منتخب نہیں ہونا چاہیے۔لیکن اِس سے مراد جو بھی لی جائے یقینی نہیں ہے شاید سلیمان کی یادداشتیں دھندلی دھندلی سی ہیں۔کیونکہ انور پاشا نے اکتوبر 1921ء کو بخارا سے باطوم کا سفر اختیار کیا جبکہ بولشویک کے ساتھ لڑائی میں وہ مارا۔4 اگست 1922ء کو گیا تھا اور تب تک نہ تو سلطنت ہی اور نہ ہی خلافت نیست و نابود ہوئی تھی۔اگر اِن نیم سچی کہانیوں کی تفصیلات درست نہیں ہیں تو یہ اُن حدود قیود اور ممکنات میں سے نکلی ہوئی ہیں جو انور پاشا جناب نورسی کو لکھتا رہتا تھا۔پیچھے یہ پہلو بڑا کھل کر سامنے آیا تھا کہ کس طرح جناب نورسی کی واپسی پر اُس کا اِستقبال ہوا اور پھر ذاتی طور پر اُس نے اُسے دارالحکمت میں رکھوایا بلکہ اگر جناب نورسی اپنی خدمات کا رُخ اپنی تعلیمات کی طرف نہ موڑتا تو انہوں نے اُسے اور بھی منصوبہ بندیوں میں منصوبہ ساز بنانا تھا۔کیونکہ سلطنت عثمانیہ کی شکست بھی انور پاشا کے حوصلے پست نہ کر سکی تھی اور سرمایہ دارانہ طاقتوں کے خلاف اُمت مسلمہ کا اتحاد اور اُٹھان اُس کی بلند و بانگ منصوبہ بندیوں میں با قاعدہ بند تھیں۔

جس طرح کہ محکمانہ طور پر اپنا اثر و رسوخ ختم کرتے ہوئے ترکی چھوڑنے سے قبل ہی اُس نے تشکیلیت محسوسۂ کا بندوبست ہاتھ میں لے لیا تھا تا کہ دُنیائے اِسلامی کی انقلابی تنظیم کے لئے بعنوان و بنام امم عالم اِسلام احتلالِ تشکیلتی کام شروع رہے۔کاراکول مزاحمتی تحریک

میں استنبول کی حد تک اِس تنظیم نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انور پاشا کے مطابق جنگی نتائج کو صحیح طور پر لیا ہی نہیں گیا تھا اور کاکیشیا میں جو اُس نے ایک نئی طاقت کمان کی تھی اُس سے وہ عثمانیہ کی شکست برابر کرنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔ اور وہ فوج اُس کے چچا ہلال پاشا اور بھائی جناب نوری پاشا کی زیرِ کمان بنام (اسلام اور ڈسوس) تھی۔

جب تک مصطفیٰ کمال نے بمقام۔ سکاریا فتح ترکی کے بعد ستمبر 1921ء تک اپنے آپ کو مضبوط لیڈر بنوا اور منوا نہ لیا تھا تو انور پاشا اُس کا یقینی رقیب تھا اور قوم پرستوں میں یونینسٹوں اور فوج میں سے بھی اُس کی حمایت جاری و ساری تھیں۔ بالشویک حمایت اور اناطولیہ کی طرف پیش قدمی کے لئے کاکیشین فوج سازی کے لئے اُس کی ساری کی ساری کوششیں اُس وقت تہس نہس ہو کر رہ گئیں جب 16۔ مارچ 1921ء کو ماسکو میں بولشویکیوں نے انقرہ گورنمنٹ کے ساتھ معاہدہ دوستی پر دستخط ثبت کر دیئے۔

اپنی اُمیدوں کے دروازے بند ہوتے دیکھتے ہوئے انور پاشا نے ماسکو چھوڑا اور باطوم چلا آیا' سرحد ترکی کو حتیٰ الوسع بند کر دیا کیونکہ داخلی طور پر حمایت کی چنگاریاں اُس کے لئے سلگ رہی تھیں۔ ہلال پاشا انور پاشا کی اناطولیہ میں واپسی پر پیدا ہونے والے حالات میں ساز باز ماحول میں ایک اہم میخ ثابت ہوا' تاہم حالات کی تہیں کھلیں تو اُن میں مصطفیٰ کمال کے فائدے زیادہ نمایاں ہوتے چلے گئے۔ آخر کار ستمبر 1921ء کے آخر تک اُس نے حاجی سامی کے بھائی اشرف کوسُو جو باسی کے ساتھ ترکی کی سرزمین کی مٹی کو چھوئے بغیر باطوم سے وسطی ایشیا کی طرف رُخ خاص کر لیا۔ یہ تب کے قضیے اور قصے ہیں جب انور پاشا اپنی واپسی کی منصوبہ سازیوں میں الجھا ہوا تھا اور اُس نے جناب نوری کو لکھا تھا)۔ عین درمیان باسفورس ایک چٹان پر براجمان جناب نوری نے اپنے تھیلے میں سے قلم کاغذ نکالا اور اُسے جواب لکھتے ہوئے شروع تو کچھ یوں کیا۔ ''اے' آزادی کے اِنعام دار پہلوان'' لیکن یہ کہیں بھی ریکارڈ اور ضابطہ تحریر میں نہیں ہے کہ اُس کے اُس خط میں تھا کیا؟

آٹھواں باب

التوائے جنگ کا دوسرا سال
ایک نئے سعید کا ظہور اور انقرہ روانگی

ستمبر 1919ء میں جناب نورسی نے ایک سچا خواب پایا، یا پیش بندی و بینی کی جو کہ بعد ازاں اُس نے سنوحات میں محفوظ بھی کر لی تھی۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ جب حالات و حادثات کے جوار بھاٹوں میں بڑے دباؤ میں تھا تو اُسے اُن گھمبیر اندھیروں میں اُمید کی کرن کی سخت جستجو تھی۔ اپنے اُس خواب میں اُسے ہر صدی میں سے مدعو بڑے بڑے اسلامی رہنماؤں سے بھری پڑی ایک بہت بڑی اسمبلی میں بلا بھیجا گیا اور پھر موجودہ حالتِ اسلامی پر کچھ کہنے کے لئے بھی کہا گیا تو سب کی توقعات کے برعکس جناب نورسی کے جواب میں وسیع تر تناظر میں سرمایہ داری کے بہاؤ' سلطنت عثمانیہ کے بچاؤ' بحالی اسلامی بھائی چارہ اور اپنی شکست فاش کے پہلو سب سے نمایاں تھے۔

اور پھر یہ سمجھاتے ہوئے کہ دورِ حاضر کی جارحیت پسند شہنشاہیت اور استحصالی سرمایہ داری کی کوکھ سے نکلی ہوئی جدید تہذیب کو اسلام کیوں رد کرتا ہے۔ اُس نے اُن اصولوں اور ضابطوں کو بمعہ نتائج وضع کیا جن پر کہ مغربی اور اسلامی تہذیبیں بسیرا کرتی ہیں' تو اُس کے اُس خواب میں اُس کے اُس انتہائی دلچسپ اور اصل الاصول تشریحی مواد کی اُس اسمبلی میں تالیاں بجا بجا کر تائید کی گئی بلکہ ایک نائب نے تو اعلان بھی کر دیا کہ' ہاں ہاں' پر اُمید رہیے گا۔ آنے والے اُتار چڑھاؤ میں سب سے مضبوط اور مؤثر آواز اذان اسلام ہی کی ہوگی۔

اسلامی اور مغربی تہذیبوں کے تقابلی جائزے اُسی دورانیے میں جناب نورسی کے بہت سے تحریری سیاق و سباق میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اِسی ایک ہی نکتہ فکر سے متعلقہ اُن حوالوں سے ہمارے سامنے اُس کی ایک فکری تفصیل' وجوہاتِ عقیدۂ بھلائی اور خواب میں دیکھی گئی افزائش مستقبل کی اُمیدیں بھی جاگ اُٹھتی ہیں۔ حالات حاضرہ کی بحث و تکرار اور وسیع تر سیاق و سباق

میں اگر دلائل جناب نورسی شامل ہو جائیں تو اُن کا شیشہِ فکر اور بھی صاف اور عریاں ہو جائے گا۔ جو کہ مشرق اور مغرب کے نظریاتی تصادم کو مرکوز کیے ہوئے ہے۔ روسی انقلاب کی رو میں اِن تصورات کے معنی مفہوم میں ایک تبدیلی سی آ گئی تھی لہٰذا مغرب نے تو سرمایہ داری کے لئے اپنے پاؤں پکے کرنے شروع کر دیئے جبکہ مشرق دُنیا کے اُس حصّے میں سے تھا جو سرمایہ داری کے خلاف سر اُٹھا رہا تھا۔ ترک زادے اور اِسلام زادے دُونوں ہی مشرقی نظریئے کی طرف مائل ہوئے چلے جا رہے تھے۔ بمطابق بر کرز' پورے وثوق سے ہی یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ مغرب کو مشرق کے ستم زدگاں لے بیٹھیں گے۔ استنبول اور اُس کی آزادی کی زد میں آئی ہوئی اکورڈ پارٹی تو مغرب کا اوڑھنا اوڑھ چکی تھی لیکن بحوالہ اُن کی سوچ بچار کے' انقرہ نے مشرق کا لبادہ لے لیا تھا (1921ء)۔

بمطابق تجزیہ نورسی' یہ چیز ذہن میں رہنی چاہیے کہ جس کی طرف اُس نے متعدد بار اشارہ بھی کیا تھا کہ جدید تہذیب عیسائیت کی پراپرٹی یا پیداوار نہ تھی اور نہ ہی اسلام کی طرف مراجعت کرنے والا کوئی عملی اقدام تھا۔ یہ سوچنا کہ تہذیب ہذا عیسائیت کی ہی پراپرٹی ہے' ایسا ہرگز نہیں ہے' اور اِس کا زوال دکھاتے ہوئے پلڑہ اسلام میں ڈال دینا اسلام سے عداوت ہے اور اِسی تہذیب کی بانہوں میں بانہیں ڈال لینے کا مطلب ہوا کہ گردشِ آسمان اُلٹی سمت چل پڑی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی دیکھ چکے ہیں اسلام تعمیر و ترقی کا حکم اور تمام تر تہذیبی لوازمات کی اشتمالیت کی ہدایت کرتا ہے۔

''میں اپنی پوری علمی توانائی سے اِس بات کا اِعلان کرتا ہوں کہ تہذیب میں کوئی چیز بھی اپنی اصل ہیّت میں اچھی (یا بُری) نہیں ہے اور نہ ہی مکمل وثوق سے اسلام ہی اِس کی ضمانت دیتا ہے۔'' جبکہ' ایک دوسری جگہ اُس نے لکھا تھا کہ تہذیب میں جو چیزیں اچھائی کی علامتیں گردانی جاتی ہیں وہ شریعت ہی کی کشید کی ہوئی ہیں۔ اِس سے دو قدم آگے نورسی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جدید تہذیب میں بھی اسلام نے ایک بنیادی اور کلیدی کردار ادا کیا ہے۔'' میں اِنکار تو نہیں کر سکتا ہوں کہ جدید تہذیب میں بھی بہت سی خوبیاں اور اچھائیاں ہیں۔

لیکن نہ تو وہ عیسائیت کی ملکیت ہیں نہ یورپ کی اختراعات ہیں اور نہ ہی اِس صدی کا کوئی کارنامہ ہیں بلکہ برعکس اِس کے وہ ایک مشترکہ سی ملکیت ہیں' وہ خوبیاں اور خاصیتیں اِنسانی اِجتماعی تفکرات کی اجتماعی پیداوار ہیں' ضروریاتِ بنیادی پر مدلل قوانین مذاہب ہیں بلکہ بطور خاص شریعتِ محمدی ﷺ کے اسلامی انقلاب کی دین ہیں۔ اپنے اگلے کام میں تو نورسی نے اِس کے

لیے بڑی مضبوط اِصطلاحیں استعمال کی ہیں کہ مغربی تہذیب اور صنعتی ترقی میں جو بھی خاصیتیں نظر آتی ہیں وہ مکمل طور پر اسلامی تہذیب سے ہی اخذ کی گئی لگتی ہیں اور جو کہ قرآن اور دیگر مذاہب کی روشنی میں ہی رواں دواں ہیں۔

تاہم مغرب میں تہذیب کی برائیوں نے اِس کی اچھائیوں پر غلبہ پالیا تھا اور جناب نورسی نے اِس کی دو وجوہات دی تھیں۔ پہلی یہ تھی کہ مغربی تہذیب کا جنسی بھوک کے متعلق کھلم کھلا اجازت دے دینا جو کہ کسی بھی مذہب یا معقول تہذیب کے توازن میں سے ہرگز نہ تھا۔ دوسری وجہ ذرائع گزر اوقاتِ زندگی پر غیر مساویانہ دھکم پیل تھی جو کہ آخر کار مذہب نا آشنائی کا ہی شاخسانہ تھی اور جو بالآخر تہذیب ہذا کو بربادی کنارے لے گئی۔ تاہم' جناب نورسی نے یہ پیشین گوئی بھی کر دی تھی کہ چونکہ تہذیب مغرب عیسائیت سے دوری پر تھی اور اُس کے اُصول وضوابط بھی کسی الہامی مذہب پر مبنی بر بنیاد نہ تھے بلکہ یونانی اور رومن فکر پر اُستوار تھے لہٰذا یہ منتشر بالانجام ہوں گے اور اپنی نجات کے لئے بالآخر اسلامی تہذیب وتمدن کی آغوش میں ہی آ پناہ لیں گے۔

مثبت اندازِ فکر وحیات کو اُس نے الہامی نتائج اور منفی انداز فکر وحیات کے نتائج موجودہ کو فکر وفلسفہ گردانا یا پھر اہل عقل اور ہدایت خداوندی کے مابین سمجھا اور سمجھایا بلکہ کبھی تو اُسے اُن کی دلیل محض کہہ دیا۔ تہذیب مغربی کو اُس نے یوں بھی لیا۔ ''یہ اپنا موقف کچھ اِس قسم کی توانائی کی معاونت میں پیش کرتی ہے کہ از خود ایک جارحیت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اِس کا مقصد اعلیٰ ہی ذاتی مفاد میں ذاتی دلچسپی کی حد ہے جس میں اور جس کے بعد ہر کوئی دوسرے کو بغیر کسی پکڑ کے دھکا دے کر چلتا بنتا ہے۔ اِس کا مقصد حیات ایک اُلجھاؤ پر مبنی ہے اور جس کی تشریح وتوضیح ہی برائے برابری بحث وتکرار ہی ہے۔

بہت سے گروہوں کے درمیان جو رابطہ ہے وہ بوجہ نظریہ نسل اور منفی قوم پرستی ہے جو کہ اپنی خوشحالی کے لئے دوسروں کا خوفناک حد تک استحصال کرتی چلی جا رہی ہے۔ اِس کی جو سبز باغ خدمات ہیں وہ جذبات ہوس کی حوصلہ افزائی' تکمیل خواہشات اور لاشعوری خبط کا خرافاتی حاصل وصول ہی ہے۔ اور جہاں تک جذبات وہوس کاری کی کارستانی ہے تو یہ ایک انسان کو فرشتوں کے رتبے سے حیوانوں کے اصطبل تک لے آتی ہے۔'' اور جن اُصول وضوابط پر تہذیب اسلامی انحصار کرتی ہے وہ سب کے سب اُن کی خرافات کے عین برعکس ہیں۔

''اِس کا مددگاری موقف سچ ہے نہ کہ طاقت اور یہ انصاف اور مساوات کا

مظہر ہے اِس کے مقاصد اولیٰ دنیاوی فائدوں اور ذاتی اعراض کی بجائے عام بھلائی اور خوشنودیٔ خداوندی ہیں اور جو کہ محبت اور دوستی کی دوڑ میں علامتِ انسانیت ہیں۔ اِس میں اتحاد و یگانگت کے معنی مذہب ملک اور اپنی جماعت کی حدود و قیود ہیں نہ کہ نسل اور قوم پرستی وغیرہ جو کہ مخلصانہ بھائی چارے' صُلح صفائی اور باہمی تعاون کی دعوے دار ہوتے ہوئے کسی بھی بیرونی جارحیت کے آگے ڈھال ہوسکتی ہیں۔''

رَوانی حیاتِ اِنسانی میں اِس کے مزید اُصول و ضوابط الجھاؤ کی بجائے باہمی معاونت و مددگاری کے مظہر ہیں۔ ہوس کاری کی جگہ رُشد و ہدایت ہے جو کہ ترویج اِنسانیت اور روحانی استحکام کی علامت و ضامن ہے۔ یہ مانع عامیانہ جذبات کاری ہے اور نفسانی و رُوحانی طور پر بنیادی خواہشات میں ہیجان خیزی کی بجائے یہ اِحساساتِ رُوحانی کی ایک اعلیٰ پیمانے پر آبیاری کرتی ہے۔ ترویج تہذیب کے لئے جناب نورسی تقابلی طور پر اور بھی تفاصیل دیتا ہے جن میں سے شاید دو کا حوالہ یہاں بھی ہے اور اُن میں سے پہلے نمبر ضابطہ تحریر و ادب ہے۔ 1921ء میں استنبول میں چھپنے والے لیمیت کے ایک تراشے میں آزاد مصرعوں پر مبنی بہت سارے نکات کا تحریری ذخیرہ موجود ہے۔

جس میں جناب نورسی قرآنِ کریم کو بطور ادب یورپی ادب سے تقابل کرتا ہے یہ ادب اُس ناول سے مستعار لیا لگتا ہے جو عبدالمجید کے زمانۂ سلطنت عثمانیہ میں یورپی اثر و نفوذ میں ایک مضبوط دستور کی آواز تھا۔ جناب نورسی بیان کرتا ہے کہ یہاں ادب کے تین خطہ جات ہیں اور وہ حسن محبت' شجاعت بہادری اور مبنی بر بیان حقائق ہیں۔ یورپی ادب ہی کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ پہلے ہی مرحلۂ ادب میں وہ تو محبت کے اصل معنی و مفہوم تک سے نا آشنا ہیں' اُن کے ہاں محبت صرف نفسانی بھوک مٹالینے کا ہی دوسرا نام ہے اور پھر یہ چیز متعلقہ اعلیٰ دماغ اِنسانی ہے عام انسانی دماغ اِس کی معنویت کے لئے موزوں نہیں ہیں۔

دوسرے پہلو میں بھی اُن کے ہاں تصورّ طاقت ہی نمایاں تر ہے اِنصاف اور حمایت حق سچ کہیں دُور پرے رہ جاتی ہے۔ مبنی بر بیانِ حقیقت جناب نورسی نظریاتِ مغرب پر بڑی کھل کر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ نکتہ اُٹھاتا ہے کہ چونکہ 'مغربی اَدب کے پیش نظر کائنات بطور آرٹ اور فن خداوندی نہیں ہے بلکہ نکتہ نگاہ نیچر یعنی فطرت ہی ہے اور یہ مادیت پرستی اور محویت فطرت

یعنی عبادتِ فطرت پر دلالت کرتی نظر آتی ہے۔اور اَب افسانہ' کتابی شکل میں ہو' تھیٹر میں ہو یا سینما سکرین پر ہو تو صرف اِسی قابل ہے کہ بوجہ' گمراہی تہذیب حاضرہ روحانی ونفسانی تسلط کی نشاندہی اور تدارک کر لے۔

وہ تو مزید بھی کہتا چلا جاتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ہی احساسات مایوسی پیدا کرتے ہیں لیکن' جب یہی افسردگی اور سنجیدگی بذریعہ قرآن وجود میں آتی ہے تو یہ ایک احساسِ بلند پایہ وبلند مایہ ہوتا ہے جبکہ یورپی ادب باعث یاس وناامیدی کے سوا کچھ اور نہیں۔ یہ اپنے وجود کے وژن سے اظہار پا کر دوبارہ بھی سر نکال لیتا ہے۔ یہ دُنیا تو ایک بے ملکیت جنگل بیابان ہے' جو شئے اُفسردگی کو اُوپر لاتی ہے وہ یہی بہری فطرت اور اندھی طاقت ہی ہے۔ یہ اُس یتیم کے دلگداز رنج و الم کی مانند ہے جو اپنے دوستوں کی کمی اور غیر حاضری کی وجہ سے دل گرفتہ ہوتا ہے۔

جب کوئی خوشی یا جذباتی جوش وخروش باہم ہوتے ہیں تو قرآن روح اور جذبات کو ایک بالیدگی بخشتا ہے جبکہ یورپی اَدب اِنسان میں حیوانی بھوک کو بھڑکاتا ہے اور اِنتہائی نچلی سطح پر پہنچ کر ایک فطری سی تسکین دیتا ہے۔ یہیں' اِسی مقام پر جو ایک دوسرا پہلو قابلِ غور ہے وہ فطری معاشرتی معیشت ہے۔ یہ بھی مغربی تہذیب میں موجود فطری ناانصافی کی دین ہے اور اِس کے رنجیدگی سے بھرپور انجام کار کے تدارک کے لئے اگر کوئی توڑ ہے تو وہ اسلام میں ہی ہے۔ بالخصوص بیسویں صدی میں معاشرتی سطح سے اُوپر اُٹھ کر آتے ہوئے نسل انسانی نے جو بنیادی کشٹ کاٹے ہیں اُنہیں نورسی دو پیراؤں میں بلیغ کرتا ہے۔

ایک تو یہ کہ' اگر دوسرے تیسرے بوجہ بھوک مرتے ہیں تو مجھے کیا؟ میں پُر باش ہوں' لہٰذا خدا حافظ' اور دوسرا پہلو یہ کہ' شاباش' آپ کوشش اور محنت کریں تاکہ میں آرام اور سکون سے رہوں۔ معاملہ ہٰذا میں وہ باوثوق ہے کہ اگر عامۃ الناس کا صفایا بھی ہونے کو ہو تو بمطابق احکاماتِ قرآنی اُنہیں زکوٰۃ دی جائے لیکن سُود سے منع کیا جائے (وروجوب زکوٰۃ حرمت ربا)۔ بذریعہ امیر طبقہ اگر غریب طبقہ کو تکبر دباؤ اور ظالمانہ طرز پر روا رکھا جائے تو پہلے پیرائے میں بیان کردہ وجوہات نہ صرف بغاوت اور عداوت جنم دیتی ہیں بلکہ انسانیت ہی کو اُلٹ پلٹ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ دوسرے پیرائے میں بذریعہ' امراء اور رؤساء غرباء کو حسد اور عناد کی پناہ گاہوں کی طرف ہانکنے سے صدیوں پر محیط تحفظ ونقص اَمن عامہ تباہ وبرباد ہیں' اور اب رہی یہ صدی تو خیر سے سرمایہ دار اور مزدور کے مابین کشمکش نے ایک وسیع پیمانے پر مصائب اور بدنظمی کو ہوا دی ہے۔

زکوٰۃ (خیرات) کی کارگزاری اور سود کی ممانعت سے جو صورتِ حال واضح ہو کر سامنے آتی ہے سو یہ ہے۔ مجموعی طور پر سوسائٹی کی تعمیر وترقی اور ضبط میں جو عنصر کارفرما ہوتا ہے وہ مختلف طبقات میں بغیر پل کے کسی خلیج کے پھیلاؤ کی اجازت نہیں دیتا۔ افراد اور اونچے طبقات کو نچلے طبقات سے زیادہ دوری اختیار نہیں کرنی چاہیے کہ باہمی رابطوں کے راستے ہی مسدود ہو جائیں جیسا کہ مغربی تہذیب میں ہوا۔ اُن معاشروں میں ہونے والے نیک کاموں، تدریسی اخلاقیاتی استحکام، سخت قسم کے اُصول وضوابط کے باوجود یہ تہذیب نہ تو اُن دو طبقات میں کسی قسم کی مفاہمت ہی کرا سکی اور نہ ہی پیچھے دیئے گئے پیراؤں میں موجود اُن کے زخموں کو مندمل ہی کر سکی۔

تاہم، زکوٰۃ (خیرات) کی لازمی ادائیگی اور سود کی ہر چند ممانعت سے اسلام امیر غریب کے درمیان ایک رشتہ اُستوار کرتا ہے بلکہ مابین اُن کے بااخلاق اور باعزت رابطوں کی تشکیل کرتا ہے اور طبقاتِ ہذا میں ہی دوریاں پیدا نہ ہونے دینے کے لئے یہ معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کے لئے احکام صادر کرتا رہتا ہے۔ یہ اُن دو پیراؤں میں موجود مسائل کو اور اُجاگر کرنے کے لئے اور اِنسانیت کو لگے زخموں کو مرہم بھی فراہم کرتا رہتا ہے۔ لیکن، جب اسلام ایک سچی تہذیب کی تشکیل کرتا ہے اور وہ مغربی تہذیب کی مادیئت سے پٹ جاتی ہے تو ایک مسلم پر کیا گزرتی ہے، اپنے اُس خواب ہی خواب میں نورسُی اِس سوال کے لئے بھی جوابدہ ہوتا ہے۔

اسمبلی میں اُس سے بذریعہ ایک نائب پوچھا گیا کہ اپنے کس عمل صالح کی بنیاد پر آپ نے خدائی احکام کی تکمیل کے لئے یہ فتویٰ جاری کیا جس سے کہ آپ ہی کے لئے مصائب کھڑے ہوئے۔ جناب نورسی جوابدہ ہوا کہ مجوزہ نمازوں، ماہ رمضان کے روزوں اور زکوٰۃ کی ادائیگی جیسے تین اہم اسلام کے ستونوں کی تزئین وآرائش کو بھول جانے کی وجہ سے اُن پر یہ سب کچھ ہوا۔ اور پھر اُس نے فریضۂ حج کی بھی فراموشی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اور نوٹ کا اضافہ کیا۔

قرآن کی مکمل فوقیت:

اِسلامی دُنیا اور بالخصوص سلطنت عثمانیہ کے زوال پر دلالت کرتی ہوئی بہت سی وجوہات نورسُی نے اپنے اِقتباسات اور خیالات میں واضح کی ہیں۔ کھلے دِل ودماغ سے سوچتے بولتے ہوئے اُن وجوہات کو دو بڑی شہ سرخیوں کے تحت سُرخرو کیا جا سکتا ہے۔ ایک مذہب اور دُوسری مطلق العنانیت ہے یا پھر مختلف علاقہ جات میں اُصولوں کی پاسداری کی بجائے ناکامی اور

نامرادی کی قبولیت تھی۔ اور دونوں ہی باہم شیر و شکر ہیں، مطلق العنانیت میں اُس کا ہر ایک کی پہنچ سے باہر ہونے اور منفی انجام کار کے حل کے لئے دستور، آزادی اور مشاورتی خاکوں کی شریعت میں بہت گنجائش ہے اور جناب نورسی کے ہاں تو اِن کاموں اور کارناموں کی ایک تفصیل موجود ہے۔ مذہب ہی کی مد میں بہت سے انحطاط پذیر علاقہ جات اِن سُرخیوں کی لپیٹ میں آتے ہیں اور اپنے حل کے زمرے میں بہت سے مقامات پر زیر بحث بھی آتے ہیں۔ اُن میں ہی میدان تعلیم اور مدرسہ نظام میں ایک واضح انحطاط نظر آتا ہے اور اِس کے لئے نورسیؒ جو حل سامنے رکھتا ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ اُس شگاف کا دامن بھر دے گا جو علمائے کرام، صوفی طبقے، سیکولر صاحبان، مغربی تعلیم کی پشت پناہی، پیچھے زیر بحث آنے والے اِسلامی ستونوں کے خلاف عدم توجہ رویے، اخلاقیات کے باب میں مسلم معاشرت کے خلاف غیر صحت مند سوچوں اور سب کے سدباب کے لئے اپنے خطبہ دمشق میں دی گئی تجاویز پر پیدا ہو گیا تھا۔

تاہم اسلامی دُنیا اور اُس کے دائیں بائیں موجود انحطاط اور زوال کے ایک جامعہ تجزیے کی کوششوں کے بعد جناب نورسی نے جو وجوہات سامنے رکھی تھیں ہم اُن کے برعکس آگے آنے والے چند نکات زیر غور کرتے ہیں۔ محاکمات میں قرآنی اُصول وضوابط کے استحکام کے لئے جو تحریری کام تشریح و تفسیر کی شکل میں ہوا اُس کی رُو سے اور پھر بمطابق جناب نورسی زوال کے ضروری عناصر میں سے اِسلام کے دِلی طور پر سچے معنی مفہوم کا سراسر رائیگاں رہ جانا ہے۔ اُس نے لکھا، ہم نے اسلام کے اصل خمیر اور تخم سے پرے ہٹتے ہوئے اپنی نظریں اس کی ظاہری ہیئت پر ہی جما دیں بلکہ بوجوہ اپنی کم فہمیوں اور کج رویوں کے ہم نہ تو اسلام کو اپنا سکے اور نہ ہی اُسے اُس کا جائز مقام ہی دے پائے۔

لہٰذا، پھر اس نے بھی اِس کراہت آمیزی پر مکر و فریب سے بادلوں میں اپنا راستہ مخفی اور طویل تر کر لیا۔ اِس کے لئے اِس کے پاس جواز بھی تھا کیونکہ ہم نے اپنے بنیادی عقائد میں اسرائیلیت داخل کر لی، ایمان وایقان میں قصے کہانیاں شامل کر لیں، صداقتوں میں اشارے کنعائے جمع کر لئے لیکن اس کی اہمیت کو اہمیت نہ دی، تو پھر بطور سزا اس نے بھی ہمیں ناداری اور مفلسی کی گھپاؤں میں دھکیل دیا اور اب ہماری نجات کس عمل میں ہے، دوبارہ سے طلب رحم میں ہے۔ بعد ازاں اپنی اِسی کاوش میں مزید توسیع و تشریح کرتے ہوئے واضح کیا کہ کس طرح

اِسرائیلیت اور یونانی فکروذکر اِسلام سے نتھی ہوئے اور ایک بظاہر آراستہ سے مذہب کو ہمارے دماغوں میں ایک بے ترتیبی سے پھینک دیا۔

یہ سب ہوا کیسے' اِس کی تشریح کرتے ہوئے وہ اُن احوال کو خاطرِ جمع میں لاتا ہے کہ جب مبنی بر قرآن تبصرہ جات ہورہے تھے تو کچھ اخراج پسند علماؤں نے اِس کی بعض سُورتوں اور آیتوں کی تفسیر میں اسرائیلیت کی پیوند کاری کردی تھی۔ جب بھی اور جہاں کہیں بھی جناب نورسی نے قرآنی تشریح وتفسیر کرنی چاہی تو اوّل و آخر قرآن اور مستند احادیث مبارکہ ہی ٹھہریں۔ یہ کتابِ قرآن' توریت اور انجیل مقدس کی طرح نہیں ہے کہ جن کے احکامات بمعہ قصے کہانیاں وقت کی گرداور گردش میں دب اور اَٹ چکے ہیں۔

جہاں تک فکر وفلسفۂ یونانی کا تعلق ہے تو وہ داستانوں اور توہمات کی پیداوار تھا اور جہاں اُس سے ایک اُلجھاؤ پیدا ہوا وہاں تفتیشی اور تعمیری تفکر کی جگہ دیکھا دیکھی نقالی یعنی اندھی تقلید نے لے لی۔ مابین فلسفہ اور مادیت یکسانیت اور تعلق داری تلاش کرتے ہوئے قرآن نے عقل و دلیل کا سہارا لیا جبکہ اخراج پسند مفکرین نے اُسی نام نہاد فلسفے پر ہی تکیہ کرلیا نورسیؒ نے کہیں کہا کہ' اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے' اِس الہامی اور معجزاتی کتاب کی تشریح وتوسیع بھی معجزاتِ الہامی ہی ہیں' اِس کا متشرح اور مبصر بھی اِسی سے لازم وملزم ہے' اِس کا معنی مفہوم بھی اِسی میں موجود ہے' اِس کا دامن مٹی سے نہیں بلکہ موتیوں سے منہ تک لبریز ہے۔

آئیں سنوحات پر بات کرتے ہیں جو کہ 20-1919ء میں شائع ہوئی اور مبنی بر قرآن اور زوالِ اسلام تھی۔ ''قطعی نفاذِ قرآن'' جناب نورسی کے اُس تدبر سے تعلق رکھتی ہے جو تصور مذہب کے بارے میں ہے اور جس کا کہ مسلمان قومیت کے ہاتھوں ہی بیڑہ غرق ہوا۔ خلاصہ دلائل جناب نورسی یہ ہے کہ' برعکس تقدیس قرآن یہ عقل و دلائل ہی ہیں بذریعہ جن کے عامتہ الناس کے تصوراتِ مذہب پختہ ہوتے ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ قرآنی تبصرہ جات اور شرعی کتابیں بھی اپنا آپ منوا چکی ہیں' بلکہ اِس تقدس کے پردہ دار اور پردہ پوش بھی وہی نظریات عقل ودلائل ہی ہیں۔

پہلے پہل تو جناب نورسی یہی دلائل دیتا ہے کہ اگرچہ بنیادی عقائد ایمانی اور اسلام کے ستون وغیرہ جو کہ نبی پاک صلعم کے قرآن اور سنت کی ذاتی ملکیت ہیں اور جو یہ عقدہ کھولتے ہیں کہ قرآن نوے فیصد تو مکمل طور پر مذہب ہی ہے جبکہ فروعی اور اختلافی نکات جو کہ محتاج اِجتہاد

ہیں صرف دس فیصد ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ نکاتِ اوّل نے ایک حوصلگی اور سرپرستی پکڑ لی ہے جبکہ موخرالذکر اُن کی ماتحتی اور معاونت میں آ گئے ہیں۔ اگرچہ وہ کتابیں جن میں مجتہدین کی تشریحی تعلیمات مندرج تھیں کو قرآنی تشہیری مقاصد کے لئے آئینہ رُو ہونا چاہیے' اُنہیں اِسے مبہم یا مخفی نہیں بنانا چاہیے اور یہ بھی اُنہی کتابوں پر ہی منحصر ہے کہ عامتہ الناس کی توجہ کسی ایک نکتہ خاص پر مرکوز ہو گئی ہو۔

وہ دُھندلے راستوں پر صرف قرآن کی ہی روشنی کے حامل راہ گیر ہیں مگر اُنہوں نے اِن کتابوں کو قرآن کا فرمان نہیں بلکہ اُن کے مصنفین کا لکھا سمجھ کے پڑھا ہے۔ اِس صورت حال کے نتیجے میں عام ذہن وضمیر کا حاملِ معتقد ایک عجیب انداز میں بے حسی اور بے زندگی کا عادی ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر قرآن کو مذہب میں بنیادی طور پر عیاں کر دیا جاتا تو ذہن انسانی قدرتی طور پر اِس کی تقدیس کو پالیتا جو کہ مبنی بر مذہب با تصدیق رو بہ دلائل ہے' ضمیر اِنسانی کو جگانے والا ہے اور اِس قرآن کی زمینی اور حقیقی ملکیت ہے۔ اِس صالح عمل سے دِل انسان حساس ترین ہو جاتا بلکہ اِس کی سرزنش پا کر ایمان وایقان میں گونگا بہرہ بھی نہ رہتا۔

جناب نورسُی مزید بیان کرتے ہیں کہ بطرف قرآن عامتہ الناس کا رُخ موڑنے کے لئے اور ہدایت دینے کے لئے تین رُخ ہیں۔ پہلا تو تقریباً پرخطر ہی ہے اور دوسرے کو وقت درکار ہے۔ جبکہ تیسرے طریقے میں قرآن کی راہ میں حائل مخفی برائیوں کو دور کرتے ہوئے اِسے عام معتقدین تک پہنچا دیا جائے۔ اَب اِس مقام پر حاملِ اعتقاد نے اِس کی خالصتاً ماہیت کو جانچنا ہے۔ یوں کہہ لیں کہ جیسا کہ ہم نے دیکھا نوے فیصد معتقدین قرآن وسنت ہی کی تلاش میں ملنے چاہئیں' رہی بات دیگر معاملات کی اہمیت کی اور متشرح لوگوں پر یقین رکھنے والوں کی تو وہ ہوتے ہی دس فیصد ہیں اور انہی متشرحین کے کام میں ہی مستغرق رہتے ہیں جنہیں کہ مجتہد بھی کہہ لیتے ہیں۔

اور اگر واقعی وہ کوئی سنجیدہ معاملہ تھا جیسا کہ شریعت پر لکھے گئے کتابوں کے لاتعداد تبصروں کی ضرورت کو دکھایا گیا تھا تو کیوں نہ اُنہی میں رچ بس کر اپنا قبلہ قرآن کی طرف کر لیا جاتا تو یقیناً وہ طلب اور پیاس اُس رسد اور پانی سے بڑھ جاتی۔ لہٰذا اِس طرح پورے مسلم معاشرے پر اپنے مکمل معنی مفہوم میں غلبۂ قرآن ہو جاتا۔ متذکرہ ہذا تراشے کی لکھائی کے بعد جناب نورسی نے ایک عدد مختصر سا مگر بڑا ہی باوقار اور شاندار خواب دیکھا جو کہ کچھ یوں ہے۔

ایک رات' یہ سب لکھنے لکھانے کے فوراً بعد میں نے خواب میں پیغمبر خدا ﷺ کو

دیکھا' میں اُن کی حضوری میں ایک مدرسہ میں موجود تھا' پیغمبر خداﷺ بحوالہ قرآن کریم مجھے ہدایات دیتے چلے جارہے تھے۔ آمد قرآن کریم (نزولِ قرآن) پر پیغمبر خداﷺ تعظیم سے اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے چلے گئے۔ اُس لمحے مجھ پر یہ واضح ہوا کہ وہ اپنی اُمت کی رُشد وہدایت کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ آخرکار میں نے اِس خواب کو اُس کی اُمت کے ایک امین سے منسوب کردیا تو آگے سے اُنہوں نے اِس کی تاویل یوں کی' یہ یقیناً علامتِ توانائی اور خوشخبری ہے کہ اُس جلیل القدر ہستی کی کتاب کامل پوری دُنیا میں مانی جانے کے لئے تعریف وتوصیف حاصل کر کے رہے گی۔

نئے سعید کا ظہور:

روسی قیدی کیمپ سے استنبول آنے کے کوئی دو سال بعد جناب نورسی میں اندرونی طور پر ایک تعقلی تبدیلی آتی چلی گئی' یعنی اُس کی روح میں ایک انقلابی اُمنگ بھری تبدیلی' اور پھر اُس شورشِ داخلہ میں سے اُس نئے سعید کا ظہور ہوا۔ عبدالرحمٰن کی سوانح عمری اور دار الحکمت اِسلامی سے غیر حاضری پر چھٹی کی درخواستوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب نورسی کی صحت جواب دے رہی تھی۔ وقت جنگ کے پیچ در پیچ موڑ اور مروڑ اور اسیری کی سختیوں نے اپنا خراج لے لیا تھا' سفاکیت بھری ناسازگاریوں میں اپنے بہت سے شاگردین کی شہادتوں کا بھی وہ عینی شاہد تھا۔

جو کہ سلطنت عثمانیہ کی شکست اور غیر ملکی قبضے پر ہوئی تھیں' اور وہ سب کچھ ذہنی وجسمانی دباؤ اور مصائب ہی کا شاخسانہ تھا۔ تاہم' جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ دریائے وولگا کنارے چھوٹی سی مسجد میں رُوحانی طور پر جاگے جانے کے دورانیے کو زیر بیان لاتے ہوئے اپنی تمام تر دوسری سرگرمیوں سے ہٹ کر جناب نورسی اپنی واپسی کے اِبتدائی دو سالوں کو بے توجہی کا دورانیہ گردانتا ہے' جس میں عارضی طور پر ہی سہی وہ اپنے تمام دعوؤں اور فیصلوں کو بھول بھال کر اور معاشرتی زِندگی سے بھی الگ تھلگ ہو کر اپنے اندر کی دُنیا میں محو اور مرکوز ہو گیا۔

اپنی کارگزاریوں میں بہت سی جگہوں پر جناب نورسی نے وہ تفاصیل بھی دیں جو اُس کی زندگی کا رُخ موڑ دینے کے مواقعات پر معتبر تھیں جن کی مدد سے ہم ایک معتبر سا نقشہ بھی بنالیں گے۔ 1920ء کے دوسرے نصف میں شروع ہوتے ہوئے 1921ء کے آخر تک اُن کی ذہنی اور روحانی ترسیل نے تکمیل پائی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ چند ہی الہامی آگاہیوں کی جھلکیوں نے روحانی

آ گاہی کے عمل کو از سر نو شروع کر دیا تھا۔ عمل ہذا ایک ایسے ویژن کا حامل تھا جیسے کہ استنبول شہر کا اوپر سے نظارہ کیا جائے اور مطلق حقائق، موت، علیحدگی، عمر کہن اور ناپائیداری اشیائے حاضرہ کا ادراک حاصل ہو۔ جناب نورسی کا کہنا ہے کہ ہر عمل علم سے پہلے اُس نے جو سالوں پہلے پڑھ رکھا تھا سے روشنی اور تشفی حاصل کرنے کی بھی کوشش ضرور کی لیکن اِس حاصل وصول کے برعکس اُس نے پالیا کہ اِن اشیاء نے تو اُس کی رُوح کو پراگندہ اور روحانی راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی تھیں۔

تاوقتیکہ جناب نورسی نے فلسفیانہ خیالات اور اسلامی سائینسز سے اپنا ظرف بھر لیا تھا، اُس نے سوچا کہ فلسفیانہ سائینسز تو روحانی ترویج و ترقی اور روشن خیالی راستے اور ذرائع ہیں۔ مزید براں وہ حامل نظریہ ہذا بھی تھا کہ مغربی فلسفہ اور سائینسز اسلام کی سبزہ زاری اور توانائی کے لئے بھی استعمال میں لائی جا سکتی تھیں۔ موضوع ہذا یوں بھی بیان ہوا کہ نئے سیّد زادے نے مفکرین کی جماعت کی معیت میں، الہامی علوم کی مخالفت میں بھی فلسفۂ انسانی اور یورپی سائنسی علوم کو قبول کر لیا اور اُنہیں بھی ایک علمی سند اور کسوٹی گردانتے ہوئے اُنہیں اُنہی سائنسی اوزاروں سے شکست دی۔

بعض مثبت علوم اور سائینسز میں اُس نے اُن کے اصول وضوابط بغیر چھیڑے تسلیم کر لیے جو کہ اسلام کی سچی اقدار کے خلاف مبنی بر احتجاج بھی نہ تھے۔ سیدھے سادے انداز میں اُنہوں نے اپنی اِنتہائی گہری فلسفیانہ جڑوں سے جڑی ہوئی شاخوں سے اسلام کی پیوندکاری کی جیسے کہ وہ اِس کی توانائی کے متمنی ہی تھے۔ لیکن، جبکہ، کامیابیاں اِنتہائی قلیل اور باعث تضحیک اسلام ہوئیں تو میں نے اپنا وہ انداز تفکر ہی ترک کر دیا اور میں نے اپنے رسالہ نور کی راہیں احتجاج کیا کہ اسلام کے اُصول وضوابط اتنے بلیغ اور عمیق ہیں کہ یہ بیچارے تو وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتے ہیں، ہاں یہ اِس کے پہلو میں پنپ سکتے ہیں۔

اور اب، جب وہ چوالیس پینتالیس سالہ اپنی عمر رواں کے بہت سے سالوں کا ادراک اُوڑھ چکا تھا اور اپنے آپ سے وابستہ ہر شئے کی فراری ہیّت سے بھی بخوبی آ گاہی پا چکا تھا، وائے افسوس کہ جناب نورسی کی اُن تعلیمات میں اُس کے حسب حال اور حسب منشاء کوئی روشنی کی کرن اور حوصلہ افزائی نہ تھی۔ بقول اُس کے، فلسفیانہ سائینسز سے درآمدہ تاریکی نے میری رُوح کو پوری کائنات میں غوطے دے دے کر سانس لینا تک دوبھر کر دیا تھا۔ میں جس طرف بھی روشنی کی تلاش میں نکلتا مجھے معاملاتِ ہذا میں کوئی روشنی اور رہنمائی نہ ملتی، حتیٰ کہ سکھ کا سانس بھی جاتا رہا۔ جناب نورسی کے رُوحانی بحران نے اُس کے دِل میں ڈال دیا کہ معاشرے سے ذرا کٹ کر اور استنبول

سے ہٹ کر کسی تنہائی والی جگہ کی تلاش کی جائے۔ لہٰذا وہ بطرف ایشیاء باسفورس اور سیاہ سمندر کے ملاپ والی جگہ ایک بلند بالا پہاڑی یوشا تیپسی سی پر پلٹ گیا۔

یہاں وہ بتاتے ہیں کہ تب اُنہوں نے اپنی اشیائے ضروریات کی ترسیل کے لئے عبدالرحمٰن کو بھی اجازت نہیں دی ہوئی تھی۔ سلسلۂ ہائے ہٰذا میں ہی اُس نے ساری یر میں بطرز یورپ لکڑی سے بنا ہوا ایک مکان جو کہ آج بھی وہاں پر موجود ہے' اپنے رہنے کے لئے لے لیا اور اُس کا وہ بحران ایک ایسے ارادے میں ڈھل گیا کہ اُسے نظر آ گیا کہ وہ کس کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہاں پر پہلے پہل حضرت غوث الورٰی، عبدالقادر گیلانی جناب نورسؔی کی مدد و نصرت کے لئے پہنچے۔ ساتھ ہی اُسی کی تصنیف ''فتح اُلغیب کی کاپی بھی اُس کی تحویل تک آ پہنچی تو ایک اتفاقیہ بے ترتیبی سے اُس کے اوراق اُلٹتے ہوئے اُس کی آنکھیں اِن لائنوں سے اُلڈ پڑیں کہ '' آپ دار الحکمت میں ہی ہیں' لہٰذا اپنے علاج دِل کے لئے کسی ڈاکٹر کا بھی کھوج لگائیں۔ یا پھر' جیسی کہ اُس کی اَز خود جناب نورسی نے تشریح اور ترجمانی کر دی۔ ''اُوہو' آپ بدقسمتی سے اراکین دار الحکمت اسلامی میں سے ہیں' لیکن' آپ ڈاکٹر بھی ہیں جو اسلامی بھائیوں کی روحانی بیماریوں کی شفایابی کی چارہ جوئی بھی کرتے ہیں۔''

اور پھر' چونکہ آپ بھی تو بنسبت دوسروں کے کچھ زیادہ ہی بیمار ہیں لہٰذا' سب سے پہلے تو آپ اپنے علاج کے لئے ڈاکٹر ڈھونڈھیں پھر دوسروں کی فکر کرنا۔ سو' میں نے جناب شیخ سے کہا کہ '' کیا آپ میرے معالج نہیں ہیں'' لہٰذا پھر' میں نے اُسے اپنا معالج سمجھتے ہوئے وہ کتاب اِس انداز میں پڑھی کہ جیسے وہ مجھ سے ہی مخاطب ہوں۔ لیکن ایسا کرنا انتہائی پُرخطر عمل کیا تھا اِس طرح میری تمکنت اور اِعتماد پر بڑی ضرب پڑی۔ میں نے فوراً اپنی روح کی بالیدگی کے لئے جہاں تک ہو سکا اُس کا آپریشن سا کر ڈالا۔

میں اُس کتاب کا زیادہ ساتھ نہ دے سکا' اُسے آدھا ہی پڑھا تو ایسے ہی لگا کہ جیسے میں ہی موضوع کتاب ہوں اور پھر' اُسے مزید برداشت کرتے ہوئے اِختتام پذیر کرنے کی سکت تو بالکل ہی نہ رہی۔ میں نے وہ کتاب ایک خانے میں رکھ دی اور کوئی ہفتہ بعد اُس شفا بخش آپریشن کی درد بھی دھیمی پڑ گئی اور اُس کی جگہ کہیں سے ایک خوشی در آئی۔ میں نے وہی کتاب پھر سے کھول لی اور اُسے صحیح طور پر پھر سے پڑھا تو مجھے اپنے اُس پہلے ماسٹر یعنی اتالیق کی اُس کارکردگی سے ایک واقعی فائدہ پہنچا۔ میں نے اُس کی دُعائیہ اِلتجائیں بھی سُن لیں اور اُن سے خوب بارآور ہوا۔

ایک دُوسری کارکردگی اور کارگزاری جو اِنتقال کُہنہ سعید سے نیا سعید کا موجب بنی وہ مکتوباتِ شیخ احمد سرہندی المعروف امامِ ربانی تھے۔علاج ہٰذا بدست غوث الاعظمؒ سے کچھ عرصہ بعد جناب نورسی نے مکتوباتِ سرہندی کھول کر دیکھے کہ کیا کچھ درآیا تھا۔اُس کی تحریر کچھ اِس طرح سے تھی کہ ''عجیب بات ہے کہ تمام تر مکتوبات میں لفظ بدیع الزماں صرف دو بار زیر بار ہوتا ہے اور وہ دونوں ہی خطوط مجھ پر بیک وقت منکشف ہوئے تھے۔میں نے بغور دیکھا کہ اُن پیشانیوں پر لکھا ہوا تھا۔''مرزا بدیع الزماں' مرزا میرے والد صاحب کا نام تھا۔سب عظمتیں خدائے بزرگ و برتر کے لئے' میں خوشی سے چلا اُٹھا کہ اِن خطوط میں تو یقیناً میں ہی موردِ تخاطب ہوں۔تب تلک کہنہ بدیع الزماں سے ہی جانا پہچانا جاتا تھا۔بدیع الزماں ہمدانی کے علاوہ میں نے اِن تین صد سالوں میں اِس نام سے زیادہ معروف کسی کو نہیں دیکھا۔لیکن مدتِ ایامِ امام میں ایک ایسی شخصیت بھی تھی جسے کہ اُنہوں نے دو عدد خطوط لکھ بھیجے تھے۔اُس کی حالت دماغی بھی میرے جیسی ہی ہونی چاہیے کیونکہ اُن خطوط میں میں نے اپنی بیمار دماغیت کا علاج پایا تھا۔امام صاحب نے پوری تندہی سے بہت سارے خطوط میں بھی وہی لکھا جو کہ اُن دو خطوط میں تھا کہ:

''اپنا قبلہ ایک ہی رکھنا'' مطلب یہ کہ اپنا ایک ہی اُستاد اور اتالیق اپناؤ اور اُس کی پیروی کرو' کسی بھی دوسری تیسری شخصیت سے خاطر داری نہ رکھیں۔ جناب نورسی نے لکھا کہ نصیحت بھرا وہ اِنتہائی اہم تراشہ اُس کی دماغیت کے لئے غیر مناسب سا لگتا تھا اور وہ حیران و ششدر بھی تھا کہ کس کی پیروی کرنی چاہیے۔''المثنوی العزلی النوری'' کے ترکی ایڈیشن کے ابتدائی تعارف میں جس کا 1950ء کی دیہائی میں ترجمہ بھی ہوا میں اُس نے اِسی چیز کی کافی تشریح کردی تھی۔

چونکہ کہنہ سعید نسلی اور فلسفیانہ سائنسز پر کاربند چلا آ رہا تھا لہٰذا اُس نے حقیقت کی تہہ تک جانے اور جاننے کے لئے صوفیوں اور عارفوں کی ''الٰہی حقیقت اور الٰہی طریقت'' کو جانچنا پرکھنا شروع کر دیا تھا لیکن اُن صوفیاء کی پیروی میں اُسے کوئی دِلی تسلی اور تسکین نہیں مل رہی تھی کیونکہ اس کی عقل اور علم فلسفوں سے فرسُودہ ہو چکے تھے اور ایک شافی علاج درکار تھا۔پھر اُسے کسی ایسے صوفی کی تلاشِ طلب ہوئی جو کہ حقیقت کی کھوج میں اُس کے دِل اور دماغ کو شانتی بخشے۔سو وہ متحیر تھا کہ سلسلہ ہٰذا میں کس کی پیروی کرے۔لیکن اِمام غزالی' مولانا جلال الدین رومی اور شیخ احمد سرہندی جیسی کوئی بھی بڑی ہستی اُس کی احتیاج پہ پوری نہ اُتری

تو' اُس حالت زار میں اُس کہنہ سعید پر اَز خود ہی منکشف ہوا کہ ایک سچا اور سچا اُستاد اور اتالیق قرآن کریم ہی تو ہے۔

بذریعہ رحمت خداوندی ہی اُس پر یہ بھید کھلا کہ مختلف راستوں کا سُراغ' دریاؤں کا دہانہ سیار چوں کا سُورج' صحیح اور سیدھا قبلہ نما منبر العلوم قرآنِ کریم ہی تو ہے۔ جس میں کہ الہامی ہدایت اور مقدس مدرس بھی موجود ہے۔ لہٰذا' میں نے اِسے اپنے دونوں ہاتھوں سے ایسا گلے لگایا کہ پھر اِس سے چمٹ کر ہی رہ گیا۔ تو پھر' ہم کہہ سکتے ہیں کہ نورسی کی بالیدگی تین مقامات کی مرہونِ منت ہے۔ پہلے مقام پر تو اُس پہ اِنسانی فلسفوں کی فرسُودگی عیاں ہوئی کہ کس طرح وہ سب کچھ اُس کی ذہنی اور ایمانی ترویج و ترقی میں حائل تھے۔

دوسرے مقام پر' جیسا کہ اُس نے خود تسلیم کیا ہے کہ ''فتوح الغیب'' نام سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ایک کڑوی گولی اپنا اثر دکھا گئی کہ ''میں نے اپنی کوتاہیوں کو شمار کیا' اپنی روح کی خراشوں کو جانچا پرکھا اور میرے غرور کا سر نیچا ہوتے ہوتے ہو ہی گیا۔ پھر نئے سعید کی عملی تکمیل کے لئے اُس نے بذریعہ مکتوبات شیخ سرہندی یہ تک جان لیا کہ اُسے قرآن ہی کو اپنا اتالیق واحد مان لینا چاہیے۔ خدائی وحدانیت کی آغوش میں سے ہی پھر اُس نے یہ ہدایت بھی پالی کہ ''کوئی معبود نہیں ماسوائے اللہ کے'' اور اُن مہیب اندھیروں کو منتشر کرتی ہوئی اُسی روشنی میں مستغرق ہونے سے اُس کا سانس لینا اور آنکھیں کھولنا بھی بہت آسان ہو گیا۔ جناب نورسی اِس کی بھی خوب تشریح کرتا ہے کہ نام نہاد فلاسفروں اور ہادیوں کی تعلیمات نے اُس کے دِل و دماغ کو متزلزل تو بہت کیا لیکن شیطان اور اُس کی گرفت میں آئی ہوئی اُس کی اپنی روح بھی اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکی اور وہ سارا کتھارس اُس کی من کی جیت پر ہی منتج ہوا۔ اب کے جناب نورسی کو ادراک ہوا کہ وہ دِل و دماغ کے ربط میں ضبط ہو گیا ہے۔ وہ سب بذریعہ ہدایت سازی قرآن ہی ہوا تھا جس پر عمل پیرا ہو کر دِل و دماغ کے ربط میں ضبط ہوتے ہوئے اُس نے جوہر حقیقت کا کھوج لگا لیا تھا۔ چونکہ اُس نے دِل و دماغ دونوں سے کام لیا تھا تو سب سے پہلے اُس نے اِس میں اپنی بیمار اور زخمی روح اور دِل کی دوائی' شیطان اور اُس کی بدروح کی حال پکار بند کرتے ہوئے وسوسوں اور شکوک و شبہات سے بھی نجات پائی۔ تو پھر' یہی اُس نئے جناب سعید کی راہ راست کہلائی۔

رسالۂ نور کی بھی راہِ راست یہی تھی۔ دراصل' نئے سعید کا پہلا تحریری و تصنیفی کام بزبان عربی گیارہ رسالوں یا مقالوں پر مشتمل تھا جو کہ بعدازں اُس نے بعنوان ''المثنوی النوری اکٹھا کر دیا

تھا اور جسے کہ اُس نے رِسالۂ نور کا مغز بھی قرار دیا بلکہ اُسے اُس کی تخم ریزی اور رسالۂ نور کو اُس کا باغ بنا دیا تھا۔ تاہم، چونتیس یا پینتیس سال کی عمر میں ہی ذہنی اور روحانی اٹھان اور اڑان میں جو چیز واضح ہوئی وہ یہی تھی کہ آخر وہ متلاشی کا ہے کا ہے۔ دَمِ آخر زیست ہذا اُس نے اُسی جستجو کو اپنے ایک شاگردِ خاص مصطفیٰ سنگور کی موجودگی میں بھی زیرِ بیان کیا۔

''ساٹھ سال قبل میں سچ کی تلاش میں سرگرداں تھا جو کہ مناسب تو آج کی اِس عمر میں تھی۔ یوں کہہ لیں کہ، میں اِسلام کی آگاہی اور استحکام ایمان کے لئے کوئی مختصر سا راستہ تلاش کر رہا تھا جو کہ حالات و حادثات کی دھند میں دھندلا نہ جائے۔ پہلے تو میں نے فلاسفروں کے راستوں پر چل کر دیکھا کیونکہ میں بذریعہ دلیل و عقل سچ تک رسائی چاہتا تھا لیکن بمشکل تمام میں ایک آدھ بار ہی بارآور ہو پایا۔ پھر میں نے جانچا اور جانا کہ، اِنسانوں میں سے بلند ترین دماغ بھی تو آدھا ہی سفر طے کر پایا تھا اور ایک یا دو دماغ اور بھی ہوں گے جو بذریعۂ عقل و دلیل سچ تک رسائی پا گئے ہوں گے۔ سو، میں نے اپنے آپ سے کہا کہ جس راستے پر وہ انسانی دماغ نہیں چل سکے تو پھر وہ اِتنا آسان بھی نہ ہوگا لہٰذا میں نے اُسے ترک کر دیا۔ پھر میں نے راہِ صوفیائے اکرام نہ صرف اِختیار کی بلکہ اُسے زیرِ مشاہدہ و مطالعہ بھی لے آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ راہ بڑی صاف شفاف اور سیدھی سچی تھی لیکن وہاں اِنتہائی اِحتیاط کی بھی ضرورت تھی۔ صرف اور صرف بلند تر تقویٰ والوں کے لئے ہی وہ راہ مناسب تھی۔ لہٰذا یہ کہتے ہوئے کہ یہ راہ ہر ایک کے لئے ہرگز نہیں ہے، میں قرآن پاک کی مدد کا بھی طلب گار رہا۔ اور یہ شکر خداوندی ہے کہ رِسالۂ نور کی مجھ پر عطا ہوئی جو کہ بتوسط قرآن راہِ مختصر اور محفوظ ہے آج کے دَور میں صاحب ایمان والقان کے لئے۔

انقرہ:

قومی حکومت کی حمایت کی دعوت پر بار بار کی ضرورت اور طلبی پر نورسی نے توفیق دیمر اولو، مولا سلیمان اور ملال سلمان (میجر) رفیق بے کو انقرہ بھیج دیا۔ وہ پُر اصرار دعوتیں قومی تحفظاتی امام اور رجمینٹل مفتی عثمان نوری آفندی سے بھی تصدیق اور توثیق شدہ تھیں جنہیں کہ اُس نے استنبول میں بھی جانچا پرکھا تھا کہ آیا اُنہیں قبول کر لیا جائے یا کہ نہ۔ یہ امام ہی کی پُرزور ہدایت تھی کہ انقرہ پہنچ کر اُن نائبین کے ساتھ مل بیٹھنے میں بڑے فائدے پنہاں تھے۔

آخرکار نورسی وان اور ارضِ روم کے سابق گورنر اور پرانے دوست تحسین بے، کے

ذریعے بھی مدعو کیا جانے لگا جو کہ اب گرانڈ نیشنل اسمبلی میں بطور نائب تھا۔ اب کے آزادی کی جنگ تو جیتی جا چکی تھی۔ 22۔ اگست کو ایک جنگجوانہ، جارحانہ یا امن کی مہم کے نام سے ایک تحریک شروع ہوئی جو ترکوں کی جیت اور اناطولیہ کی آزادی پر منتج ہوئی۔ اکتوبر میں مودانیہ معاہدہ برائے امن پر دستخط ہوئے اور وہ سلطنت عثمانیہ کے آخری ایام تھے۔ معاہدہ برائے امن والتوائے جنگ حکومت انقرہ کے ساتھ طے پایا تھا مگر استنبول میں ابھی تک برائے نام سی حکومت سلطان کی ہی تھی۔

معاملاتِ متعلقہ کے حل کے لئے یکم نومبر 1922ء کو مصطفیٰ کمال کے احکامات کی تعمیل میں گرانڈ نیشنل اسمبلی نے خلافت کی یاد باقی رکھنے مگر سلطانیت کے خاتمے کے لئے رائے زنی کر دی۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق بھی اُس اسمبلی کے پاس ہی رہا۔ معطل کردہ سلطان وحیدالدین 16۔ نومبر کو برطانوی جنگی بحری بیڑے پر اپنا ملک چھوڑ گیا اور اُس اسمبلی نے اُس کے چچازاد عبدالمجید کو خلیفہ بنا دیا۔ بالآخر عثمانیوں کے محلوں میں 407 سالوں تک رہ جانے والی خلافت 3۔ مارچ 1924ء کو تحلیل کر دی گئی۔

پس پردہ اُن تمام واقعاتِ عظیم کے 9۔ نومبر 1922ء جناب نورسی کو بھی اُسی اسمبلی میں سرکاری طور پر خوش آمدید کہا گیا۔ جیسا کہ آگے اِقتباس میں مندرج ہے وہ تقریب کچھ اِس طرح سے آن ریکارڈ ہوئی۔ مذہبی مفکر بدیع الزماں سعید آفندی کا اِستقبال ہو عارف بے نائب بطلس اور اُس کے دوست سپیکر کی آواز پر متحرک سے ہو گئے بقول عارف بے ہم نے ممتاز اہلِ صدارت کو تجویز پیش کی کہ ملا سعید بدیع الزماں آفندی کو خوش آمدید کہا جائے جو کہ مشرقی صوبہ جات کے معروف علمائے کرام میں سے ایک ہے اور استنبول سے اناطولیہ کے غازیوں اور اس اعلیٰ ترین اسمبلی کو دیکھنے آیا ہے اور مہمانوں کی گیلری میں موجود بھی ہے۔ بطلس (عارف) بطلس (درویش) موس (قاسم) موس (الیاس شامی) سیرت (صالح) بطلس (رسول) ایرگانی (حاکی) اور پھر باآوازِ بلند خراج تحسین پیش ہوا۔

راسخ آفندی (اناطولیہ) ہم اُنہیں پلیٹ فارم کو عزت بخشنے اور پھر دُعا کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ پھر کہیں جناب نورسی پلیٹ فارم پر تشریف لایا کہنہ مشق اور آزمودہ کارِ جنگ آزادی کو مبارک باد دی اور دُعا بھی کرائی۔ اسلام کی سربلندی اور فتح ترکوں کا اپنے دشمنوں پر غلبہ اور نورسی کو ملنے والی شاندار پذیرائی کے باوجود اُس اسمبلی میں موجود اراکین اور نائبین اسلام اور

مذاہب کے متعلق لاپروائیاں دیکھ کر جناب نورسی کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ سرکاری طور پر شائع ہونے والی اُس سانحِ عمری سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ انقرہ میں اُس کے آنے کی نیت اور ارادہ اُن بااختیار لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنا تھی جنھوں نے بمطابق قرآن اور شریعت ایک حکومت قائم کرنا تھی۔

یہ خدائی مدد اور نصرت تھی کہ ترکوں نے اپنے اُن دشمنوں پر فتح پائی جنھوں نے اِسلام کو نابود کرنا تھا۔ یہی وہ وقت تھا کہ جب ایک نئے دور کا آغاز ہو رہا تھا اور اسلامی تہذیب اور نشاۃ ثانیہ کی تشکیل کے لئے اُنہیں اپنی قوت کی برتری ثابت کرتے ہوئے جمہوری وسائل ہاتھ میں لیتے ہوئے اِسے دنیائے اِسلامی کا مرکز مددگار بنا دینا چاہیے تھا۔ مزید براں' اُس کے دیکھنے میں یہ بھی آیا کہ ملحدانہ خیالات بھی بام تشہیر پر ہیں۔ اُس نے اُنہیں یوں لیا اور 1922ء میں جب میں انقرہ گیا تو یونانیوں پر اِسلامی فوج کی فتح کی وجہ سے صاحب ایمان لوگوں کے حوصلے اور ہمتیں قائم و دائم تھیں۔

لیکن میں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ایک مکروہ تر ملحدیت کی لہر اُن کے دِل و دماغ کو بڑے مکارانہ طریقے سے زہرزدہ اور تباہ و برباد کرنے میں کوشاں تھی۔ تو میرے منہ سے نکلا' اے میرے خدایا' یہ عفریت تو ایمان کے ستونوں کو نگلے جا رہا ہے۔ اِسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ' اگر ایک دفعہ فتح پا بھی لی تھی تو پرانے اختلافات نے پھر سے سر اُٹھا لئے تھے۔ آخری فتح کی یقین دہانی ہو جانے تک یہی سمجھ لیا گیا تھا کہ کسی ملک دشمن نے اِسی اسمبلی میں ہی بیٹھ کر اسلام دشمنی کا بھی ٹھیکہ اُٹھا لیا ہے۔ اور پھر' ایک بار تو یہ بات بھی تحفظات میں آ گئی کہ وہ لوگ جو مذہب ترک اور مغربیت پسند واقع ہو چکے ہیں اب اُنھوں نے ہی اپنے اصل رنگ اور ہاتھ دکھانے شروع کر دیئے ہیں۔ چونکہ آغاز میں ہی نیشنل گرانڈ اسمبلی میں بہت سے مخالف گروپ تشکیل پا چکے تھے لہٰذا 1922ء کے موسم گرما میں مصطفیٰ کمال کی مطلق العنانیت کو درپیش ایک گروپ کی تشکیل خاص کی گئی۔

لیکن بوجوہ فتح و نصرت اُسے اپنی آمرانہ قوت بڑھانی پڑی اور بڑھا بھی لی' اور پھر اُس اسمبلی میں مکمل کنٹرول حاصل ہوتے ہوئے دوسرے نمبر پر آنے والا قدامت پسندوں کا گروپ کمزور تر ہوتا چلا گیا' تاوقتیکہ جون 1923ء کے انتخابات آ گئے' مگر جن سے پہلے ہی جناب نورسی انقرہ کو خیر آباد کہہ گیا تھا' جہاں سے وہ اسمبلی کا اِنتخاب بھی لڑ سکتا تھا اور اُس کے مدمقابل کوئی زیادہ سخت اور سنجیدہ حزبِ اختلاف بھی نہیں آتی تھی۔ اُس تن آسانی کے ماحول اور لادینیت کی لہر

میں رواں دواں ''ذیل الذیل'' اور ''حباب'' نامی لادینی اشاعتوں کے توڑ کے لئے جناب نورسی نے بزبانِ عربی تحریر و تصنیف کی۔

اُس نے بہ اندازِ افسوس یہ بھی بھانپ لیا تھا کہ اگرچہ عربی آشنا لوگ بہت ہی کم ہیں اور جو اِس کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں وہ تو بہت ہی کم ہیں' اِسی لیے اُس کے دلائل میں اختصار اور خلاصے کا رنگ غالب تھا۔ لیکن پھر بھی اُس رسالے یا مقالے نے وہ رنگ نہ جمایا جو جمنا چاہیے تھا' لہٰذا' صد افسوس کہ لادینیت کی لہر اور پھیلاؤ میں ایک بہاؤ اور وسعت آتی چلی گئی۔ انقرہ سے نورسُی کا واسطہ اِس وجہ سے تھا کہ وہ اُن اسمبلی نائبین سے اُس سخت ترین دورانیئے میں اسلام کے لئے ایک ثابت قدمی سے اپنے فرائض کی ادائیگی کا متقاضی تھا۔

متعلقہ حالات حاضرہ وہذا اُس نے ایک مبنی بہ گردش سرکلر یا چٹھی جاری کرتے ہی اُن تمام نائبین میں تقسیم کردی اور وہ بذریعہ کاظم کارا بیکر مصطفیٰ کمال تک بھی بڑھا دی گئی تھی۔ 19۔ جنوری 1923ء کو جاری ہونے والا وہ سرکلر بالخصوص طے اور تجویز کردہ خلاصہ نما نمازوں کی ادائیگی کے بارے میں تھا مگر کچھ طوالت کا حامل بھی تھا' جس کے آخری حصّے کا ترجمہ بھی یہاں شامل ہے۔ سب سے پہلے جناب نورسی نے نکتہ ہی اُن نقصانات کے بارے میں اُٹھایا ہے جو کسی قوم کے راہبروں اور راہنماؤں کے مذہبی فریضے سرانجام نہ دینے سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور کہتا ہے کہ' سچ تو یہ ہے کہ ایسے لوگ حکمرانی کے قابل نہیں ہوا کرتے ہیں۔

مذہبی شرح شرائط کو نظر انداز اور ترک کر دینے میں آخر کیا عذرداریاں ہو سکتی ہیں کیونکہ اِس کارِ خیر سے دینی و دنیاوی دونوں طرح کے معاملات میں نقصان ہیں۔ کیا یہ جذبۂ حب الوطنی سے غیر متزلزل ہے۔ بطورِ خاص یہ جو مجاہدین کمانڈرز اور گرانڈ اسمبلی ہے کیونکہ انہیں بمثال لیا جاتا ہے تو میں اپنے نقائص کی نقالی کرتی چلی جاتی ہیں اور پھر اُنہی کو اپنی تہذیب بنا لیتی ہیں اور یہ کام بھی ہر طرح سے نقصان دہ ہی ہے۔ یوں کہہ لیں کہ' اُن کے مذہبی فرائض میں سب کے حقوق کی نگہداشت شامل ہے۔

اِن لوگوں سے کسی واقعی حامل سچ کارِ خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی' حالانکہ وہ بڑی ہی موافقت کے خواہاں ہیں لیکن بہت سی علامتوں اور خبرداریوں سے بے بہرے ہیں اور روحانی طور پر غلط توجیحات کی بھول بھلیوں میں کھو کر شیطان کی کانا پھوسی پر محو ہیں۔ لہٰذا' کسی بڑے انقلاب کے لئے کسی بنیادی پتھر کو پتھر بننا ہی ہے۔ نورسُی پھر سے بیان کرتا ہے کہ کیونکہ اِس اسمبلی میں قوم

کی قوت خرچ اور صرف ہوئی تھی تو اب اِسے سلطانیت کی نمائندگی کرنی ہے۔ اِس نے خلافت کی بھی نمائندگی کرنی ہے' اور اِس کارِ خیر میں اِسے مذہبی شرح شرائط بھی مدنظر رکھنی ہیں اور دیکھنا ہے کہ یہ قومی اُمنگیں ہیں اور قومی سطح پر مذہبی امور و ضروریات کی جوابدہی بھی ہوتی ہے۔

اگر یہ اسمبلی اپنا یہ کام نہیں کرتی تو قوم اپنا پیمانہ لبریز ہوتے ہی خلافت کے نام پر اِسے پوچھ گچھ پر مجبور کردے گی جو کچھ کہ اِس نے پیچھے کہہ سُن رکھا تھا اور پھر سے یہی قوم اِسی اسمبلی میں نئے سرے سے ایسی توانائی لائے گی جو کہ اِس خلافت کے نظامِ ہٰذا کو ہی اُٹھا کر باہر پھینک دے گی۔ نورسُی پھر سے عرض گزار ہے کہ اپنے مذہبی عہد و پیمان کی بجا آوری میں اپنے اراکین کی آرام پرستی کی وجہ سے کوئی کوتاہی آتی ہے تو یہ اسمبلی تو اُن کا بال بیکا بھی نہیں کرتی تو اِس سے اُن میں فاصلے اور فسق و فجور نمودار ہوں گے جو کہ آیت کریمہ ہٰذا کی سراسر خلاف ورزی ہوں گے کہ ''اللہ کی رسّی کو باہم مضبوطی سے تھام لو۔'' (القرآن 103-3)

جناب نورسُی اپنے نکتہ ہٰذا ہی کو اُجاگر کرتے چلے جاتے ہیں جو کہ اُس کی فلاسفی میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور اُس کی تحریر و تصنیف میں متعدد بار حوالہ جاتی بھی رہا ہے کہ یہ جو موجودہ جدید دور ہے یہ دورِ عامتہ الناس ہے یا پھر معاشرتی اور تہذیبی اِجتماع ہے۔ تہذیبی معاشرتیں ہی بحیثیت مجموعی شخصیات کو روحانی اور نفسیاتی طور پر پروان چڑھاتی ہیں۔ اِس ملے جلے ماڈرن دور اور دَورانیۓ میں حکام اور حکومتیں اپنے طور پر کسی حد تک بحیثیت مجموعی شخصیات کو ایک ماحول ضرور فراہم کردیتی ہیں۔ اِسی چیز کو وہ خلافت کے لحاظ سے بھی بحوالہ کرتا ہے۔

''یہ جو آج ہے' یہ مشترکہ مفاداتی معاشرت کا وقت ہے۔ اِس معاشرت کا جو مجموعی تشخص ہے اور اِس کی جو رُوح ہے وہ شرعی حدود پھلانگنے اور اُنہیں مسمار کرنے میں بڑی مضبوط اور کارگر ہے۔ خلیفہ کا کارکن ایسی ہی شخصیات پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے فرائض سے عہدہ براء ہوسکتا ہے۔ اگر تو اجتماعی سلامتی کی حامل شخصیات یعنی معاشرتی روح متقی اور پرہیزگار ہے تو پھر تو یہ کسی ذاتِ واحد کی نسبت زیادہ روشن اور مکمل پہلو ہے۔ لیکن اگر یہی پہلو مبنی بر بدی و برائی ہے تو بدی اور برائی ہی پروان چڑھتی چلی جائے گی۔

کسی ذاتِ واحد کی اچھائیاں اور برائیاں دونوں ہی محدود ہوتی ہیں جبکہ ایک پورے معاشرے کی لامحدود ہوتی ہیں۔ اپنی اُن اچھائیوں کا بیڑہ مت غرق کریں جو کہ تمہیں اپنے مخالفین اور دشمنان پر فوقیت دیتی ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ' تمہارے ازلی دشمن اور حریف اسلامی اوصاف

اور علامتیں برباد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ تمہاری صرف اور صرف یہی فرض آوری اور چوکیداری ہے کہ اُن کی حفاظت کریں اور اُنہیں اپنی تحویل میں لیں ورنہ تم لاشعوری طور پر اپنے شعوری دشمنان کی مدد کر رہے ہو گے۔

یہ توہین احکامات، عبادات و علاماتِ اسلامی اُمت کی کمزوری پر دلالت کرتے ہیں اور یہی کمزوری اِن دشمنوں کے حوصلے بڑھاتی بھی ہے۔ مبنی بر نیکی و نیک نیتی وہ صلاح مشورے معلوم ہوتا تھا کہ جناب نورسی نے قوم کی اُس آزاد ریاستی حیثیت کو قبول کر لیا تھا اور سلطانیت کی کالعدمیت پر بھی نالاں نہیں تھا بلکہ جس طرح سے بھی قریب تر اسلامی شعار ایک حکومتی مشینری کا م چلا رہی تھی اُس نے اُس سے بھی درگزر کر لیا تھا اور پھر اُس مشینری کو تو حتیٰ المقدور خلافت ہی کی نمائندگی کرنی چاہیے تھی کیونکہ اُس کا یقین تھا کہ وہ دونوں چیزیں ناقابل جدا ہیں۔

تو اُس ساری بحث و تقریر کا خوب اثر ہوا کہ ساٹھ کے قریب نائبین اسمبلی نے باقاعدگی سے نماز کی ادائیگی شروع کر دی اور وہ اسمبلی ہال ہی بطور مسجد استعمال ہونے لگ گیا، تاہم صدرِ اسمبلی مصطفیٰ کمال کی طرف سے اُس نیک عمل کو بجائے پذیرائی کے ناپسندیدگی ملی۔ ایک دن اُس نے اُسی بھری پُری اسمبلی میں اُس جناب نورسی کے خلاف چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ ''ہمیں یہاں آپ جیسے بہادر اور لائق استاد ہی کی ضرورت ہے، ہم نے یہاں آپ کو آپ کے الہامی خیالات سے اِستفادے کے لئے بلایا ہے لیکن آپ نے تو ایک دم سے عبادات کی کئی تحویلیں گھڑ گھڑ کے ہمارے مابین اختلاف کھڑے کر دیئے ہیں۔ جناب نورسی نے اُس کے اُن چند الفاظ سے درگزر کیا اور پھر انتہائی غصّے میں اُس نے اُسے اپنا مکا دے مارا، اور چلایا، پاشا، پاشا۔

بعد از عقیدہ، جو اسلام میں الہامی سچ ہے وہ عباداتی عہد و پیمان ہی ہے، اور جو لوگ عبادات نہیں کرتے ہیں وہ مذہبی غدار ہیں اور اُن غداروں کی اہمیت صفر ہو گئی ہے۔ اِس کارروائی کے وہاں بیسیوں شاہد تھے اور اُس سے خوفزدہ تھے کہ کہیں وہ اپنے اُن کلمات کی پاسداری کے لئے پاگل نہ ہو جائے۔ لیکن مصطفیٰ کمال نے اپنے غصّے پر قابو پا لیا اور معذرت خواہانہ تاثر ہی دیا، بلکہ دو دِن بعد اپنے دفتر میں اُسی جناب نورسی سے دو گھنٹے کی ملاقات بھی کی۔ اور پھر، وہی جناب نورسی اُسی پاشا کے ساتھ گرانڈ ڈیوک نکولس کی ہمراہی میں کوستورما کی فوجی عدالت میں پیش پیش تھا۔

وہ اُس مصطفیٰ کمال کے آگے بالکل خم نہ ہوا، قوم اور ملک کو نقصان پہنچانے، اسلامی دُنیا پر حملہ آوری میں اِسلام کو نیچا دکھانے، اور اپنے دشمنوں کی نظروں میں سُرخروئی کی کوششیں کرنے کی

پاداش میں اُسے تو اُس کو تنبیہہ کرنے کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ اگر کوئی انقلاب ہی لانا مقصود تھا تو وہ تعلیماتِ بنیادی قرآنی سے ہی تھا۔ اسلام اور ترکوں پر چڑھائی کر کے دشمنانِ اسلام کی نظروں میں عزت افزائی کروانا ایک بڑی غلطی کا مرتکب ہو رہا تھا۔

بظاہر تو مصطفیٰ کمال نے نورسی کے اُن الفاظوں پر کوئی ارتکاب نہ کیا جنھوں نے اُس کے حواس اور اُصول وضوابط کو زائل کر کے رکھ دیا تھا' لیکن دوسرے رُخ پر اُس نے پھر بھی اُسے تسلی تشفی ہی دی اور کوشش کی کہ وہ بھی اُس کے اثر ورسُوخ میں مددگار ہو۔ تیس ہزار ماہانہ تنخواہ کے ساتھ اُس نے نورسی کو مشرقی صوبہ جات میں شیخ نورسی یعنی جنرل مبلغ کا عہدہ اور منصب' اسمبلی نائب خاص کی نشست' دارالحکمت اسلامی کی فرائض برآوری کے برابر ذمہ داری اور بمعہ رہائش دیگر سر بلندیوں سے نوازنا چاہا مگر اُس نورسی نے اُن سب پیشکشوں کو پرے کر دیا' اور اِس سے پہلے کہ اُن وجوہات کو لیا جائے یہ حوالہ بھی ہو ہی جائے کہ نورسی کے مدرستہ الزہرہ کی عمارت کے بل کی منظوری پر ہونے والے نائبین کے 167 دستخطوں میں سے ایک دستخط مصطفیٰ کمال کا بھی تھا۔

مشرق میں اپنی یونیورسٹی کے تعمیری معاملات کی تگ ودو کے دوران جناب نورسی انقرہ میں ہی رہا۔ تین نکات اِس اہمیت کے حامل ضرور تھے جو کہ وہ نائبین ہذا کے گوش گزار کرتا رہا جن کی بساط اِس یقین پر بچھی ہوئی تھی کہ وہ وقت آن پہنچا ہے کہ چونکہ جدید سائنس کو محورِ تعلیم گردانتے ہوئے سلسلۂ تعلیم مغربی انداز اوڑھ رہا ہے تو کیوں نہ اِن میں مذہبی سائینسز کو بھی شامل کر دیا جائے۔ تو پہلے نمبر پر مشرقی صوبہ جات کی جغرافیائی حیثیت تھی کیونکہ وہ مشرق میں مرکز دُنیائے اسلامی تھے لہٰذا اِنتہائی ضروری تھا کہ مذہبی اور ماڈرن سائینسز کو باہم پڑھایا جائے۔

دوسرا اہم ترین نکتہ یہ رہا کہ' زیادہ تر پیغمبرانِ خدا مشرق میں اور زیادہ تر فلاسفر مغرب میں واقع ہوئے تھے' جس سے ظاہر ہوا کہ مشرق بوجہ مذہب اُبھرا اور اُس کی ترویج وترقی بھی مذہب ہی کی مرہون منت تھی۔ تیسرا نکتہ بھی اپنی جگہ ایک خاص اہمیت کا حامل رہا کہ اِتحاد ویگانگت کے سفر کے لئے مذہب ہی راہِ آخر ہے۔ اگر مذہب کو بنیادی حیثیت اور اہمیت نہ ملتی تو اِس خطے کے غیر مسلم ترک دوسرے ترکوں کے لئے کبھی بھی سچا بھائی چارہ محسوس نہ کر پاتے اور اِسی تعاون اور استحکام کی ہی تو تب اِشد ضرورت تھی۔

2۔ فروری 1923ء کو وان میں تعمیر ہونے والے سکول المعروف مدرستہ الزہرہ کی تجویز اور منظوری کے لئے 161 نائبین سے دستخط شدہ دستاویز صدرِ اسمبلی کو پیش کر دی گئی۔ 17۔ فروری

کو یہی دستاویز متعلقہ کمیٹی کو بھی بھیج دی گئی۔ مزید تجویز اور سفارش یہ کی گئی کہ اُسی سال 150'000 لیرے اُس سال کے بجٹ میں سے اُس منصوبے کے لئے مختص کر دیئے جائیں۔ 2۔ ستمبر 1923ء ضروری کارروائیاں جھیلتی ہوئی وہ دستاویز تعلیم اور شرعی کمیٹیوں کو بھیج دی گئی جہاں پہنچ کر وہ یکی ہی ہو گئی اور مدرسۃ الزہرہ کی عمارت ہذا ایک بار حالات کے رحم و کرم پر رہ گئی۔

آخر کار 29۔ نومبر 1925ء کو اُن کمیٹیوں نے اِسے مسترد کر کے واپس اُسی اسمبلی میں لا کھڑا کیا جہاں اُس کے لئے رائے شماری ہوئی اور اُسے شکست فاش ہوئی۔ عین اُسی دوران تعلیم کا بطرزِ یکساں کرنے کے لئے مارچ 1924ء کو ایک قانون پاس ہوا' سو تمام تر مدرسے ٹھپ کر دیئے گئے اور جناب نورسی کو جلاوطن کر کے مغربی اناطولیہ بھیج دیا گیا۔ مصطفیٰ کمال کی طرف سے پیش ہونے والے بہت سے عہدوں کی نامعقولیت اور نا قبولیت پر مبنی وجوہات کی تہہ میں وہ تبدیلی تھی جواب کھل کر باہر آ چکی تھی۔

جیسا کہ از خود اُس نے لکھا کہ 'اُن کا طرزِ کلام وطریقہ کار میری اِس عمر کے موافق نہ تھا اور اُس نے اُنہیں بھی یہ تک کہہ دیا تھا کہ 'یہ نیا سعید جناب نورسی تو اپنی اگلی دُنیا کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہے نہ کہ تم دُنیا داروں کے ساتھ مل کر' بلکہ کچھ کر ہی نہیں سکتا' لیکن تمہارے کئے کرائے میں مداخلت بھی نہیں کرے گا۔ تاہم ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اُس نے ایک راہ کا انتخاب کر لیا تھا جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ نئے رہنماؤں کے ساتھ کسی طور پر بھی اُس کی دال نہیں گلے گی اور پھر وقت نے بھی ایک وقت پر ثابت کر دیا کہ وہی راہِ حق پر تھا۔

اپنی بعد کی کسی تصنیف میں اُس نے لکھا کہ 'اُن اہم عہدوں سے دستبرداری پر میں اپنی ہی وجہ سے مجبور تھا' کیونکہ اُن لوگوں کی معیت یا محتاجی میں کچھ حاصل وصول نہ تھا' میں تو اپنی دُنیا داری' سیاست داری اور معاشرت تک ترک اور چھوڑ چکا تھا اور اپنے سارے ہی اوقاتِ کار بسلسلۂ تحفظ ایمان وعقائد کر دیئے تھے۔ جناب نورسی نے یہ بھی خوب سوچ سمجھ لیا تھا کہ آخر کار قرآن کے ماننے والے ہی اِن لادین طاقتوں کا مقابلہ کر پائیں گے اور وہ طاقتیں میدان سیاست میں مات نہیں ہونگی بلکہ قرآنی معجزہ جاتی بے ہیبت تلوار کے وار میں پار ہوں گے۔

لہٰذا' اُس نے اُن نئے نویلے رہنماؤں کی رہنمائی اور ہم نوائی میں کوئی بھی کام کرنا پسند نہ کیا اور انقرہ چھوڑ کر وان پہنچ کر تنہائی کی آغوش میں پناہ لے لی بوقت روانگی اسٹیشن تک دوستوں اور ناسئین کی خاصی تعداد نے اُسے ایک الوداعی اپنائیت دی' حتیٰ کہ اُس اسٹیشن کے قریب ہی

رہائش پذیر مصطفیٰ کمال نے بھی اُس جلوس میں شرکت کی تھی۔ یہ بات بھی دستاویزات میں موجود ہے کہ مابین اُن کے مجسموں کے بارے میں بھی گفتگو ہوئی تھی' جناب نورسی سے اُس نے اُس کا نظریہ دریافت کیا تھا جناب نورسی نے جلدی سے اور مختصراً یہی جواب دیا تھا کہ' قرآن کے سارے کے سارے حیلے اور حملے بتوں اور مجسموں پر ہی ہونے ہیں' جبکہ مسلمانوں کے مجسمے تو ہسپتالوں' سکولوں' مسجدوں' یتیم خانوں اور سڑکوں کی طرح یادگاریں ہیں۔ بیاناتِ ہذا کی تصدیق وتوثیق جناب نورسی کے ایک شاگردِ خاص توفیق دیمر اولو نے کردی تھی جو کہ تب سے انقرہ میں اُس کے ساتھ ساتھ رہا تھا۔ نورسیؒ نے جو ٹکٹ پرانے سعید جناب نورسی سے نئے سعید جناب نورسی تک کے سفر کی تکمیل کے لئے حاصل کیا تھا ظاہر کرتا تھا کہ وہ یعنی 17۔ اپریل 1923ء کو جاری ہوا تھا اور اُس دِن 1341 ہجری میں رمضان المبارک کا بھی پہلا دِن تھا۔

نواں باب

وان

وان آمد پر ٹوپ را کلے ڈِسٹرکٹ کے قصبہ میں اپنے عربی ٹیچر بھائی عبدالمجید کے گھر قیام کیا۔ لیکن ہمیں عبدالمجید کی بیوی رابعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اُس کے چاہنے اور ملنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی جن کی خوشنودی کے لئے وہ نورشین مسجد میں جا مقیم ہوا۔ جنگ عظیم میں عام تباہ کاری' آرمینین کی مار دھاڑ اور روسی قبضے سے خُرخُر شہر تو تقریباً مسمار ہی کر دیا گیا تھا۔ نورسین مسجد جناب نورسی کو اِعزاز دینے اور اُس سے رشد و ہدایت پانے کے لئے آنے والے بہت سے مشائخ اور مفکرین کی وجہ سے مرکز تدریس و تربیت بن گئی۔ جناب نورسی پھر سے بہت سارے شاگردین کے لئے مرکز نگاہ بن گیا اور اُن کے ساتھ اُس نے دوسرے لوگوں کو بھی سمجھانا بجھانا شروع کر دیا۔

وہ اُس سال کے آخر تک وہاں مقیم رہا' اور اُس بوجھ بھری مصروفیت نے اُس کی اندرونی نفسیات پر ایک اثر چھوڑا۔ لہٰذا' جونہی موسم میں حرارت ہونی شروع ہوئی اُس نے چند شاگردین کی ہمراہی میں وان سے بطرف مشرق پہاڑوں کی چوٹیوں کے درمیان میں واقع ایرک پہاڑ کی پیٹھ پر جا بسیرا کیا۔ اور وہ جگہ اُس کی عبادت' عقیدت اور مراقبہ کے لئے بہت موزوں تھی۔ وان میں ہر شخص پر واضح ہو گیا تھا کہ اُس کا وہ روپ ایک نئے جناب سعید نورسی کا تھا۔ بہت سے وہ لوگ جن کی یادداشتوں میں اُس کا وہ وقت محفوظ ہے اُنہوں نے اُس میں نظر آنے والی تبدیلیوں کے حوالے دیئے ہیں۔ اُن میں سے ایک واضح تبدیلی تو یہ تھی کہ اُس نے اُس علاقے میں مروجہ رنگدار لباس پر سادہ اور صوفیانہ لباس کو ترجیح دی۔

لٹے پٹے اور جلے ہوئے وان شہر میں اپنے تباہ شدہ مدرسے کو پہلی ہی نظر میں دیکھتے ہوئے اُسے جنگ کے ہولناک واقعات کے ساتھ ساتھ اپنے اُن بے شمار شاگردین خاص کی شہادتوں کی یادوں کو بھی زندہ کرنا پڑا جن کا نئے سعید کی ظہوری اور حضوری میں کلیدی کردار رہا تھا۔ اور پھر' دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ اُس نے سیاست داری اور دُنیاداری سے منہ موڑ لیا تھا'

تو پھر جس کسی نے بھی اُس کی گفتگو سُنی اُنہیں اُس میں سے ایک نئے جناب سعید نورسی کی ہی آواز آئی۔ جو کہ عقیدہ و مذہب کو مستحکم اور محفوظ کر رہا تھا جس پر ایک تعمیر نو کی بنیاد بنی تھی۔

1924ء کا موسم گرما اور خزاں جناب نورسی نے اُسی پہاڑ پر ایک تباہ شدہ آرمینی گرجے اور پھر دریائے زرناباد کے منبعے کے قریب ایک غار میں مقیم ہو کر گزار دیئے لیکن موسم سرما کے شدید ترین مہینوں میں وہ وان واپس آ گیا۔ ہر جمعۃ المبارک کو نیچے شہر میں آ کر نورسیّن مسجد میں خطبہ دینا اُس کا معمول تھا۔ کیا کچھ اُن خطبات سے لکھ لیا گیا ہے اور کیا کچھ اُس نے اپنے اُن شاگردین کو سکھایا سمجھایا تھا' وہ یہی تھا کہ اُس نئے جناب سعید نورسی کی تخلیق اور تجویز کردہ اُن نئی راہوں اور نئی منزلوں سے وہ ایک سو ایک فیصد متفق تھے۔

یوں کہہ لیں کہ' جناب نورسی یقین' ایمان کے بنیادی اصول وضوابط خدائی وحدانیت اور روزِ محشر پر منحصر موت وحیات کی بنیادی تعلیمات اور تشریحات پر ہی متوجہ اور مرکوز رہا۔ اُنہی موضوعات و مسائل بنیادی سے متعلقہ پوچھے گئے سوالات کے جوابات کی مد میں اُس نے اپنے شاگرد کو بتایا تھا کہ میرا مقصد یقین اور ایمان کی بنیادیں مضبوط کرنا ہے۔ کیونکہ' اگر بنیادیں مضبوط ہیں تو ایمان کی عمارت کسی بھی طور ڈانواں ڈول نہیں ہوتی۔ شاگردِ ہذا ہی کے بقول سلسلۂ ہذا میں جناب نورسی ہی یہ بھی کہہ رہا ہے کہ' معززین اِکرام' پرانا جناب سعید نورسی تو وفات پا چکے ہیں لیکن آپ ابھی تک بھی مجھے وہی پرانا جناب سعید نورسی ہی سمجھے ہوئے ہیں۔

یہی ہے وہ نیا جناب سعید نورسی بھی' جو آپ کے سامنے ہے جسے اُس قادر القدرت نے اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ نئے سیّد کی دس ماہ کی تعلیمات اُس پرانے جناب سعید نورسی کی دس سالہ تعلیمات کے مساوی ہیں جنہیں کہ کافی وشافی ہونا چاہیے۔ نئے جناب سعید نورسی کے ظاہری خیالات رسالۂ نور سے با اعلان باضابطہ ہو گئے تھے اور 1926ء میں موسم بہار کے تین سالوں تک جب اُس نے اِس کا پہلا حصہ لکھا تھا تو لگتا ہے کہ وہ وقت خدائی رشد و ہدایت اور ذہنی و روحانی تیاری کے لئے مختص تھا۔ اور پھر' جونہی نئے جناب سعید نورسی کی پہلی تحریریں سامنے آئیں اور متھنا وائل' عرب اَلنوری میں باہم ہوئیں تو وہی رسالۂ نور کی بنیادی بساط بنیں۔

مزید برآں' وان میں ہی جناب نورسی کے کچھ تدریسی اَسباق یا جن موضوعات پر اُس نے جو کچھ پڑھایا' رسالۂ نور میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اِسمٰعیل پیری مان اولو نام کے ایک دوسرے شاگرد نے بھی آگے دو واقعات اور مثالیں شامل دستاویز کی ہیں۔ ''ایک دن مولا رسُول' کو پانسلی

مولا یوسف اور میں سب ہی اُستادِ محترم کے ساتھ زیوی گئے جہاں کے لوگوں کا آرمینیائی قتل عام نے مکمل طور پر صفایا کر دیا تھا۔ اُستادِ محترم چلتے چلتے رُک گئے اور کہا' یہ شہیدوں کی آرام گاہ ہے' میرا بھائی مولا احمدی جانو بھی یہاں مدفون ہے۔'' پھر وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکے اور زار و قطار رو دیئے۔ مولا احمدی جانو اُستادِ محترم کا ہم مکتب تھا۔ بعد ازاں اُستاد صاحب نے ہمیں مندراجِ زیست کے متعلق پڑھایا جو کہ پہلے خط میں زیرِ تحریر بھی ہوا لیکن ہم نے بہت بعد میں اُسے لکھا بھی اور اُس کی نقول بھی کروائیں۔ وان میں' ایک دوسرے موقع پر وہ ایک چھوٹے سے قلعے کے اوپر تک چڑھ گئے' اور جیسے کہ وہ جناب نورسی کا تو معمول ہی تھا لہٰذا' وہ سب سے اونچی جگہ پر چڑھ گیا اور اپنا عبادت والا کمبل پھیلا دیا۔ پھر اُس قلعے کے عین قدموں تلے اپنے تباہ و برباد مدرسے کو دیکھتے ہوئے اُس نے علاماتِ خاتمہ دُنیا بیان کیں۔ اور پھر' اپنی نظریں وان جھیل کی طرف پھیرتے ہوئے اُس قصہ حضرت یونس علیہ السلام اور وہیل کی بھی تشریحات پیش کیں۔ اُس نے جوناح اور ایک دورِ جدید کے حامل اِنسان میں تفریق ڈالی اور وضاحت بھی کی کہ کس طرح اُس کی اخلاقیات اور روحانیات مچھلی کے پیٹ میں مقیم حضرت یونس علیہ السلام سے ملتی جلتی ہیں۔ بعد ازاں جناب نورسی نے اِن جھلکیوں اور تراشوں کو رسالۂ نور میں شامل کر دیا تھا۔

بہت سے لوگوں نے عبادات میں اِستغراقِ جناب نورسی پر رائے زنی بھی کی۔ اُس کی بھابھی رابعہ نے بطورِ خاص دیکھا کہ اُن کے ہاں دورانِ قیام وہ بالکل نہیں سویا کرتا تھا' اُس کے کمرے سے عبادت دعاؤں اور التجاؤں کی مسلسل آوازیں آتی رہتی تھیں۔ اِسمٰعیل پیری مان اولو بھی بغور جائزہ لیتا ہے کہ بلند پایۂ مقام و مرتبے کے حصول کے لئے تفکر جیسے اہم عنصر کے طور پر جناب نورسی نے کیوں اور کس طرح عبادت کی ادائیگی کو ترجیح دی تھی۔ اُس نے ایک دوسرا موقع بھی زیرِ بحث کیا ہے کہ جب اُس نے جناب نورسی کو مسجد کی چھت پر تفکر میں مستغرق دیکھا تھا۔ مولا حمید نے ایرک پہاڑ پر اُس کے ساتھ بہت وقت گزارا تھا اور اُسے لمحہ بھر کے لئے بھی غافل نہ پایا۔

بلکہ زیادہ تر دعاؤں اور التجاؤں میں ہی کھویا ہوا پایا۔ وہ گھنٹوں بھر اپنے گھٹنوں پر کھڑا رہتا تاوقتیکہ اُس کی انگلیاں سوج جاتیں۔ جب ایک شاگرد نے اُنہیں مشورہ دیا کہ وہ آرام دہ حالت میں بیٹھا کریں تو اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمیں اِس مختصری زِندگی اور ناپائیدار دُنیا میں ایک اَبدی زِندگی حاصل کرنی ہے' آسائشوں میں رہنا اور جنت کی خواہش اور دعوے داری کرنا دونوں تو ناممکن ہیں اور میں تو اِن آسائشوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

نورسی اور اُس کے شاگردین نے اُس پہاڑ پر ایک تباہ شدہ خانقاہ کو ایک مسجد میں تبدیل کر دیا' زرناباد کے ملبے کے سہارے درختوں کے جھنڈوں میں تڑی مڑی شاخوں پر اُنہوں نے ایک چبوترا سا بنایا جو کہ اُس کے مطالعے' عبادت اور مراقبے کے لئے باعث برکت تھا درختوں کے گھروندے اُس نئے جناب سعید نورسی کی نشانیاں تھیں اور جب اُسے اناطولیہ مغربی کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا تو اُس نے وہاں بھی ویسے ہی گھروندے اور مقامات کائناتی کتابوں کے پڑھنے کے لئے بنا لیے تھے۔ مولا حمید ذاتِ جناب نورسی کو اور بھی نمایاں کرتے ہوئے بہت سی داستانیں اُس سے منسوب کرتا ہے کہ وہ کس طرح جانوروں پر مہربان' اُنہیں مخلوقِ خدا ہونے کا اعزاز' اُس کی اُن کے ساتھ رغبت' اور اُن پر کنٹرول رکھتا تھا۔

آگے آنے والا ایک وقوعہ اِس کی ایک آخری مثال ہے جو کہ نورسی کی کرامت یا روحانی قوت بھی ہے۔ ایک دن لوگوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اُس سے ملنے اُس پہاڑ پر پہنچ گئی' مولا حمید کو نیچے کسی پڑوسی گاؤں میں کچھ لحاف لینے کے لئے بھیجا ہوا تھا۔ وہ کتوں' بھیڑیوں اور دوسرے دشمن درندوں سے خوف زدہ تھا سو اُس نے ایک مضبوط چھڑی پکڑی لیکن جناب نورسی نے اُسے اس کی اجازت نہ دی اور کہا کہ کتے وغیرہ اُس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ مولا حمید وہاں سے روانہ ہو گیا اور اُس گاؤں پہنچ کر اُس کا اُن کتوں سے واسطہ پڑا جو کہ بھیڑوں اور بکریوں کے غلے کی حفاظت پر تھے۔

ایک بہت ہی وحشی سے کتے نے پورا راستہ روکا ہوا تھا۔ لہٰذا جناب نورسی کے ہی اُنہی الفاظ کی یاد آوری میں وہ آگے بڑھ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس کتے نے اُس کا راستہ چھوڑ دیا۔ گاؤں پہنچا تو گاؤں والوں نے مارے حیرت کے کہا کہ وہ تو اِکٹھے ہو کر بغیر ڈنڈوں کے اُن کتوں تک نہیں جا سکتے تھے کیونکہ وہ کتے بھیڑیوں سے بھی زیادہ خطرناک تھے اور بغرض رکھوالی اُن بھیڑوں بکریوں کا دودھ پیتے تھے۔ جب مولا حمید نے اُنہیں بتایا کہ اُسے نورسی نے بھیجا تھا تو اُنہوں نے آہ بھر کر کہا' تو پھر ہم یہ سب مانتے ہیں۔

مولا حمید نے وہ لحاف وغیرہ لیے اور اُلٹے قدموں واپس پہنچا اور جب جناب نورسی سے سامنا ہوا تو اُس نے پوچھا کہ کہیں کتوں نے اُس پر حملہ تو نہیں کر دیا تھا' اور نہ سننے پر مزید کہا کہ حوصلہ رکھو اور دلیر بنو' بزدل اور ڈرپوک مت بنو' اور پھر یہی کہا ہوا مولا حمید کے لئے حوصلے اور

بہادری کا سبق بن گیا۔ مولا حبیب اپنا یہ سبق بھی خوب دُوہرایا کرتا تھا کہ ایک بغیر پوچھے گئے سوال پر کہ کیا کچھ مانع مبنی بر اعمال ہے تو نورسی ایک دم غصے سے کھڑا ہو گیا اور کہا۔

میں اُس پرانے جناب سعید نورسی سے مطمئن نہیں ہوں اُس کی صرف تین چیزیں مجھے پسند ہیں۔ استنبول کے سنہری دِنوں میں ہر ہفتے میں اپنا لباس تبدیل کر لیا کرتا تھا۔ کپڑے بڑے ہی شاندار ہوا کرتے تھے اور میں استنبول کی روشن اور رنگین جگہوں کی خوب سیریں کیا کرتا تھا۔ پھر میرے جو جادوستوں نے ایک کی یہ ڈیوٹی لگا دی کہ میں کہاں جاتا ہوں اور کیا کرتا ہوں۔ تین دِن بعد وہی مجھ سے کہنے لگے کہ سعید تمہارا جو بھی شغل ہے بس ٹھیک ہے۔ تمہاری راہِ جستجو سیدھی ہے اور تمہیں کامیابی بھی ملے گی۔

جب میں نے اُن سے اِس کا مطلب پوچھا تو کہنے لگے کہ ہم نے تین دِن تک تمہارا اِس لئے پیچھا کیا کہ کہیں تم خلافِ اسلام تو کچھ نہیں کرتے ہو لیکن ہم نے دیکھ لیا ہے کہ تم صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہو۔ لہٰذا تم اپنا تعین کردہ مقصد بھی ضرور ہی حاصل کر کے رہو گے۔ عین جس طرح ایک چھوٹی چنگاری تمام جنگل کو آہستہ آہستہ راکھ کر دیتی ہے ایک صاحب ایمان جو ممنوعاتِ شریعہ کو نظر انداز کرتا چلا جاتا ہے ایک دن اپنے نیک اعمال بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام بھی بُرا ہی ہوتا ہے۔ اپنے ایامِ جوانی میں وہ دس سال تک استنبول میں رہا لیکن مجال ہے جو اُس نے کسی عورت کی طرف آنکھ اُٹھائی ہو۔

شیخ سعید کا بغاوت پر اُترنا:

اگرچہ ہر کوئی بخوبی جان گیا تھا کہ جناب نورسی نے سیاست وغیرہ ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے لیکن قبائلی سردار ابھی تک بہ اصرار خواہاں تھے کہ مشرقی صوبہ جات میں اُس کے اثر ورسُوخ سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ خالصتاً وہ لوگ جو مذہبی نکتہ نظر سے وہاں آتے تھے اُن سے ہٹ کر بڑے بڑے سردار قبائلی رہنما بھی ہوتے تھے۔ مسائل علاقہ کے لئے اُن کے پاس کوئی حل نہ تھا۔ خاص طور پر جب سے سلطانیت اور خلافت کا خاتمہ ہو گیا اور انتظامیہ بھی اُس عوام کو بے ناؤ بے کنارا سمجھ رہی تھی تو کرُدوں میں سے بہت سے لوگ آزادی اور خود مختاری کے حق میں تھے۔

مارچ اپریل 1924ء میں مذہبی علمبرداری کی سرکوبی کے لئے اور ملک کو مکمل سیکولر رنگ دینے کے لئے قوانین کی لائینیں لگا دی گئیں۔ بنیادی طور پر قومی ریاست کی جو پہچان تھی

اُسے بھی بزورِ الفاظ والقابات منفی ترکیت کی پہچان بنا دیا گیا۔1925ء میں بے چینی اِس حد تک پھیل گئی تھی کہ حکومت کے خلاف آخری حد تک جانے کے لئے قبائلی سردار جناب نورسی کی مدد کے لئے کوشاں تھے۔ جیسا کہ اِس سے قبل ایسی ہی تحریک میں جناب نورسی نے اُنہیں حتیٰ المقدور رواں کر دیا تھا سوابھی تک وہ اُس کی حسب منشا ہی عمل پیرا تھے۔ نقش بندی شیخ المعروف شیخ سیّد آف پالو کے نام پر بعد ازاں 13۔فروری 1925ء کو آخری بغاوت کے پھوٹ پڑنے پر ہزاروں افراد کی زندگیاں بھی بچالی گئی تھیں۔ بعد ازاں جواب آں جناب نورسی بذریعہ ایک خط اُس نے بھی جناب نورسی سے مدد طلب کی تھی۔

وہ بغاوت اپنے انجام کار تک پہنچنے سے پہلے ہی سرد پڑ گئی کیونکہ جناب نورسی کو سینکڑوں دوسرے لوگوں کے ساتھ زبردستی علاقہ بدر کر دیا گیا تھا اور ایک لحاظ سے ملک کا مستقبل بھی داؤ پر ہی لگا ہوا نظر آتا تھا۔ ایک نئی حکومتی قیادت اور انتظامیہ سامنے آ گئی' حکومت انقرہ نے بغاوت کو بہانہ بناتے ہوئے اِحکامات کی عملداری کے لئے مارچ 1925ء کو دھڑا دھڑ قوانین بنانے اور منوانے شروع کر دیئے جو کہ بدنام زمانہ بنام آزادی ٹریبونل قائم کرنے میں مددگار بنے اور بغیر کسی حزب اِختلاف کے اُنہیں اپنی سیاسی مشینری کے استعمال کے لئے بہت زیادہ آمرانہ اِختیارات بھی مل گئے۔

بہت سے موقعوں پر جو قبائلی سردار جناب نورسی سے ملے لگتا تھا کہ اُن میں کنور حسین پاشا بھی تھا' وہ حیدران قبیلے کا سردار اور ایک قبائلی رجمنٹ کا کمانڈر تھا جس نے حمیدیہ فوج کو ٹھکانے لگایا تھا۔ ایک موقعے پر اُس کی ہمراہی وان کے مفتی شیخ معصوم کے بیٹے عبدالباقی سے ہوئی جو کہ جناب نورسی کا بھی قریبی دوست تھا۔ اپنی ملاقات کی تفصیل میں عبدالباقی نے ایرک پہاڑ پر جناب نورسی کے زاہدانہ شب و روز پر بھی خوب روشنی ڈالی۔ دَورانِ ملاقات اُس نے جناب نورسی کی وہ پیشین گوئیاں بھی نوٹ کیں جو اُنہوں نے آنے والے دِنوں میں پیشین آنے والی ملاقات کے بارے میں کی تھیں۔

لیکن دِلاسہ بھی دیا تھا کہ اُنہیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ اسلام کی ترویج اور حفاظت کے لئے کسی نہ کسی کو بھیج دے گا۔ بلکہ دِلچسپ پہلو تو یہ ہے کہ اُس کی پیشین گوئیوں کا باقاعدہ ایک ریکارڈ بھی ہے۔ اِسی موقع پر اُس نے اپنے شاگردین کو اللہ کی پناہ طلب کرنے کے لئے بھی کہا کیونکہ بمطابق اُس کے خطرات سر پر منڈلا رہے تھے۔ جب اُس سے اُس کی تفصیل

معلوم لی گئی تو اُس نے صرف اِتنا ہی کہا کہ اُسے اُس حال میں مزید کچھ کہنے کی اِجازت نہیں ہے۔

اُسی ملاقات میں کنور حسینی پاشانے اُسے کچھ رقم بھی دینا چاہی تھی لیکن وہ کسی طور پر بھی اُس جناب نوری کے وارے میں نہ تھی۔ مولا حمید نے تو بالخصوص اُس موقع پر اُس رقم کی پیشکش پر جناب نوری کا اِنکار اور غصہ بھی نوٹ کیا۔ تبادلۂ خیال جاری رہا تو حسین پاشا نے کہا کہ 'میں صرف آپ کے مشورے اور حکم کا منتظر ہوں میرے سپاہی' گھوڑے' اوزار اور اسلحہ وغیرہ سب تیار ہیں۔کیا مطلب؟ آپ لوگ کس سے لڑنا چاہتے ہیں؟ مصطفیٰ! کمال سے' تو مصطفیٰ کے سپاہی کون ہیں؟ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون اور کہاں ہیں؟

آخر کار جناب نوری نے ہی کہا کہ 'وہ سپاہی بھی اِسی سرزمین کے سپوت ہیں' وہ بھی میرے عزیز پیارے ہی ہیں' آپ کن کو تہہ وتیغ کریں گے اور وہ کن کو تیغ تہ کریں گے۔ سوچیں' عقل سے کام لیں۔ کیا آپ احمد کے ہاتھوں محمد ﷺ اور حسن کے ہاتھوں حسین کو قتل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کسی دوسرے موقع پر بہت سارے قبائلی سرداروں کی معیت میں کنور حسین پاشا جناب نوری سے نورسین مسجد میں برموقع نمازِ جمعہ بھی ملا۔علی چاوش کا بیان ہے کہ اُس نے بھی چالداران کے نائب حسن بے اور دیگر تین معززین کے ساتھ مل کر جناب نوری کی مدد خواہی چاہی تھی۔ جبکہ مسجد میں کسی تدفینی عباداتی کارروائی کے بہانے سے اُن سرداروں کی اُس ملاقات کے بارے میں گورنر وان کو بھی چوکنا کر دیا گیا تھا۔ لیکن اُس کا تردد تو سراسر رائیگاں ہی گیا کیونکہ اُن لوگوں کے بغاوت میں اُترنے کی نیت بھانپ کر جناب نوری نے کہہ دیا تھا کہ 'میں تو حیران و پریشان ہوں کہ اِس کارِ خیر اور کشٹ میں کودنے کا خیال کہاں سے درآمد ہوا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ' کیا یہی شریعت ہے جو آپ چاہتے ہیں۔ بالکل نہیں' آپ کی ساری کی ساری نیک کارروائی سے شریعت کا تو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ گمان غالب یہی ہے کہ اِس غم و غصے کے پیچھے بھی بیرونی ہاتھ ہی کارفرما ہیں۔ شریعت کی کنجی میرے ہاتھوں میں ہے' لہٰذا اب آپ سب کے سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔

جب وہ بات چیت اِختتام کو پہنچی تو نورسی اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر ایرک پہاڑ کی طرف لوٹ گیا۔ بمعہ کنور حسین پاشا اور اُن قبائلی رہنماؤں کے اندر تک وہ خبرداری اُتر گئی اور اُنہوں نے بغاوت میں حصہ نہ لیا' اور جس کا مطلب بھی یہ رہا کہ وان کی عوام کو اُس کشت وخون کے لئے مجبور نہ کیا گیا اور ہزاروں لوگ موت کے منہ سے بچ گئے' اور اُسی عوام کی ایک بڑی تعداد اُس امر کی

شاہد بھی تھی۔ جیسا کہ پیچھے بھی مذکور ہے کہ سیّد شیخ نے جناب نورسی کو ذاتی طور پر اُس تحریک میں شامل ہوکر فاتح کہلوانے کے لئے بڑا زور لگایا تھا' لیکن جناب نورسی کا جواب کچھ یوں تھا کہ۔

جس کوشش میں آپ کوشاں ہیں یہ بھائی کے ہاتھوں بھائی کے خون ناحق اور عمل بیکار کے سوا کچھ بھی نہیں ہے' کیونکہ کرد اور ترک آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ترک قوم نے صدیوں سے اِسلام کی عظمت کے علم کو بلند تر رکھا ہے۔ اِس نے لاکھوں نیکوکار اور لاکھوں ہی شہید بھی پیدا کیے ہیں۔ اِسلام کے سپوتوں اور بہادروں کے خلاف آپ کی اور نہ ہی میری تلوار کی نیام خالی ہونی چاہیے۔

جلاوطنی کا سفر:

قریب تر اختتام بغاوت اعلیٰ حکام نے صوبہ وان اور مشرقی اناطولیہ میں با اثر مذہبی رہنماؤں اور قبائلی سرداروں کو گھیراؤ کرنا شروع کر دیا حالانکہ اُنہوں نے تو بغاوت میں حصہ تک نہ لیا تھا لیکن پھر بھی اُنہیں مغربی اناطولیہ کی طرف جلاوطن کر دیا گیا اور افواہیں تو یہاں تک گرم تھیں کہ نورسی کو علاقہ بدر کر دیا جائے گا۔ اُسے وہاں سے ایران یا عرب بھیجے جانے کی کارروائیاں ہو رہی تھیں کہ اُس نے ازخود ہی یہ رجحان ظاہر کر دیا کہ اُسے بھی اناطولیہ کا ہی رُخ کرنا چاہیے اور یہ سب کچھ اُس کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔

نورسی کو ایرک پہاڑی کی اُسی غار سے حراست میں لے لیا گیا اور وان سیکنڈری سکول میں دوسرے نظر بندوں کے ساتھ بند کر دیا گیا۔ اُن نظر بندگان میں شیخ معصوم جو کہ وان کے مفتی تھے' جیواس کے مفتی کنور حسین پاشا' حسن آفندی' کوفی جی زادے کے شیخ عبدالباقی' عبداللہ آفندی ولد شیخ حامی پاشا اور بچوں عورتوں اور بوڑھوں کے ساتھ دوسرے بھی سینکڑوں لوگ شامل دربدری تھے۔ وہ ماہ رمضان تھا جب اُنہوں نے بیل گاڑیوں پر سفر بدری شروع کیا تھا اور وہ بھی ماہ رمضان ہی تھا جب کوئی دو سال قبل واپس وان آیا تھا۔

اُس سال 25۔ مارچ 1925ء کو وہ سفر بدری شروع ہوئی۔ تب سخت ترین سردی تھی اور زمین بھی برف کا برقعہ اوڑھ چکی تھی۔ پیدل سواروں' گھڑ سواروں اور ستر اسی برف گاڑیوں پر مشتمل قافلے نے وان سے روانگی اختیار کی اور قریباً دس کلومیٹر تک وہ بامشقت سفر کرتا رہا۔ آغازِ سفر میں ہی جناب نورسی کو شیخ معصوم کے ساتھ ہتھکڑی لگا دی گئی تھی۔ حیدر صوفندای اور کنور حسین پاشا کے بیٹے کے

مطابق وہ سب لوگ جو آہوں اور سسکیوں میں اپنے گھر اور جنم بھومی چھوڑ رہے تھے جیسے کہ کوئی ہاری ہوئی فوج پسپا ہو رہی ہو' لیکن جناب نورسی اُن سب سے مختلف انداز میں برسرِ سفر تھا۔

بتانے والے نے یہ بھی بتایا کہ وہ قافلہ تین چار دِن تک تو پیٹمز میں رُکا رہا' ایک رات آئیری میں اور پورا ایک ہفتہ ارضِ روم میں مقیم رہے اور پھر وہاں سے پھر وہ گھوڑا گاڑیوں میں آگے جانبِ منزل ہوئے۔

ترابزون' جہاں اُن کا قیام بیس دِنوں تک رہا' وہاں سے وہ ایک بحری جہاز پر سوار ہو کر کوئی ایک ہفتے بعد استنبول پہنچے۔ کئی ایک دوسرے احباب کے ساتھ اُسی جہاز میں پھر سے سوار ہو کر اناطولیہ کے لئے سفرِ بدری اختیار کرنے سے پہلے جناب نورسی بیس پچیس دِن استنبول میں رہا۔ پھر وہاں سے اُسے جنوب مغربی اناطولیہ میں واقع بوردُور کے مقام پر جو کہ اُس کی آخری منزل تھی پہنچا دیا گیا۔ کنیاس کرتال' ایک بیس پچیس سالہ نوجوان بھی اُسی گروپ میں روانہ سفرِ بدری تھا' اپنی یادیں دوہراتا ہے کہ جب وہ وان سے نکل رہے تھے تو گرد و نواح کے لوگوں نے بمعہ زیورات کافی ساری رقوم اکٹھی کی ہوئی تھیں۔

جو کہ اُنہوں نے جناب نورسی کی نذر کرنی چاہیں لیکن اُس نے اُس کی طرف دھیان تک نہ دیا۔ اُس نے کسی سے بھی کوئی تحفہ' خیرات اور رقم وغیرہ نہ لی۔ کارتال یہ بھی بتاتا ہے کہ دورانِ سفر پہلے قیام پر جناب نورسی رات بھر سونے کی بجائے اپنی عبادت میں مشغول رہا۔ بعد ازاں اُس نے ایک کمرے کی درخواست کی کہ دوسروں کو اُس سے کوئی پریشانی نہ ہو۔ مصطفیٰ آرالی جو کہ اُس سفرِ بدری میں بطور فوجی سارجنٹ تھا کے مطابق جناب نورسی کو اُس سفر میں بھی خصوصی برتاؤ دیا گیا تھا۔ وہ مزید بھی وضاحت کرتا ہے کہ' وہ کارواں جس جس گاؤں میں بھی قیام کرتا رہا وہاں پر بھی اور پھر وہ برف گاڑیاں جو عوام اور اُن کے مال اسباب سے لدی ہوئی ہوتی تھیں جناب نورسی کی برف گاڑی صرف اُنہی کے لئے مخصوص تھی۔ وہ اکیلا ہی رہا اور خصوصی سلوک کا ہی مستحق رہا۔ سفید چھاپے دار ململ کی پگڑی جو اُن کے سر پر بندھی ہی رہتی تھی کا زخم نما نشان بھی اُس کے سر کے اِردگرد موجود رہا۔ اور' اُس کی سیاہ گھنی مونچھیں تو تھیں لیکن داڑھی بالکل نہ تھی۔ مصطفیٰ آرالی نے کردوں کی اُس مہمان نوازی کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ جو دورانِ سفر اقامتی دیہاتوں کے دیہاتیوں سے جناب نورسی کو ملی۔ مگر ایک مقام پر تو اُس نے اُن کی طرف سے دی گئی خوراک وغیرہ کسی قدر بوجہ بیماری واپس کر دی اور ساری رات عبادت میں گزار دینے کے بعد صبح سویرے

اُس نے اپنے سامان وغیرہ میں سے ایک کیتلی نکالی' چولہے پر چڑھائی اور اپنے ہاتھوں ایک انڈہ اُبال لیا اور یہی وہ پہلی خوراک تھی جو وان روانگی سے لے کر اب تک اُس نے کھائی تھی۔ بدیع زمان کی ہمراہی میں یہ کارواں منیر باکان کے رہائشی علاقہ ارض روم کے قریب ان کے اپنے گاؤں کورد چک میں دو یا تین دن قیام کیا۔ جناب نورسی کی زبان سے نکلے ہوئے ہر ہر لفظ کی تحریر کے لئے وہاں آفیسرز تعینات تھے۔ اور پھر' اُس نے نجم الدین شاین ار سے کہا کہ یہ لوگ بے اِخلاص ہوکر یہ سب نہیں کر رہے ہیں بلکہ ایک سزا کے طور پر سرانجام دے رہے ہیں۔ پھر میز بالکان سے بھی کہا کہ 'میرے بھائی خوفزدہ نہ ہوں' یہ سب سختیاں جو ہم پر لاگو ہیں عارضی ہی ہیں۔

یہاں یہی قابلِ قدر ہے جس کی طرف آپ کو پوری توجہ دینی چاہیے اور وہ یہ کہ اپنے بچوں کو تعلیم دلوائیں نہیں تو یہی آپ کا مذہب ہی آپ کو ہر قیمت پر نقصان پہنچائے گا جب وہ جلا وطن لوگ بحری جہاز پر طرابزون سے استنبول کے لئے سوار ہوئے تو مغربی اور گرم علاقہ جات میں موسم بہار کی آمد ہو چکی تھی۔ دو اور چشم دید گواہان نے بتایا کہ کیپٹن سے اُس نے بہ اِصرار اور بہ تکرار جہاز کے عرشے پر ہی رہنا چاہا جب وہ اُسے زبردستی نیچے دوسرے نظر بندوں میں بھیج رہا تھا۔ استنبول پہنچ کر جناب نورسی کا قیام جو فروخت کنندگان کی مسجد واقع سرکیجی' مسجد ہدایت اور اپنے شاگرد توفیق دیمر اولو کے ہاں رہا۔

مصطفیٰ کمال کے بارے میں اُس کے خدشات سچ ہی ثابت ہوئے تھے کیونکہ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنا اور ترکی کے اِسلامی ماضی اور شناخت کو سرے سے ہی خارج از صفحات کرنے کی کوششیں تو بہت پہلے سے شروع ہو چکی تھیں جن کے نتائج اُس نے اب ملاحظہ کیے تھے اور ایک دو کو کچھ اِس طرح سے بیان بھی کیا کہ 'جب اُسے بغرضِ جلاوطن استنبول لایا گیا تو میں نے دریافت کیا کہ دفتر شیخ الاسلام کے ساتھ کیا کچھ ہوا کیونکہ میں اُس سے منسلک رہا تھا اور دارالحکمت اسلامی بھی جو کہ اِسی سے وابستہ تھا میں رہ کر قرآنِ کریم کی خدمات کی بھی سعادت حاصل کر چکا تھا۔

اور جو جواب میری سماعتوں سے ٹکرایا اُس سے میرا دِل دماغ اور رُوح تک کانپ اُٹھی۔ مجھے بتایا گیا کہ دفترِ مذکور جہاں سے شریعت کی شعائیں پھوٹتی تھیں اَب وہ ایک علمی ترقی کی جلسہ گاہ اور کھیل کا میدان بن گیا ہے' تو میری دماغی حالت ایسی ہوگئی جیسے کہ میرا سر پوری دُنیا سے ٹکرا گیا ہے۔ مجھ میں بے قراری بے چینی اور مایوسی ظاہر کرنے کی قوت اور طاقت تک نہ رہی۔ آخرکار میں نے عدالت خدائی ہی کی طرف رجوع کیا تو یوں لگا کہ اُسی آگ میں جلتی ہوئی

اور بھی بے شمار آہیں میری آہوں میں شامل ہو گئی ہیں۔ مجھے یاد تو نہیں ہے کہ میں نے کبھی شیخ جیلانی ؒ سے اپنی دعاؤں اور التجاؤں میں معاونت اور مدد چاہی ہو لیکن یہ اُسی کی دعاؤں اور التجاؤں کی وجہ سے ہی ممکن ہوا کہ اُس روشنیوں کے منبے والی جگہ کو اندھیروں سے بچانے کے لئے میری طرح اور بھی ہزاروں لوگوں کی آہیں آتش گیر ہو گئیں۔

عین اُسی رات شیخ الاسلام کا دفتر کا ایک حصہ جل کر زمین بوس ہوا تو سب نے ہی بیک زبان ہو کر کہا کہ 'کیا غضب ہو گیا ہے' لیکن بمعہ میرے چند دوسرے اہل دردِ دل نے کہا کہ 'سب تعریفیں، توفیقیں اور شکرانے اُسی ذاتِ احد کے لئے ہیں۔ تحسین تاندوآن' جو کہ 1925ء میں استنبول میں ناظم اعلیٰ پولیس تھا' کے مطابق شیخ الاسلام کے دفتر کے قریب ہی سلیمانیہ میں جناب نورسی بھی مقیم تھا۔ استنبول میں مزید قیام سے منسوب جناب نورسی کی بے عرضیاں' دلچسپیاں اور معصومیت کے اضافی ثبوت بھی اُسی ناظم پولیس کی یادداشتوں سے ملتے ہیں۔

شیخ سعید کی بغاوت میں ملوث سرکردہ رہنماؤں میں سے پالولوسعدی' سیّد عبدالقدیرؒ اُس کا لڑکا محمدؐ اور نظیف بے کی گرفتاریاں اور بیانات بھی اُسی ناظم پولیس تحسین تاندوآن نے ہی لیے تھے۔ چیف سپرنٹنڈنٹ ضیاء بے نے بھی اُسے ہی حکم دیا تھا کہ وہ شیخ الاسلام اور سلیمانیہ پہنچ کر جناب نورسی کو پولیس ہیڈ کوارٹر لائے اور اُس کے بیانات قلمبند کرے۔ تحسین بے نے چیف سپرنٹنڈنٹ کو آگاہ کیا کہ یہ وہی مشہور کردی سعید ہے لیکن اُس بغاوت میں تو یہ ہرگز ملوث نہیں رہا ہے' ہم اِس کا اُن لوگوں سے کوئی رابطہ نہیں جوڑ سکتے۔

اُسے حال ہی میں مشرقی علاقہ جات سے لایا گیا تھا اور وہ سلیمانیہ میں مقیم تھا۔ بطلسی کورس حاگی نامی ایک شاگرد اُس کی ضروریات کے لئے اُس کے پاس تھا۔ میں بذاتِ خود اُسے سپیشل برانچ (تفتیش خاص) لانے کے لئے وہاں گیا تھا۔ میرے پاس اُس کی باقاعدہ فائل تھی اور میں ہی اُس فائل کو لے کر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور گورنر کے پاس گیا تھا۔ میں نے ہی اُس کے بیانات قلمبند کیے تھے جس میں اُس نے کہا تھا کہ 'یہ بغاوت وغیرہ جو کچھ بھی ہے میرا اِس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اِس قسم کی تباہ کن تحریک کے لئے میں کبھی بھی کچھ نہیں کر پایا ہوں اور نہ ہی اِس کے متعلق کچھ جانتا ہوں۔ میں نے اپنے ہی بھائیوں کا قتل عام اپنے کندھوں پر نہ لیا کیونکہ اِس قسم کی تحریکیں اپنے ہی بھائی بندوں کے خون بہانے کے مترادف ہوا کرتی ہیں۔ تحسین بے بیان کرتا چلا گیا کہ وہ تین افراد کو دیار باکر خصوصی عدالت برائے ملزمانِ تحریک آزادی لے گیا تھا' جن میں

سے تین کو موت کی سزا اور پھر پھانسی ہوگئی جبکہ نصیف بے بری کر دیا گیا تھا۔ اُس نے مزید کہا کہ پندرہ دِن جاری رہنے والی تفتیش کے بعد جناب نورسی کو کہیں رہائی ملی کیونکہ سیّد عبدالقدیر اور سعدی پالولو نے گواہیاں دی تھیں کہ جناب نورسی کا اُن سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ تحسین بے ہی کے متعلقہ جناب نورسی کے تاثرات ہذا دیکھیں، ''جناب نورسی ایک اِنتہائی ذہین اِنسان تھا' میں نے اُن جیسا ذہین اِنسان دیکھا ہی نہیں' میں ان ہزاروں ملزمان اِنسانوں کو اپنے اِن ہاتھوں سے اُلٹا سیدھا کیا ہے اور میں اُن کو چہروں سے ہی پہچان لیا کرتا تھا کہ وہ کیا کچھ ہیں۔ اُس نے کہا' اُس نے شعلہ بار آنکھیں پائی تھیں اور ایسی آنکھیں بھی میں نے زندگی بھر نہیں دیکھی تھیں۔''

حفظ ماتقدم کے طور پر اُسے اسپارٹا بھیج کر وہاں رہنے پر مجبور بھی کر دیا گیا' میں نہیں کہہ سکتا کہ اِس قسم کا اِنسان ایسی ویسی بغاوت میں ملوث ہوسکتا ہے کیونکہ وہ تو کوئی بہت ہی سمجھدار اِنسان واقع ہوا تھا۔ مزید تین ہفتوں کی تفتیش اور تحقیق کے بعد جب پولیس کا پیٹ بھر گیا تو جناب نورسی کو پھر سے اَنتالیہ جانے والے بحری جہاز پر سوار کرا دیا گیا جسے اُزمیر کے مقام پر کئی ایک دوسرے جلاوطنوں کو اُتارنے کے لئے رکنا بھی تھا۔ تو سجنوں بیلیوں کی اچھی خاصی تعداد گالاتا پل پر اُس کی جدائی اور الوداعی میں اپنے اپنے رنج وغم لیے جمع ہوگئی تھی۔ انطالیہ سے آگے اُسے اَندر ہی اندر بورڈور کے ایک چھوٹے سے شہر میں پہنچا دیا گیا۔

بورُ دُور:

اور پھر' تو بس' پچیس سال کی غیر منصفانہ جلاوطنی جناب نورسی کی لوحِ حیات پر پروان چڑھنا شروع ہوگئی۔ کیونکہ صرف ایک رہائشی حیثیت ہی کو لے لیں' سرکاری افسران کے تحت اُسے غیر قانونی اور آمرانہ سلوک' دباؤ والے ماحول اور پھر مسلسل نگرانی میں رکھا گیا۔ جب وہ بورڈور پہنچ آیا تھا تو وہ شہتوت پھل آنے کا موسم تھا یعنی جون' اور پہلے پہل تو وہ پرانی فوجی بیرکوں میں دوسرے دوسو جلاوطنوں میں سے دو کے ساتھ اسیر رہا' بعد میں پھر ایک مقامی خاندان سَتّی ءجان کے گھر کی بالائی منزل پر مقیم ہوگیا۔

آخر کار اُس کا مستقبل قیام ضلع Degirmenler کے ایک شہر میں دیلی بابا حاجی عبد اللہ کی مسجد میں ہوگیا تھا۔ ایک ہمسائے سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ روزانہ بعد دوپہر کی نماز ایک درس دیا کرتا تھا جس سے کہ بہت سے لوگوں میں اثر پذیری ہو رہی تھی اور جو مواد اُن درسوں

میں سنایا جاتا تھا بعدازاں ''نوردون' ایک کاپی سی یعنی رسالہ' کا پہلا مرحلہ' کا عنوان بن گیا۔ یہ کل تیرہ درسوں پر مشتمل ایک مختصر سا کتابچہ بن گیا جو وہیں لکھے گئے تھے اور پھر انتہائی رازدارانہ طور پر ایک کتابی شکل میں بھی آ گئے تھے۔ پھر جن لوگوں کو بیان کردہ عقیدے کی بنیادی سچائیوں کی جستجو ہوتی تھی تو بسلسلۂ نقول ہاتھوں ہاتھ سے استفادہ کرتا۔ جناب نورسی اِس تدریسی سلسلے کو تو فہرست اوّل اور تخم رسالۂ نور بلکہ اُس نئے جناب سعید نورسی اوّلین نزولِ قرآن گردانتا تھا۔ بورُدور میں جو لوگ جناب نورسی سے ملنے آئے اُن میں سے ایک تو حامدی کا سابولو تھا جبکہ دوسرے محکمۂ امور مذہبی کی مشاورتی کونسل سے تھے۔ وہ یاد کرتے ہیں کہ 'وہ جناب نورسی سے ملنے گئے تو مارے حیرت کے ایک عربی لکھا ہوا صفحہ بھی ساتھ لیتے گئے کہ ہوسکتا ہے وہ عربی بھی سمجھتا ہو' تو دورانِ ملاقات جب اُسے وہ صفحہ پڑھنے کے لئے دیا تو اُس نے اُس پر بس' ایک نظر ڈال کر واپس میرے ہاتھ میں دے دیا اور کہنے لگا کہ 'دیکھیں تو اگر مجھے یاد پڑتا ہے تو' اور پھر اُس نے وہ پورا صفحہ زبانی ہی پڑھ کر سُنا دیا۔ جب جناب نورسی کا قیام بورُدور میں ہی تھا تو ہیڈ آف سٹاف فیلڈ مارشل فوزی چقماق نے بھی وہاں کا دورہ کیا' وہ جناب نورسی کو بہت پُرانا جانتا تھا' تو جب حکومت وقت ہذا نے اُس سے جناب نورسی کی یہ شکایت کی کہ وہ اور اُس کے کچھ شاگرد روزانہ پولیس اسٹیشن رپورٹ بھی نہیں کرتے اور وہ مذہبی درس بھی دیتا رہتا ہے تو یہ سب سُن کر فوزی پاشا نے کہا کہ 'جناب نورسی کی طرف سے کسی قسم کے نقصان کا اِحتمال نہیں ہے لہٰذا اُسے بغیر پریشان کیے عزت واحترام دیا جائے۔

اَسپارٹا:

مغربی اُناطولیہ میں مشرق سے آئے ہوئے جلاوطن مذہبی لیڈروں کے بارے میں حکومتی حلقوں میں جو اضطراب پایا جانے لگا تھا جناب نورسی کی حرکات وسکنات اُس سے مختلف تھیں۔ 1926ء میں اُسے ایک اور سفر کی نذر کرتے ہوئے بورُدور سے عین درمیان اَسپارٹا پہنچا دیا گیا۔ وہاں اُس کا قیام مفتی تحسین آفندی کے مدرسے میں ہوا تو اُس نے پھر سے اپنی تقریروں میں اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔ جس سے کہ اُس شہر کے گورنر کو ایک عجیب سا خوف آ لگا۔ اور بمطابق ایک عینی شاہد کے کہ وہاں اِس قدر ہجوم تھا کہ بمشکل تمام اُسے دروازے کے پاس جگہ ملی تھی۔

لہٰذا جناب نورسی کو حکام نے کسی ایسی جگہ منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا جہاں نہ کوئی اُس کو دیکھے سُنے اور نہ ہی اُس سے کوئی اثر لے اور جہاں ہر قسم کی تہذیب اور ماحول کی محرومی اُسے عین

نیچے لگادے گی اور ہر ذہن سے مٹ بھی جائے گا۔ وہ جگہ جو اُس کے لئے تجویز کی گئی وہ جھیل ایئر دِر کے قریب جنوب مغرب میں بارلا کے پہاڑوں میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں کوئی بیس دِن بعد اُسے لا کھڑا کیا گیا۔ ہمیشہ سے ہی اپنے آپ کو تنقید کی نوک پر رکھ کر حالات و حادثات کو صحیح اور سچ معنی مفہوم کا لبادہ اوڑھاتے ہوئے جناب نورسی نے اپنی جلاوطنی کی تین وجوہات دی تھیں جنہیں کہ ہم نے بھی موضوع بر بیان بنایا ہے۔

ہذا متعلقہ بدبختی سعید براں' میں جب بھی اپنے فرائض کی بجا آوری میں متحرک ہوا اور کہا کہ یہ میرے نزدیک کیا ہے؟ اور اپنے ہی ذاتی معاملات میں پہلے سے ہی محو ہوا' تو مجھے اپنے اندر ہی سے ایک تھپڑ رسید ہوا.......... بمثال شیخ سیّد کے واقعات کے وقت وان میں جب میں سچائی قرآن کی سوجھ بوجھ بانٹنے میں مصروف تھا تو یہی مشکوک مزاج حکومت میرے معاملات میں مداخلت نہ کرتی تھی اور نہ کرسکتی تھی۔ پھر سے جب میں نے کہا کہ یہ سب میرے لیے کیا ہے؟ اور بغرضِ بحفاظت ایک پہاڑ کی غار میں یہی سوچتے ہوئے پناہ گزیں ہو گیا۔

تو مجھے بلاوجہ گرفتار کرلیا گیا اور جلاوطن کر کے بُردُور لایا گیا۔ وہاں پہنچ کر بھی میں تو پھر سے خدمات و تبلیغ قرآن میں ہی لگ گیا' دوسرے جلاوطنوں کو بڑے قریب سے جانچ پڑتال کیا جاتا' مجھے ذاتی طور پر نشانے پر رکھ کر روزانہ شام پولیس اسٹیشن حاضر ہونے کے لئے حکم ہوا لیکن میں اور میرے مخلص شاگردین نے حکم تعمیل ہرگز نہ کی۔ وہاں پر متعین گورنر نے فیوضی پاشا سے بوقت آمد شکایت بھی کی مگر پاشا نے کہا کہ' اُسے پریشان نہ کریں بلکہ اُسے احترام دیں۔ وہ کیا اور کونسی قوت تھی جس نے اُس سے یہ ہمدردیاں اگلوائی تھیں' یقیناً صلہ نیکوکاریٔ خدماتِ قرآن ہی تھیں۔ لیکن میں جب کبھی بھی اپنی ذات کی حفاظت کے خیال اور پھر صرف اور صرف فکر آخرت میں مغلوب ہوا ہوں اور عملِ خدماتِ قرآن میں بھی کوتاہی خیال میں مبتلا ہوا ہوں تو مجھے برخلاف میری ہی نیت و ایمان رسیدی طور پر تھپڑ اور تھپڑے ہی نصیب ہوئے ہیں۔ بارلا میں بھی آکر ایک بار پھر سے میں نے اپنے اُنہی فرائض کی گٹھڑی اپنے سر پر رکھ لی۔

مگر کوئی بیس دِن بعد ہی بہت سے کم ظرف قسم کے لوگوں نے مجھ سے بہ انداز خبرداری کہہ دیا کہ' شاید حکومت اِس قسم کی حرکتوں کے حق میں نہیں لہٰذا تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ ذرا محتاط رہو۔ پھر سے' میں نے اپنے ہی بارے میں سوچنا شروع کیا تو اپنے آپ ہی سے کہا کہ لوگوں کی آمدورفت ہی کیوں نہ ختم کردی جائے لیکن پھر مجھے جلد ہی بارلا میں ہی کسی تیسری جگہ جلاوطنی

عنایت کر دی گئی۔ بارلا میں ہی جب اندر کی قلعی اُتری اور کھلی تو میں اپنی ذات میں ہی محصور ہو کر اپنے آپ ہی کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ اُس مجبور پن میں اِس جہان اور اُس جہان کے نفع نقصان پر مبنی سانپوں اور اژدھوں کی بھی ریل پیل تھی۔

جناب نورسی پر روز روشن کی طرح عیاں تھا کہ اُس کے ذمہ کوئی مقصد واقعی بھی ہے محض زہد و عبد کی زندگی گزارنا بھی اُس کے بس میں نہ تھا کیونکہ اُس میں وسوسے' خدشات اور تاریکیوں کی تہیں کار فرما تھیں لہٰذا اپنے ظاہر باطن ارادوں سے ہٹ کر خدمت قرآن کریم بھی اُس پر واجب ہو چکی تھی۔ مبنی بر جلاوطنی بر مقام اُسپارٹا' بعد از مختصر قیام اُسے بارلا بھیجا گیا تو عیر در جھیل کے ساتھ ساتھ پہاڑوں میں سفر قدرے آسان رہا۔ سیو کیت دیمی رے' فوجی سارجنٹ جو اُس کے ساتھ تھا بحوالہ سفر بر بیان ہے کہ' ایک صبح' بعد ازاں بازار وغیرہ کھل جانے پر حاکمانِ حکومت نے مجھے ٹاؤن ہال میں بلایا' تو میں نے دیکھا کہ ناظم اعلیٰ ضلعیٔ فوجی کمانڈر اور ممبرانِ ٹاؤن کونسل کے علاوہ ایک پگڑی باندھے اور جبہ پہنے چالیس سال کے لگ بھگ ایک انتہائی مؤثر شخصیت بھی موجود تھی۔ کمانڈر صاحب نے مجھے کہا کہ' بیٹے جی' اِدھر آئیں۔ یہ استاد محترم ہیں اور انھیں تم نے بارلا لے جانا ہے۔ مشہور و معروف سعید بدیع الزماں آفندی یہی ہے۔ یہ تمہاری بہت ہی اہم ذمہ داری ہے' جب تم اِسے وہاں کی پولیس کی تحویل میں دیدو گے تو وہاں سے اِن کاغذات پر دستخط کروا کر واپس رپورٹ بھی کر دینا۔

بہت بہتر جناب' میں نے کہا اور اپنی ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لے لی۔ بطرف باہر راستے میں میں نے اُس سے کہا کہ آپ مجھ سے معتبر ہیں اور جو میں کر رہا ہوں یہ میری ذمہ داری اور فرض آوری ہے لہٰذا مجھے معاف کر دیں۔ بحری کشتی پر پہنچے اور اُس سے بھاؤ تاؤ طے کیا تو بدیع الزماں آفندی نے اپنی جیب سے وہ طے شدہ پچاس کُرش اُس کشتی بان کو ادا کر دیئے۔

پھر اُس نے مزید دس کُرش نکال کر اُنہیں بغیر بیج کے کشمش خرید لانے کے لئے بھی دیئے جب وہ سب اُس بحری کشتی میں سوار ہو گئے تو دیکھا کہ اُس کے پاس جو ٹوکری تھی اُس میں ایک کمبل ایک چائے دانی اور ایک کیتلی تھی جبکہ اُس کے دوسرے ہاتھ میں کلام الٰہی یعنی قرآن کریم تھا۔ دو کشتی بان' ایک کوئی اُن کا واقف کار' اور دو افراد ہم تھے' یعنی کل پانچ افراد اُس سفر پر رواں تھے اور بعد دوپہر کا سماں تھا۔ قدرے ٹھنڈک بھی تھی اور شاید بہار کی بھی آمد آمد ہی

تھی۔ جھیل میں جگہ جگہ برف جمی ہوئی تھی' معاون کشتی بان اُس برف کو ایک ڈنڈے سے توڑتا اور اُس کشتی کو آگے بڑھنے کا راستہ ملتا۔

جناب نورسی نے دورانِ سفر وہ کشمش' کوئی اور خشک میوہ اَز شرق ہمیں پیش کیا۔ میں دیکھ بھی رہا تھا کہ وہ کس قدر خاموش اور مستحکم تھا' وہ بھی اُس جھیل اور اردگرد پہاڑوں کو دیکھتا جا رہا تھا۔ اُس کی انگلیاں لمبی اور پتلی تھیں اور وہ اِس طرح دمک رہا تھا جیسے کہ اُس کے اندر کوئی بجلی کا قمقمہ منور ہو۔ اُس نے پتھر وغیرہ کی ایک انگوٹھی بھی پہنی ہوئی تھی اور پشت پر اعلیٰ درجے کا کپڑا وضع اور واضح تھا۔ بہت جلد بعد از دوپہر کا وقت ہو گیا تھا کیونکہ دِن بھی بہت چھوٹے ہو گئے تھے لہٰذا' اُس نے وہ نماز اُس کشتی میں ہی ادا کر لینا چاہی۔ ہم نے کشتی کا رُخ بھی قبلہ شریف ہی کی طرف موڑ لیا' اور پھر میں نے اللہ اکبر کی آواز بھی سنی جو کہ اُس سے پہلے میں نے ایسی پُر جلال آواز میں نہیں سُنی تھی۔ اللہ اکبر' یعنی اللہ بڑی قوت اور قدرت والا ہے' اُس نے اِس انداز میں براعلان کیا کہ ہم سب کانپ گئے۔ لگتا تھا کہ' کوئی بھی اور استاد اُس کے پائے کا نہیں ہے۔ قبلہ رُخ سے اُس کشتی کا رُخ موڑنے کو ہمارا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اُس نے الفاظ برائے امن و شانتی تلفظ کر کے اپنی نماز مکمل کی اور پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے' ہاں تو بھائیو' یہ آپ سب کے لئے ایک بوجھ اور کوفت ہی تو تھی' الغرض وہ ایک شائستہ اور شریف اِنسان تھا۔ ہم کوئی دو گھنٹے کی بحری مسافت کے بعد بارلا کشتی گاہ پر پہنچ گئے۔ برہان نام کا ایک جنگل بان وہاں اِدھر اُدھر اور اوپر نیچے ٹہل رہا تھا جسے کہ میں نے بلایا تو وہ فوراً میرے پاس چلا آیا۔ اُس نے استاد کی وہ ٹوکری بمعہ بھیڑوں کی کھال اُس سے لے کر ایک گدھے پر لاد دیں۔ اُسی موقعہ پر اُس کشتی بان محمد نے اُس جنگل بان کی رائفل بغرضِ شکار تیتر چکور اُٹھالی۔

لیکن بدیع الزماں نے اُسے یہ کہتے ہوئے منع کیا کہ بہار برافتتام ہے اور یہ اُن کے گھونسلے بنانے کا وقت ہے لہٰذا' شرم آنی چاہیے اور اپنی یہ خام خیالی رہنے دو۔ اِس طرح اُس نے اُسے اُنہیں گولی مار کر ہلاک کرنے سے منع کر دیا۔ تو پھر ہم نے دیکھا کہ اُن تیتروں چکوروں نے ہمارے سروں پر سے اُڑان بھری اور ہمارا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اپنی رائفل اپنے کندھے پر لٹکائی اور اُستاد محترم کا بایاں بازو تھام لیا۔ ہم پہاڑی پر چڑھ گئے اور قریباً گھنٹے بھر کی مزید چڑھائی اُترائی کے بعد بارلا جا پہنچے۔ اور' وہ تیتر چکور بھی بارلا تک ہمارے دائیں بائیں اور اُوپر ہی اُوپر اُڑتے رہے۔

شام عین ہم قدم ہو چکی تھی جب ہم بارلا میں اِک مسجد کے قریب پولیس اسٹیشن پر پہنچ گئے۔ ضلعی ناظم اعلیٰ' باہری بابا اور ناظم پولیس دونوں ہی وہاں موجود تھے' میں نے اُس بدیع الزماں آفندی کو اُن کے حوالے کیا اور اُن کے دستخط بھی لے لیے۔ میں نے وہ رات وہاں ہی گزاری اور اگلی صبح عیر در واپس آ گیا۔

دسواں باب

بارلا

حکومت انقرہ نے دراصل دُور بیٹھ کر بھی بیرونی دُنیا سے باآسانی کاٹ دی جاسکنے والی وہ جگہ تلاش کر لی تھی۔ جھیل ایئردر کے مغرب میں سبزہ پوش پہاڑوں پر گھونسلوں کی طرح چمٹے ہوئے سرخ چھتوں والے مکانوں پر مشتمل گاؤں کو کوئی سڑک نہ ہونے کی وجہ سے صرف پیدل، گدھے اور گھوڑے پر ہی جایا جا سکتا تھا، بارلا میں سڑک بجلی اور ٹیلی فون بعد کے سالوں میں آیا تھا۔

جناب نورسی کے لئے ناانصافی صرف اُس کی جبری جلاوطنی ہی نہیں تھی بلکہ کسی دُور دراز مقام پر اُس جبری جلاوطنی میں مخفی بڑی وجہ اُس کی جڑ مارنے کے ارادے تھے، لیکن انقرہ کے کرتا دھرتا یہ نہ جانتے تھے کہ اُس پر گھڑے اور کھڑے کئے جانے والے ''علیحدگی کے الزامات'' رحمت خداوندی میں بھی بدل سکتے ہیں۔ بارلا کے علاقے میں وہ اُسے کبھی کبھار کسی دورے کی اجازت دے دیتے اور اُس کے متعلق تہمتیں اور افواہیں پھیلا کر اور مقامی لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اُس سے دُور رکھنے کی کوشش کرتے۔

وہ مسلسل اُس کی نگرانی، اُس کا تعاقب اور اُسے حراساں رکھتے اور جب حکومت نے 1928ء میں دُوسرے جلاوطنوں کو عام معافی دی تو اُسے اُس کے اِس حق سے بھی اِنکار ملا۔ بقولِ جناب نورسی یہ سختیاں اور سزائے موت کی معافیوں جیسے اِقدامات تو محض خدائی اَقوال و احکامات کی بجا آوری کے لئے ہیں۔ اُس راہروی میں اُس نے اَفراتفری سے الگ ہو کر ایک شفاف ذہن بھی بنا لیا تاکہ وہ خدائی خدمات میں بلند مرتبے پر فائز ہونے کے لئے آزادانہ قرآن سے روشنی اور رہنمائی لے سکے۔

بارلا کے باغوں اور پہاڑوں میں جناب نورسی کا آٹھ سال چھ ماہ رہنا رہا اور اُس دَوران اُس نے رسالۂ نور کی 130 جلدوں پر بہت زیادہ کام کیا۔ بارلا تقوے کی تکریم کا مرکز بن کر چمک گیا اور یُگمان گزرتا تھا کہ جیسے فنافی اللہ ہی اُن کا نوشتۂ تقدیر ہو۔

کوشش اَحیائے اسلام:

1926ء کے اوائل بہار میں ہی بوجہ 'مغرب ترکی کو ترقی کی راہ پر ڈال دیا گیا' کیونکہ مصطفیٰ کمال جو خوب طاقت پکڑ چکا تھا' کے خیال میں ترکی کی تعمیرِ نو اور مہذب دنیا میں مقام صرف تیز تر جدیدیت میں تھا اور جدیدیت بمعنی مغربیت ہی تھی' دوسرے لفظوں میں بمعنی مکمل سیکولر آپریشن تنظیمیت اِصلاحات کے نتائج میں وجود پذیر ہونے والی اشرافیہ اور اُس کی اپنی نظر میں قدامت پسندی کی حمایت اور منافقوں کی مکمل شکست اور زوال کا ذِمہ دار اِسلام ہی تھا۔ لہٰذا مغربی تہذیب کے تمام تر جال بچھاتے ہوئے پہلا مقصد ہی عوام کی زِندگی میں سے اِسلام کے بابصیرت وجود کی بیخ کنی اور نکال باہر کرنا تھا۔

لیکن اُسے بنیادی عقلی تقاضوں کے تعطل کو کوئی آئینی مار نہیں مارنی چاہیے کہ اُن میں سچ مچ کے آئینی آہنگ تھے۔ کیونکہ ریاست میں سیکولر آپریشن کے لئے وہ تنظیمیت کے ساتھ شروعات کر چکا تھا۔ یہ دوسرے آئینی دَور میں شروع ہو چکی تھی اگرچہ ابھی تک اِسلام سازوں کے قریب مغرب سازوں کی آواز بے آواز ہی تھی جنہوں نے مغرب سے صرف سائنس اور ٹیکنالوجی ہی لینے کی تجویز دی تھی۔ پھر 1913ء میں سی یو پی کے گورنمنٹ سے مکمل اختیارات حاصل کر لینے کے بعد بذریعہ ضیاء گوکلپ سیکولر رسّی اور دراز کرنے کی تجویز پر جب سٹی تحلو الاسلام کو اِنتظامی عدالتی معلمی اور فنانشلی طور پر اپنے آپ کو متعلقہ حکومتی شعبوں کے سپرد کرنا پڑا تو اُس کی مقبولیت آدھی ہو کر رہ گئی' لہٰذا 1923ء کے قریب اِسلامی عدالتی اختیارات بعد از کانٹ چھانٹ صرف فیملی لاء میں سمو دیئے گئے' تاہم معاشرے کو متحد رکھنے کے لئے اِسلام کی جو بنیادی طاقت اور گھمبیر اختیارات تھے اُنہیں جھٹلایا گیا۔ سیکولر اصلاحات سے جو جڑھ ماری اور تعطل پیدا ہوا اُس کی تلافی تو پھر صرف اِنتہائی بھیانک اقدام سے ہی ہو سکتی تھی۔

اِصلاحات کی فہرست آویزاں کرنے سے پہلے ہی اُنہیں مقبول عام عوامی ردِّعمل کے ساتھ ساتھ جناب نورسی اور اُس کے بارلا بردار شاگردوں کی جوابی کارروائی اِحساس خوف میں مبتلا کر دے گی' تا کہ وہ تنظیمیت دور کے اُوزار عمل میں لائیں' جبکہ بعد اَزاں عوامی زِندگی کا طرزِ عمل بہت کم متاثر ہوگا جو کہ رشتہ اسلام سے قطعی ہو چکا تھا۔ اُن کی شناخت اب بھی اِسلام ہی سے ہے۔ مزید یہ کہ تمام تر تفریقات کے مقابلے پر ابھی ابھی تو جنگ آزادی سے فاتح بن کر' ترک عوام

کا ظہور ہوا تھا' جہاں دشمن کے وسعت وجود اور وسیع ملک سے مسلمانوں کو دھمکایا گیا کہ عیسائیت کی طاقت کے آگے اُن کا کیا زور رہے گا۔

قصہ مختصر تبدیلی مطلوبِ منطق تہذیبی اِنقلاب سے کم نہ تھی کیونکہ مغربی نظریۂ قومیت کی اساس پر قدیم اِسلامی شناخت نظر انداز کی گئی تھی۔ عمل تبدیلی تو پہلے ہی سے جاری وساری تھا' یعنی اِسلامی ریاست کے مشترک ستون' یعنی سلطنت اور خلافت' دونوں کی فراغت کے ساتھ ہی شیخ اُلسلام دفتر اور ایک مضبوط غلبۂ علما' شرعی عدالتیں اور مدرسّوں کو تو زمانۂ ماضی میں پہنچا دیا گیا۔ ایک قانون پاس ہوا کہ تمام تر تعلیم حکومتی کنٹرول میں یکساں کر دی جائے۔ جلاوطن ہونے کے بعد جناب نورسی کے دورۂ استنبول سے پہلے پہلے یہ سب ہو گیا۔ 1926ء میں سوئس سول کوڈ اپنایا گیا اور مجرمانہ قوانین کے لئے اٹلی کو بطور نمونہ اختیار کیا گیا۔ پیروی شیخ کہ جس نے 1925ء میں کہا' بغاوت کر دو۔ بذریعہ استقرار و استحکام قانون حکومت نے ایک نئی آمرانہ طاقت سے قانون پاس کیا کہ تمام درویشوں اور صوفیوں کی کٹیاؤں اور بیٹھکوں کو بند کر دیا جائے۔ اُس قانون کو بھی بدوش ہوا ہی لیا گیا مگر ولیوں کے مقبرے بھی بند ہوئے۔ بعد میں اُسی سال باتقلید فیشن مغرب مصطفیٰ کمال نے بھی اپنا فیصلہ سُنا دیا کہ اناطولیہ کے عوام کو مہذبانہ لباس پہننا چاہیے۔

روایتی لباس .... قابل ذکر فیز پر بھی پابندی لگا دی گئی' مشہورِ زمانہ ہیٹ ایکٹ نومبر 1926ء .... میں بتایا گیا کہ تمام مرد حضرات کو یورپین سٹائل ہیٹ پہننا چاہیے اور سر پر باندھی جانے والی ہمہ قسم پگڑیاں مجرمانہ دفعات میں آ گئیں۔ اُن احکاماتِ مظالم اور غم وغصہ کے برخلاف اظہارِ احتجاج ...... آزادی کے نام پر خصوصی عدالتیں کھڑی کر دی گئیں لیکن اُن میں سے چند ایک بھی تعمیل حکم حکومت نہ کرا سکیں۔ بالحاظِ کردار ...... باعزم جناب نورسی نے اپنی پگڑی اور جبہ ترک کرنے سے اِنکار کر دیا اور اپنے ایامِ آخر تک حکم عدولی کی کوشش میں جتا رہا یہاں تک کہ اُنہی عدالتوں میں اپنی حاضریاں بھی بھرتا رہا۔

''یہ پگڑی تو میرے سر کے ساتھ ہی واقع ہوئی ہے۔'' اُس نے نیوزت ٹینڈ گین گورنر استنبول سے کہا۔ اور 1943ء کو انتہائی تیزی سے بدلتے ہوئے حالات میں اُسے گورنر آفس سے لا کر قید وبند کی خاطر دینزلی جیل پہنچا دیا گیا۔ قومی کیلنڈر اور اوقات کار کی شکلیں اور شیڈول اگلے مراحل تھے۔ یکم جنوری 1926ء سے کار آمدہ مغربی گریگورین کیلنڈر اور چوبیس گھنٹوں پر مبنی گھڑیال متعارف کرایا گیا۔ 1931ء میں میٹرک سسٹم متعارف کرایا۔

یہ تغیر وتبدل بغیر مخالفین کے بھی نہ تھا' جون 1926ء میں بڑے اونچے پیمانے پر مصطفیٰ کمال کے خلاف ایک سازش کھلی جس میں معذرت کے ساتھ ہمراہ اپنے ہمراہی اُسے ایک طرف ہو جانے کی ہدایت ہوئی تھی۔ لہٰذا' سولہ آدمی سزائے موت ہونے پر قابلِ مذمت ٹھہرے چہ جائیکہ وہ ملوث تھے بھی یا نہیں۔ بمطابق آئین 1924ء آرٹیکل نمبر 2 اسلام سٹیٹ کا مذہب تھا جسے 1928ء میں منسوخ کر دیا گیا۔

اب مصطفیٰ کمال' پہلے تو مغربی اعداد وشمار اور پھر لاطینی حروف ابجد کے اختیار اور استعمال میں بہت ہی محفوظ اور مامون ہو گیا۔ تین نومبر 1928ء کے آخر سال تک عربی حروفِ ابجد کی منسوخی کا اعلان کر دیا گیا کیونکہ پاس کردہ ایک قانون کی رُو سے سرکاری طور پر نئے ٹرکش حروف اپنا لیے گئے تھے۔ مکمل طور پر ایک قوم کو اُس کے ماضی' مذہب اور جڑوں سے کاٹ دینے کے لئے اِس سے زیادہ مؤثر طریقہ اور ترکیب اور کوئی ہو ہی نہ سکتی تھی۔ ترکی میں قرآن کے مسودے کو مؤثر رکھنے میں رسالۂ نور نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔

حروف ابجد کو ترکی زدہ کر لینے کے ساتھ اِس اِسلام کو بھی ترکی زدہ کرنا اُن کا اگلا عقلی اَقدام تھا۔ عربی حروف دفع دُور کرتے ہی اُس زبان کی جگہ بھی ترکی زبان کو دے دی گئی۔ عربی زبان کا جاری رہنا قومیتی اُصولوں کے منافی سمجھا گیا۔ اکمال ازم کے چھ اُصولوں میں سے ایک یہ رہا۔ اِسلام میں اذانِ نماز کے لئے عربی کے شاندار اور جاندار' نشان اور نمونوں کی جگہ ترکی ترجمہ مہیا کیا گیا۔ جون 1950ء تک مستعمل چلے آتے سیکولر اقدامات کو جمہوری حکومت کے پہلے ہی مرحلۂ قانون سازی میں منسوخ کر دیا گیا.......... بمطابق مؤرخین مقبول عام تنفر پن کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

بعد از اخراج عربی فارسی کے مستعار الفاظ ترکی زبان والفاظ کی اصل ایجاد اور تعارف پر مبنی نام نہاد فصاحتی وبلاغتی پروگرام اُس حکومت کا ایک اور اہم قدم تھا۔ 1934ء میں خاندانی نام ونسب کی رسم متعارف کرائی گئی اور 1935ء میں اِسلامی دُنیا کے ساتھ آخری عملی تعلق ہفتہ وار تعطیل بروز جمعہ بھی بروز اتوار کر دی گئی۔ 1935ء میں ریپبلکن پیپلز پارٹی کے ریاستی الحاق کی بنیاد بندھتے ہی مصطفیٰ کمال نے قطعی کنٹرول حاصل کر لیا۔ ترکی کو یک جماعتی ریاست قرار دیا گیا تو بھی تمام حزب اِختلاف کو چپ ہی رکھا گیا۔

1937ء میں ریپبلکن پیپلز پارٹی کے چھ نکات کو ترکی کے آئین میں شامل کیا

گیا۔ بعد از حاصل طاقت اجارہ داری کمالستانی نکات کے تحت عوامی تعلیمی پروگرام لے کر رپبلیکن پارٹی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ملک کے کونے کونے میں ہزاروں کی تعداد میں عوامی ہالز' عوامی بیٹھکیں اور بعد ازاں دیہاتی ادارے بھی کھول دیئے گئے' جہاں اُن چھ نکات میں سے بالخصوص قومیت' سیکو لرازم اور مغربی تہذیب کو ترک عوام کی جڑوں تک اُتار دیا گیا۔ رپبلیکن پارٹی کے صاحبانِ صاحبیت بلکہ مختارانِ کل صاحبین بوجوہ کمال ازم (Kemalism) نظرآفرینی معاشرتی دیدے کے لئے مقبول عام اور کارآمد کل پُرزے سمجھے جاتے تھے۔ جبکہ معاشرتی بے چینی اور آزردگی بھی ایک پھیلاؤ پکڑتی جارہی تھی۔ تبدیلی تہذیب وتمدن پر اُمیدیں برآنے میں چھ نکاتِ کمال اِزم میں سے قومیت اور سیکولرازم نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ دوسرے تُرک نوجوانوں میں مصطفیٰ کمال کی افہام وتفہیم فرانسیسی فکر سے ماخوذ تھی' دیگر بنیادی اختلاف میں سے بطور خاص اِختلافِ اسلام اور کیتھولک چرچ کو اُس ترکستانی ماحول میں ناقابل عمل سمجھ لیا گیا' جس سے ترکی میں سیکولرازم کی سُوچ کو غیر ارادی طور پر ایک بحث بیٹھک مل گئی۔ مذہب ترقی پسندانہ سچائی کی راہ میں رکاوٹ تھا جبکہ سائنس سچائی کی سند تھی لہٰذا مصطفیٰ کمال کی عالمی اُمیدیں مثبت رنگ میں رنگی گئیں۔

گھٹنوں کے بل چل چلاؤ والی تہذیب میں اسلام کو کم تر اور کم آمیز ہونا پڑا بلکہ اُس ملک کی محکومی ماننی پڑی۔ 1930ء سے 1940ء تک تو یقیناً سختی پہ سختی ہی رہی' بعد ازاں بھی 1924ء سے عملہ نظامت امور مذہبی ومقدس مقامات کے ہاتھوں نظام کہن کی باقیات کے خاتمے سے تکلیف ہی رہی۔ لہٰذا سیکولرازم نہ تو مذہب اور ملک کو جدا جدا کرا سکا اور نہ ہی ملک کے حامیوں اور فرمانرواؤں سے ایک سا سلوک کر سکا اہلِ مذہب اور غیر مذہب ایک سے ہو کر رہ گئے' کس کا حق اور کس کی آزادی' سب کچھ حفاظتی مفروضوں تک رہ گیا۔ بعد ازاں ابوابِ حکومت اُن نکات پر بیان بازی کے لئے دَست اندازی کا مسئلہ بھی خوب بڑھا چڑھا کیونکہ کسی بھی بہانے سے بہت دفعہ نورسی کی گرفتاری اور قید مطلوب مقصد تھی۔

رسالۂ نُور:

نورسی کو حکم ہوا کہ وہ اپنی عبادات کی کمین گاہوں میں واپس بارلا نہیں آئے گا' دراصل' نگران حکومتی آنکھوں تلے ہی لکھت پڑھت اور نشر واشاعت میں اُسے ایسی کامیابی ملی جو آخر کار ایمان وعقائد میں رُوح پھونکنے والی تحریک کے لئے وجہ تحریک ثابت ہوئی۔ پچھلے ادوار کے تمام

اہلِ اسلام میں سے اور پھر ریپبلیکن پیپلز پارٹی کے اُس دورانیے میں مسئلہ اسلام کو آگے بڑھانے اور اِسلام بلامغربیت کے مباحثوں اور مقدمہ' قرآن و اسلام کو لوگوں میں جوشِ ایمانی پیدا کرنے میں نورسی بے مثل تھا۔ یہ بجائے سیاست کے دُنیا اور اُس کے وجود سے متعلقہ نظریات وعقائد کی ایک جدوجہد تھی۔

نورسی جس مقصد کے لئے عازم سفر ہوا تھا وہ ثبوتِ برتریٔ قرآن اور وہ برتریٔ تہذیب تھی جس سے کہ ذاتی اور اجتماعی حیثیت سے ہستی اِنساں کی تسلی تشفی' قبولیت اور مسرت میسر ہوسکتی ہے' تبھی اُس نے اہلِ یقین کو مادہ پرست فلاسفی کے متعلق جواباً بتایا کہ وہ معاشرے اور اِنسانیت کے لئے کہاں تک بے منطق' غیر مستحکم اور تباہ کُن ہوسکتی ہے۔ 1950ء کے قریب جمہوری حکومت کی طرف سے لائے گئے رعائتی ماحول اور حالات میں جناب نورسی کے شاگرد اور مرید ایک تحریک میں جمع ہو کر ترکی میں ایک قابل قدر قوت بن گئے۔ یاد پڑے گا کہ اپنی اوائل عمری میں ہی جناب نورسی مشرقِ بعید میں سلطنت کی پیش قدمی کے ساتھ سائنسی دور کی اہمیت اور یورپی خیالات کی مصنوعی یلغار سے آگاہ ہو گیا تھا' حالاتِ حاضرہ میں اِسلامک سائینسز اور بالخصوص قرآنی تفاسیر کی تشنگی کو بھی وہ جان گیا تھا۔

1911ء میں بمقام محاکمت تاحال نامکمل شیعہ ءِ مقاصد قرآن کو ہاتھ میں لینا اُس کا پہلا قدم تھا' جو اُن سچائیوں کے بیچ پر پڑا تھا جو دین اِسلام کی بنیادی اکائیاں تھیں۔ اپنے اوائلِ ایام میں زیادہ تر پس پردگی کا تسلسل ہی ایک اہم مدعا ٹھہرا۔ حالات وواقعات کے زیر اثر جناب نورسی کے لئے تلاش حق کی نئی راہوں کی خواہش اُن عوامل کے لئے آلۂ کار بنی جو نئے سعید کے لئے تبدیلی ماہیت قلب کا باعث ہوئی۔ ایک وقت پر جناب نورسی ترک رہنماؤں کے اِرادوں کو بھانپ گیا کہ اِسلام کے نام پر اُن کی سیاست بھی خوب چمکے گی' لہٰذا اُس نے نئی راہوں کی راہروی کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیا۔

اُنہی اِرادوں نے اُسے اُن نتائج سے ہمکنار کردیا کہ اب سے ہی بمطابق قرآن اُسے اپنی صلاحیتیں ایمان وعقائد اور روحانی قوتوں کی اہمیت پر ایک نئے انداز سے نچھاور کر دے۔ جب تک' وہ بارلا رہا اُس نے اَندر کے نقشہ کار کی رو سے ایک نیا طریقہ کار طے کیا جو کہ ایک عام انداز میں اپنے عقیدے کی سچائی میں قرآنی تعلیمات کو واضح ثابت کرتے ہوئے ایمان کی وجودیابی کے لئے اُسے بجھائی دیا تھا۔ یہ نیا لائحہ عمل بھی قرآن ہی سے کشید کیا گیا تھا اور اِس کی

حقیقتوں اور سائنسی سچائیوں کو بھی اتنا ہی سلجھایا تھا جتنا کہ مادہ پرست فلاسفی میں فطرت اور قوتِ معلوم اِسباب فطرت جیسی بنیادی باتوں کو تسلی بخش طریقے سے جھٹلا سکتا تھا۔ یہ تفکرانہ طریقہ کار یا مشاہدہ غیر مرئی دُنیا' موجودات کے اپنے ہی معنوی ردّعمل پر دلالت کرتا ہے۔ اِس سے مثالی مسابقت کو وسیع الاستعمالی ملی' جس طرح کہ دوربین نے فاصلوں کے حقائق کو تیز تر نتیجہ خیز' قابل فہم اور عقل و دلائل کو بھی تاحد نظر بنایا۔ نورسی کی تحریروں کے دوسرے دائرہ کار بھی ہر قسم کے لوگوں کی ذہنی سطح تک بڑی جلدی دائرہ عمل میں آگئے۔ یہ آخری نکتہ اہم ہے کہ رسالہ نور مقبول ترین ہو جاتا ہے۔ یہی کہہ لیں کہ جیسے کوئی پُرانا سیّد عام لوگوں کے گوش گزار ہوتے ہوئے اُنہیں ایک چوٹ مارے اور پھر اُنہیں اپنے وقت کی ایک بڑی تحریک میں ملوث کر لے لہٰذا عام لوگوں کے مذہبی شعور کی بیداری اور ایمان کی تازگی کے لئے نئے سیّد کو اُس کے نئے نظارۂ جہاد کے طور پر پیش کرنا ہوگا جبکہ اُنہیں اُن کے مذہب اور تمدن سے محروم کرنے کے لئے سر قلم کوششیں اور اُنہیں مصنوعی مغرب زدہ بنانے کے گھیرے بھی تنگ کیے جا رہے ہوں۔

بعد از حیات اور نظریۂ مسیحیت:

بارلا پہنچنے کے فوراً بعد جناب نورسی نے پہلا پروانہ بعد از حیات اور نظریۂ مسیحیت لکھا بعد ازاں اُسی کو دس اقوال کی نام و نمود دیدی گئی۔ 1954ء میں چند شاگردوں کے ساتھ بارلا میں جب اُن کی دوبارہ تشریف آوری ہوئی تو اُنہوں نے اُن کے لکھے جانے کی وجوہات بیان کیں۔ وہ سب بارلا کے مشرق میں ڈِھلوانوں پر باغوں اور میدانوں میں جانب جھیل ایر در ٹہل رہے تھے جب جناب نورسی نے فرمایا کہ:

''قریباً تیس سال پیشتر عین اِسی موسم میں' پھولوں بھرے باداموں کے دَرختوں کے ساتھ ساتھ میں باغوں میں چل رہا تھا کہ یہ والی آیت علم انگیز ہوئی۔'' لہٰذا خدائے برتر کی رحمت بھری نشانیوں پر غور کرو کہ بعد از موت وہ زمین میں مدفون شدگان کو کیسے زندگی بخشتا ہے؟ دَرحقیقت وہ وہی تو ہے جو مُردوں کو زندگی دے گا' اور وہی سب پر طاقت رکھتا ہے' (قرآنِ پاک 30 '50) سمجھ میں آگیا اور اِس کے معنی اور مفہوم اُس دِن مجھ پر واضح ہوا۔ میں چلتے چلتے باآوازِ بلند انہیں بار بار دوہرائے جا رہا تھا اور میں نے اُنہیں چالیس بار تلاوت کیا۔ شام کو میری واپسی ہوئی اور میں نے سمل حافظ تفوق کے ساتھ مل کر اُنہیں لکھا یعنی میں لکھواتا اور وہ لکھتا چلا گیا۔ جب اُنہیں پہلی دفعہ لکھا

گیا تو جناب نورسی اُنہیں چھپوانے کے قابل بھی تھا جبکہ بعد ازاں حالات مختلف رہے۔ 1926ء میں پہلی دفعہ مشرق سے تعلقہ نورسی کے موکسلو نامی ایک پُرانے شاگرد کی وساطت سے اور استنبول سے شاید ہزار کاپیاں چھپی تھیں۔ اُس کی دوسری بار چھپائی 1928ء میں ہوئی اور اُس دفعہ تو باقرڈ کمین نامی ایک مقامی تاجر اُس کا مسودہ استنبول لے گیا اور تریسٹھ صفحات پر مشتمل ایک کتاب واپس لایا۔ جناب نورسی نے ایک ایک کاپی کی تصحیح کی اور تقسیم کر دیں۔

بے شمار کاپیاں سرکاری افسران اور نیشنل اسمبلی کے ڈپٹی عہدیداران کو تقسیم کرنے کے لئے انقرہ بھیج دی گئیں۔ بمطابق جناب نورسی تعلیمی کونسل کے کسی بھی سرکاری فیصلے سے متفق ہونا نظریۂ بعد از موت وحیات مکمل نفی تھی۔ ایک مشاورت میں بحث یہ ہوئی کہ ایک ڈپٹی کے ساتھ بمعہ رسالۂ نور ایک رکن کونسل مقابلہ آراء ہوگا۔ کاظم کربیکر پاشا نے اُن وجوہات کی پیشکشی میں جناب نورسی کو اطلاع دی کہ ڈپٹی کے ساتھ مباحثے اور مقابلے میں اُن کی کتاب کو داغدار کیا گیا۔ جس پر جناب نورسی بے اِختیار بول اُٹھا ''میں نے کونسل سے متعلقہ کسی قسم کے فیصلے کی کوئی بھی اِطلاع نہیں لی۔ اُن کے ایسے فیصلے کی وجہ سے خدائے برتر نے مجھے موضوع نظریۂ آخرت پر مقالہ لکھنے کی توفیق بخشی۔ میں نے اَز خود خواہش پر تو نہیں لکھا اِسے ضروریاتِ حاضرہ نے لکھوایا ہے۔

کاظم کربیکر نے نہ جانے جناب نورسی سے حاصل کردہ اقوال ریکارڈ کیوں نہ کیے' لیکن یہ تو عین عیاں ہے کہ نئی جمہوریہ میں تعلیمی پالیسی کی اعلیٰ کارکردگی کمالستانی اِنقلاب کا ابتدائی مقصد تھا اور ترکی کو جدید مغربی شائستگی کی سطح تک لانے کے لیے یقینی اور قطعی قسم کی سیکولر بنیادیں ہی فراہم کردہ تھیں اور وہ تعلیم بھی سکولوں تک ہی محدود نہ تھی۔ ہمہ قسم میڈیاءِ وقت کا اِستعمال مضحکہ خیز حد تک مذہب عقائد اور اداروں پر حملہ سازی ہی تھا۔

بمثال' اپریل 1927ء میں ماہنامہ رسالہ ''رِسملی آئے میکماسٹ'' نے بمعہ عبدالحق حامد اور عبداللہ جیودت معروف اور مشہور مادہیت پرست شیران ماہرین حیاتیات کے انٹرویوز کیے جن کے مغرب پرستانہ نظریات کا نو آموز عوام پر خاص اثر تھا۔ جو اِس اِستفسار اور اِس عنوان کے تحت جوابدہ ہوتے تھے کہ ''کیا آپ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔'' اُس مشتعل ماندہ ماحول والے ملک میں اکثریت ابھی تک مخلص مسلمانوں پر ہی مشتمل تھی۔ اُن میں بہت سے لوگ جب اُن سے ایسے بیباک جوابات دینے کے بارے پوچھتے تو عبداللہ جیودت تو کھلم کھلا

حیاتِ آخرت سے اپنا نظریاتی بیان داغتے ہوئے اِنکاری ہو جاتا کہ ’’خدا پر یقین تو صرف عقل کے اندھوں اور لا علاج لوگوں کے لئے ہے۔‘‘

مقالہٗ جاتِ موت و محشر سے جناب نورسی کی بڑی اہمیت وابستہ تھی، جن میں جیسا کہ اُس نے کہا کہ بچوں اور عام لوگوں کو قابلِ یقین سچائیاں بھی کیسے کھول کر بیان کی جائیں، یہاں تو ابنِ سینا جیسے فلاسفرز بھی اپنی کم مائیگیوں کے اِعتراف کر گئے۔ ابن سینا کو بانگ دُہل کہنا پڑا کہ ’’مضمونِ محشر عقلی تقاضوں اور تول پر بھاری ہے۔‘‘ جناب نورسی نے بھی اوائل 1930ء میں مکتوب کیا تھا کہ ’’اَقدارِ مذہب مکمل طور پر تسلیم بالرضا ہی نہ ہوسکیں۔‘‘ اور بذات خود اُس نے تو اِن آیات مبارکہ کو شاید پچاس بار پڑھا ہوا اور ہر بار نہ صرف نیا لطف لیا بلکہ پھر سے پڑھنے کی حاجت ہوئی۔

تو پھر کیا ہوا؟ اِس قدر مشکل موادِ مضمون کو اِتنے سادہ اور صاف اندازِ بیاں کا وہ مقالہ متحمل رہا؟ رسالہٗ نور میں زیرِ تحریر آنے والی آسمانی فکر کے لئے جناب نورسی کی مہیا کردہ اپنی وضاحتیں بھی قابلِ مثال تھیں۔ بارہ سچائیوں میں سے ہر ایک کی مقصدیت کا مرتب کردہ اہم پہلو بیک وقت تین چیزوں کو اثبات میں لاتا ہے۔ ہر پہلو اثباتِ وجود اور ضرورت وجود کے ساتھ اُس کے اِسما و اَوصاف کی اثباتی کے بعد ہی پہلو موضوعِ موت و محشر بھی دائرہ اثبات میں لے آتا ہے۔

ایک اِنتہائی دھرم نا آشنا ہٹ دھرم سے لے کر اِنتہائی پر یقین سائنس تک حقیقت سچ آپس میں بانٹ سکتے ہیں کیونکہ ہر ایک میں نظر غایت عمل ہے۔ سچائی بولتی ہے کہ ’’یہاں بڑے بڑے مستحکم قانون تو ہیں لیکن کوئی قانون بغیر موجد قانون نہیں ہوسکتا۔ کیوں، یہ وجہ محتاج موجد ہے؟ اور جب قانون بغرضِ تعمیل عمل حرکت میں آئے تو لازم ہے کہ موجد قانون عقل مند اور اِنصاف پسند ہو۔ کیونکہ وہ عقل مند ہے تو اِستعمالِ حقوق غلط نہ ہے، اور اگر اِنصاف پسند ہے تو اِجازت اِستعمال حقوقِ مشتعل نہ ہے۔ اور، اِس لئے بھی، ایک بڑا اِجتماع اور ایک اعلیٰ خصوصی عدالت ہوگی کہ مبنی بر حقائق سچ سدھائے جاچکے ہیں، بلکہ اس قدر سکٹر چکے ہیں کہ بیک وقت تین تین ثبوت کرتے ہیں۔

اَقوالِ دس کی نتائج آفرینی از خود وسعت لے گئی۔ اثباتِ آخرت کے حق میں وضاحت دیتے ہوئے جناب نورسی نے کہا کہ ہمہ اَہلِ مضمون دیگراں و اَہلِ اِسم اِعظم بہ معنی خدائے بزرگ و برتر کا انجام منشور کائنات ہی میں فلسفہ آخرت مضمر ہے۔ جب بمطابق منشورِ اِسم

اعظم بموقع آخرت ایک بہت بڑا اجتماع ہوگا' تو تمام تر صفتوں صلاحیتوں اور قدرتوں کے مالک ملائکہ ربّ ربوبیت کے عمل حیل وحجت میں اُس جم غفیر کے لئے نہ صرف اثباتِ اعمال آسان تر ہو جائیں گے بلکہ اُن کے یقین وایمان بھی کامل ہو جائیں گے۔ جناب نورسی نے مزید وضاحت دی کہ فلسفہ آخرت کی سمجھ بوجھ باریک بینی ایمان آئے تو آئے ورنہ بوجۂ عقل تو مشکل ہی مشکل ہے۔ مزید بھی کہا کہ قرآن پاک ہی قابلِ شکرانہ صد ہونا چاہیے کہ جس نے ایک بے پایاں اِنسان کو پائیدار راستہ سمجھایا۔

بارلا میں حیاتِ مستعار:

بارلا میں لکھتے پڑھتے اور سوچتے سمجھتے ہوئے جناب نورسی تارک الدنیا ہو کر رہا۔ پہلا ہفتہ اُس نے اپنے معاصر حافظ احمد نام کے ایک دیہاتی کے بطورِ مہمان گزارا' جو کہ بعد ازاں بمعہ خاندان رِسالۂ نور کے لئے بڑا مددگار ثابت ہوا۔ لیکن جناب نورسی کو کہیں کسی پُر سکون سے دو کمروں پر مشتمل مکان کی ضرورت تھی جو کہ گاؤں ہی کے اِستعمال شدہ ایک عوامی ہال کے مل جانے پر جاتی رہی اور وہی عاجزانہ سی رہائش میں آٹھ سال تک اُس کا بسیرا رہا۔ اُس کے اپنے مطابق یہی جگہ اُس کا پہلا نور مدرسہ اور رسالۂ نور سکول ثابت ہوئی۔ موسم سرما اور گرما میں جس کے نچلی طرف ندی بہتی رہتی اور سامنے ہموار اور رُعب دار درخت ہی درخت۔ موسم گرما اور بہار میں شاخ دار گھنے درختوں کے گھروندوں کو ہی جناب نورسی اپنی عبادت اور غور وفکر کے لئے استعمال میں لاتا رہا۔ بارلا کے لوگ اور اُس کے اپنے شاگرد کہا کرتے تھے کہ جناب نورسی وہاں رات بھر رہ جاتا' نہ سوتا اور نہ جاگتا اور بوقت پو پھٹے غول در غول درختوں پر سے پرندے نہ صرف اُس کی گریہ زاریوں سے پھڑ پھڑانے لگتے بلکہ اُن کے گیت اور اُس کی گریۂ زاریاں زار و قطار ہو جاتیں۔ بارلا کا ماحول بڑی خوبصورتی کا حامل تھا۔ پیچھے بلند پہاڑ اور سامنے باغوں اور کھلیانوں پر مشتمل دھرتی بل کھاتی ہوئی وادی کے ساتھ ساتھ اگیردر جھیل تک نشیب نشیں ہوتی چلی جاتی۔ جناب نورسی اپنا زیادہ تر وقت نیچے جھیل پر جا کر مضافاتی چہل قدمی میں گذارتا۔ بارلا کے شمال میں صنوبر زدہ پہاڑ کام داگی کہلاتے تھے جہاں وہ کوئی چار ایک گھنٹے تو ضرور ہی گذارا کرتا تھا۔ بعد ازاں 1930ء بحسابِ ہفتوں بحالت غور وفکر جناب نورسی وہاں ایک عرصہ رہے۔

وہاں بھی جناب نورسی نے دو عدد درخت گھروندے بنا لئے' اُن دونوں میں سے ایک

صنوبر زادہ اور دُوسرا چیڑ زادہ' جہاں وہ علاوہ لکھت پڑھت وہ اقوالِ زریں اور رسالۂ نور کی کاپیوں کی تصحیح کرتا' وقت گزرنے کے ساتھ جس کی تحریروں کی تعداد بھی بڑھی اور چار سو شہرت بھی پھیلتی گئی۔ رسالۂ نور کے اندازِ تحریر و تشہیر میں اُس کی بے مثل ترتیب و تدوین بھی تھی اِس غیر معمولی علم اور قابلیت کے ہوتے ہوئے اُس کا خطِ تحریر انتہائی بودا تھا لہٰذا جناب نورسی اپنے آپ کو نیم ان پڑھ گردانتا۔ وہ اِسے خدائی برکات و فیوض گردانتا' اور بوجہ ضرورتِ ہذا خدائے برتر نے اُسے قلم کے دھنی شاگرد دیدیئے۔

وہ جس رفتار سے بھی اُن کاتبان کو جو لکھواتا وہ بھی اُسی رفتار سے ہی اُسے تحریر میں لاتے چونکہ عملِ تحریر واقعی بہ رفتار تھا لہٰذا رسالۂ نور کے کچھ حصے بوجۂ کمی وقت ناقابلِ یقین سے لگتے ہیں۔ بعد میں اِس پر طویل ترین بحث ہوگی۔ اَصل تحریر کے لئے جناب نورسی تو روزانہ گھنٹہ دو کے لئے ہی مصروف ہوتا اور اصل کاپیاں بھی ہاتھ ہی سے لکھی اور تقسیم کی جاتیں۔ پھر وہی کاپیاں آگے آگے پہنچتی اور لکھی جاتی رہتیں۔ پھر جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ وقت کے ساتھ وہی اَقوال پورے ترکی میں گاؤں گاؤں اور شہر شہر پہنچ کر رہے۔ بارلا کی گرما اور بہار یہ بارشیں بڑی مشہور ہیں۔ دھوپ اُجلا آسمان آناً فاناً بادلوں کی گھن گرج اور بجلیوں کی لپیٹ میں آجاتا۔ پھر بھیگی ہوئی دھرتی کی بھیگی باس سے ہوائیں بوجھل ہو جاتیں۔ اِبتدائی دِنوں کی ابتدائی گرمیوں کے اوائل میں جناب نورسی دیہاتی ماحول میں بہ انداز چہل قدم تھا کہ آسمان پر سیاہی پھیل گئی اور ایک دم بارش شروع ہوگئی تو اُن پہاڑوں میں کہیں بھی جائے پناہ نہ ملنے پر بھیگتے بھاگتے اُس نے واپسی کی راہ لی۔ وہ آہستہ آہستہ تنگ تنگ سی گلیوں میں اُوپر نیچے چڑھتا اُترتا ہوا ایک سانجھے اِستعمال کردہ پانی کے مرکز تک گارے مٹی میں بھری ہوئی سفید اُونی جرابیں اور پختہ کار ربڑ کے جوتے اُٹھائے ہوئے پہنچ پڑا۔

اِتنے میں وہاں سے کچھ دیہاتیوں کا گزر ہوا اور اُسے اُس افسوس اور اُفسردگی کی حالت میں دیکھتے ہی ایک دیہاتی فوراً اُس کی طرف ہوا۔ جناب نورسی نے بھی پشت پیچھے کسی کو پا کر پہلو بدل کر دیکھا تو وہ سلیمان تھا۔ اُس کے اِشارہ اُنگلی پر سلیمان نے وہ کیچڑ بھرے پھٹے ہوئے جوتے پانی کی ایک تنگ سی نالی پر دُھوڈالے اور پھر وہ دونوں ہی جناب نورسی کے مکان کی طرف اُوپر پہاڑی پر چڑھ گئے۔ آئندہ آٹھ سالوں تک اُسی سلیمان نے اپنے دِل و جان سے جناب نورسی کی ضروریات زندگی کا پورا پورا خیال رکھا۔

جناب نورسی اُسے نمک حلال کہا کرتے تھے۔ اقوالِ اٹھائیس متعلقہ جنت اُسی کے باغ میں رہ کر لکھے گئے تھے اور اُسی نسبت سے ہی اُسے باغِ عدن کہا جاتا ہے۔ بارلا میں قیام جناب نورسی بوجہ صحت تنگی ہی میں رہا۔ وہ صرف جسم و جاں کی بقاء کے لئے ہی تھوڑا بہت کھا پی لیتا تھا۔ اُسے جاننے والوں نے اُسے اکثر ایک پیالۂ شوربہ اور ٹکڑا روٹی ہی لیتے دیکھا تھا۔ بارلا میں ابتدائی چار سالوں میں اُس کے لیے وہ شوربہ معاصر حافظ احمد کے گھر سے سات آٹھ سال تک کی عمر کے حافظ قرآن بچے لاتے رہے۔ جبکہ جناب نورسی اُن دِنوں بھی انہیں اُس شوربے کے دس کُرش ادا کیا کرتا تھا۔ اگلے چار سال کی رسد برسانی عبداللہ کیوس نامی ایک دوسرے دیہاتی کے ذِمہ رہی۔

بطور خاص بارلا میں اپنے ابتدائی سالوں میں جناب نورسی بہت زیادہ تنہائی کا شکار ر جس کا کہ اُس نے بہت سے خطوط میں ذِکر بھی کیا ہے اور اُن میں سے ایک کا احوال بھی ی ہے۔ چونکہ اُس نے اُس علاقے میں ایک بیداری کی لہر دوڑائی تھی لہٰذا اُسے ہر طبقہ فکر و حیا طرف سے دوروں کی دعوتیں آنے لگیں۔ 1926ء اور 1930ء کے کہیں بھی درمیان میں افسر خزانہ ایک دواساز اور ایک ڈاکٹر کی معیت میں ایک ڈسٹرکٹ آفیسر جناب نورسی سے یا جس کی روداد یہ ہے کہ بارلا آتے ہوئے کشتی کے سفر میں مذہب پر ایک بحث چھڑ گئی۔ دواسا پاس مذہبی علوم نہ ہونے کے برابر تھے اور اُس نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ خدا تو حاضر و ناظر پھر اُس نے شیطان کیوں پیدا کیا؟ ہم اُسے کسی بھی طرح مطمئن نہ کر سکے۔ پھر جب ہم نے جناب نورسی کا حوالہ دیا تو بھنا کر کہنے لگا کہ مت کہو ایسی ویسی باتیں نہیں تو جھیل میں پھینک د گے۔ چونکہ ہم بارلا جا رہے تھے جہاں اُستادِ محترم سے اُسے تسلی بخش جواب مل جانے کے متعلق کہہ دیا۔ بارلا پہنچتے ہی ہم سیدھے ڈسٹرکٹ چیف کے گھر پہنچے اور کافی وغیرہ بھی لینے سے پ اُسے بتا دیا کہ ہم جناب نورسی سے ملنا چاہتے ہیں۔

اُس نے کھڑے ہو کر ہمارا پرتپاک اِستقبال کیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ میں آپ صاحبان سے ملنے آتا لیکن اب چونکہ آپ تشریف لے آئے ہیں تو...... اور پھر بغیر ہمارے کسی ابتدائی سوال کے اُس نے اُس نیکی بدی اور گناہ ثواب پر بولنا شروع کر دیا۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے اُس نے کہا کہ اب میں آپ کو تفصیلاً بتاؤں گا کہ کیسے بدی کو اچھائی میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ ہم حیرت سے ہانپنے لگے تو اُس نے یہ مثال دی کہ جسم کے کسی گلے سڑے حصے کو کاٹ پھینکنا کوئی برائی نہیں

ہے' بلکہ یہ تو اچھائی ہوئی'۔ کیونکہ اگر اُس حصّے کو نہیں کاٹا جاتا تو پھر تو سارا جسم ہی اُس وباء کی لپیٹ میں آجائے گا۔

تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ برائی اچھائی ہی کے لیے بنائی تھی۔ پھر وہ اُس دوا ساز اور ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ آپ ایک دوا ساز اور ڈاکٹر ہیں اور آپ میری نسبت زیادہ معلومات کے حامل ہیں۔ اور یہ سنتے ہی دوا ساز تو ایک چاک کی طرح سفید ہو کر رہ گیا بلکہ اُس کی تو بولتی تک بند ہو گئی۔ آگے جا کر اُنہوں نے بالکل نہ بتایا کہ وہ کون کیا ہیں؟ اُستادِ محترم نے اُنہیں ایک اور مثال پیش کی کہ اگر آپ ایک مرغی کے نیچے کچھ انڈے ڈالتے ہیں جن میں سے کچھ کے بچے بن جاتے اور کچھ ویسے ہی رہ جاتے ہیں تو کیا آپ اِسے ایک برائی کہیں گے؟ اُس سارے عمل میں بننے والا صرف ایک ہی چوزہ اُن پانچ سو انڈوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ پھر اُس نے اہلِ دِل سے متعلقہ دِل کے بارے میں بھی ایک تفصیل دے ڈالی۔ بہت بعد میں ڈاکٹر کیمل بے نے بتایا کہ متعلقہ دِل ویسی پُرمغز سائنسی گفتگو تو اُس نے کبھی پروفیسروں سے نہیں سنی تھی۔

اور اب ایک خط میں بیان کردہ جناب نورسی کے فکر و تشویش بارے بھی پڑھیں۔ اُس کے تمام خطوط کی اِبتداء بنام اُس کے جس کے لئے سب شاہی اعزازات ہیں' سے ہوتے ہوئے اس آئیت کریمہ تک آجاتی ہے کہ '' ماسوائے بیانِ شان بوساطت زبان اور ہے ہی کیا۔'' القرآن (17-44)۔

'' گرہیٹ'' اُس کا ایک مشہور خط ہے جس کا کہ کوئی دوسرا مترادف بھی نہیں ہے۔ اور مشرقی علومِ ادب میں تا دیر زیرِ زباں رہنے والے انگریزی لفظ اجنبی اور جلا وطن سے ماخوذ نہیں ہے۔ پھر اپنے روائتی انداز میں جناب نورسی لکھتا ہے کہ '' جلا وطن زِندگی کے از حد تکلیف دہ سمجھے جانے والے ادوار میں میرے رضا کار بھائیوں اور سرگرمِ عمل دوستوں کی وہ غمگساریاں ....
ایامِ آخر میں دو تین ماہ تو میں مکمل تنہاء ہی رہا۔ بعد ازاں ہفتہ دو میرے ساتھ کوئی مہمان وغیرہ ہو لیتا تھا مگر بعد اُس کے پھر سے وہی تنہائیاں۔ اور اب تو تین ہفتوں سے میرے پاس اِن پہاڑوں میں نہ تو کوئی کارکن ہے اور نہ کوئی بندہ پرندہ۔

ایک رات اِن عجیب الہیئت پہاڑوں میں ماتمی آہیں بھرتے ہوئے خاموش اور پُرسکون درختوں کے درمیان میں اپنے آپ کو پانچ مختلف الرنگ جلا وطنوں میں پایا۔ پہلے تو یہ کہ میں بوجۂ پیرانِ سال تھا اور پھر بوجۂ دوریٔ دوستاں و عزیزاں تنہا بھی تھا۔ بطرفِ ملک عدم اُن کی

روانگی نے میری جلاوطنی میں مایوسی بھر دی اور پھر اُس کے بعد ایک اور دائرہ جلاوطنی کھینچا گیا۔ بہت سارے باہم شیروشکر رہنے والے اِنسانوں سے چھوٹ اور گزشتہ بہار کی علیحدگی نے تو اُس جلاوطنی کو جنگل کر دیا تھا۔

اپنے آباء اور آبائی دھرتی سے دوری بھی جلاوطنی کو خوب جلاتی تھی۔ پہاڑوں میں پنپنے والی اُس تنہائیت نے مجھے ایک قابلِ رحم جلاوطن کا سارا اِحساس دِلایا۔ آخر کار میں نے اپنی رُوح کو پھولی نہ سماتی ہوئی جلاوطنی میں جلا پاتے ہوئے پایا جو کہ اِس جلاوطنی اور اِس ناپائیدار دُنیاوی مسافر خانے سے سوئے سفر مکمل تیاری کر چکی تھی۔ میں نے برسرِ پکار اپنے خدائے بزرگ و برتر سے پوچھا کہ یہ جفاکیشن جلاوطنیاں اور اندھیروں کے اندھیار کیسے وجود پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ میرے دِل کی زباں نے زور مارا...........

اُو میرے مولا میں پردیسی ہوں' میرا پریسان حال کوئی نہیں' میں کمزور اور کم ہمت ہوں میں بے بس اور بوڑھا ہوں' میں کچھ نہیں چاہتا' صرف طلبگارِ وصل اور خواستگارِ معافی ہوں اور' آپ کی عدلیہ اُولیٰ میں بہ عرض مدد ہوں'
اُو میرے مولا!

یہ اندازِ ناگہانی' روشنی اِیمان تابانی قرآن اور عظمت رحیم ورحمان میری مدد میں آن پہنچیں اور اُن اندھیروں میں اَندھیارے ہوئے اُن پانچ جلاوطنوں کو تابناک' بیباک اور بے محیط کر دیا۔ ایک دوسرے مکتوب میں جناب نورسی نے لکھا ''یہ مصائب گیر مسافر سرائے بڑی تیز رفتاری سے رنگ بدلتی رہتی ہے۔ یہاں سے بھی نے جانا ہے کہ یہ کوئی مستقل جائے سکونت نہیں ہے۔ ہر جائے سکونت ہی ایک مسافر خانہ ہے اگر کوئی مسافر مالک مسافر خانہ سے حق مہمانگی حق کرے سب دوست ہیں اور سب جگہیں دوستانہ ہیں۔ لیکن اگر کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا تو ہر کہیں اُس کے دِل پر پتھر اور ہر کوئی اُس کے لیے پتھر دِل ہوتا ہے۔''

عبدالرحمٰن کی موت...... جناب نورسی کے شاگرد:

رسالۂ نور کے شاگردِ اوّل یحییٰ اگل کو یہ مکتوبات لکھے گئے۔ برمقام بطور کپتان وہ 1929ء میں پہلی بار جناب نورسی سے ملا۔ اُس کا تعلق مشرقی ترکی میں واقع ایزگ سے تھا اور اٹھارہ ماہ کی واپسی کے بعد اُس نے رسالۂ نور کے لئے قابلِ قدر خدمات فراہم کیں اُن اقوالِ زر

کی مکمل پہچان پاتے ہوئے اُس نے جناب نورسی کے ساتھ بڑا پکا عہد کرلیا جس کی ایک بڑی وجہ اُن آخری اَقوالِ زر کے لئے اُس کی سنجیدگی اور سرگرمی عمل تھی بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اپنے بھتیجے عبدالرحمٰن کے بعد جناب نورسی اُسے اپنے جانشین سمجھتے تھے۔تب تک تمام تر دوسرے مصائب جھیلنے کے ساتھ اپنے مددگار ساتھی اور رُوحانی سپوت کی موت نے جناب نورسی کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ آئیں سنیں کہ جناب نورسی کا اپنا قلم کیا کہتا ہے۔

بارلا میں ایک وقت ایسا بھی تھا جب صوبے اسپارٹا میں انتہائی رنج والم اور اسیری جیسی جلا وطن صورت حال میں مجھے پابند کیا ہوا تھا' بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بدنصیبی کے بندھن میں بیماری' بڑھاپا اور ایک ہی گاؤں میں بغیر کسی اور کے نہ صرف دُوری وطن بلکہ سب سے میل جول اور بات چیت تک بھی بند تھی' اور پھر اُس رحیم کریم اور قدرت والے خدائے برتر نے مجھے ایک روشنی سے نوازا کہ حکمتوں کے خزانے قرآن کے دریچے کھلتے چلے گئے۔یہی میری تسلی اور تشفی کی صورت حال تھی جس سے کہ میں نے اپنی اُس قابل رحم حالت سے چھٹکارہ پایا۔

اگر چہ اُس توفیق عمل سے میں اپنی اصل دھرتی' دوستوں اور عزیزوں کو بھولتا چلا گیا لیکن افسوس کہ میں اُس اِنسان کو نہ بھلا پایا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا۔گزشتہ چھ سات سال سے مجھ سے بچھڑ جانے والا وہ میرا بھتیجا' رُوحانی بیٹا اور فرمانبردار شاگرد ہی نہیں بلکہ بہادر دوست بھی تھا۔مجھے کسی نے چھ سات سال سابقہ ایک خط دیا' کھولا تو وہ عبدالرحمٰن ہی کا تھا جس کا طرزِ تحریر اُس کے اَندر کی سچائیوں کا عکاس تھا' میں رُو دیا اور تادیر روتا رہا' عبدالرحمٰن نے پوری سمجھ اور سنجیدگی سے لکھا تھا کہ اُسے دنیاداریوں سے نفرت سی ہوگئی ہے اور اُس کی سب سے بڑی خواہش میرے پاس پہنچ کر میری ضروریات بڑھاپا کا خیال رکھنا تھا۔جیسا کہ میں نے اُس کی نوعمری میں اُس کا خیال رکھا تھا۔وہ قرآنی اسرار ورموز کے دُنیا میں پھیلاؤ پر مبنی میری اصل ذمہ داری میں بذریعہ قلم بھی میرا مددگار بننا چاہتا تھا۔اُس نے اپنے اُس خط میں یہ بھی لکھا کہ مجھے مقالہ جات کی بیس تیس کاپیاں بھیجیں میں ایک ایک کی بیس بیس تیس تیس لکھ کر آگے بھی لوگوں سے لکھواؤں گا۔

قبل اَز خط لکھنے' اُس نے متعلقہ فلسفہ آخرت اقوالِ زریں دس کی کاپی حاصل کی جو کہ اُس پر اُن چھ سات سالوں میں لگنے والے دُنیاوی زخموں کا علاج ثابت ہوئی۔اُس نے مجھے یہ بھی لکھا کہ وہ بوجہ اپنے روشن عقیدے اور پختہ ایمان موت سے متعلق بھی پر اُمید رہتا ہے۔ایک دو ماہ بعد میں عبدالرحمٰن کے ساتھ ایک خوشگوار قسم کی دُنیاوی زندگی گزارنے کا سوچ

ہی رہا تھا کہ اُس کی اچانک رحلت کی خبر سُن بیٹھا۔ میں اِس حدتک مضروب نہاں اور نہال ہو گیا کہ آج بھی زیرِ بارِ غم ہی رہتا ہوں۔

میری آدھی ذاتی زندگی تو میری والدہ مرحومہ مغفورہ کی رحلت پر تمام ہوئی تھی اور عبدالرحمٰن کی موت پر باقی ماندہ آدھی بھی جاتی رہی اور میں دُنیا سے بھی مکمل طور پر کٹ کر رہ گیا۔ ایک دفعہ پھر سے جناب نورسی کو قرآن حکیم کی اِس آیت کریمہ سے دِلی اطمینان ملا'' کہ ہر چیز فنافی اللہ ہے باقی صرف اللہ ہے وہی حاکم الحاکمین ہے اور اُسی کی طرف سب نے پلٹنا ہے' اور یہ جزو جملہ کہ ''لاشریک کون ہوسکتا ہے؟ صرف اور صرف وہی ذات ہی لاشریک ہے۔''

افرادِ حامل عمر رفتہ پر مبنی مقالے سے ماخوذ تحریر کی رُو سے فرمان جناب نورسی تھا کہ خدائے برتر نے اُس سے ایک عبدالرحمٰن کے بدلے میں تیس عبدالرحمٰن (قرآنی پارے) عطا کر دیئے ہیں۔ اہم ترین شاگردوں میں سے حلسی یحییٰ گل بھی تھا جس نے ایک دوسال بعد از رحلت عبدالرحمٰن جناب نورسی سے پہلی ملاقات کی۔ ایک دوسرا شاگرد مصطفیٰ تھا اُسے جناب نورسی نے واپس بارلا آکر اپنا منتظر پایا تو اُس سے ملاقات ہوئی' جبکہ یہ خبر تو وہ پہلے ہی سُن چکا تھا کہ گورنر کے علاوہ بھی کوئی فوجی آفیسر تھے' جن میں سے ایک ری فیٹ تھا' ایک ریٹائرڈ کپتان' اور ایک دوسرا' بن باسی عاصم' جوکہ 1935ء کو اسپارٹا میں زیر تفتیش ہلاک ہو گیا تھا اور تب جناب نورسی بھی اپنے پورے ایک سو شاگردوں کے ساتھ دورانِ دورا گرفتار کر لیا گیا۔ وہاں ایک سینترال صابری نامی شخص بھی تھا جو بارلا اور جھیل کے درمیان جہاز رانی کرتا تھا جس نے گردونواح کے دیہاتوں میں رسالۂ نور کی تقسیم میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

وہ گاؤں کی مسجد میں نمازیوں کا اِمام بھی تھا اور جناب نورسی کے ساتھ رشتۂ بھائی بندی میں اِس حدتک بندھا ہوا تھا جیسے جالے میں مکڑی۔ اَسپارٹا سے ایک صاحب حمزو بھی تھے بوجوہ خوش خطی جنہوں نے اپنے آپ کو رسالۂ نور کی تالیف اور خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اپنے شاگردان کے ساتھ جناب نورسی کے تعلقات انتہائی غیر رسمی قسم کے ہوتے تھے' رشتہ اُستادوں و شاگرداں پھولوں اور شاخوں کا سا تھا۔ وہ بھی اُنہی کی طرح اپنے آپ کو رسالۂ نور کے شاگردوں میں ہی گردانتا تھا۔

اُن کے ساتھ قریبی تعلق ہونے کے علاوہ اپنے عقیدے کی سچائی اور مشاورت کے پیشِ نظر وہ اُن سے رِسالۂ نور کی تشہیر کے متعلق مشورہ لیتا بھی اور دیتا بھی۔ مذہب دشمن اور بے

ایمان قسم کے لوگوں کے سامنے تو بڑے پر جلال اور ہٹ دھرم ہو جاتے جبکہ صاحب صدق اور صاحب ایمان کے لیے وہ بڑے شفیق اور مہربان بن جاتے۔ جناب نورسی اپنے شاگردوں کے لئے نہ صرف بڑا ہی مذہبی اور پاک صاف اِنسان تھا بلکہ ذاتی طور پر کسی بھی قسم کی تعریف' خوشامد بڑے جاہ ومنصب کا خواہاں ہرگز نہ تھا۔

وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وہ نہ تو اَز خود اپنے آپ کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی اپنے پسند کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اُنہیں تعریف وتوصیف صرف رسالۂ نور اور پھر قرآن کے حق میں قابلِ قبول ہے۔ جناب نورسی اپنے شاگردوں سے مسلسل رابطے میں رہتا اور ترسیل رسالۂ نور میں بھی قطعاً تعطّل نہ آنے دیتا۔ اُن ہزاروں خطوط کی بہتات بھی رسالۂ نور کی ترقی وترسیل کا ایک نمایاں پہلو ہے۔ باولالاحکسری' بارلا میں بوجوہ موجودگی جناب نورسی خطوط کے ڈھیر میں سے ایک خط۔

''میرے بھائی' حضرؔ' لطفی اور رُستو''

بلالحاظ اور بلاواسطہ' ایک طرف تو تم میرے شاگردین ہو' دوسری طرف میرے ہم لحاظ شاگردین ہو اور تیسری طرف میرے مشیران اور معاونین ہو۔ تمہارا ماہر مضمون ہونا ہرگز حتمی نہیں ہوسکتا بلکہ مفروضہءِ پاک اَغلاط ہونا بہت بڑی غلطی ہے۔ ایک گلاسٹرا سیب پورے باغ کے لئے نقصان دِہ نہیں ہوتا اور ایک کھوٹا سکہ پورے خزانے کی نفی نشانی نہیں ہوتا۔ اگر نیکی کو دس نمبر دیں اور بدی کو ایک نمبر تو یہ اُس نیکی کے ساتھ ایک اور اِنصاف ہوگا نہ کہ اُس بدی کے ساتھ کوئی بے انصافی۔ میرے بھائیو اور میرے ساتھی شاگردوں مجھ میں اگر کوئی خامی دیکھو تو بلا جھجک میرے منہ پر کہہ دو۔ اگر تم میرا سر بھی پھوڑ دو گے تو میں کہوں گا کہ خدائے برتر آپ سے راضی ہے۔ سچ اور حق کی خاطر دوسروں کے حفظ ومراتب کو سر پہ نہیں اُٹھا رکھنا چاہیے۔ میں اِسے فوراً اور بلا تردّد مان لوں گا۔

جانتے ہو کہ دورِ حاضر میں حفاظت ایمان بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ بطرف ہزار منتشر خیالات کے حامل کمزور کندھے یہ وزن نہیں اُٹھا سکتے' انہیں تو ممکنہ حد تک معاونت فراہم کرنی چاہیے۔ سچ کسی کے اندر سے تو بمشکل ہی برآمد ہوتا ہے اور میری مراد بظاہراً ہے جس کی جیل و حجت' صحت وصفائی اور تعمیل تک میرے لائق اور قابلِ قدر ساتھی شاگردان کی ذمہ داری ہے۔ دورانِ مطالعۂ صفحاتِ ہٰذا اُن مصائب ومشکلات کو ذہن میں رکھنا بھی ایک اہمیت کا حامل ہے جن میں جناب نورسی اور اُس کے شاگرد گامزن رہے۔

وہ مالی اور سیاسی حالات کی پیداوار تھے۔ اگرچہ بوجہ طوالتِ جنگ' زوالِ جدوجہد آزادی اور قد کاٹھ والی یونانی آبادی کے اُخراج کی وجہ سے ابتدائی دیہاتی زندگی کافی تنگ رہی۔ اُس خطے میں یونانی لوگ مہم جو قسم کے کاروباری تھے اور معیشت اور تجارت بھی اُنہی کے ہاتھوں میں تھی بلکہ اُس زرخیز زرعی اور الگ تھلگ خطے میں گرتے ہوئے معیارِ زندگی کو بھی سہارا دیا۔ 1930ء میں دیگر دُنیاوی اُفسردگیوں کے زیرِ اثر مزید دھچکے بھی برداشت کرنے پڑے۔ نام نہاد جدیدیت اور سیکولر اِصلاحات نے بھی یک جان دو قالب ہونا ہی تھا جبکہ صوبہ اسپارٹا تو اپنے مہیا کردہ مدرسوں اور پیدا کردہ علماء کی وجہ سے مشہور تھا۔ لیکن مقابلاتاً عام لوگوں میں شرح خواندگی زیادہ نہ تھی۔ 1927ء میں عام آبادی سے متعلقہ دیئے گئے اعداد و شمار کے مطابق شرح خواندگی نو فیصد سے بھی کم تناسب پر تھی۔ اِس شرمناک صورت حال کی صحت وصفائی کے لئے جناب نورسی تحریک کی خدمات بھی اور واضح ہو گئیں۔ مدرسوں اور صوفیانہ بیٹھکوں کی احاطہ بندی اور عربی حروفِ ابجد کی بندش نے مذہبی تعلیم کے آگے ایک بڑی رکاوٹ رکھ دی۔

ذرا ملاحظہ کریں کہ پرانے حروفِ ابجد میں پڑھانے اور پڑھنے والوں کو پکڑ کر نہ صرف مجرمان کا سا سلوک کیا جاتا' سزائیں دی جاتیں اور جلاوطن کیا جاتا بلکہ انجام کار سزائے موت تک پہنچ جاتا۔ یہی سلوک اور صورتِ حال قرآن کریم کو بھی درپیش تھی اور اُس کی لکھائی پڑھائی بھی ایک معمہ ہی بنتی جا رہی تھی۔ حوجا سکول آف تھاٹ کی پکڑ دھکڑ سزائیں اور اذیتیں بہت زیادہ ہو گئی تھیں۔ اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر ایسی ویسی بندشوں کی وجہ سے اناطولیہ کے لوگ بہت زیادہ ذہنی دباؤ اور دھونس میں تھے۔

1930ء اور 1940ء کا دورانیہ سرکاری سطح سے نازل ہونے والی اذیت ناکی اور دہشت کی وجہ سے بڑا بے رحمانہ بنا ہوا تھا۔ بوجہ رسالۂ نور متعارف شدگان کے خطوط سے اُن کی فیض یابی بھی عیاں تھی۔ بوجہ مطالعہ مقالہ جات نہ صرف اُن کے ایمان مضبوط ہوئے بلکہ قابلِ قدر حد تک ہمت اور حوصلہ بھی پا لیا۔ اُن کے سامنے جناب نورسی کی ثابت اقدام اور زباں زدِ عام مثالیں بھی تھیں' لہٰذا اُنہوں نے تمام مصائب و مشکلات ہنس کر سہیں اور جناب نورسی کی طرح ہی اپنے آپ کو رسالۂ نور کی تحریر و ترسیل کے لئے وقف کر دیا۔ جناب نورسی کو شاگردوں کی طرف سے موصول ہونے والے یہ دو خطوط بمثال ہیں۔ پہلا خط سالہا سال تک رسالۂ نور کی لکھی جانے والی بے شمار کاپیوں کے فنکار اہلِ شانِ قلم حضرو کا ہے۔ میرے محترم آقا' آپ کا ہر قول آپ کا ایک مقالہ

ہے اور تیر بہدف علاجِ ایمان ہے۔ میں نے آپ کے اَقوال سے بڑی برکتیں پائیں' اُنہیں جتنا جتنا پڑھتا گیا اتنی ہی پیاس بڑھتی گئی۔ میں بلندیٔ خیالات پر تو بحث نہیں کر سکتا جبکہ محسوس ہر بار کیا کہ کرلوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ جو کوئی بھی صدقِ دِل سے آپ کے اقوال سے آگاہی لے لیتا ہے تو وہ حقیقت سچ کو بھی قبو لنے کا ممنونِ احسان ہو جائے گا اور اگر وہ منکرِ حق ہے تو اپنا اِختیار کردہ راستہ ترک کر دے گا اور اگر گناہگار واقع ہوا ہے تو تایب توبہ ہو جائے گا۔

دوسرا خط مصطفیٰ کا ہے جو عبدالرحمٰن کی رحلت کی خبر سننے کے بعد جناب نورسی سے بہ مشرف ملاقات ہوا اور پھر رسالۂ نور کے لئے عبدالرحمٰن کی موت کے بعد اپنے آپ کو وقف کر دینے والوں کا پیش رو ثابت ہوا۔ یہاں اُس کے ایک طویل خط میں سے کچھ دلچسپ پرت پر تے گئے ہیں کہ کیسے اُس نے رسالۂ نور میں اپنی رہنمائی پائی اور کیسے دوسروں نے بھی اپنے روحانی زخم مندمل کیے اور یہ بھی کہ کیسے حوجا والوں کی نئی چیزوں اور نئی قدروں کے پیچھے بھاگنے کی خلد بازیوں نے اُن کی کوئی پہچان نہ پہنچنے دی۔ خط میں اُس اہم نکتے کو بھی اُٹھایا گیا کہ لوگوں کو تعلیم عربی سے محروم کر دیا گیا جس میں کہ تعلیم قرآن وحی ہوئی تھی اور بسلسلۂ رسالۂ نور ترغیباتِ ایمان وعقائید مدرسوں تک پہنچی تھیں' بلکہ بغرض ضروریات حاضرہ جس کا ترکی زبان سے بھی ایک تال میل تھا۔

میرے مرشد وآقا!

مجھے ایک رہبر ورہنما کی تلاش تھی اور جب مجھ پر واضح ہوا کہ میں تو دور دراز بھٹک رہا تھا جبکہ بدیع الزّماں تو میرے پہلو میں ہی بستے تھے۔ لہٰذا میں اُن عالی مرتبت مرشد وآقا تک پہنچا تو اُنہوں نے مجھے مقالۂ جات کی لکھت پڑھت سونپ دی۔ میں نے لگ بھگ پندرہ اقوال لکھے ہوں گے اور اب اُنہی کے مطالعے میں مستغرق ہوں۔ میں اُن سے بہت ہی زیادہ فیض یاب ہوا' آخر کار نوجوان طبقہ میرے اردگرد جمع ہو گیا۔ میرے ملجا و مولا اور آقا آپ کی تحریر وتصانیف نے تو میرے سینکڑوں مضروب ایمان دوستوں کو مرہم فراہم کر دی ہے۔ ایک موقع پر ایک مشکوک غلطاں آ گیا تو جب آپ کے اِس شاگردِ ناچیز نے رسالۂ نور میں سے کچھ پڑھ کر سنایا تو اُس کے تمام شکوک وشبہات ہوا میں تحلیل ہو گئے۔

آپ کے اِس شاگرد ناچیز نے نہ تو کبھی عربی پڑھی اور نہ ہی کبھی کسی مدرسے میں جھانک کر دیکھا تھا۔ میں بہ زبانِ ترکی زمانہ قدیم کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھا کرتا تھا لیکن اپنی دینی و دُنیاوی چوٹوں کا مرہم نہ پا سکا۔ لیکن جیسا کہ خدائے برتر نے ہر زمانے کے ہر دُکھ کے لیے مداواءِ

خداوندی وافر وقف کر دیا ہے اور وقت کی وقعت نے مدرسوں میں جو کمی واقع کر دی ہے تو یہی وہ وجہ ہے کہ ہمارے مرشد و آقا کے ہاتھوں رسالۂ نور تالیف ہوا............ بہ حضورِ اعلیٰ واولیٰ سجدۂ شکرانہ لاکھ لاکھ۔

خدائے برتر ہمارے آقا و مولا کو اِس دُنیا میں بھی اور اگلی دُنیا میں قرآن کریمہ کی خدمات کے صلنے میں خوب خوب سرفراز رکھے' آمین۔اگر چہ میں نے عربی میں تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور نہ ہی کسی مدرسے میں دس سے پندرہ سال لگائے ہیں بلکہ صرف اور صرف رسالۂ نور کو ہی نیک نیتی سے لکھا اور پڑھا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ جیسے میں کسی مدرسہ میں بیس سال رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بہت سارے عربی اساتذہ سے اِس احقر کا واسطہ پڑا تو وہ تو متحیر ہو گئے کہ یہ کیا کچھ پڑھ چکا ہے؟

وہ لوگ جو مستند قسم کے معلمان سے تربیت یافتہ ہوتے ہیں وہ اقوال اصل بزبانِ بندۂ ناچیز سُن کر مبہوت ہو جاتے ہیں۔ذلتیں اُٹھائے ہوئے بہت سے اہل استاد میرے پاس چلے آتے ہیں اور مجھ سے رسالۂ نور پڑھواتے ہیں۔کاش میری آواز میں ایک قوت ہوتی تو میں اپنی پوری مخفی جرأت سے پورے عالم میں پھیلے ہوئے جوانوں کو پکارتا چلا جاتا کہ کسی بڑی برکت کے حصول کے لئے کسی مدرسے میں بیس سال تک بھی محو مطالعہ رہنے سے بدر جہا بہتر رسالۂ نور کی لکھائی پڑھائی ہے۔

رسالۂ نور کی وسعت پذیری:

قدم بقدم وسعت پذیر ہوتے ہوئے رسالۂ نور کی تحریروں میں ایک کشادگی آتی چلی گئی خصوصاً اسپارٹا کے علاقہ جات میں جہاں ممکنہ حد تک عورتوں مردوں اور بوڑھوں جوانوں پر مشتمل ہزاروں کی تعداد میں موجود جناب نوری شاگردانِ نے جس کی کاپیاں لکھنے پر اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔اُن میں سے بعض تابعداران تو سات آٹھ سال تک اپنے گھروں سے ہی باہر نہ آنے پائے۔حتیٰ کہ سیو نامی گاؤں کی تو پہچان ہی بوجہ نور سکول ہونے لگی اور رِسالۂ نور کے لئے مقالہ لکھنے والے اہلِ علم وقلم کی تعداد ہزار برابر ہو چلی تھی اور یہ سلسلہ سالہا سال تک رہا۔1946ء یا 1947ء میں اِنی بولو شہر میں پہلی دفعہ تیار کردہ نقل مشین مسلسل استعمال میں لائی گئی اور 1956ء سے پہلے ہی ذخیرۂ رسالۂ نور کے نئے مسودات کا نئے مشینی عمل پر چھپنا ممکن ہو گیا تھا۔رِسالۂ نور کی

مختلف دستی کاپیوں کو دیئے گئے نمبر چھ ہزار تک تھے۔

جناب نورسی سے اُس کے شاگردان تک سرایت کر جانے والی روحانی روشنی ایک حوصلہ اور ایک اُمید تھی جس نے اِسلام اور اُس کے ماننے والوں کے خلاف دھونس دہشت اور واویلے سے پیدا کردہ مایوسی اور شکست کی اثرانگریزی کا منہ توڑ جواب دیا۔آخرکار یہ تحریک خیر سگالی پورے ملک میں ایک وبا کی طرح پھیل گئی۔لٰہذا اُن شاگردانِ باوفاؤں نے بھی اُن سرکاری دھمکیوں اور رکاوٹوں کو خاطر میں لانا چھوڑ دیا۔اُنہوں نے بڑی بڑی سختیاں جھیلیں۔رِسالۂ نور کی برآمدگی کی خاطر وہ اپنے گھروں پر پڑنے والے چھاپوں اور مسماریوں کے آگے ثابت قدم اور ڈٹے رہے۔

بہت سارے لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے وقت بھی دیا گیا مگر پھر سے گھروں سے اُٹھا کر پولیس اسٹیشنوں تک' جیلوں تک اور قلعہ بندیوں کی سزاؤں اذیتوں سے آزمایا گیا۔اِس غیر معمولی تحریک میں عورتوں نے بھی زندگی آموز اور دلیرانہ کردار ادا کیا۔بعض عورتوں نے تو اپنے مردوں کو اُن کے کاموں سے بھی آزاد کر دیا کہ وہ کسی نہ کسی طرح رِسالۂ نور کی نوکری بجالائیں اور کچھ نے اپنے خاوندوں کی لکھت پڑھت میں خوب معاونت کی۔ بہت ساری عورتوں نے خطوط کے نشانات ہی لے کر کاپیاں کی کاپیاں لکھ ڈالیں۔ بلکہ بہت ہی ساری عورتوں نے تو اُن مقالۂ جات ہی کو لکھنے کے لئے لکھنا پڑھنا بھی پہلی بار سیکھا۔چند دوسری عورتوں نے اُس رسالۂ نور کو خود پڑھتے ہوئے گردونواح میں بھی پڑھ کر سنانا شروع کر دیا۔

رسالۂ نور کے ہی وعظ سُن کر اُن میں مضبوطیٔ ایمان اُمڈ آیا جس نے کہ اُنہیں بھی اُن کے مردوں کی طرح ڈراو دھمکاؤ سے بے خوف وخطر بنا دیا۔حتیٰ کہ بچوں نے بھی اُن مقالۂ جات کی تحریروں میں خوب ہاتھ بٹایا۔جب ترکی میں ''مسودۂ قرآن پاک کے قلع قمع کرنے کی پوری پوری کوششیں ہو رہی تھیں تو تحفظ قرآن کریم سے متعلقہ رسالۂ نور کا کردار بڑا واضح دیکھا جاسکتا تھا۔اِس سے بھی بڑھ کر یہ کہ 1930ء میں جب نام نہاد اِصلاح زبان پروگرام لایا گیا جس کا مقصد ہی ترکی زبان کے ترکش میں سے عربی اور فارسی الفاظ کا اخراج تھا تو بھی اسلامی تہذیب کو روایتی اور شاہانہ خلعت پہنانے میں رسالۂ نور کا کردار بڑا بلند رہا۔کہا تو یہی جاتا ہے کہ ہزاروں لوگوں میں شرح خواندگی اور تہذیبی معیار کی معنی خیز بڑھوتری میں ہی تحریک نور تھی' بلکہ عقیدۂ اسلامی کی تزئین و آرائش اور حاشیہ برداری کے عمل سے دُور دراز بسنے والے لوگ بھی مستفید ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اِس کے ساتھ ہی جناب نورسی نے یہ بھی لکھا کہ جس طرح رسالۂ نور کفر و الحاد کے خلاف سچائی عقیدہ کی حفاظت کے لئے جدوجہد کرتا ہے بغیر نئی اختراعات کے خلاف قرآنی مسودات اور حروفِ عربی و فارسی وغیرہ کی حفاظت بھی اِسی کی ایک ذمہ داری ہے۔ رسالۂ نور میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ محض بوجہ وابستگی ہی لوگ تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں' خطرے مول رہے ہیں اور اُسی کی وقف کاری خدمات کے بدلے میں اپنوں سے دوریاں بڑھا رہے ہیں۔ وہ سرچشمہ طاقت کیا تھا اور کہاں تھا جس سے اُن لوگوں کو تقویت ایمانی ملی تھی۔ درحقیقت' کیا وہ جناب نورسی ہی کی شخصیت تھی جو لوگوں کے جوش و جذبے کے لئے مقناطیسی خاصیت رکھتی تھی' یا کہ وہ رسالۂ نور ہی ایک ایسا مرکز کشش تھا جس نے لوگوں کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا۔

پہلی بات تو یہ کہی جا سکتی ہے کہ جناب نورسی نے ہمیشہ اپنے تشخص پر مرکوز توجہ کو ایک طرف رکھا اور رسالۂ نور پر بھی کسی قسم کی خوشامدانہ گرد نہ جمنے دی جس سے کہ اُس خلوص کی سانچ پر آنچ آئے جس کو وہ اُس مقصدِ اولیٰ کے لئے انتہائی ضروری گردانتا تھا جس کے لئے اُس کا اپنا انتخاب ہو چکا تھا۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اُس کا اپنا آپ تو پورے کا پورا رسالۂ نور میں ہی غرق ہو چکا تھا۔ اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ وہ قطعاً اپنے آپ کو منبرِ رسالۂ نور نہ گردانتا تھا بلکہ صرف اور صرف اِس کی وجۂ تحریر و ترجمہ۔ بارے اَز خود کہنا تھا اُس کا کہ جیسے کسی بہت بڑے فوجی عہدے دار کے احکامات کا اِعلان ایک معمولی حیثیت کا حامل اِنسان بھی کر سکتا ہے اور جیسے کوئی دیوالیہ زدہ بیش قیمت ہیرے جواہرات بھری دوکان بارے چیخنا چلانا شروع کر دے بعینہٖ میں بھی اشیائے دُوکانِ قرآن مقدس کے اِعلانات ہی تو کرتا ہوں۔ اُس نے تو یہ بھی لکھا کہ میں نہیں کہتا کہ اقوالِ ہٰذا برتر از پاکیزگی تحریر و تالیف ہیں' لیکن حق ہی کہتا ہوں کہ اقوالِ ہٰذا میں موجود سچائیاں اور تکمیلات میری دستبرد سے باہر ہیں' وہ کریمی قرآن کریم سے ہی ہو سکتی ہیں اور ہیں بھی وہیں سے ہی۔ یوں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بقولِ جناب نورسی اور شاگردانِ جناب نورسی' بذریعہ رسالۂ نور یہ نورِ قرآن ہی تھا جو وجۂ آراستہ و پیراستہ اِجتماعِ اِنساں ہوا۔

خدائی مدد......رسالۂ نور:

اُس وقتِ گراں میں کارِ گراں کارگزاریوں کے عوض اپنے شاگردوں کے شکریئے اور حوصلہ افزائی کے طور پر جناب نورسی نے اپنے ایک طویل خط میں رحمت نزولِ خداوندی گنوائیں جو

رسالۂ نور کی تالیف میں اُن کے دعوے کی سچائی کے طور پر شامل حال رہیں۔ اُس نے کہا کہ اُن کے اپنے علم اور ارادوں کے بغیر ہی کسی قوت نے اُنہیں اہم محاذوں پر تعینات کر دیا تھا۔ مختلف حقائق کی پردہ پاشی میں پنہاں آسانیاں اُس کی رحمت ہی کی گواہ ہیں۔

پھر اُس نے چند ایک کو تو اِشارہ خداوندی ہی شمار کیا۔ اور پہلا اِشارہ خداوندی مبنی بر سوالِ رضا بالرضا تھا، جس کا ظہورِ اوّل تعلق اقوالِ دس تھا۔ بطورِ مثال جناب نورسی نے اُنیس خطوط نکالے جو کہ دستی لکھائی میں ہی سچائی بے مثل ہی ثابت ہوئے۔ بسلسلۂ رسالۂ نور ہی میسر کردہ وقت اور سہولت بھی دوسروں کے لئے ایک مثال بن گئی، خصوصاً جب وہ بیماریوں اور خوف و ہراس میں گھرا ہوا تھا۔ اُنیسواں خط بعنوانِ معجزاتِ محمدی ﷺ تین سو سے بھی زیادہ معجزات پر محیط ہے اور قاری ہدائیت نے جن کے اکثر حوالے دیئے ہیں۔ سو صفحات سے بھی زیادہ پر مشتمل یہ خط بحسابِ کام دو تین گھنٹے روزانہ تین چار دِنوں میں ہی کل بارہ گھنٹوں کی مغز ماری میں بغیر بحوالۂ کتابِ دیگراں صرف یادداشتوں پر ہی مبنی بر تحریر تھا۔

پہلی کاپیاں تیار ہونے تک تو وہ شاگردان ارجمند کسی بھی قسم کی رضا بالرضا سے واقف نہ تھے اور آپس میں بالکل بے ربط آٹھ مختلف مقامات پر مقیم چند مختلف اور نا تجربہ کار کاتبوں نے وہ سب کچھ زیرِ تحریر کیا تھا۔ جملہ جات کی ترتیب و تدوین کچھ یوں رہی۔

> ''رحمتوں اور راحتوں کے حامل سراپا شرافت پیغمبر امین، اور وہ ناممکن العمل سی نسبتیں کس قدر آسان اور واضح ہوتی چلی گئیں۔''

تدوین جملہ جاتِ ہذا کسی اَن دیکھے ہاتھ کی تائید اور معجزہ ہی لگتی تھی یا پھر از حد معجزاتِ محمدی۔ دوسرا اشارہ ایزدی ہیروں کی سی کاٹ دار تلواروں جیسے قلم برداروں کی طرف تھا جنہیں خدائے برتر نے جناب نورسی کا مددگار مقرر کیا تھا اور رضا بالرضا ہی کی ایک ذیلی تشکیل تھے اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اُنہوں نے بذریعہ رسالۂ نور اپنے آپ کو توجیہاتِ قرآنی پر وقف کر لیا تھا۔ اُس وقت جب حروفِ ابجد بھی بدلے جا چکے تھے، کوئی چھاپہ خانہ بھی نہ تھا اور ہر کوئی روشنی ایمان سے محروم تھا اور بہت سے عوامل جذبات ایمانی مجروح کرنے کے لئے بھی تھے تو وہاں واضح طور پر معجزۂ قرآن اور رحمتِ خداوندی ہی کام آئیں۔

بڑی بھرپور وضاحت سے توفیق قرآن اور عقیدوں کی سچائیوں کے ثبوت فراہم کرنا بھی اشارۂ خداوندی ہی ہو سکتا تھا۔ بطور مثال ایک موقع پر جناب نورسی کافی کچھ تلاوت بھی کرتا چلا

گیا۔ بطورِ مثال اقوالِ دَس ہی بعنوانِ موت و آخرت و قیامت تھے اور قبل ازاں ابن سینا کو بھی گرفتار فلسفۂ حیاتِ لاچارگی دیکھ لیا گیا تھا۔ پھر اُن چھبیس حروف نے بھی مسئلہ عزم ایزدی حل کر دیا، جنہیں کبھی کہیں بحوالۂ ہمہ اوسطاں مقدر مقسوم اور ارادۂ انسانی سمجھ لیا جاتا ہے۔

حروفِ انیس موجودگی فرشتگان، ابدیت روح انسانی اور موت و قیامت کے اثباتی آہنگ آگے لاتے ہیں۔ حروفِ تیس انسانی اَنا میں اور پھر منتقلی وجودِ مادی پر از خود کلام کرتے ہیں، اِس کے ساتھ ہی اِس کائنات میں تعویذ گنڈے، متحرکات و محرکاتِ اِنساں، پہلی موجوداتِ فنافی اللہ اور پھر معمولی معمولی متحرک ذرات میں اِسرارِ عقل پر بھی خوب سوجھتے بوجھتے ہیں۔

چوتھا اِشارہ رحمت خداوندی متعلقہ تالیف رسالۂ نور ہے۔ بعید اَز ممکن العمل حالاتِ حاضرہ اور قابلیت حامل ہذا جناب نورسی نے عام اِنسانوں کے لئے بھی اِنتہائی گہرائی اور گیرائی کے حامل حقائق ایمان اِنسانی پر دِلی پاکیزگی سے جو لکھا سو لکھا۔ رسالۂ نور میں موجود وہ اہم خدوخال بمقابلہ قرآن وہ شباہتیں اور مشابہتیں دور پرے کی حقیقی سچائیوں کو بھی ایک تو عام اِنسان کے نہ صرف قریب لے آئیں بلکہ اُس کی تعلیمات و تسلیمات کا بھی سبب بنیں۔ اور پھر یہ بھی تھا کہ رسالۂ نور تو دور دور تک پھیلتا چلا گیا جبکہ اِس کے مقالۂ جات سب جگہ سب کے لئے اور بالخصوص مذہبی مفکرین اور ملحدانہ قسم کے صوفیوں کے چیلوں وغیرہ کے لئے ناپ تول نہ پورا کر سکے۔

بلکہ اور لوگ بھی بالحاظِ ذہنی و جسمانی اپنا اپنا مقام و مرتبہ اِس کی تعلیمات سے کسی گھاٹے میں تو نہ رہے۔ چھٹا اِشارہِ ایزدی بڑا ہی اہم اور معنی خیز ہے بلکہ دوبارہ بھی بحوالہ ہوگا کہ جناب نورسی کی تمام تر تیاریٔ حیات بوجوہ تکمیل رسالۂ نور ہی تھی۔ اُس نے لکھا بھی کہ میں بڑا با یقین ہوں کہ میری زندگی میری ذاتی خواہشوں، آگاہیوں، اِرادوں اور منصوبوں سے بالاتر گذری ہے اور پھر ایسے راہ اعمال اور مقالہ جات شامل نصیب رہے جو بالآخر سرچشمہ رُشد و ہدائیت قرآن مجید فرقانِ حمید کی خدمات کا سبب بنے۔ اور یہ سب کچھ وہ صالح راہ عمل ہی تھی بذریعہ جس کے تشریحات و معجزاتِ قرآنی بشکل اَقوال بہ معنی رسالۂ نور منظر عام ہوئیں۔

اَب اور اِس وقت بذریعہ مختارانِ وقت پہنچائی گئیں اذیتیں اور بار لا سے اُس کی جبری علیحدگی نہ صرف مطالعۂ کتب بلکہ توجہ قرآن اور تالیف رسالۂ نور میں بھی مانع عمل تھیں۔ علاوہ ازیں بہت سارے مقالہ جات کی برمحل عطا بجائے کسی بیرونی محرک کے جناب نورسی کی رُوح کی تڑپ اور تحریک ہی تھی۔ لوگ جب اُن مقالہ جات کو پڑھ لیتے تو جناب نورسی بھی یہ نوٹ کر لیتا کہ

اُس کی تالیف نہ صرف بمطابق ضروریاتِ حاضرہ ہے بلکہ علالتِ علاج روحانی بھی ہے۔ اُنہیں آخری اِشارہ خداوندی اُس آسانی اور معاونت کی طرف تھا جو اُنہیں رسالہ نور کی تحریر و تالیف اور تشہیری مراحل میں حاصل ہوئی تھیں۔ جناب نورسی نے اُس سارے عمل کو ہی غیر معمولی لیا بلکہ بلاشبہ موخوذ از قرآن قرار دیا۔ بلکہ اپنی وسعت معاش کو بھی بوجوہ رسالہ نور لیا۔

کارمختارانِ وقت...... جناب نورسی پر دباؤ:

رسالہ نور کی چارسو مقبولیت نے مختارانِ وقت پر واضح کر دیا کہ وہ بحق اسلام جناب نورسی کے قصد کو کچلنے کے لئے اپنی ہر کوشش میں ناکام رہے ہیں یہ مقصد مستقلاً ایک ایسا غیر قانونی الاؤ مچانا تھا جو کہ اُس کی راہِ آزادی میں مزید کانٹے بو کر اُسے باز رکھ سکے۔ اِس مقصد کے لئے بارلا میں ایک ڈسٹرکٹ آفیسر اور ایک ٹیچر کو متعین کیا گیا۔ اگرچہ وہ جناب نورسی کی راہ کے تھے تو کانٹے مگر جلد ہی ہٹ گئے۔ جناب نورسی بھی اُن پر تب سے بھرا ہوا تھا جب وہ تھوڑے سے غازیوں کے ساتھ بعد از عبادت اپنی ایک چھوٹی سی مسجد بند کر ہی رہا تھا اور اُنہوں نے چھاپا ڈال دیا تھا۔ جبکہ اُنہوں نے بھی اُسے مکمل طور پر علیحدگی پسندانہ سرگرمیوں، حتیٰ کہ اپنے حجرے میں بھی اِکا دکا شاگردوں سے درسِ قرآن وغیرہ سے بھی متنبہ کیا ہوا تھا۔

جب جناب نورسی پہلی بار بارلا آیا تو اُس نے وہاں ایک متروک شدہ مسجد کی نہ صرف مرمت کرائی بلکہ قبل از وقت جلاوطنی حاصل کردہ سند امامت پر وہاں صرف تین چار لوگوں کے اِجتماع ہی کو وعظ دینا شروع کر دیا لیکن اُنہی دو افسروں نے اُس پر ترکی میں آوازِ اَذان لاگو نئے قانون کی رُو سے چھاپا ڈال دیا۔ جناب نورسی نے جب آواز اذان اور اقامتِ نماز میں عربی الفاظ ترک کرنا ترک نہ کیا تو ضلعی آفیسر سیمل سان نے احکاماتِ انقرہ کی بجا آوری پر آخری چھاپا ڈالا۔ 1932ء میں فوجی پورے علاقے کے اَندھیاروں میں چھپ گئے اور بوجہ ادائیگی عربی الفاظ بمعہ جناب نورسی معصوم دیہاتیوں کے گرد گھیرا تنگ ہوتا چلا گیا۔ اُن میں سے چار دیہاتی گرفتار ہو کر پہنچے لیکن بعد از تفتیش رہا ہو گئے۔

توفیق تنگلی نامی ٹیچر کا کہنا تھا کہ سیمل سان نے جناب نورسی کو بارلا سے نکالنے کے سب حربے آزما لیے ذاتی طور پر بھی خوف زدہ اور ہراساں کر کے دیکھ لیا۔ دراصل وہ دونوں ہی اپنی اَفسری کی دھونس میں جو جی چاہا آخر وقت تک روا رکھتے رہے۔ اور پھر، جن کی نیتیں ہی جناب

نورسی کی نقصان دہی پر مرکوز رہی تھیں' قطعاً غیر متوقع طور پر وہ ضلعی آفیسر کسی اور کرنی میں ایک ایسی پکڑ میں آیا کہ ڈھائی سال کے لئے سیدھا جیل جا پہنچا۔ تبدیلی الفاظِ آوازِ اذان کے ضمن میں بر خلافِ اسلام ترکستانی کارستانیاں جناب نورسی نے بڑے مضبوط دلائل کے سہارے اپنے دھڑے کو کھڑا کیا' بطورِ خاص بحق قرآن جب 1930ء کے اوائل میں مختارانِ وقت نے اُس کا اپنی طرف سے ایک ترجمہ کرنے کا اعلان کیا تو جناب نورسی نے اپنے خطوط و مقالا جات کے ذریعے اُن بدنیتوں کو اُس ناممکن العمل ترجمہ ہذا پر خوب ٹوکا۔

بغرضِ مثال کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ قرآن کے وہ بہت سے الفاظ جو کہ نبی پاک آخر الزماں ﷺ نے مختلف عبادات اور دُعاؤں میں استعمال کیے تھے وہ تو اِنسان کے اندر کی من میل اور رُوحانی روانی کے لئے ہی مخصوص اَدا ہیں اور پھر بامعنی و مفہوم اَلفاظ تو ہیں محیط و قلت میں۔ بمثال الفاظ کپڑا جات بعد از بدل بھی بے فائدہ ہی رہیں گے۔ لہٰذا جناب نورسی کو زبان کھولنی پڑی کہ عظمت پیغمبر اسلام پر موجود الفاظِ قرآنی کوئی اِتنے بے جان اور بے رُوح نہیں ہیں۔ بلکہ جسم اِنسانی پر جلد جسمانی کی طرح ہیں۔

اور حقیقتاً بھی ساتھ ساتھ گزرانِ وقت وہ ایک جلدِ مضبوط کی طرح ہو گئے ہیں۔ کپڑے تو بدلے جاسکتے ہیں لیکن کبھی چمڑی بھی بدلی گئی ہے' ایسا عمل تو نقصانِ جسم ہی ہے۔ بمثال وہ الفاظ جو اذانوں اور نمازوں کے لئے نسخہ اِنعامِ خاص ہیں اور بوجوہ اپنے مخصوص علامتی نشانات مخصوص معانی و مطالب کے حامل بھی ہیں' مخصوص نام و نشانوں کی طرح بے بدل بھی ہیں۔ جناب نورسی مزید بولا کہ جب بھی یہ الفاظِ دوہرائے جاتے ہیں تو ہر انسان کی اَندرونی پر اسرار حسیات شاملِ عمل ہی ہو جاتی ہیں' جبکہ اگر بجائے بر زبانِ قرآن عربی لیا جائے تو اِس کی روح خدائی روح سے بے روح ہو کر اندھیاروں میں بھٹکتی رہ جائے گی۔ مزید یہ کہ تبدیلی علاماتِ اسلام سیدھا شرعی تضاد پہ دلالت کرتا ہے۔

اپنے ایک دوسرے خط میں دوسری برائیوں کے ساتھ ساتھ ہی جناب نورسی نے ایک یہ بھی آواز اُٹھائی کہ اندھی تقلید یورپ ہی سرچشمہ تبدیلی علاماتِ اسلام ہے' ایک اجنبی سی ماحولیاتی اہمیت کی اِجارہ داری نہ صرف مستقلاً مسلمانوں کو اُن مقدس جزو جملہ جات کے معنی و مفہوم یاد دلاتی رہے گی بلکہ اُن میں اُن جزو جملہ جات کی متعلمی بھی ہوتی رہے گی جن کی ایک ایک اینٹ عمارتِ ایمانی کی تقویم ہے۔ بمطابق جناب نورسی جب پہلے پہل ترجمۂ قرآن سوچا گیا تو وہ بھی ایک

سازشِ قرآن اور بدنامی اسلام ہی کی بدنیتی تھی۔ اور' پھر لکھا' کہ نا قابلِ تردید دلائل رسالۂ نور ثابت کرتے ہیں کہ اصل الروح ترجمۂ قرآن تو کہیں بھی ممکن ہی نہیں ہے۔

بمقابلہ ازصرف ونحو برزبانِ عربی کسی دوسری زبان میں ترجمہ کلامِ پاک کے لئے وہ پراسرار معنویت ہے ہی نہیں۔ کسی عام دِماغ سے پھوٹا ہوا ٹوٹا پھوٹا اور بے اثر ترجمہ الفاظِ قرآنِ کلام کے جامع اور معجزاتی مظہر کے آگے مکمل ماند ہے۔ ہر ایک خط جو کہ اِس قسم کے ہزار ہا تراجم کی وجہ سے تحریر ہوا' مساجد میں پڑھ کر سنائے جانے کے بالکل قابل نہیں ہوسکتا۔ جبکہ رسالۂ نور میں مسئلہ ہذا کو بہت دفعہ وعظ کیا گیا ہے۔

یہ تو وہ پچیس الفاظ واقوال ہیں جو معجزاتِ قرآن کہلاتے ہیں' پھر مزید تشریحات کے لئے وہ چالیس معجزاتِ قرآنی ایسے پیرائے ہیں جو بسلسلہ مسئلہ ہذا نا قابلِ تردید ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ یہ قابلِ تعریف مقالۂ جات جو کہ بارے قرآن جناب نورسی کی وسیع تر معلومات پر مبنی ہیں اور نہ صرف اِس عہد ساز کے پیغامات' معنی مفہوم' انداز واطوار' جامعیت اور اِختصار کی نا قابلِ تقلید طور پر تشریح وتوضیح کرتی ہیں بلکہ مبنی بر پہلوئے دیگر اں تمام طبقوں اور دماغوں کے لئے اَن دیکھے ملفوظاتِ شباب زندگی کی مخبر بھی ہیں۔ اُنہوں نے جناب نورسی پر جتنا بھی دباؤ ڈالا اتنے ہی اُس کے اِرادے بلند ہوئے اور رسالۂ نور کو وسعت ملی۔

اَنقرہ میں مختارانِ وقت نے اُسے غیر قانونی طریقوں سے جلاوطن' الگ تھلگ اور عوام الناس سے دُور رکھ کر بڑے بھونڈے طریقے سے علم قرآن کو نیچا دکھانے کے جتن کر چکنے کے بعد بارلا میں بھی اُن کو اُس کے قابل تعزیر جرائم وسعت پذیری روشنی علم قرآن ہی نظر آئی۔ اگلے بیس سال تک بھی وہی سلسلۂ ہائے تعزیر وجرائم ہی دراز رہا لیکن جناب نورسی اور اُس کے شاگردانِ ارجمندان پر مصائب وآلام کے وہ پہاڑ ٹوٹنے پر بھی رسالۂ نور ہی کی ترقی اور وسعت من مِنخ رہی۔

جناب نورسی نے لکھا تھا کہ اُن کی طرف سے تمام تر جبر وتشدد تو محض وہ لکڑیوں کی آگ ہے جس سے کہ جلائے قرآن ہی کے لئے جلائے قصد ایمانی ملتا ہے اور اُن کے ظلم ہی سے پروردہ قصد ایمانی کو ہسارِ کوشش کے نہ صرف قلب میں اُتر گیا بلکہ صوبۂ بارلا کی بجائے پورے ملک کو ہی ایک مِلک مدرسہ بنا دیا اور' اور بارلا تو صرف منبر درس بنا جبکہ اَسپارٹا تک کے مقامات مدرسے بنتے چلے گئے۔

نسبت جناب نورسی دُنیا و دُنیا داراں:

فرمانِ نو دُنیائے سیاست سے سرک چکا تھا۔ حکومت انقرہ فیصلہ کر چکی تھی کہ اُسے بر حسب بارلا گاؤں تمام تر سلسلۂ ہائے حیات سے محروم کر دیا جائے۔ لیکن اِس میں ہوا وہی کچھ جو فرمانِ نو ہی کا اِنتخاب تھا۔ آخر کار نزدیک وان پہاڑ کی وہ غار بھی اُس کی جلاوطنی کے عمل میں کام آئی۔ حکام بالا نے اُسے آرام سکون اور تنہائی میں تنہاء بالکل نہ چھوڑا اور نہ ہی اُس پر کسی قسم کا کوئی بھروسہ کیا اور اُس نے بھی اُن کا کوئی قانون نہ ہلایا۔

لیکن جو مقالۂ جات اُس کے ضابطہ تحریر میں رہتے وہ صوبہ سپارٹا میں گھر گھر نقل ہوتے جا رہے تھے اور پیٹھ پیچھے جن کے ایک ایسی بدقسمتی بھی منہ کھولے کھڑی تھی جس میں ایک دن وہ سب کچھ علما اور عقلا غرق ہو گیا۔ وہ جناب نورسی اور رسالۂ نور پر اِنتہائی تیغ پا تھے وہ اُس کی تحریروں کا تجزیہ صرف سیاسی نقطہ نظر ہی سے کرتے۔ اُن کے اندازِ سوچ کو جناب نورسی اہل دُنیا داری کہتا، موٹے معنوں میں دُنیاوی زندگی کو چھی ڈالے رکھنے والے اور مقصد تالیف رسالۂ نور تو تھا ہی خرافاتِ سیاست کا خاتمہ۔ اِس لئے بمعہ شاگردوں اُن پر اُن کی نظر اور حراست سازی مستقل تھی۔

اُس کے وہ شاگرد اگر کوئی سیاسی اُٹھان لے بھی سکتے تو کسی نئی قانون شکنی کی زد میں بھی آ سکتے تھے۔ جناب نورسی نے اپنے بہت سے خطوط میں اُن تہمتوں کے جوابات یوں بھی دیئے کہ موادِ ہذا کی تشریح بجائے نئے فرامین کے پرانے فرمانِ تکلم میں کرنا اُس کی ایک مجبوری ہے اور اِس سے اُسے صرف اپنا ہی تحفظ درکار نہ تھا بلکہ بے بنیاد شکوک و شبہات اور رُوحانی روح فرسائیوں سے ہمہ یاراں رسالۂ نور بھی مدنظر تھا۔ سترھویں خط میں جناب نورسی نے کچھ اِس انداز میں متعلقہ سیاست اپنا رویہ اور ردِ عمل ظاہر کیا۔

فرمانِ نو، بوجۂ خدمت ایمان و قرآن سیاست سے گریزاں تھا اور اپنے اِس مؤقف میں اخلاص اہمیت، ضرورت اور حق کا حامل بھی تھا، لہٰذا اِس دُنیاوی زِندگی کے ایک دو ناپائیدار سالوں کے لیے غیر ضروری قسم کی قربانیاں بھی کیوں دی جائیں، اصل ابدی زِندگی کی ہار جیت کے لئے تو دس لاکھ سال بھی کم ہیں۔ وہ بولا، میں بوڑھا ہو رہا ہوں اور نہیں معلوم مزید کتنا جی لوں گا، لہٰذا میرے لئے اہم سوال ابدی زندگی کے لئے کچھ نہ کچھ کر جانا ہے۔ حصولِ اَبدیت ہی معنیٰ اَصل اور

نویدِ ہمیشگی ایمان ہے اور یہی مطمحِ نظر بھی ہونا چاہیے۔ اور جب سے میں نے بھلائی عوام الناس کے لئے بارِ شریعت اُٹھایا ہے اُن کا بھلا بھی ہوا ہے۔

میں کوئی ایسا کام کر جانا چاہتا ہوں اگرچہ جس کا تعلق دُنیاوی معاشرت سے ہی ہو' جو کہ میرے لیے ہے تو مشکل لیکن شدید ترین حالاتِ حاضر میں تو ایسا کرنا ناممکن ہی ہوگا' اِس لیے ہی تو میں نے وہ سب کچھ پرے ہٹا کر خدمت ایمانی ہی کو چن لیا ہے جس کی اہمیت اور شدت اپنی جگہ ہے۔ اور اگر آپ یہ پوچھیں کہ خدماتِ ایمان وقرآن میرے مالغ کیوں ہیں تو کہوں گا کہ سچائی ایمان وقرآن مانند سچے موتی ہیں اور بدبوئے سیاست میں بآسانی بہکائے جانے والے لوگوں کے ٹوٹ پڑنے سے کہیں اُن کی وہ آب وتاب ہی نہ ماند پڑ جائے' لہٰذا ملوثِ سیاست ہونا اُن سچے موتیوں کی آب وتاب برباد کرنے کے مترادف ہوتا۔

رہنمائے خط انیسواں' موقف ہذا کی اور بھی بھرپور تائید تھا کہ کاروبار سیاست میں عوام الناس کو فہم قرآن نہیں دیا جا سکتا تھا کیونکہ رکاوٹیں زیادہ حائل تھیں۔ اِس سے ضروریاتِ معاشرۂ حاضرہ جناب نورسی کی آگاہی بڑی واضح ہے۔ اکثریت سچ اور حقائق کو جھٹلا بھی نہ سکتی تھی لیکن وہ بے یقینی کے گرداب میں گرفتار تھی۔ اُن کی اِحتیاج قربِ حق بذریعۂ روشنی قرآن تھی جبکہ اُس سیاست سازی نے انہیں انتہائی ہراساں کیا ہوا تھا۔ اگرچہ ایک محدود طبقہ ہی اُس بے راہروی میں ملوث تھا بلکہ ایک عرصہ سے محروم رہنمائی چلا آ رہا تھا اور ساری توجہ بھی اُسی پر مرکوز تھی۔ جناب نورسی اُس طبقے کے رابطے میں تھا اور اشارۃً کہا بھی کرتا کہ سیلاب سیاست میں حق گو بھی ہیں تو سہی' اور پھر جو بھی کوئی صاحب توفیق سچائی قرآن ہے اُسے تمام تر گوریلا تحاریک سے پرے رہنا ہے اور' قرآنِ پاک کو اِن سیاسی مخالفین کے رحم وکرم پر بھی ہرگز نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ابواب بعد ازاں مزید زیرِ بحث ہوں گے۔

اسپارٹا:

1934ء کے موسم گرما میں جناب نورسی نے تینکجی محمد (Tenekeci) نام کے اپنے ایک خطاط شاگرد کو لکھا کہ بارلا میں حالات اِنتہائی ناقابلِ برداشت ہو چکے ہیں۔ اِس نام نہاد اُستاد اور ضلعی آفیسر کی طرف سے ملنے والی ذہنی اذیتوں سے میرا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ وہ مجھے ناقابلِ یقین قسم کی پریشانی پہنچاتے ہیں۔ حتیٰ کہ میں اِس علاقے میں بھی اِدھر اُدھر آ جا نہیں سکتا اور اپنے نمی زدہ قبر نما مکان میں ہی پڑا رہتا ہوں۔

فوری طور پر اُس کے شاگرد اُس کا وہ خط گورنر محمد فیضی دلدل کے پاس لے گئے اور اِس طرح 25 جولائی تک جناب نورسی کو وہاں سے اُٹھوا کر اسپارٹا لایا گیا۔ بارلا پہنچائے جانے سے قبل وہ وہاں اگلے اپریل تک ایک مدرسے میں مقیم رہا۔ پھر وہ باغات میں بنائے گئے ایک دومنزلہ مکان میں منتقل ہو گیا جہاں اُس کا شاگرد رفعت بھی رہ رہا تھا۔ بعد ازاں سُر کرد اصحان نامی کسی دوسرے شاگرد کی وساطت سے ایک لکڑی کا مکان کرائے پر لے لیا۔

اسپارٹا کے اُس ماہ بماہ دوران قیام اُس پر بڑی کڑی نگرانی رہی' یہاں تک کہ اُس کے در د بام تا گردِ دو نواح پکی پولیس متعین رہی۔ تاریخ پولیس میں دندار نامی ایک انتہائی قابل نفرین پولیس افسر تو جناب نورسی اور اُس کے شاگردوں کی ایذا رسانی میں کافی حدیں پھلانگ جایا کرتا تھا' اِس لیے جناب نورسی اُسے مردار کہا کرتا تھا۔ جناب نورسی پر اِس قدر کڑی پہرہ داری تھی کہ اُس کے شاگرد اکثر اوقات محروم ملاقات ہی رہ جاتے۔

صرف ایک بار محمد گرئی رمک نامی شخص کو اُس کی دیکھ بھال کے لئے اُس کے ساتھ رہنے کی اِجازت دی گئی تھی۔ برضرورت بغرض تقسیم و ترسیل رسالۂ نور وہ بطور ڈاکیا بھی کام کرتا۔ وہاں رسالۂ نور کی تیسری تالیف کے لئے جناب نورسی نے بہت سارے حوالہ جات سپرد تحریر کیے۔ اُن حوالہ جاتی مقالہ جات کی تعداد تو تیس تک رہی جبکہ رسالۂ نور ایک سو تیس تک جا پہنچا۔

بوساطتِ شاگردان اور بوجوہ دو چند چکا چوند رسالۂ نور' بطور مرکز جناب نورسی کو اُسپارٹا زیادہ پسند تھا۔ بعد ازاں چند شاگردوں کو اُس نے بتایا بھی کہ اُسے اُن سے بھی اور اسپارٹا کی ماحولیاتی سنگ و گل سے بھی محبت ہے۔ بلکہ اُن کا تو کہنا تھا کہ اگر حکام اسپارٹا مجھے سزائے قید کرتے ہیں اور کوئی دوسرا صوبہ اُسے بریت بخشتا ہے تو بھی اُس کا انتخاب قیام اسپارٹا ہی ہوگا۔ اسپارٹا شہر میں HUSREV اور رِفعت بے جیسے چند ایک قرب جاں قسم کے شاگرد بھی تھے۔ جہاں تک ممکن تھا وہ اُسے گھمانے پھرانے تک بھی اُس کے ساتھ ساتھ رہتے جبکہ اُن کا اہم کام رسالۂ نور کی کتابت اور ترسیل تھا۔ اُس دور اور دورانیے پر مشتمل رفعت بے کی یادداشتیں کچھ یوں تھیں۔

HUSREV اور میرے ذِمے رسالۂ نور کی ترسیل تھی۔ اُستادِ محترم اُوپر والے کمرے میں تھے اور ایک دم دروازہ کھٹک کر کھلا تو ہم کیا دیکھتے ہیں کہ اُستادِ محترم ٹرے میں دو گلاس چائے لئے داخل ہوتے ہیں تو ہم تو ایک شش و پنج میں ہی رہ گئے بلکہ اُچھل ہی پڑے اور اُن سے وہ ٹرے لے لینا چاہی لیکن اُنہوں نے اپنا ہاتھ اُوپر اُٹھاتے ہوئے اِشارۃً کہا کہ نہ نہ آپ کا خیال

رکھنا میرا بھی حق بنتا ہے۔ یہ تو میری خوش نصیبی ہے۔ ایسی شرافت' ایسی شائستگی؟ کبھی بھی اور کہیں بھی نہ دیکھی میں نے .... ایسی شرافت اور ایسی شائستگی۔

ہم مطالعہ سچائی قرآن کرتے اور پھر اُس کی تحریر وترسیل بھی کرتے ہوئے کسی اَجر عظیم کے بھی حقدار ٹھہرائے جاتے۔ بارے گذار گوش' ایک دن ہم عرض کر بیٹھے کہ اگر ہمیں وصلِ اُستاد محترم نہ ہوتا تو ہم کیا خاک محصول پاتے تو اُسی شرافتِ عالیہ میں فرمانے لگے کہ اگر آپ مصاحبان بھی مجھے نہ مل پاتے تو میں بھی کیا تیر مار لیتا۔ اگر مجھے مل کر آپ کو بڑی ہی خوشی ہوتی ہے تو آپ مصاحبان سے مل کر مجھے بھی ہزار گنا خوشی ہونی چاہیے۔

رسالۂ نور کے یہاں پر لکھے جانے والے تینوں حصّے اُنیسویں' پچیسویں اور چھبیسویں حوالہ جات پر مشتمل ہیں' یعنی بالترتیب بعنوان کفایت شعاری' بیمار پرسی اور بزرگی تھے۔ رفعت بے کے مطابق مقالۂ بزرگیت کے سلسلے میں بوجوہ حراست حکام بالا جناب نورسی اور اُس کے شاگرد صرف پہلے تیرہ نکاتِ نو اُمیدی ہی لکھ پائے تھے۔ ایک دن اُستادِ محترم نے ہمیں بلایا اور کہنے لگے کہ چھبیس حوالہ جات تو ہیں ہی بارے بزرگیت اور اِس میں چھبیس ہی نکاتِ اُمید نو ہیں۔ پہلی نو اُمیدی .... اُن کا ارشاد ہوا' لیکن پانچ یا چھ نکاتِ اُمید نو لکھوائے ہوں گے کہ بس کر دیا۔ بعض اَوقات مقالۂ جات کے بعض حصّے مختلف وقفوں میں لکھے گئے۔

ایک دن پھر اُنہوں نے ہمیں بلا لیا اور بغیر کچھ بولے پوچھا کہ ہم کہاں رُکے تھے بس پھر پڑھ اُٹھے کہ ہم نے کیا کہاں چھوڑا تھا۔ میں اُن کی معاونت کے لئے صبح سویرے پہنچ جاتا لیکن ایک دن دیر ہوگئی' پہنچا تو فرمانے لگے کہ بھئی اگر تم ذرا جلدی آجاتے تو جو کچھ میں نے اِن تشریف فرما کاری زئینل آفندی صاحب سے بارے مقصودِ الٰہی مبنی بر مقالہ جات ابھی جو کچھ کہا ہے' ایک شاندار قسم کا ضمیمہ بن جاتا۔ ہم جان گئے تھے کہ تائید الٰہی ہی سے ایک خاص وقت پر اور اپنے اندر سے وہ سب کچھ تحریر و تالیف کر پاتے ہیں۔

جناب نورسی سے کوئی نسبت رہی تلاشی کی زد میں ضرور آیا اور ساتھ ہی گرفتاریوں کا سلسلہ بھی شروع۔ Tenekeci بتاتا ہے کہ اُن خطرات ہی کے پیش نظر کسی نے کسی طرح اُسے کچھ اقوال بھیجے جو کہ اُس نے رسالۂ نور کے ساتھ ہی متعلقہ مذہب اور اسلام ہمہ قسم کتابیں وغیرہ ایک باغ میں دفن کر دیں۔ بڑی جلدی وہاں کوئی اٹھارہ کے قریب پولیس والے بھی پہنچ گئے اور وہ

گھر اور باغ بھی تلاشی کی لپیٹ میں تو آ گیا لیکن باوجود پوری چھان بین کے اُنہیں ہاتھ کچھ نہ لگا اور وہ بھی اُن چند ایک میں سے تھا جو گرفتاریوں سے بچ نکلے تھے۔

سلسلۂ ہائے تفتیش و حاصلِ بیانات حوصلہ افزاء مراحل میں تھا جب گورنر بن باسی کا اِنتقال ہوا' اُسے برخلاف جناب نورسی ہمہ قسم جھوٹ بہتان کھڑے کرنے کے بھی فل اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بوجوہ خلش ضمیر اُس کے منہ سے یہ دُعا نکلی کہ اے مالک میری روح اپنے قبضے میں لے لے اور پھر واقعی قادر القدرت نے اُس کی روح قبض کر لی۔ بزبان جناب نورسی وہ حقدارِ شہادت گوئی ٹھہرا۔

اِسی دَوران مبنی برمخالف مظاہرین کوئی نیٹ ورک دریافت ہونے کی اخباری سنسنی خیزی اور کہانی کاریوں نے پورے ملک کو لپیٹ لیا۔ ایسے میں کچھ بحرانوں پر کنٹرول بھی کر لیا گیا تاہم ریاستی بنیادیں بھی لرز ہی گئیں۔ لہٰذا وزیر داخلہ سُرکرد کا یا اور ناظم اعلیٰ افواج بری کاظم بے ہمرکاب ہو کر ایک فوجی دستے پر مشتمل چھوٹے سے ہیڈ کوارٹر پہنچے۔ اسپارٹا اور گردونواح تو چلے گئے فوجی کمان کے کنٹرول میں جبکہ آفیون تا اسپارٹا بر سرِ سڑک گھوڑ سوار فوج تعینات کر دی گئی اور جناب نورسی بمعہ شاگردان پھانسی پر پہنچائے جانے کی افواہیں پھیلاتے ہوئے پورے خطے میں ایک مخفی دہشت گردی کا ماحول پروان چڑھا دیا گیا۔

بحساب وقت رواں بوجوہ سزائے قید جناب نورسی کسی بھی اگلی پیش بندی سے مشرقی ترکی میں ماحول اِشتعال انگیز ہو سکتا تھا' لہٰذا عصمت انونو سربراہ حکومت نے مشرقی صوبہ جات پر دورہ کشی رکھ لی۔ لگ بھگ 12 مئی' جناب نورسی بمعہ تیس شاگردان کو ہتھکڑیاں لگا کر جوڑوں اور پھر گٹھڑیوں کی صورت میں انتہائی بیدردی سے ٹرکوں میں ٹھونس دیا۔

گیارہواں باب

ایسکی شہر

شروعات قید و بند:

25اپریل 1935ء کو اَن گنت شاگردانِ جناب نورسی گھروں اور دھندہ گاہوں سے اٹھا لئے گئے اور حراست میں بھی رکھ لئے گئے۔ دو دن بعد بمعہ جناب نورسی دیگر جتھے بھی جیلوں میں پہنچا دیئے گئے۔ یہ تو ایک ایسا آغازِ سانحہ تھا جو اکثر اوقات انتہائی احمقانہ سرحدیں عبور ہونے پر ہوتا ہے۔ بمثال بوجوہ طوالت حالات حکومت عوام الناس کو ڈرا دھمکا کر دوری مذہب اور مذہبی شخصیات کے اثر و رسوخ کو کم کرنے پر نکل کھڑی ہوئی۔

بمطابق سلیمان رستو حالات میں تیزی تب آئی جب جناب نورسی ادائیگی نمازِ جمعہ میں شریک ہوئے اور لوگ انہیں دیکھنے کے لئے گلیوں اور بازاروں میں اُمڈ پڑے۔ شہر کے گورنر اور انتظامیہ نے بھی کسی بڑے خطرے کی بو محسوس کر لی اور جب اقوال دَس کے ساتھ ہی ''مقالاتِ جناب نورسی بعنوانِ آخرت و قیامت'' دفتر سے برآمد ہوئے تو اُنہوں نے مزید خوف و ہراس کا سہارا لیتے ہوئے مرکز انقرہ کو فوری طور پر خبردار کیا کہ جناب نورسی اور اُس کے شاگردوں نے تو گلیوں بازاروں میں ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔ اُنہوں نے تو حکومتی عمارتوں پر آندھیاں چلا رکھی ہیں جیسا کہ سب دیکھ لیں گے۔ ایک معمولی سے عمل کو سانحاتی ہوا دینے کے لئے یہ سب حکومتی کارستانی اور کاریگری تھی۔ کوئی ایک بھی گھر گھروندہ جسے کبھی دور پرے کی بھی میں ٹھونس دیا گیا اور بقیہ ضرورت نہیں قید کاٹنے کے لئے اُنہیں 330 کلومیٹر دور شمالی علاقہ جات میں ایسکی شہر کی طرف اُس قابل رحم حالت میں لے جایا جانے لگا تو بمعہ متعلقہ خاندانوں کے علاوہ بھی بہت سارے رونے دھونے والوں کا جم غفیر جمع ہو گیا اور انقرہ کی طرف سے اُن کی مزید حفاظت کے لئے ایک آہنی دستہ بھی بھیجا گیا تھا۔

پہلے تو اُس حفاظتی دستے کو اُن کے جدید ہتھیاروں کے بارے میں اور پھر انتہائی مبالغہ آمیز معنوں میں بغیر کسی رو رعایت کے جناب نورسی سے بھی خبردار کر دیا گیا بلکہ سوکوکا یا وزیر داخلہ نے تو اُسے بڑے توہین آمیز انداز میں ''کرد حوجا'' کہا۔ دراصل حکم تو یہ تھا کہ اُن سب نورسیوں کو کہیں کنارے سڑک الگ تھلگ جمع کر کے نذرِ موت کر دیں۔ تاہم روحی بے نامی افسر انچارج حامل رحمدلانہ مزاج تھا۔ اُس نے نہ تو اُن احکامات کو اچھالا اور نہ ہی کوئی اور سختی روا رکھی بلکہ بوقت ادائیگی فرض نماز اور بغرض حاجت انہیں ہتھکڑیوں سے بھی فارغ کر دیتا۔

ایک حواری شاگرد کا دعویٰ تھا کہ وہ بھی فوج سے نکالا ہوا ایک سابقہ فوجی ہے۔ آخرکار انہیں آفیون (Afyon) میں نہ صرف دور دراز کی مسافتوں میں رکھا گیا بلکہ اُس سفری ٹرک میں نہ تو کوئی بات کرنے کی اجازت تھی اور نہ ہی بغرض ہوا کوئی کھڑکی ہی کھولنے کی اجازت تھی۔ اُن حفاظتی دستوں ہی کی اسی گھٹن اور بندش میں انہیں آگے ایک ریل گاڑی میں ڈال دیا گیا تو آنے والی صبح نے انہیں ایسکی شہر پہنچا دیا۔

ایسکی شہر کی قید

جناب نورسی کو قید تنہائی اور اُس کے حواری شاگردوں کو مشترکہ وارڈ میں رکھ کر اُس قید و بند کی سختیاں بھی سوا کر دی گئیں لیکن اِدھر اُدھر کی پکڑ دھکڑ اور قید و بند میں جناب نورسی حواریوں کی تعداد بتیس سے بڑھ کر ایک سو بیس تک پہنچ گئی لیکن پنجرہ قید میں ایک دفعہ گننے اور کڑے جانے کے بعد انہیں رفع حاجت خانوں تک جانے کی اجازت نہ تھی۔ گھنٹوں اور پہروں بعد اُدھر کوئی داروغہ وغیرہ چکر ڈالتا اور اُن کے دروازوں کے ساتھ گڑھا کھود کر اُس میں سے اندر کی طرف ایک پائپ یعنی نل وغیرہ گزار دیتا اور اُسی پر ہی انہیں گزارہ کرنا پڑتا تھا جبکہ باہر نکل پڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

بوجہ گندی بدبو اور خون چوس کیڑوں مکوڑوں کے سونا بھی محال ہو چکا تھا اور بارہ دنوں تک تو انہیں بھوک پر ہی گزارا کرنا پڑا۔ درحقیقت انہیں قیدی بہ معنی سزائے موت سمجھ کر ایسے توہین آمیز سلوک سے روا رکھا جا رہا تھا لیکن باوجود اُن حالات و اوقاتِ گزران جناب نورسی کی مسلسل لکھت پڑھت سے پانچ مزید مقالات نے جنم لیا۔ وہ اٹھائیس اُنتیس اور تیس حوالہ جاتی پہلی دوسری خصوصی عنایتیں تھیں اور اُس کے وہ شاگردین پہلی دفعہ غیر منصفانہ سزا جھیل رہے تھے

جس کی پاداش اور انعام میں وہ سلسلۂ توفیقِ تحریر وجود پذیر ہورہا تھا۔

بعد از حضرت یوسف علیہ السلام بحیثیت قیدیان وہ اُس قید و بند کو سکول یوسف (مدرسۂ یوسفی) کے نام سے منسوب کیا کرتا تھا اور اُن میں سے بعض قیدی حواریوں کو جناب نورسی سے بڑی مختصر نسبت نصیب تھی۔ بمثالِ خاص حکومتی اقدامات کہ کس کمالِ چابکدستی سے تمام تر کاروائی میں سے جس مقدمۂ خاص کو عین نشانے پر رکھ لیا گیا تھا وہ برخلافِ ریاست مبنی بر ممبرانِ مشتعل مظاہرین نیٹ ورک تھا۔

بولوادین سے سوکور ساہنلر نامی ایک تاجر بھی ایک اپنے ذاتی اور دو دوسرے مقدمات میں ملوث اور قید تھا۔ بمطابق اُس کے کہ کچھ کاروباری رابطوں کے توسط سے وہ حلیل ابراہم کے متعلقہ معلومات حاصل کر چکا تھا لہٰذا اُس نے اُسے نہ صرف خط لکھا بلکہ جواب کا خواہاں بھی ہوا لیکن جو جواب اُس نے اُسے لکھ بھیجا وہ نہ صرف اُسے جیل تک پہنچانے کے لئے کافی تھا بلکہ آگے رسالۂ نور کے پروانوں تک بھی اور پھر اس طرح سے وہ ایسکی شہر میں جناب نورسی کی زیارت کرپانے میں کامیاب ہوا۔

وہاں آئیدن میں سیوک گوزے چان (Sevek Goza Chan) نامی ایک عینک ساز تھا جس نے کہ جناب نورسی کے کسی شاگرد کی آنکھوں کا علاج کیا تھا اور جناب نورسی نے اُسے تین چار سطروں پر مشتمل شکریئے کا خط لکھا تھا۔ لہٰذا اسی بہانے اُس بیچارے سیوک گوزے چان کو جیل کی ہوا کھانے پڑ گئی اور پھر احمد فیفی کردل نامی شاگرد نے بارلا میں جناب نورسی کو لکھے گئے اپنے ایک پُر مزاحا خط میں انہیں مفتی آئیدن (بمعنی روشن راستہ ہم نام شہر فلاں) لکھ دیا۔ لہٰذا جب حالات کالا وا پھٹا اور پھوٹا تو واقعی مفتی آئیدن کو بھی ایسکی شہر کی ہوائیں کھانی پڑیں۔

حالانکہ اُس کا تو کبھی بھی اور کہیں سے بھی اُس بہشتی ٹولے کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ تھا لیکن اس طرح سے اُسے بھی کئی ماہ تک میرا ہم جیل رہنا پڑا اور ایسکی شہر ایسی ہی احمقانہ حکایتوں کا اکھاڑہ سابن کررہ گیا تھا۔ رسالۂ نور سے زیادہ بوکھلاہٹ تب پیدا ہوئی جب فضیلت ماہِ رمضان پر مبنی کاپیوں کی بازیابی کے لئے جناب نورسی اور اُس کے شاگردوں کے آستانوں کی تلاشیاں ہوئیں اور برزبانِ ترکی ہی آیاتِ ماہِ رمضان والی کاپیاں مطلوب تھیں اور پھر یہاں تک بھی ہو چکا کہ برزبانِ ترکی جن انسانوں کے بھی نام رمضان ہوئے پولیس نے اسپارٹا کے دور دراز دیہاتوں میں پہنچ کر ایسے نامیوں کی نہ صرف تلاش شروع کردی بلکہ جو بھی اور جہاں سے بھی کوئی معصوم اور

جاہل دیہاتی جھل گیا اُس کی ہتھکڑیوں سے واقفیت کراتے ہوئے اُسے جیل جمع کرادیا گیا جہاں کوئی دو ماہ بعد کسی وجہ سے کوئی زنجیر عدل ملنے پر اُن گنواروں کے گنوار پنے کی ہی گواہی اُن کے کام آگئی۔

جیل خانہ......عبادت خانہ:

جیل حکام شاگردانِ جناب نوری کے وارڈ میں ایک آدھ مخبر بٹھانا بھی ہرگز نہ بھولے۔ پوسٹ مین کامل یا ہرکارے کے نام سے پکارا جانے والا ایک جیالا وہاں پر تعینات ہونے سے پہلے ایسکی شہر میں بطورِ فوجی سپاہی متعین تھا۔ ایک دن جناب نوری نے چائے دانی کی تہہ میں ایک خط چپکا کر اپنے شاگردوں کو بھیجا جس کی وجہ سے برخلاف حکومت پورے وارڈ میں ہر قسم کی گفتگو بند کرادی گئی کہ وارڈ میں کسی مخبر کے ہونے کا شبہ ہوا تھا۔

پوسٹ مین کامل جناب نوری اور اُن بے حد معصوم لوگوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ ازخود بھی نمازیں ادا کرنے لگا اور اپنی خفیہ رپورٹ میں اُن لوگوں کو بھی معصوم اور بے گناہ ہی لکھا۔ اُن دنوں کو یاد کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ دورانِ ملازمت جیل وہ اس قسم کی خبریں سن سن کر حیران ہی ہوتا رہا کہ کچھ تربیت یافتہ حوجا کہلانے والے قیدی آرہے ہیں اور پھر کافی دنوں بعد حوجا آفندی اور اُس کے شاگردوں کی آمد ہوئی اور پھر کسی ایک فرضی جرم میں فرضی قیدی بن کر اُن کی آمد پر کامل ہی کی بطورِ مخبر ڈیوٹی لگی۔

وہ دیکھتا رہا کہ ایسکی شہر کی قید میں وہ سب کس قدر ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے اور کس انہماک سے ادائیگی نماز اور تلاوتِ قرآنِ پاک میں مگن رہتے تھے لیکن جناب نوری کو جیل حکام کم عمر قیدیوں کا کوئی بڑا سا وارڈ خالی کروا کر قید تنہائی میں وہاں رکھتے اور پھر اوپر سے حکماً اُس کے ساتھ بدزبانی بھی چلتی رہتی لیکن اُن سب ہدایات واحکامات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک دن میں نے کمزوری طبع اور لمبی زلفوں والے اُس فرشتہ سیرت انسان جناب نوری کے ہاتھ چوم لئے۔

بوجوہ حجامت نہ ہونے سے اُس کی داڑھی وغیرہ کافی بڑھی ہوئی تھی اور اُدھر سے بڑھتے ہوئے میرے شوقِ دیوانگی کو دیکھ کر اُس نے مجھے گلے لگا لیا اور اُس فرطِ لمس سے میں رو دیا۔ بعدازاں بعنوان اپنی زندگی فرمانے لگے کہ ”مجھے صرف اور صرف رسالۂ نور کی ضرورت ہے اور

میں اپنے اس مقصد سے نہیں ہٹ سکتا۔‘‘ میں اُن کے اس مختصر موقفِ مقصد حیات اور پھر ایسے عظیم انسان سے روار کھے جانے والے غیر منصفانہ اقدامات پر بڑا رنجیدہ ہوا بلکہ مزید بھی اپنے آپ میں متحیر ہی رہا کہ وہ لوگ اس بزرگ شخصیت کے کیوں در پے ہیں اور پھر بغیر کسی کو مطلع کئے میں اُن کی دیکھ بھال پر لگ گیا اور پھر ایک وقت ایسا بھی آ گیا کہ وہی حوجا آفندی اپنی دو انگلیاں میری پیشانی پر رکھ کر فرمانے لگے ’’گڑگڑاؤ اور معافی مانگو اُس ذاتِ مطلق سے‘ پھر ساٹھ لوگوں کو پیٹ بھرا کھانا کھلا دو اور ادائیگی خون بہا بھی کر دو۔‘‘ مگر یہ اُن کی طرف سے ایک غیر معمولی قسم کا تخمینہِ سانحات تھا جبکہ درحقیقت میں نے کسی کو قتل تک نہ کیا تھا اور اپنے اندر کی صوفیانہ روشنی سے وہ جان اور پہچان بھی گئے تھے کہ میں کس قماش میں سے ہوں۔

جناب نورسی گردان کے وارڈ میں ہی زیادہ تر آن ڈیوٹی رہتے ہوئے میں اُن کے اور بھی قریب ہو گیا۔ ماسوائے ادائیگی نماز‘ تلاوتِ قرآن اور صالح گفتگو وہاں کسی دوسری قیاس آرائی کی گنجائش ہی نہ تھی۔ وہ کالی قید اور قید خانہ روشنی قرآن سے روشن رہتا۔ وہاں پر کوئی تڑکے اٹھتا اور بعد از ادائیگی نماز تیسویں پارۂ قرآن کی تلاوت شروع ہو جاتی بلکہ بعد از نمازِ صبح عبادت قرآن کریمہ کا دور دورہ رہ جاتا۔

موقعہ بہ موقعہ مریدانِ حوجا میں سے محمد گلر مک نامی مرید خاص بڑی خوش الحانی سے قصیدے پڑھتا اور ہم پر خوشیوں کے خواب چڑھا دیتا اور پھر اُس قصیدہ خوانی سے قرآن خوانی پر اتر آتا۔ مقامِ حیرت تھا کہ ایک ایک دن میں کئی کئی بار پورا پورا قرآن پڑھ لیا جاتا اور پھر اُن معصوم لوگوں کی جان بخشیاں بھی اُن عبادتوں اور تلاوتوں کی ہی مرہونِ منت تھیں۔

وہ بھی کیا دن تھے کہ وہ جیل ایک عبادت گاہ بنی ہوئی تھی اور اے کاش کہ میں بھی اُن توفیقات و عبادات میں حصہ دار ہوتا۔ اپنی عمر رفتہ کے پچاس سالوں میں بر مقام ایسکی شہر جیل میں پہلی بار شاید ثوابِ ہذا ہوا کہ بر ہمیش بغرضِ روح حوجا آفندی دعا گو رہوں۔ وہاں پر میں نے تو اپنا پیٹ بھر لینا ہوتا تھا جبکہ وہ روزانہ ہی چائے کے ساتھ تھوڑا بہت زیتون لے لیا کرتے تھے۔ سایۂ خدائے بزرگ و برتر اُن کے سر پر تھا اور میں قاصر از قیاسِ ہذا ہوں کہ از خود وہ کس درجۂ بزرگی پر فائز تھے۔

عدالت ایسکی شہر

پریس میں ایسی سنسنی خیز خبریں اسپارٹا اور ایسکی شہر میں حکومتی حکمتوں سے ہٹ کر ایسی افواہیں ہوائیں پکڑنے لگیں کہ حکام داخلہ وبالا نے جناب نورسی پر ہاتھ صاف کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور بشمول چھوٹے موٹے جرائم میں ملوثین اور سیکولر اصلاحات کا راستہ روکنے والے وہ خصوصی مذہبی مجذوبین بھی۔ الزامات کی بھی بھرمار تھی یعنی زیر دفعہ 3 6 1 ضابطۂ جرائم خاتمہ سیاسی چل چلاؤ کے لئے مذہبی استحصال' فکر وفساد اور نقص امن عامہ کو تہس نہس کرنے والی گروہی تشکیل وغیرہ۔

جناب نورسی کو سبق آموز انصاف دینے کے لئے عدالت پر وزراتِ داخلہ کا بڑا دباؤ تھا اور بمعہ شاگردوں اُس کے لئے مسئلہ موت وحیات بنا ہوا تھا۔ عدالت میں اُسے صرف اپنے آپ کا ہی دفاع شروع کرنا مقصود نہ تھا بلکہ رسالۂ نور کے لئے اُس کی اہم تقریریں توجہ طلب تھیں۔ وہ تقریریں وہ شاہکار تھیں جنھوں نے اپنی عامیانہ راست بازتوجیہات کی بناء پر بے بنیاد حکومتی الزامات' شکوک وشبہات اور بڑی گھمبیر قسم کی عدالتی علتوں کو بھی تہہ کر کے رکھ دیا تھا۔

حقائق تو یہ تھے کہ اُس کے اپنے ہی فہم وادراک اور دوراندیشوں نے جناب نورسی کو ترکِ عوام کے عقائد اسلامی تمام تر بداخلاقیوں اور قباحتوں سے بچالینے میں کامیابی بخشی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنی تحریروتالیف سے ہی اُس نے نئے قوانین سے پرے پرے ہی نہ صرف اُس تحریک تجدید کا آغاز کیا تھا بلکہ اُس عدالت میں سر اٹھانے کے قابل اور سرخرو بھی ہوا تھا۔ باوجود بیرونی و داخلی اور وزارتی دباؤ کے عدالت نے اُسے اُس کے تمام تر الزامات کی وضاحت بھی پیش کردی جو کہ بغرضِ مقدمہ بحوالہ مختصر مقالہ بعنوانِ لباسِ اسلامی مبنی برآیاتِ قرآنی برموجودگی نسواں' کچھ توجیہات اور تشریحات وغیرہ۔ اس سے وہ بہانہ بازی انصاف بھی عیاں ہوگئی اور بمعہ پندرہ شاگردین' جناب نورسی کو بالترتیب چھ چھ ماہ اور گیارہ ماہ کی سزائیں سنادی گئیں۔ بقیہ ایک سو دو شاگردین بَری الذمہ ٹھہرائے گئے جبکہ تین پہلے ہی جان بخشی کروا گئے تھے۔ جناب نورسی نے اپنے اُس فیصلۂ عدالت پر معترض ہوتے ہوئے کہا کہ بعد از اثباتِ جرائم جن مقدمات میں جو سزائیں انہیں ہوئی ہیں اُن کی جگہ تو اُسے پھانسی اور اُس کے فدائیوں کو بھی سخت در سخت سزائیں ہونی چاہئیں تھیں۔ اُس نے اُن سزاؤں کو گھڑ چوروں اور لڑکیوں کے اغواکاروں کی سزاؤں سے تشبیہ دے دی۔

اور چاہا کہ بمطابق قانون وہ بتائیں کہ کیا اُس کے وہ جرائم کم از کم سزائے قید ایک سو ایک سال یا پھر تختہ پھانسی پر پروان چڑھائے جانے کے لائق نہیں ہیں؟ یا پھر بمعہ اُس کے حواریوں اور مقالہ جات نہ صرف آزادی دی جائے بلکہ بذمہ حکومت تمام نقصانات بھی ازالہ ہوں۔ من مانی سزاؤں اور شاطرانہ چالوں پر مبنی الزامات کی تفصیل سے یکسر انحراف کرتے ہوئے بوقت تیاری انصاف جناب نورسی کو بنیادی دفاعی حقوق اور حقائق سے محروم رکھتے ہوئے اُسے وہ مسودات بھی فراہم نہ کیئے گئے جو کہ اُس کے اپنے تحریر و تقسیم کردہ تھے۔

اور جب وہ عدالتی کاروائی تین چار ماہ تک چلتی رہی تو اُسے اپنی دفاعی تیاری کے لئے صرف چند دن دیئے گئے بلکہ کچھ کاروائی کے لئے تو صرف اور صرف چند گھنٹے ہی دیئے گئے تھے۔ اگرچہ اُسے حد درجہ محنت طلب ایک دستی سی عرضی فراہم تو کی گئی لیکن مزید بہتر تیاری کے لئے کوئی کاتب وغیرہ بالکل نہ دیا گیا اور تو اور اُسے دو ماہ تک کسی بھی بندے پرندے سے زبان سانجھی کرنے سے بھی روک دیا گیا۔

تاہم جناب نورسی کو ان ناانصافیوں سے ڈرایا دھمکایا نہ جاسکا بلکہ بحساب سکت رسالۂ جناب نورسی پر سے وقت کی گرد ہٹ جانے اور انصاف کا ترازو بھی تول میں رہنے کی نومیدیاں رقص کنعاں رہیں کیونکہ وہ قانون اور قانونی چارہ جوئیوں سے آگاہی رکھتا تھا۔ اس لئے اُسے نقص امنِ عامہ اور حفاظت حقوقِ اکثریت کے حق میں غاصبوں سے اچھی طرح بھی نبرد آزما ہونا پڑا۔ بمطابق قانونِ مجوزہ، مزید براں اپنے اوپر عائید کردہ الزامات کی جوابدہی میں جناب نورسی نے کہا کہ اُس کے دفاعی بیانات کی کاپیاں وزارتِ داخلہ، نظامت اعلیٰ، گرانڈ نیشنل اسمبلی اور کابینہ کو بھیجی جاتی تھیں اور جب یہ بھی عیاں ہو گیا تھا کہ دفعہ 163 اُس پر اور اُس کی سرگرمیوں پر لاگو نہیں ہوتا تو بھی اُسے کسی شق میں عدالت نے مجرم بنا ہی لیا تو پھر اُس نے اُس عدالت میں اپنے اپیل کورٹ جانے کی کاروائی کی اور آخر کار اپیل کورٹ نے بھی جب ماتحت عدالت کا ہی فیصلہ برقرار رکھا تو وہ انتہائی اعلیٰ حکومتی سطح اور کابینہ تک پہنچ پڑنے پر تیار ہو گیا۔

دفاعِ جناب نورسی:

مبنی برحمایت جوابی شہادتوں کے ساتھ جناب نورسی نے اپنے مخالفانہ الزامات کے ایک ایک کر کے جوابات خود دیئے۔ وہ عدالت سے مخاطب ہوا کہ چونکہ دھوکے، فریب اور جھوٹ

کے پاؤں نہیں ہوتے' لہٰذا اُس نے اپنے دفاع کے لئے سچ اور ایمانداری پر ہی تکیہ کیا ہے۔ یوں اُس نے خدماتِ ایمان وقرآن کو دل کھول کر اعتراف ظرف بخشا جس میں نہ تو کوئی غیر قانونی پہلو اور نہ ہی کوئی تعلق خاطر سیاست ہی تھا اور پھر اُس نے بروئے عدالت اُن منصوبوں کو بے نقاب کر دیا جو کہ اُس کے خلاف بوجوہ جائز سرگرمیاں تیار کئے گئے تھے۔

اُس سازش میں قانون کے کان مروڑنے اور قانون کے نام پر مذموم عزائم نہ صرف ایک زندہ درگور کوشش تھی بلکہ قانون اور نظامِ قانون کی رسوائی زمانہ تھی۔ عدالت کی طرف سے عائد کردہ منشورِ مقدمہ اور اطلاقِ متعلقہ سے وہ ذرا بھر بھی گھبراہٹ کا شکار نہ ہوا۔ آخر کار وہ بدیع الزماں ہی تھا جو اُس فوجی عدالتی کارروائی کا سامنا کرتے ہوئے سانحہ 31 مارچ 1906ء کو بَری الذمہ ٹھہرا۔ وہ ایک کہنہ مشق مقرر اور مبلغ بھی تھا جس نے اُسی سال آیا صوفیہ میں ہزاروں لوگوں کو خطبہ دیا تھا۔ 1911ء میں بھی بمقام مسجد دمشق اُس نے ہزاروں کے اجتماع سے خطاب فرمایا تھا۔ جناب نورسی نے اپنا دفاع کچھ ایسے ڈھنگ اور ڈھب سے کیا کہ منصفوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ سب سے اہم جوابدہی برخلاف سیاسی ردِعمل بطورِ ہتھیار اور آلہ کار استعمال مذہب تھی اور پھر اُس چلن اور چال کو ہاتھ میں لینے کی وہ نیت جو نقص امن عامہ کا سبب بن سکتی تھی۔ رب تعالیٰ سو بار بلکہ ہزار بار ہماری فکر ایمانی کو بطورِ ہتھیار بحق عناصر برخلاف خوشنودی خداوندی استعمال کرنے سے منع فرماتا ہے۔

یقین کریں جیسے سورج نہ تو چاند کا آلۂ کار ہے اور نہ ہی محتاج ہے۔ اسی طرح عقیدہ خداوندی نہ صرف ایک مینارۂ نور ہے بلکہ دلوں کے اطمینان کی ایک مقدس چابی ہے۔ لہٰذا چراغ حیاتِ ابدی کو بھی معاشرتی زندگی کی بھول بھلیوں میں گم کردہ راہ نہیں رہ جانا چاہئے۔ کائنات میں رازِ حیات ابدی سے بڑھ کر کوئی مسئلہ مسلّمہ نہیں ہے اور تخلیق کائنات کی سب سے بڑی پہیلی اور اہم سوال بھی نکتہ ہذا ہی ہے۔ لہٰذا عنصر ایمانی مسئلہ ہذا کا توڑ اور آلۂ کار ہوسکتا ہے۔

منصفین عدالت اس دنیا میں اگر توان اذیت ناک سزاؤں کا تعلق صرف میری ذات سے مشروط ہے تو میں اپنی اس سابقہ زندگی کے ان دس سالوں کی طرح بالکل چپ چاپ رہوں گا۔ لیکن چونکہ اس کارروائی کا تعلق نہ صرف بہت سارے ساتھیوں کی حیات ابدی اور پھر رسالۂ نور کی نورانیت سے بھی وابسطہ ہے جو تخلیقاتِ قدرت سے متشرع ہے۔

اگر میرے پاس سوسروں کی فصل ہوتی اور روزانہ ایک فصل کٹ جاتی تو بھی میں

اعتراف کارِ قدرت سے منحرف نہ ہو پاتا اور اگر تو میں نے اسی طرح آپ مہربانوں کی ہی تحویل میں تحلیل ہونا ہے تو پھر تو کسی بھی قسم کی مہربانیت کی توقع ہی فضول ہے۔

میں عمرِ آخر میں ہوں بلکہ قریب القبر ہوں لہٰذا میں صرف عنصرِ ایمانی بربط معیاد مستعار اور قُربِ قبر ہی کے متعلق قیاس کروں جس میں کہ سب کو جانا ہوگا۔ سینکڑوں نشانات سوالیہ کی نشاندہی، نورفشانی رسالۂ نور ہے۔ دنیائے سیاست کے اہم ترین سوالات بمقابلہ یقین محکم از موت وحیات کیا زیادہ عقل ریزی اور معنی خیزی کے حامل ہو سکتے ہیں۔ وہ ان خیالات کو ایسے سوالات کے لئے ڈھال بھی بنا سکتا ہے لیکن آہ موت جس کا کہ کوئی وقت مقرر نہیں ہے لیکن اپنے سر کو ہمیشہ وقت مقررہ کی اوکھلی میں ہی رہن پڑا سمجھنا چاہیے۔ مبنی برہمیش کھلا منہ قبر تا ابد اندھیرا اور موجود و بے وجود غار کا موری دروازہ ہے یا کہ اس دنیا سے زیادہ پائیدار اور روشن راہِ دنیا کا بڑا داخلی دروازہ ہے۔

عالی جاہ، صرف یہی نکاتِ نظر ہی تو صحیح اور معقول نہیں ہو سکتے جن سے کہ رسالۂ نور کی ایمان افروز ہیئت اور سینکڑوں سوال وجواب پرکھے جائیں۔ بمثالِ بنیادِ استحصال سیاست ہی لے لیں اور پھر اس بارے میں آپ کا قانون کیا بولتا ہے؟ یہ بھی ہے کہ بمطابق اصول سیکولرازم سیکولر عوام الناس اگر مذہبی جھنجھٹ سے کنارہ کشی اختیار کر لیتی ہے تو پھر کبھی بھی مذہبی لوگوں سے کشیدگی نہیں کی جانی چاہیے۔

مبنی برمؤقف جناب نورسی بولا کہ بوجوہ رسالۂ نور اور عقیدہ مذہبی ہی وہ اپنے دفاع پر نہیں اُترا بلکہ بذریعہ مذہب استحصالِ سیاست جیسے الزامات کو بھی رد کرتا ہے۔ (مبنی بَر سیاست و سیکولرزم اہم ترین سوالات اب آگے زیرِ بحث آتے ہیں)............

1923ء کو کارپردازانِ مصطفیٰ کمال کے ساتھ مل کر کام کرنے کی دعوتِ مبہم کو رد کرنے کے حق میں وہ حق روا اور حق نوا ہوا کہ وہ تو شروع سانحات سے ہی بازارِ سیاست اور دنیائے بیکار کی بیگار سے (دست بردار) ہو چکا تھا اور پانچ اہم پَرتوں کی رو سے عدالت کو آئینہ رو کرتے ہوئے مزید دہائی دی کہ اُس نے تو کارخانہ سیاست میں قدم تک نہیں رکھا ہے۔

جناب نورسی کے بارے میں آگاہی رکھنے والا ہر شخص حلفاً کہہ سکتا تھا کہ اخبار جو سیاست کی زبان ہوتا ہے۔ پہلے تیرہ سال تک جناب نورسی کی رسائی سے بعید از وقت رہا۔ پھر دس سال تک اُسے صوبہ اسپارٹا میں رکھا گیا جہاں ایسی سوچ کی رمق تک نہ تھی جو کہ اُس کی سابقہ

جدوجہد پر روشنی ڈالتے ہوئے اُسے بازارِ سیاست کا راستہ سمجھاتی بلکہ اُس کی سوچوں کا محور تو بمطابق وقت ہذا کچھ معاشرتی بہتریاں تھیں۔ وہاں اُس کی قیام گاہ پر چھاپہ پڑا اور تلاشی کے بہانے اُس کے ذاتی کاغذات اور کتابیں تک اٹھالی گئیں اور پھر اُن سوغاتوں کی پولیس اور گورنر ڈیسک پر ورق گردانیاں ہوئیں۔

لیکن تا دیر کسی بھی قسم کے موادِ سیاسی کی بھنک تک نہ پڑی۔ تاہم جتنی بھی عرق ریزی کی گئی اُنہیں بہت ہی قلیل اور خفیف موادِ اعتراض ملا کیونکہ وہاں تو خواتین کے لباس اور بارے نشست و برخاست زیادہ تر عالمانہ قسم کے ارشادات و فرمودات تھے۔

اُس نے عدالت پر واضح کیا کہ وہ تحریر و تالیف تو زمانۂ ادارۂ حکمت اسلامیہ کا رکن ہونے کے ناطے سے تھیں اور نئے قوانین منظور ہونے پر اُن کی بھی جوابدہی کی بابت اُس نے اُنہیں کہیں دبا دیا تھا۔ لیکن غلطی سے اُن میں سے ایک کاپی کسی کو بھیج دی گئی تھی جو کہ مزید برآں تمام تر سیاسی اور معاشرتی وابستگیوں سے کنارہ کشی سے ظاہر کرنے کے باوجود بھی جناب نوری کو نو سال تک کے لئے ایک دور دراز گاؤں کا بھی انتخاب کرنا پڑا۔

پھر بعد ازاں وہ کیا کرتا۔ حکام اسپارٹا کو اپنی رہائی یا انتقالِ مکاں ہونے کی درخواست کرنا نہ صرف اُس کی اپنی ناکامی کی دلیل تھی بلکہ حکامِ اسپارٹا کے تفاخر میں واضح تفریق بھی تھی جس کے لئے مرکز انقرہ کی گائیڈ لائن انتہائی ضروری تھی۔ عدالت ہی کو مزید بھی کہا گیا کہ اُس کے ساتھ وقت بتانے والے تمام احباب جانتے ہیں کہ سیاسی سوچ تو اُس کی منزل، ذہنیت اور مقدس فرائض و عقائد ہی سے متصادم رہی ہے۔ سو اب اُسے صرف انہی عزائم سازیوں میں یا کہیں سیاست کاریوں میں بھی ملوث کیا جا رہا ہے؟ جان جایئے گا کہ مجھ پر عطائے نور ہے..... 'عطائے نور ہے نہ کہ کسی قسم کی کوئی لٹھ پروری۔

مبنی برانگیخت جذباتِ مذہبی برخلاف نقص امن عامہ کے لئے بھی قطعاً کوئی مؤثر شہادت نہ تھی۔ اختلافی مؤقف اختیار کرتے ہوئے جناب نوری نکتہ داں ہوا کہ ''رسالۂ نور'' بھی خارج از دائرہ قانون ہرگز نہ ہے بلکہ رسالۂ نور بھی علم ایمان و عقیدہ اور نظامت تحفظ امن و عامہ ہی پر مشتمل اور موقوف ہے اور ہاں اگر منبع توفیق صفات و کردار انسانی بارے میں بھی حامل یقین کامل ہے تو پھر نقص امن عامہ کا سزاوار تو یقیناً نہ ہوا بلکہ معاونِ عمل امن ہے۔ یہ کرشمہ کمزوریٔ ایمان و بےیقینیت ہے جو باعث عنصر بد مائل بدی ہے۔

یہ بھی سنیں کہ شاگردانِ جناب نورسی میں سے کوئی ایک تو کجا رسالۂ جناب نورسی پڑھنے والا' کوئی بھی ایک کردار ایسی ویسی افراتفری میں ملوث نہیں رہا۔ بس خواہ مخواہ ایک مزہبی رنگ دیا جاتا رہا۔ چند نام نہاد نئی اصلاحات کی پہل پہلوٹھی کے لئے اپنے دوسرے دفاعی پہلوؤں بارے میں بھی جناب نورسی کے دلائل وہی تھے کہ ہدایت یافتگاں رسالہ ایسی عوام دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہو ہی نہیں سکتے جن سے کہ اشتعالِ جذبات و پامالی حقوق اور ضیائے خونِ جانِ انسان معصوم ہو۔ اُس نے مزید نکتہ اٹھایا کہ اگر اطلاق اُس پر ہوتا ہے تو متعین کردہ نظامت اُمورِ مذہبی کے ان اماموں اور مبلغوں پر بھی ہوتا ہے کیونکہ شیوا سدا اُن کا بھی کھیل جذباتِ مذہبی ہی ہے۔

عائد کردہ الزامات بکثرت میں سے ایک یہ بھی کہ جناب نورسی تربیت ساز عمل صوفیانہ بھی رہا ہے جبکہ جیسا کہ بحوالۂ صفحات آغاز نہ صرف طور طریقہ ہائے صوفیانہ 1925ء کو محرومِ رعایت قانون کر دیئے گئے بلکہ اُن صوفیوں وغیرہ کے تکیے تک تہہ کر دیئے گئے تھے اور اس الزام کا رُخ جناب نورسی کی طرف رکھنا کتنی بڑی بے عقلی تھی کیونکہ وہ رُخِ جناب نورسی تو رُخِ صداقت ایمانی کی طرف تھا۔

عدالت سے کہا گیا کہ اُسے تو اپنے مقالہ جات لاتعداد ہی سے فرصت نہ تھی۔ صوفیانہ سازی کے لئے وقت کہاں تھا۔ تھا بھی تو اپنی حفاظت عقیدہ و ایماں کے لئے تھا۔ بہت سے انسان راہِ صوفیانہ اختیار کئے بغیر بھی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں لیکن کوئی ایک بھی بعید اس کے حامل یقین کامل نہیں ہو سکتا۔ چونکہ وہ جو وقت تھا وہ تھا عمل صالح ایمان کے لئے۔ لہٰذا کوئی ایک بھی ایسا انسان نہ تھا جس نے کہ اُس کی طرف بغرضِ تعلیم صوفیت رجوع کیا ہو۔ شاگردانِ معدودے چند کو جو اُس نے راہ دکھائی' راہ درسِ صوفیانہ و طریقت ہرگز نہ تھی بلکہ ہدایت صراطِ مستقیم تھی۔

اس سارے پس منظر میں عدالت نے یہ جاننا چاہا کہ جناب نورسی کی گزر اوقات کیا تھی؟ حالانکہ بوجوہ عاداتِ جاودانہ ہمہ اقسام تحفہ و خیرات سے اجتناب برتتے ہوئے وہ اپنی حد درجہ کفایت شعاری پر شعرہ عام بھی تھے۔ اُن بھاری بھرکم بہتان و الزامات میں سے ایک اور ترپ کا پتا کہ جناب نورسی نے سیاست سازی کے لئے کوئی تنظیم سازی کی ہوئی تھی۔ عدالت کی طرف سے ایسے ویسے سوالات کی بوچھاڑ میں بھی وہ ڈٹا رہا کہ اپنے اُن مقاصد مسنون کے لئے اُس نے جمع پونجی کہاں پہنچا رکھی ہے۔ جواب آں جناب نورسی مندرج صفحات ذیل چار:۔

سب سے پہلے جو تلے ہوئے ہیں یہ پوچھنے پر۔ میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ یہاں اس

قسم کی کوئی ایسی دستاویزات ہیں جو کسی تنظیم سازی پر ثبوت ہوں۔ ہے کوئی اُن کے پاس ایسی شہادت کہ کس قسم کے سرمائے سے ہم نے تنظیم سازی کر رکھی ہے جبکہ میں پچھلے دس سال سے صوبہ اسپارٹا میں کڑی نگرانی میں ہوں۔ صرف دو یا تین نائیمین یا پھر دس دنوں تک دو تین راگیروں کی بمشکل تمام میں شکل دیکھ پاتا رہا ہوں۔ میں تو ایک اجنبی، تنہا اور دنیا سے اکتایا ہوا انسان ہوں۔ کارِ سیاست سے بھی حد درجہ متنفر اور طاقت ور ترین سیاسی تحریکوں کے نقصانات اور لاحاصل تیس مار خانیوں کا بھی بخوبی شاید ہوں۔

میں نے تب بھی ان سیاسی تحریکوں پر تین حرف ہی بھیجے تھے جب میرے اپنے ساتھیوں اور دوستوں میں سے چند ایک پھنّے خاں بنے پھرتے تھے۔ لیکن آخر کار اس کارخانۂ سیاست سے یوں نکلے جیسے قید شیطان سے مفروری ملی ہو اور یہ بھی پلے باندھتے ہوئے کہ ایسی پتھر پھاڑ اور لوہا توڑ سیاسی وفاداریاں عنصرِ ایمانی کا ستیاناس مارنے کے لئے کبھی جرم عظیم سے کم تر ہرگز نہیں ہیں اور تقدس عنصرِ ایمانی کا ایسی ویسی اَلاؤں بلاؤں سے مجروح ہو جانا بھی کسی وارے میں نہیں آتا۔

صرف میں ہی نہیں بلکہ صوبہ اسپارٹا بھر میں جو لوگ مجھے جانتے ہیں اور پھر واقعی وہی صاحب خلش ضمیر لوگ جو مجھ پر منظم سیاسی منصوبہ بندیوں کے بہتان باندھنے والوں سے نہ صرف متنفر ہیں بلکہ اُنہیں اُن کی کینہ پروریوں کے سبب مجھے موردِ الزام ٹھہرانے کے جواب دہ بھی ہیں۔ ہمارا کاروبارِ حیات سرمایہ کاری عقیدہ و ایمانی ہے۔ مبنی بروئے ایمان و عقیدہ و بھائی چارہ ہم ننانوے فیصدی اپنے ملک اور اسپارٹا بھائیوں کے خیر خواہ ہیں بالخصوص کسی اکثریتی بیک گراؤنڈ میں ایک اقلیتی تنظیمی اور معاشرتی اتحاد کے کیونکہ کسی ایک شخص کی شیشۂ شبیہ میں ننانوے فیصدی معاشرتی عکس نہیں ہوتا۔

اُس نے اس الزام کی جوابدہی میں یہ نتیجہ خیز نکتہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ کیسا مبنی برخلاف عقل پُر تجسس پہلو ہے کہ جہاں جو شخص اپنی دس سالہ گزر بسر صرف سولیروں میں کر پاتا ہو اور سات سال تک ایک ہی پھٹا پرانا لباس پہنتا رہا ہو۔ کیا وہ کسی ایسی ویسی تنظیم سازی کے لئے اتنی بڑی بھاری رقم کا متحمل ہو پاتا۔ وہ اہم نکتہ جس پر کہ عدالتی کاروائی کا ٹھہراؤ ہوا وہ مبنی بر سیکولرازم ایک چبھتا ہوا سوال تھا۔ بوجوہ وہ بنیادی تبدیلیاں جو کہ بذریعہ وہ جمہوری مشینری عمل پذیر تھیں۔

جناب نورسی پر لگنے والے الزامات کی تہہ میں کیا تھا؟ یہی تھا کہ اُس نے حکومت وقت کے سیکولر منصوبہ جات کی مخالفت کی تھی۔ جبکہ جناب نورسی کی طرف سے اُس مخالفت کا انکار ہوا اور دلیل دیتے ہوئے کہا کہ سیکولرازم جمہوریہ کا مطلب ہے معاملاتِ دنیاوی پر سے سایۂ مذہب اٹھ جانا۔ لیکن چونکہ اُصولِ سیکولرازم کی رو سے سیکولر جمہوریہ غیر جانبدارانہ راہِ عمل اپنائے رہتی ہے لہٰذا کبھی بھی مفروضہ اوقات وحیات کی آڑ میں یہ کسی بھی مذہب میں مداخلت نہیں کرتی تو کہنا پڑتا ہے کہ سیکولرازم ہی کو خلش ضمیر و اظہارِ ذات و جذبات اور حق آزادی ہونا چاہئے۔ مبنی بر بڑھتی سیکولرازم اطلاقِ حیاتِ ہذا تا حال ہے تو ایک ابہام ہے۔

تاہم جناب نورسی بدوش دلائل رہا کہ رسالۂ نور تو ایک فکری پلیٹ فارم تھا۔ لہٰذا اس سیکولر جمہوریہ میں اس پر تو کسی قسم کی کوئی قدغن نہ ہونی چاہئے تھی جس نے کہ مادہ پرستی، فطرت پسندی اور یورپی مفکرین کے قرآن پاک پر حملوں کی جسارتوں کو ایک چپ لگادی اور عرصہ تیس سال تک اُس کا رُخ اُن کی جارحیت کی طرف ہی رہا۔ بدعنوانیوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کی وجہ سے اُس کی نظر ملک کے داخلی مسائل پر مرکوز تھی اور رسالۂ نور ملک میں پھیلتے ہوئے ملحدانہ منصوبہ جات کے خلاف ایک مردانہ وار نبرد آزمائی تھی۔

یہ حکومت وقت تو ہرگز نہ تھی بلکہ وہ سازشیں اور مذہبی گروہ تھیں جنہیں مخالفتِ جناب نورسی درپیش تھی۔ جناب نورسی نے اُن گرہوں اور خفیہ معاشرتی تنظیموں کی بَرخلاف مذہب و حکومت غیر مذہبی علتوں اور مکاریوں کو طشت ازبام بھی کر دیا اور یہ وہی لوگ تھے جو مذہبی استحصال کی آڑ میں سیاسی چیخ و پکار اور ہلڑ بازیوں سے سیاسی عمل ہی کا خاتمہ چاہتے تھے۔ مذہبی رجحان والے لوگوں کی ذہنیت سازی کے لئے وہ تمام الزامات کوئی اتنے نئے بھی نہ تھے اور بعد از انقلابِ 1908ء میں ان ہتھکنڈوں کا استعمال تو بہت زیادہ ہوا اور جب پروردہ سیکولرازم مغرب پرستوں اور اُس زہر باد سے بچ رہنے والوں کے درمیان بحث بازی ہونے لگی جو کہ ابوابِ شروع میں حوالہ تحریر ہو چکی ہے۔

تب بعد از سانحہ 31 مارچ قائم کردہ کورٹ مارشل کو بھی جناب نورسی ہی کو آگاہی دینی پڑی کہ یقیناً ایسے لوگ ہیں جو سیاست کاری کو دوسروں کے خلاف لادینی الزام اور اوزار بنا کر پھر سے مذہبی استحصال ہی کو اپنے اُسی کارخانہ سیاست کے لئے زیر استعمال لاتے ہوئے صرف اپنے کالے کرتوتوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں۔ سایۂ جموریہ میں ایسے نعرے وغیرہ صرف یونہی اختتام

بالافسوس ہوتے ہیں اور چند نامی مسلمانوں کو روسیاہ کرتے ہیں تا کہ عوام الناس میں اُن کی حیثیت فروتر ہو۔ لہٰذا عوام الناس کو ڈراتے دھمکاتے ہوئے دور از اسلام رکھنا مخالف نظریات کو ایک راستہ فراہم کرنے کے مترادف ہے۔

عبرت ناک قسم کے سانحات نہ صرف سبق آموز مثالیں تھیں بلکہ برخلاف جناب نورسی بمثال بغاوت قائم ہونے والے الزامات میں سے ایک بڑی اہم شق بھی تھی۔ یہ بھی تو ایک معمولی سا سانحہ ہی تو تھا جو کہ ان ترغیبات کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوا تھا لیکن جسے بطورِ احتجاجی تحریک اخبارات ہی کی حدود میں بڑی بُری طرح کچل دیا گیا تھا۔ مدنظر مبنی بر مقصد ہذا تینتیس انسانوں کو حقدار پھانسی ٹھہرایا گیا اور سینکڑوں حساس مقامات پر بغرض مذہب کچھ بھی نہ کرنے والوں پر آہنی ہاتھ آزمائے گئے اور جناب نورسی جو کہ دائرہ کار ہذا سے مطلق لاتعلق تھا کے خلاف بھی دوبارہ شکنجے کسنے پڑے۔

جناب نورسی نے عدالت کی آنکھیں کھولیں کہ کس طرح اسپارٹا ایجنسیاں ایک ہی جیسے واقعات کی کڑیاں جوڑتے ہوئے نہ صرف اشتعال انگیزیوں میں مصروف کار ہیں بلکہ اپنی ناکامیوں کی آڑ میں عدالت کی آنکھوں میں دھول دے رہی ہیں۔

وہ مزید آشکارہ ہوا کہ یقین اور بے یقینی اور مذہب لامذہبیت کے درمیان حائل وجہ نزع کو کوشش ابدی کی لو تلے ہی تولنا پڑتا ہے اور پھر جو کوئی بھی مسئلہ ہذا کی تہہ تک اُتر چکا ہے بخوبی جانتا ہے کہ یہ لامذہبیت کی آڑ میں مہم اور ہمارے مذہب پر فوج کشی ہے۔ پھر بھی جناب نورسی خواستگار کاروائی شفاف بحضور عدالت عالیہ ہی رہا۔ وہ مزید بولا کہ کارسازستانِ حکومت میں عدلیہ حامل تحفظات و آزادی ہوا کرتی ہے اور نہ صرف بیرونی اثرات مضر سے مفر رہتی ہے بلکہ بغیر کسی جذباتی بہاؤ میں بہے مسائل و معاملات کی غیر جانبدارانہ جانچ پڑتال بھی کرتی ہے۔ تاہم بے قاعدگیاں بھی پنپتی رہیں۔ بمثال جیسا کہ اُس کا اصل نام تو جناب نورسی ہی تھا لیکن سوالات کی نہج پر پہنچ کر جناب نورسی کو سعید نورسی اور کرد بھی قرار دیا گیا جو کہ خالصتاً فراہمی بنیادِ نظریاتی تھا۔

اوقات کارحمیت تو واقعی جناب نورسی کو حکومت مخالفت مشتعل دھڑوں بالخصوص مشرقی ترک باغیوں سے جوڑنا تھا اور پھر اسی نیت اوقات کے تحت عین اُسی سے اخبارات میں خلاف اُس کے تہمتوں کی تسلسل جوئی سے بھی سب عین عیاں تھا۔ لہٰذا کاروائی مبنی بر ضد اور کینہ پروری نہ صرف اُس کی بیاناتی اصلاح کاریوں کو تحریری اور اشاعتی تاریخوں سے گڈمڈ کیا گیا بلکہ کوئی بیس برس پہلے

کی تصانیف کو بھی سال بھر پہلے پر محمول کر دیا گیا۔

بحوالہ لباسِ موجود وجودِ نسواں مبنی بر آیاتِ قرآنی لکھے گئے تحفظات تفکرانہ جو کہ قبل از بنیاد جمہوریہ ہذا اور مواخذہ نیا قانون عوام برخلاف اعتراضات وحملہ جات از فلاسفرانِ مغرب ہی کی وجہ سے عدالت نے جناب نوری پر تمام من مانے وطیرے اپناتے ہوئے ایک سال تک کی سزا سنائی جو بمقام کاستاموئر و بشکل مکان بند اور نظر بندی کی صورت کاٹنی تھی اور ہاں ساتھ اُس کے پندرہ شاگردانِ خاص بھی چھ چھ ماہ کی سزائے قید کے حق دار ٹھہرے۔ وہ والی سزا بمطابق فیصلہ نمبر 121 ' 19 اگست 1935 ءکو منظور ہوئی اور فیصلہ نمبر 111 '2 کے تحت 12 اکتوبر 1935 ءکو سپریم کورٹ میں مستند ہوئی۔ جناب نوری نے گیارہ ماہ کی جیل بھگتی۔ ایک ماہ کی رعایت پائی اور اگلے مارچ کو رہائی پائی۔

بارھواں باب

کاستامونو

حیاتِ کاستامونو:

مارچ 1936ء میں جناب نورسی کو اِسکی شہر کی قید سے پروانہ آزادی دے کر بحر جنوبی کی طرف پہاڑوں میں بھیج دیا گیا تب وہ اپنی زندگی کی اُنچاسویں خزاں میں داخل ہو چکا تھا۔ صوبہ کاستامونو کا ایک بڑا شہر پچھلے ساڑھے سات سال سے اُس کی جبری قیام گاہ بنا ہوا تھا اور لگاتار پہرہ داریوں اور ستم ظریفیوں نے تو اُس کا چلنا پھرنا بارلا کی نسبت بھی دوبھر کر دیا تھا۔ یہاں رہ کر جناب نورسی نے رسالۂ نور کے لئے بہت سارا اضافی کام بھی کیا۔ بشمول ایک روشن راہ پر رواں دواں بامِ عروج پر پہنچتی ہوئی علامت اعلیٰ بھی تصنیف ہوئی۔

کاستامونو میں اُس نے نوآموز طلبہ اور بالخصوص بحر جنوبی کے اہل انی بولو کو بھی نہ صرف اپنا گرویدہ کر لیا بلکہ رسالۂ نور کی وسعت پذیری کے لئے ایک نئے مرکز اسپارٹا کا کام نام اور مقام بھی پا لیا۔ جناب نورسی نے بمعہ اسپارٹا دیگر مقامات تک بھی اپنے شاگردین سے سلسلۂ خط و کتابت جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اُن خطوط کی تعداد بڑھتے بڑھتے کاستامونو کے خطوط ہی کی اصطلاح میں بدل گئی۔ اُس وقت اُن کے ساتھ پیش آنے والے حالات وحادثات جو وہ ہمیں بتاتے رہتے تھے اُن سے متعلقہ بہت سارے پہلو اب زیر بحث آئیں گے۔

وہ اپنے تابعداران کے لئے ذریعہ راہِ نجات، راہِ ہدایت اور مشل عزم وہمت تھے مگر اُن سے جدا کر دیئے گئے لیکن پھر بھی وہ بجائے سرکاری نظامِ ڈاک کے اپنے ذاتی ڈاک سسٹم سے اپنے تحریری مواد کو گاؤں گاؤں اور شہر شہر پہنچانے میں کامیاب رہے۔ کاستامونو کے قیام کے ابتدائی تین ماہ تک تو جناب نورسی محکمہ پولیس کا ہی مہمان بنا رہا۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُسے قید تنہائی دینے کے اہتمام تو ایسے تھے جیسے سب کچھ اُسی کی منشاء مطابق ہو رہا ہو جبکہ وہ تو اپنے طور پر تبدیلی لباس کا بھی مجاز نہ تھا۔

جو بی پگڑی اور جبہ وغیرہ پر مشتمل لباس اسلامی سے دستبرداری بھی اُسے دی جانے والی سزاؤں کا ایک جواز بن گئی تھی اور پھر جلد ہی اُس نے اُسی پولیس اسٹیشن کے عقب میں ایک کرائے کے مکان میں رہنا شروع کر دیا۔ وہ قدیمی طرز پر لکڑی سے بنا ہوا ایک دو منزلہ مکان تھا جس میں نچلا حصہ بطور لکڑیوں کا گودام استعمال ہوتا تھا جبکہ باہر کی طرف سے اوپر دو کمروں کو سیڑھیاں جاتی تھیں۔ کاستامونو میں جناب نورسی کے قیام کا دورانیہ سات سال تک رہا۔ دورانِ قیام کاستامونو پہلے ہی ہفتوں میں جناب نورسی نے جے جی ایمن ایک شاگرد کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ مشرقی اناطولیہ کا ایک قبائلی سردار تھا اور جناب نورسی ہی کی طرح پچھلے دس سال سے وہاں جلا وطنی کاٹ رہا تھا اور اپنی گزر بسر کے لئے دیہی مضافات میں نصر اللہ مسجد کے قریب چائے کا سٹال چلاتا تھا۔ اُس نے جناب نورسی کو وہاں پہلی دفعہ دیکھا تھا لیکن جب جناب نورسی نے اُسے اُس سے خبردار ہرجانہ ملاقات کیا تو آگے سے وہ جے جی ایمن حراست کار افسر شاہی سے بالکل نہ گھبرایا بلکہ ممکنہ حد تک جناب نورسی کا معاون و مددگار ثابت ہوا۔ کاستامونو میں ہی عالمانہ جاہ و نسب کا حامل ایک محمد فیضی نامی شاگرد رشید بھی جناب نورسی کو نصیب ہوا۔ وہ دونوں شاگرد دین نہ صرف ضروریات روزانہ کے لئے جناب نورسی کی مستقلاً نگہبانی پر معمور رہتے بلکہ محمد فیضی نے تو رسالۂ نور کے لئے بھی اُن کی خوب معاونت کی۔

جناب نورسی تو واقعی ہفتہ وار ایک دو دفعہ ہی پہاڑی مضافات میں اوپر نیچے یا پھر حکامِ شہر کی طلبی پر ہی کہیں آنے جانے تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ اُس کا زیادہ تر وقت رسالۂ نور کے دستی تحریری مسودات کی جانچ پڑتال، گذارشات، عبادات اور مراقبوں میں ہی گزرتا رہا بلکہ راتیں تو تھیں ہی نالہ آہ و فغاں کے لئے۔ وہ پہاڑی مضافات کی طرف بھی نکلتا تو اُس کے ان معمولات میں بھی ضیاعِ وقت ہرگز نہ ہوتا۔ محمد فیضی کا کہنا ہے کہ جناب نورسی گھوڑے کی پیٹھ پر تدوین کاری رسالۂ نور، ہم کلامی از خود، جے جی ایمن یا پھر کسی دوسرے شاگرد سے محوِ گفتگو رہ جاتا اور تو اور بوقت جانچ پڑتال رسالۂ نور وہ بغیر کسی اصل مسودے کی مدد لئے محض اپنی یادداشت کو کسوٹی بنا لیتا۔

بوجوہ بلندی کاستامونو موسمِ سرما انتہائی سرد ہو گیا تھا جس کا کہ جناب نورسی نے اپنے بہت سے خطوط میں بحوالہ بیماری ذکر بھی کیا تھا۔ ساتھ ساتھ بڑے پرانے جوڑوں کے درد اور کمر درد جیسی مصیبتوں میں ہی وہ زہر خوانی خوراک سے بھی بال بال بچا۔ اُس نے لکھا تھا کہ ان سختیوں اور بیماریوں کے بھگتانے کے علاوہ بھی بہت سارے روح فرسا رنج و اَلم جاری و ساری رہتے۔

فرماتے ہیں کہ ''میں تو اپنے خالق برحق کا لاکھ لاکھ شکر گزار ہوں کہ جس نے مجھے دولت ایمانی سے سرفراز بیماری مہلک سے شفایاب اور چھٹکارہ دنیا فانی عطا کیا اور پھر ایمان بصدقہ عزائم آسمانی تکمیل صبر واستقامت اور توفیق شکر گزاری نصیب ہوئی۔''

بزبانِ جے جی ایم انتھک محنت اور بے پایاں بردباری کا دوسرا نام مبین حوجا جناب نورسی ہی تھا۔ میں صبح سویرے جناب نورسی کے ہاں اُس کی انگیٹھی جلانے جایا کرتا تھا۔ ایک رات سردی بہت زیادہ تھی اور میں نمازِ فجر سے بھی دو گھنٹے قبل پہنچ گیا تو تب بھی اُنہیں جائے نماز پر عبادت بے خودی میں ہی پایا۔ منہ اندھیرے سردی کے ماحول اور موم بتی کی روشنی میں وہ بڑی ہی موثر آہ وزاری اور گڑگڑاہٹ میں مصروفِ عبادت تھے جس سے کہ مجھے کانپتے لرزتے ہوئے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ منتظر کھڑا رہنا پڑ گیا بلکہ اُس ایمان افروز منظر کا بھی عینی شاہد ہو رہا۔

آخر کار کہیں دور سے آوازِ آذان فجر آنے لگی تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''ایمن! تم بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے ہو۔ بخدا کہتا ہوں کہ ان اوقات کار میں تو میرے پاس امکانِ آمد فرشتگان ہوتی لیکن ندار دونیست۔'' جے جی خواستگارِ معافی ہوا اور کہا کہ چاند کی چاندنی سے وہ وقت کا بھلیکھا کھا گیا مگر آئندہ قبل از آوازِ اذان کبھی نہیں آئے گا۔ مسلسل مشق ستم کے لئے آکۂ مشق بن کر رہ گیا تھا۔ حکومت انقرہ کی طرف سے بھی عائد کردہ صوبائی گورنروں نے بھی اپنا پیمانہ جبر وقہر اوپر ہی لے جانا ہوتا تھا اور ساتھ ساتھ مغرب پرستانہ پروگرام کے لئے تمام تر وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ریپبلکن پیپلز پارٹی کا اختیاری اور استعماری دبدبہ بھی عروج پر تھا۔

جس سال جناب نورسی کو کاستامونو بھیجا گیا' گورنر اوی ڈون کو بھی اسی سال ستمبر میں وہاں عائد کیا گیا۔ ریپبلکن پارٹی کے لائحہ عمل کے تحت افسر شاہی کی نئی کھیپ کا وہ سرخیل ہی تھا اور جناب نورسی اور اُس کے فدائیوں پر سیکولروں کی طرف سے لائے گئے بوے دنوں میں وہ اذیتوں کی آنچ جتنی تیز کر سکتا تھا کر گزرا۔ وہ وہاں قریباً چار سال تک رہا مگر بعد ازاں اپنے ہی ہم منصب متہات اکٹیوک سے ہیچ اور حیف ہو گیا کیونکہ بطرف جناب نورسی اُس کا طرزِ عمل مصالحانہ تھا۔ اُس افسر شاہی اور اُس اوی ڈون کی طرف سے عائد کردہ تمام ترسختیاں جناب نورسی جھیلتا چلا گیا اور پھر اُسی راہِ مصائب وآلام میں سے ہی جناب نورسی کو ایک اور نیا شاگرد فدائی نصیب ہو گیا۔

بعد از تعیناتی گورنر اوی ڈون اور بذریعہ قوت وطاقت مسجدوں' قبروں اور صوفیوں کے تکیوں کی تباہی کے خلاف اسی شہر میں شیخ حلمی بے المعروف چھوٹے شیخ نے اُس گورنر کے قتل کی

قسم کھائی اور بعداز حصول رائفل منصوبہ بندر ہنے لگا۔ دورانِ منصوبہ بندی اسی دھن میں وہ جناب نورسی کے ایک سوراخ والی کھڑکی یافتہ مکان کے آگے سے گزر رہا تھا کہ جناب نورسی نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرلیا تو سمجھ وہ بھی گیا کہ وہ حوجا آفندی کیا چاہتا تھا۔ لہٰذا وہ اس مکان کی سیڑھیاں چڑھ گیا لیکن جناب نورسی نے اُسے چند تمہیدی دعاؤں کا مسودہ دینے اور آگے ترسیل کردینے کا کہنے پر ہی اکتفا کیا۔ بعداز اتفاقِ رائے حلمی بے گھر لوٹ گیا اور تادیر اسی کام میں لگا رہا۔

وہ کام جب وہ ختم کر چکا تو نہ صرف مکمل طور پر بدل چکا تھا بلکہ اپنے اس مجرمانہ منصوبے کو بھی تہہ کر چکا تھا۔ پھر تو وہ جناب نورسی کا فدائی ہو کر رہ گیا۔ جس کی اولین ذمہ داری رسالۂ نور کی تحریر و ترسیل اور صاحب رسالہ کی سیوا تھی۔ گورنر اوی ڈون ہی کے ایماء پر رسالۂ نور کی بازیابی کے لئے جناب نورسی کے مسکن کی بذریعہ پولیس تلاشیاں ہوتیں جس کی وجہ سے اُس کے فدائیوں کے جہاں سر چھپتے اور سینگ سماتے دائیں بائیں ہو جاتے۔ بعض پولیس افسران کو بالخصوص اسی کام کے عوض نوازا بھی جاتا تھا لیکن جب جناب نورسی مرض طاعون کی لپیٹ میں آ گیا تو بعض پولیس افسران کے اندر کا احساس جاگ بھی گیا اور انہی میں سے حافظ جناب نورسی ایک پولیس افسر تو چند دن بعد چکر لگاتا اور مکان کے اندر جا کر اُسے اچھی قسم کی ٹوتھ پیسٹ (مسواک) اور کنگھی پیش کرتا۔ بعدازاں وہی پولیس افسر باعث بیماری نامعلوم انتقال کر گیا۔

سیفوت نام کا ایک دوسرا پولیس افسر بھی آخر پر آ کر سخت نادم ہوا۔ جناب نورسی کو ان سب سے کوئی بھی گلہ تک نہ تھا۔ جیسا کہ معافی کی ہی خواستگاری کے لئے آنے والے حافظ جناب نورسی کے خاندان نے اُس سے کہا وہ سب احساسِ زیاں انہیں بصدقہ قرآن پاک ملا۔ مقامی طور پر بڑے خاندان میں سے تاسکو پرولو صادق بے نام سے جناب نورسی کا ایک اور بھی شاگرد اٹھا۔ ملٹری اکیڈمی استنبول سے فارغ التحصیل بڑے برجوں میں سے صادق پاشا کا وہ پوتا تھا اور وہ اپنے تمام تر القابات بالائے طاق رکھتے ہوئے رسالۂ نور کی معنویت میں محو ہو کر رہ گیا۔ انی بولو کی طرز پر تاسکو پرورونالی اُس کا گاؤں بھی رسالۂ نور کی تحریر و ترسیل کا مرکز بن گیا۔

انی بولو میں ناظف اور صلاح الدین جلیبی نام کے باپ بیٹا فدائیوں کے توسط سے رسالۂ نور کی پہچان ہوئی۔ اپنے باپ کے تحریر کردہ چوتھے مسودۂ نور کی اصلاح کاری کے لئے ملاقات جناب نورسی کو صلاح الدین کچھ یوں بیان کرتا ہے۔ میں پہاڑ پر چڑھا تو ملبوسِ سفید ایک شخص کو مصروفِ عبادت پایا اور پھر میں نے قیاس کیا کہ یہ وہی شخص ہو سکتا ہے۔ بہ اختتامِ عبادت

بہ جنبش سر اُس نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا سو میں نے بھی گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے کہا ''آمین۔''

اُس کی رندھی ہوئی آواز میں ملت اسلامیہ اور خوشحالی انسانیت کے لئے امن وچین کی بحضورِ مولائے کل التجائیں اور گریہ زاریاں ہی تھیں۔ آخر میں اُنہیں وہ کتاب دی جو کہ بغرضِ اصلاح میں اُن کے لئے لے کر گیا تھا تو کہا کہ بھائی صاحب جی بسم اللہ آئیں اس کی اصلاح کرتے ہیں۔ میں نے وہاں کوئی آدھا گھنٹہ گزارا اور اپنی آنکھوں کے سامنے اُس حوجا آفندی کو پہلی بار پا کر اُس پر ایک مطالعاتی نظر بھی ڈالی۔ وہ اس مسودے میں مخفی منفی نکات والفاظ کو بڑے انہماک سے درستگی بخشتا جا رہا تھا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئے کہ کیا میں عثمانیہ طرزِ تحریر سے آگاہی رکھتا ہوں اور پھر مجھے ایک آدھ جملہ بھی لکھوایا۔

ماشاءاللہ تمہاری لکھائی تو بڑی اچھی ہے۔ مزید کہا کہ اگر تمہیں مقالہ جات کی تحریری تیاری سونپ دی جائے تو کیا پورے اُتر سکو گے اور جب میں نے اظہارِ اطمینان ومسرت کیا تو اُنہوں نے مجھے قریباً نو اقوال کا کام سونپ دیا۔ پھر مجھے ہی میرے والد کے لئے بھی گیارہویں اور بارہویں نمبر کے اقوال سونپ دیئے۔ پھر مزید کہا کہ یہ بروقت تحریر وترسیل ہو جانے چاہئیں۔ بس پھر میں نے اُن سے رخصت چاہی اور چلا آیا۔ لہٰذا اس طریقہ کار سے اِنی بولو میں رسالۂ نور کی جان پہچان ہوئی۔ بعدازاں عوام الناس نے ازخود تحریر وترسیل کچھ اس انداز سے کی کہ عرصہ پانچ سال تک اُن کے ہاتھ ہی قلم اور پرنٹنگ پریس بنے رہے۔

کاستامونو اور اِنی بولو کے درمیان جناب نورسی ترسیلی سٹاف اس انداز سے منظم ہوا کہ اِنی بولو کی ہی بندرگاہ سے رسالۂ نور کے کچھ حصے اناطولیہ بھیجے گئے۔ استنبول میں واقع ایک دوکان پر ایک نقول مشین رکھے اور دیکھے جانے تک یہ کام بغیر کسی قسم کی رکاوٹ کے جاری رہا اور فی منٹ سو کاغذ کے حصولِ نقول سے آگاہی پاتے ہی میں نے فوراً وہ مشین خریدی اور اِنی بولو لے گیا۔

سب سے پہلے ہم نے سترہویں نورانی آئیت اور علامت اعلیٰ کے نقول مسودات نکالے جو کہ موادِ مشاہدات وسوالات بعنوانِ خالق حقیقی تھے اور اُن کی جب ایک کاپی استادِ محترم کو دکھائی تو وہ فرطِ مسرت سے پھول گئے اور اختتامِ کار پر اُنہوں نے کچھ فرمایا تو ان الفاظ میں کہ ''اے میرے رب! ایک ہی قلم سے پانچ سو کاپیاں تحریر کرنے والے ناظف جیلیبی اور اُس کے معاونین پر جنت الفردوس کی نعمتیں نچھاور کر دے۔''

اسپارٹا کے دیہی علاقہ جات میں تو مقالہ جات کا تسلسل ہاتھوں ہاتھ ہی تحریر وترسیل ہوتا

رہا۔ بیدری، علیما، کرولیونز، اسلامکوئے، ساواورا تابے جیسے سینکڑوں نامیوں نے بھی اپنے آپ کو رسالہ نور کی ہی تحریر وترسیل کے لئے وقف کردیا۔ بیدری گاؤں سے صابری نامی جہازراں متعلقہ درسِ دفتر نور سے بعداز حصول خطوط رسالہ نور فوراً اُن کی نقول کرواتا اور اُنہیں نظامِ ترسیل نور کے ذریعے ایگریدر پہنچادیتا جہاں حافظ علی کے پاس اسلامکوئے پہنچادی جاتیں جن کی اہمیت سے بھی سبھی آگاہ تھے۔

ساو نامی گاؤں اور اِدھر اُدھر کی عورتوں نے بھی اپنے آپ کو اس تحریری کام کے لئے وقف کررکھا تھا۔ پھر وہاں کے چرواہے اُن سے وہ تحریری پرزے اور پروانے لے کر اپنے تھیلوں میں بھر لیتے اور جگہ جگہ ترسیل و تقسیم کرتے رہے۔ رسالہ نور ہی کے ایک نامور ہیروشاگرد حرضرو کی کارکردگی بھی علم میں آئی کہ اُس نے اپنی خوش خطی سے عرصہ نو دس سال میں رسالہ نور کے مختلف حصوں کی چارسو کے قریب کاپیاں تحریر کیں جیسے کہ تین عدد قرآنِ پاک کی تالیف میں لفظ اللہ کی مثال دے دی جائے۔ رسالہ نور کی طرح جناب نورسی کے خطوط میں بھی اپنے پڑھنے والوں کے لئے اور اُس کے عزائم، مقاصد اور لائحہ عمل سے وابستگاں کے لئے جوش و جذبہ اور ہدایت ایمانی ہوتی تاکہ وہ فدائیان بمطابق فی زمانہ سیاسی اور معاشرتی تقاضوں کا سامنا کرسکیں اور اپنے دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے لئے اپنے عنصر خبردارانہ کو عمل میں لائیں۔

وہ خدماتِ تعلیماتِ قرآن کے زمرے میں اور دشمنانِ اسلام کے خلاف جہادِ مشترکہ کی صورت میں ایثار واخلاص کی بڑھوتری پر زور دیتے تاکہ ہمہ یاراں ایک مضبوط ترین بھائی چارہ اور اجتماعی تشخص تکمیل پاجائے۔ بہت سے خطوط میں نہ صرف رسالہ نور اور اُس کے فدائیان کے کردار کی اہمیت پر بلکہ اُس سے وابستہ بڑی بڑی نعمتوں اور نوازشوں پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی۔ فدائیانِ رسالہ نور کی زمانے سے ہٹ کر پیش کردہ خدمات اور قربانیوں کے متعلق جناب نورسی اپنی احسان مندی بھی ظاہر کرتا رہتا جو کہ اُس جبر وقہر بھرے ماحول میں اُس کے کام میں اُس کی ڈھارس بندھاتی۔ قبل از چھان بین چند خطوط رسالہ نور جو موضوع ہذا پر خندہ خو رہے، پیش نظر ہیں۔

خدماتِ ایمان وقرآن میں مخلص ومضبوط تر رہنے والے میرے پیارے اور جانثار بھائی بندو!

میں بحضورِ ربُ العزت انتہائی معترف اور مشکور ہوں کہ جس نے مقالہ جات میں و

کردہ بڑے بزرگوں کی اُمید افزائی کو نہ صرف ایک حلف نامہ بنا دیا بلکہ مجھ ناچیز کی دفاعی تقاریر میں موجود دعوؤں کو بھی ایک سچائی بخش دی اور ہاں رسالۂ نور کو ایسے تیس عبدالرحمٰن عطا کر دیئے جو کہ تیس ہزار کے برابر ٹھہرے۔ واہ' واقعی اُس نے جیسے ایک سو تیس برابر ایک ہزار ایک سو تیس عبدالرحمٰن بخش دیئے تھے۔

پھر ایک دوسری مثال بھی لیں۔

میرے پیارے اور انتہائی وفا شعار بھائی بندے!

اس دنیا میں آپ ہی میرے لئے ذریعہ ظرافت اور ڈھانچۂ ڈھارس ہیں۔ بغیر آپ کے اذیت بھرے چار سال میں اکیلا ہرگز ہرگز نہ گزارا کر سکتا تھا۔ آپ کی حوصلہ مندی اور ثابت قدمی سے مجھے صبر و استقامت اور قوتِ برداشت ملی۔

ایک اور خط بھی ملاحظہ کریں۔

میرے لاڈلے اور وفا پرور ہمراہی!

میں تمہارے نامہ محبت پر اس قدر خوش ہوا کہ باہراز بیان ہے' بطورِ خاص حرضرو کے گاؤں میں رسالۂ نور کی غیر معمولی ترسیل ہو رہی تھی۔

ان خطوط کو تو رسالۂ نور کی تحریریں اور فرمودات ہی سمجھ لیا گیا جو کہ اُن علاقہ جات میں فدائیانِ جناب نورسی کے لئے تیز تر ترغیب اور حوصلہ افزائی ابھار رہے تھے۔

رسالۂ نور کا لائحہ عمل:

جناب نورسی نے اپنے فدائیوں کو لکھا کہ رسالۂ نور کے لائحہ عمل کو کسی متوقع حملے کے پیش نظر بمعہ ایمان و عقیدہ محفوظ تر کرنا درکار ہے۔ بمطابق جناب نورسی وہ حملے کوئی نئے نہ تھے لیکن اُن کی ناکامیوں کی وجوہات' طویل ترین بدعنوانیاں اور سرائیت پذیری نظریاتِ متحدہ و متفقہ تھے اور جن کے تانے بانے بھی متاثرہ فکر مغربیت ہی تھے۔ ساتھ ساتھ عنصر ایمانی کو بھی دکھاوے اور تقلید سے بچا کر حد یقین محکم تک لانا تھا اور اُس نے مقصد رسالۂ نور کی بھی تشریح و توجیہہ کچھ ایسے ہی انداز و اطوار پر کی تھی۔

رسالۂ نور کسی معمولی نقصان کی تلافی یا کسی مکان کی حرمت وغیرہ کے لئے لائحہ عمل نہیں رکھتا۔ اس نے تو پہاڑوں ایسے حل طلب مسائل اسلام کو محیطِ مطلب و مرمت کرنا ہے۔ اسے کسی

غیر متعلقہ اور ذاتی قسم کے دل و دماغ کی کوشش اصلاح مقصود نہیں ہے۔ اس کی کوشش علاج دوائے یقین و ایمان ہے اور رہے کراماتِ قرآن تو بحثیت مجموعی وہ بندش خیالات دل و دماغ ہیں جن میں ہزاروں سالوں پر محیط اور مضبوط بدعنوانیاں اور حرامزدگیاں بڑے گھمبیر طریقے سے دراڑیں ڈال چکی ہیں۔

پھر مجموعی انسانی ضمیر جو کہ بذریعہ بنیادی حقائق کے تسلسل اور مراتب اسلام کی تباہی کی صورت میں بدعنوانیوں کو بھگت رہا ہے اور جو کہ ویسے تو سب کے لئے مگر صاحب یقین کامل لوگوں کے لئے بالخصوص لمحہ فکریہ ہے۔ عنصر ایمانی میں در آنے والی دراڑیں اور کاری قسم کے زخم ہی حتی المقدور پہاڑوں ایسی مضبوطی کے حامل ہتھیار ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایسے تدارک کی اور آزمودہ نسخہ ہائے حیات کا ہونا از حد ضروری ہے۔

قرآن پاک کے صحیح ترجمہ و تشریح سے قرآنِ پاک کے ہی متعلق عجیب ابہام سے نجات پاتے ہوئے رسالۂ نور نے لامحدود درجاتِ ایمانی کی وجہ سے ترقی اور پیش قدمی سے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ بنیادی حقائق اسلام پر سے متعلقہ عوام الناس کے عقائد ایمانی نہ صرف کمزور ہو گئے تھے بلکہ اُس مغربی لائحہ عمل نے ایک اندھا دھند پاور بھی پکڑ لی تھی۔ یہ رسالۂ نور ہی تھا جس نے اپنی ترقی پذیر توجہ سے نہ صرف دکھاووں کے ایمان کو ایک یقین محکم دیا بلکہ زوالِ عمارتِ اسلام کو از سر نو ایک تعمیری تصدیق بھی بخشی۔

کاستامونو میں جناب نورسی نے رسالۂ نور جیسی ہی حامل اہمیت علامت اعلیٰ لکھی جو کہ اپنی جگہ ایمان و عقائد کی برجستگی اور پختگی میں ایک سنگ میل رہی۔ جناب نورسی کے نقطہ نظر ایمانی اور طریقہ کار ترقی نور کی رو سے ہم اُسے حد حاصل تک دیکھ سکتے ہیں۔

کرامت اعلیٰ:

وجودِ کائنات اور عباداتِ برحق سے متعلقہ نکاتِ نظر جناب نورسی کو سمجھنے کے لئے کرامت اعلیٰ کی حیثیت ایک کلید کی سی ہے اور اُس نے تو کہا بھی ہے کہ جو کچھ بھی اُس نے لکھا لکھایا ہے صرف اور صرف اپنے آپ کو سمجھنے سمجھانے کے لئے ہے۔ خالق کائنات سے متعلقہ ہر مشاہدات سوالات جہاں بین و جہاں گرد مقالات جناب نورسی پر باعث تقابل اور مطابقت ہیں اور پھر بادشاہِ بحر و بر، مصنف کتابِ عظیم اور مالک مسافرت خانہ عمدہ ترین سے متعلقہ متجسس ذہنی مسافت پر بھی باعث بحث و تمحیص ہیں۔

سب سے پہلے تو وہ عالم ملکوت میں ستاروں، سیاروں اور ارواحی مخلوق کے بارے میں پوچھتا ہے۔ پھر بادلوں، بارشوں، گرج چمک اور موسموں کے بارے میں۔ پھر زمین اور اُس پر موجود ہر اُس جنس کے بارے میں پوچھتا ہے جو کہ اپنے خالق کی ہی وحدانیت اور وجودیت پر گواہ ہے۔ خالق کائنات کی وحدانیت اور وجودیت کے تینتیس درجات کو دنیا کی تینتیس زبانوں میں ہی مشتہر کیا گیا بلکہ عقائد ایمان انسانی میں بھی تینتیس ہی آئینی جواز برحق ہیں۔

کہہ لیجئے کہ خدائی وجودیت و وحدانیت کی گواہی لیتے ہوئے جہاں گرد مجسمۂ سوالات و جوابات بن کر مسافرت اور مسافت اختیار کر لیتا ہے۔ ہر منزل پر اُس کے عقیدے کو نہ صرف ایک گرہ کشائی ملتی ہے بلکہ ظاہر سے باطن، باطن سے یقین اور حق الیقین کی سدھ اور سند نصیب ہوتی ہے۔ خدائی منزلت پر مضبوطی عقیدہ نو کے تجسیمی خدوخال میں ہدایت و نصیحت دماغ و دل، حامل حیثیت مرکزی ہوتے ہیں۔

حصولِ نقوش آرائش تحقیقات حق و حقانیت کے عمل میں دلائل دماغِ انساں و الہام و وجدانِ دل انساں دونوں ہی بروئے کار ہوتے ہیں۔ آئیں ذرا دلائل سازی و دلائل بازی دماغ دیکھتے ہیں۔

یاداشت پر زور دینا پڑے گا کہ پچھلی صدی کے شروع میں تعلیمات اسلام و قرآن پر بیرونی دباؤ اور متعلقہ اسلام طریقۂ کارِ حصول نظریاتی علوم کے برعکس جناب نورسی نے اپنے آپ کو حصولِ نظریات نو پر منطبق کیا کہ آج کے حصولِ علم اسلام کے لئے یہی ضروری امر و علامت ہے۔ اگر اسلام اور قرآن کو دفاع ہی درکار تھا تو بشمول قرآنی و اسلامی نظریاتی علوم کو جدید علوم کی تجدید اور روشنی میں نو آموختگی دینی تھی۔ لہٰذا جناب نورسی نے طبعی اور قدرتی علوم پر اس قدر قدرت حاصل کر لی کہ وہ سب اُس کے لئے تفہیم قرآن اور ثبوت سچ کے لئے معاون و مددگار بن گئے۔

اپنے ہم عصر جرائد و رسائل کی دوڑ میں بطورِ خاص اُن نوجوان ترکوں کے لئے جو نظریاتی مادہ پرستی اور دوریٔ مذہب کو کامیابی کی کلید کہتے تھے رسالۂ نور سرفرازیٔ وقت اور وقعت ثابت ہوا۔ مدرسۃ الزہرہ کی بنیادیں بناتے ہوئے جہاں سائنسی اور مذہبی علوم کی تعلیم و تدریس درکار تھی ایسے ویسے مسائل پر قابو پاتے ہوئے پرانے فرمودات سے بہت ہی زیادہ استفادہ کیا گیا اور پھر یہ اُن نئے فرمودات اور رسالۂ نور کا باہم ملاپ تھا جس کے حسین امتزاج کو عقل و فکر میں جگہ دی گئی۔ زمانہ جواں سے ہی وابستگی علومِ سائنسی سے جناب نورسی نے ایک ایسی ہیئت ترکیبی

کائنات پالی کہ جیسے بمطابق نیوٹن سب کچھ ہی کسی کارخانۂ قدرت سے مکمل اور مشینی انداز میں بنتا چلا آرہا ہے اور اُس کے تصوراتی تصرفات میں اس کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔

اگرچہ نظریاتِ نیوٹن بھی خالی از حکمت عملی نہ تھے بلکہ اُس کی تفسیر مبنی بر جہاں ارض وسما تو عین قرآنی ہی ہے۔ شروع ابواب میں بھی ایسی ہی توجیہات تو متشرع تھیں بمطابق جن کے نئے فرمودات میں منتقلی دین جناب نوری کی پہنچ اور جانکاری طریقۂ کار اثنائے تصرف بالحاظِ معنی و مفہوم اور تاثراتِ عکس قرآنی کی ترویج و ترقی ہی تو تھی۔ سائنس اور فلسفے کی ہیئت کوز د اور زچ کرنے والے نکات علم کو وہ منائیت حرفی کہا کرتا تھا جس کی رو سے اشیائے تصرفات کو منائیت اسمی ہی سوچا سمجھا جاتا تھا۔

لہٰذا ایک طرف تو جناب نوری کی تمام طرفہ تحریریں مبنی بر درس معیارِ حصول تھیں جبکہ دوسری طرف اُس کی کائناتی اپروچ اور پہنچ جدید اور سائنسی تھی جن میں کہ تشریحاتِ طریقہ کار قرآنی بھی پنہاں تھا۔ پھر سے وہ جہاں گرد بھرپور برستی بارش پر نظر ڈالتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس میں تو اس قدر فائدے پنہاں ہیں جتنے کے قطراتِ بارش ہیں اور انکشافاتِ رب الرّحیم ہیں بلکہ اجزائے بارش کی طرح ہی تقسیم در تقسیم بھی ہیں اور مثالاتِ دانائی بھی اسی قدر ہی ہیں جتنی کہ از خود یہ ریزہ ریزہ کائنات ہے۔

وہ نازک من موہنے اور عطیہ شدہ قطراتِ بارش تو جیسے فرمائشی فیشن پر تیار کئے گئے ہوں اور بارش بھی بالخصوص موسم گرما میں بھیجی گئی ہو اور اتنی باقاعدگی اور توازن سے برستی ہے کہ اشیائے زمین کے ٹکراؤ کا باعث بننے والی طوفانی ہوائیں بھی اُس کے توازن اور تحکم کو تہہ بالا نہیں کر سکتیں۔ قطراتِ بارش بھی نہ تو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا پاتے ہیں اور نہ ہی اس انداز میں غرق دریا ہوتے ہیں کہ مخلوقِ دریا کو نقصان ہو۔ پانی جو کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن ہے سینکڑوں ہزاروں مفید مطلب طریقہ کارِ استعمال میں آتا ہے۔ یعنی بھاری سے بھاری اور باریک سے باریک کارِ خاص میں بھی حل طلب ہے۔ یہ اشیائے زندگی بخش ہے جبکہ از خود بے جان اور ناواقف زندگی ہے۔

بارش جو کہ تجسیم رحمت خداوندی ہے صرف اور صرف ہستی رحمان الرحیم کے نادیدہ خزانوں سے ہی سج اور سنور سکتی ہے اور اس طبعی شانِ نزول کی ترجمانی کرتی ہوئی یہ آیت بھی وہی ہے جو اپنے بندے کے پیچھے بارش بھی بھیج دیتا ہے اور پھر اپنی وسعت رحمت سے غائب بھی کر دیتا ہے۔

جیسا کہ اس سے سجھائی دیتا ہے وہ طریقہ کار رسالۂ نور ہی سے متعلقہ ایک ایسا مراقباتی ذہنی عنصر ہے جو تفکر ہی تفکر ہے۔ اپنے شاگردوں کے نام جناب نورسی لکھتا ہے کہ اُس نے مراقباتی ذریعہ اختیار کیا' پرانے فرمودات نئے فرمودات میں بدل دیئے گئے اور ساتھ ہی اسے حصولِ اصل الہدایت بھی ہو گیا تھا جس کا لب لباب یہ تھا کہ گھنٹہ بھر کا مراقبہ بہتر ہے سال بھر کی عبادت بے خانماں سے۔ کوئی بیس سال بعد اُس کی اس تشریح وتصریح کے اصل معنی ومفہوم سے آشنائی ہوئی۔ کرامت اعلیٰ کے بھی بعد بشمول المشہو رشان الکبیر مجموعہ آیاتِ عربی اس کی آخری ہیئت ترکیبی ہوئی اور کرامت اعلیٰ کے مواد واقتباس نے بھی خلاصۃ الخلاصہ کی شکل میں ایک اختصار اختیار کیا۔

بحوالہ کرامت اعلیٰ بشکل جہاں گرد کائنات میں مورثی محرومی کی مراقبہ ہذا میں نہ صرف جانچ پڑتال ہوئی ہے بلکہ رطب للسانی بھی انہی کی رہی جو خدائے واحد کے مشتہرین اور صفاتِ اولیٰ کے مبلغین میں سے تھے۔ مراقبہ ہذا کس طرح تمام کائنات کی تشریح وتصریح کرتا ہے۔ جناب نورسی نے اس کی بھی وضاحت کر دی۔ ایک طرف تو وہ نظریۂ فطرت پرستانا کی بیمار ذہنیت کے خلاف احتجاج کر رہا ہے جو کہ بنیاد مادہ پرستی ہے اور اُس کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ خدائے کائنات و قدرت کی موجودگی اور عبادت کی جوابدہی سے وابستہ عقیدہ وایمان ہی ایک مثبت منہ بولتا ثبوت ہے۔ حزب النوری میں مراقبہ گھنٹہ بھر اور کائناتی عبادت دونوں کے ہی معنی مزین ہیں اور میں نے بغور دیکھا کہ جانشانِ الکبیر' رسالۂ نور اور حزبُ النوری سب ہی روزِ روشنِ کائنات تمام ہیں۔ ان سے اندھیرے چھٹے' خوابِ غفلت اختتام کو پہنچے اور اُن سے ان جہالتوں اور گمراہیوں پر سے بھی پردے اٹھ گئے جن کی اوٹ میں عوام الناس پناہ ڈھونڈ رہی تھی۔

میرے مشاہدے میں آیا کہ وہ لوگ تو اس کائنات اور جاندارانِ کائنات کو ایک روئی کے گال سے زیادہ اہمیت ہی نہ دیتے تھے کہ بس استعمال کیا اور ایک طرف کھینچ کر رکھ دیا۔ وہ آگاہی وحدانیت خدائے برتر کا اتا پتہ اس کائنات ہی کے دبیز پردوں پیچھے ہی بتاتے ہیں جس کی اوٹ میں بھولے بھٹکے ہوئے لوگ عز قابِ قسمت ہو کر رہ گئے ہیں لیکن اُس کی ان کاوشوں نے واضح کر دیا کہ ازل تا ابد کائنات تو عکس ذاتِ الٰہی ہی ہے۔

راہِ موجود میں وجودِ باری تعالیٰ میں کچھ بھی حائل نہیں ہو سکتا۔ میں نے تو یہاں تک بھی دیکھا ہے کہ وجودِ خدائے موجود کی زیادہ سے زیادہ آگاہی کے لئے صوفیانہ ملک بدریوں پس پردگیوں اور صاحب طریقت وحقیقت کی حال پکار کے برعکس کائنات از خود بمثالِ کائنات ادراک

باری تعالیٰ پالیتی ہے اور مصلیٰ عبادت اور جائے عبادت بھی بمثال کائنات ہی باوسعت اور پائیدار ہوتی ہے۔

بمطابق تشریح اقتباس بالا برائے رسالۂ نور کرتے ہوئے جناب نورسی نے صوفی اِزم کو بھی مدنظر رکھا اور بوقت دریافت راہِ طریقت نو اس کے ایسکی شہر عدالت میں ملزم بھی ٹھہرایا گیا جبکہ اُس کے اس لائحہ عمل سے اُس کے بہت سے شاگرد مایوس بھی تھے۔ لیکن اُس کی ترجیحات نے اُن سب کے مابین فرق اور فاصلوں کو اچھی طرح واضح کر دیا۔ راہِ رسالۂ نور مراقبہ جات و مشاہدات متعلقات نظامِ قدرت پر استوار ہوتی ہے اور علم و ادراکِ خدائے کل کائنات تو صرف کتاب کائنات میں سے ہی اخذ ہو سکتا تھا۔

بمطابق جناب نورسی مدرسہ صوفیانہ تو سچائی وجودِ کائنات سے انکاری رہے یا پھر برعکس اس کے اسے کسی خاطر میں ہی نہ لائے اور اسی تناظر میں تخفیف تفکر و تفاخر ہی رہے اور ایسے وقائع اس لئے ہوئے کہ بطرف اُس بزرگ و برتر سفر صوفیانہ درونِ خانہ ہے یعنی بذریعہ صفات نہاں براستہ دل بطرف باری تعالیٰ مسافت تمام درونِ خانہ ہے۔ رسالۂ نور نباضِ دل و دماغ ہے اور متذکرہ بالا دنیائے مادی بربط سائنسی حقائق دونوں پر ہی عقل اور دلیل سے ہاتھ ڈالتا ہے۔

مبنی پر الحادیت اذہان جدید کو چھونے اور انہیں مائل بحق ضرورت قرآن کرنے سے بھی گریزاں ہرگز نہ ہے۔ جناب نورسی لکھتے ہیں کہ بمثل علمائے کرام اور مذہبی مفکرین رسالۂ نور کا کام صرف دلائل بازی ہی نہیں ہے بلکہ برعکس اُن کے اصلاحِ معاملات قلب نظر اور عناصر مادی و غیر مادی میں درپیش مکر و فریب میں معاون و مددگار ہے۔ اس کی پہنچ اور پرواز بہت ہی اونچی ہے بلکہ برخلاف مذہب اُن حملہ آور نظریاتی جڑھوں تک ہے جو کبھی کامیاب نہ ہو سکیں اور پھر اس کے نورِ ایمانی سے تو مدتوں سے بند آنکھیں بھی وا ہو جاتی ہیں۔

جناب نورسی بھانپ گیا تھا کہ تینتیس درجاتِ کرامت اعلیٰ وحدانیت و وجودیت اور حزب النوریہ پر مہر ثبت کر رہی ہیں اور ساتھ ساتھ دیگر انسانی صلاحیتوں کے بطورِ خاص دل انسان کو بھی ایک نورِ نہاں بخش رہی ہیں۔ اُس نے لکھا بھی کہ جب اُس نے از خود انہیں پڑھا تو اُس کی روحانی تصوراتی اور دل کی دنیا میں اس حد تک پھیلاؤ اور وسعت آ گئی کہ جب میں شہادت تا بڑبڑایا کہ کوئی خدا نہیں ہے ماسوائے ایک اللہ پاک کے تو اس حد تک آگاہی حق تعالیٰ ہو گئی کہ یہ زبان مجھے زبانِ کائنات لگنے لگی۔ گویا کرامت اعلیٰ روحِ انسانی پر نورِ ایمانی روزِ روشن کی طرح منعکس کر سکتی ہے۔

مذہب میں نئی روح پھونکنے والا:

عقائد اکیسویں صدی میں نئے سرے سے روح پھونکنے اور مستحکم کرنے کی کامیابیوں کے تناظر میں جب مذہبی الہامی حملوں کی زد میں اپنی نسبت خاص سے محروم ہو رہا تھا تو جناب نورسی اور رسالۂ نور خانۂ مذہب کے بہت سارے لوازمات میں ایک نئی روح پھونکنے کے لئے بحیثیت مجدد سامنے آئے جس کا کہ ہدایت نامہ اعلیٰ میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا اور پھر ہر صدی کے آغاز پر باری تعالیٰ نے ہر اُمت میں تجدید مذہب کے لئے کسی نہ کسی مجدد کو ضرور بھیجا اور اس کی تائید وحمایت میں تعدادِ شاگردان جناب نورسی کم نہ تھی۔ بعدازاں مستند علماء کرام نے اور مذہبی مفکرین بھی جناب نورسی کی حمایت اور رسالۂ نور کی منظوری مطالعہ میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ کو خاطر میں نہ لاتے جن میں سے تین اصحاب تو خاصے قابل قدر بھی رہے۔

پہلی شخصیت فتویٰ امام علی رضا آفندی دفتر فتویٰ کونسل کے اولین سربراہ اور نامور استنبولی مفکر کی تھی۔ بعداز مطالعہ کرامت اعلیٰ اُس کا یہ بیان ہی اُس کی وجہ شہرت بن گیا کہ بمعہ پچیس اقوالِ خاص رسالۂ نور معجزۂ قرآنی ہی ہے اور ان اوقات کار میں جناب نورسی ہی نے مذہب اسلام کو اپنی سب سے زیادہ خدمات پیش کی ہیں۔ اس کی جانکاری ہر گاہ صحیح العمل ہے اور اُس جتنی ذاتی قربانیاں بھی کوئی دوسرا پیش نہیں کر پایا ہے جو کہ دنیا تیاگ دینے سے ہی ممکن الحصول ہوتی ہیں۔ وہ سراپائے ایمانی ہے اور باری تعالیٰ اسے ہر نعمت اور کامیابی سے ہمکنار کرے۔

دوسری شخصیت حسن ساری کایا کی تھی جو کہ یلدیز میں قبل از معزدلی سلطان عبدالحمید دوئم کے محل میں ادائیگی نماز پر معمور تھے اور حافظ خوش الحان مستہری مشہور تھے۔ جناب نورسی کے نام سے وہ تب سے آگاہ تھے جب بعداز جمہوریہ مدرسوں کے گرداگرد دیواریں چن دی گئیں لیکن وہ سینکڑوں طلبۂ مذہب کو تعلیماتِ قرآنی دینے پر ثابت قدم رہے۔ اُس نے اپنے صاحبزادے کو بھی بتادیا کہ بدیع الزماں محض ایک ملاں مفکر ہی نہیں ہے بلکہ اس صدی کا مجددِ اسلام بھی ہے۔ ہر صدی کا اپنا ایک مجدد ہوتا ہے اور یہ بھی صدی ہذا کا مجدد اولیٰ ہی ہے۔

تیسری شخصیت کہرامان مارس سے مفتی حافظ علی آفندی کی تھی۔ 1950ء میں اُس نے مصطفیٰ رمضان نامی شاگرد جناب نورسی کو بتایا کہ ایسا کام تو دو صدیوں سے بھی نہیں ہو پایا ہے اور معلوم نہیں کہ مستقبل میں کوئی ایسی شخصیت دوبارہ سامنے آئے۔ لہٰذا اس شخصیت کو صدی ہذا کا مجدد

ماننے میں مجھے کوئی باک اور بار نہیں ہے۔ یہ بھی ضبط تحریر میں آتا ہے کہ اُس کے مشرقی آباء کی بجائے علاقہ جات اسپارٹا کی ایک سرکردہ شخصیت نقشبندی شیخ نے بوقت پیدائش ہی اُس کے مصلح اور مجدد بننے کی پیشن گوئی کر دی تھی۔ 77-1876ء کے قریب قریب اُس شیخ بسکالزی زیدی (Beskalzi Zadi) عثمان خالدی نے بوقت مرگ یہ یقین دہانی کرائی تھی کہ بارے تحفظ ایمانِ خدائے واحد ایک مجدد اٹھے گا اور امسال ہی پیدا ہوگا اور اُس نے مزید یہ بھی کہا کہ اُس کے چاروں بیٹوں میں سے کوئی ایک اسے دیکھنے اور مل پانے کی سعادت بھی پالے گا۔

اور پھر واقعی کوئی پچاس سال بعد جب جناب نورسی صوبہ اسپارٹا میں جلاوطن ہو آیا تو اُس کے سب سے چھوٹے صاحبزادے احمد آفندی کو اُس عظیم شخصیت سے مل پانے کی سعادت بھی ہوگئی۔ اسی مقام پر ہی جناب نورسی نے رسالۂ نور کا ایک بڑا کام نپٹایا اور پھر مقامِ ہذا ہی کو مرکز ترسیل بنایا۔

جبّہ مولانا خالد بغدادی:

قریب قریب 1940ء کا ستامونو جیل گورنر کی اہلیہ آسیہ خانم جناب نورسی کے لئے کوئی سو سال پُرانا ایک جُبّہ لے کر آئی، اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ کوئی تحفہ وغیرہ بالکل قبول نہیں کرتے' اُس نے محمد فیضی سے مشورہ کرتے ہوئے اُسے ایک امانت کے طور پر اُنہیں پیش کر دیا۔ جناب نورسی بھی گویا اُس کے لئے ذہنی طور پر تیار ہی تھے لہٰذا اُس نے اُسے ایک اپنی ہی چیز سمجھ کر قبول کرلیا۔ آسیہ خانم کو وہ جُبّہ اُس کے والد کی طرف سے ورثے میں ملا تھا اور اُس کے والد کو بھی وہ جبّہ آگے سے شیخ محمد ابن عبداللہ الخالدی المعروف کوچک عاشق سے ملا تھا۔

اُس کا تعلق آفیون کار حصار سے تھا اور اوائل عمری میں ہی اُس نے بحکم نقشبندی خالدی' بطرف مولانا خالدی بغدادی بفرض حصولِ علم راہِ بغداد اختیار کی تھی۔ بعد از حصولِ تعلیم وہ اپنے آقا کی ہی وساطت سے بطور خلیفہ اناطولیہ وہ جبّہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ کوچک بعد ازاں مصر چلے گئے اور وہیں اُن کا انتقال ہو گیا اُس کے لواحقین نے اُس جبّے کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔

یہاں تک کہ جنگِ آزادیٔ برخلاف حملہ یونان جب اُس خاندان کو اُن کے گھر میں ہی قید و بند کر دیا گیا تو سب سے زیادہ اُنہیں جس چیز کی حفاظت کرنا پڑی وہ متبرک چیز جُبّہ ہی تھا آسیہ

خانم کی شادی طاہر بے نامی ایک سرکاری عہدیدار سے ہوئی جس کا ستاموز تھا۔ وہیں بطور جیل گورنر تعیناتی پر آسیہ خانم کو جناب نورسی کے متعلق علم ہوا تو وہ سب سمجھ گئی کہ وہ جبّہ جو وہ بطور امانت کئی سالوں سے سنبھالے ہوئے تھی اس کا صحیح امانت دار اور حقدار مل گیا ہے سو اُس نے وہ جبّہ اُس کے حوالے بھی کر دیا۔

بعدازاں جناب نورسی نے اپنے ایک خط میں ذکر بھی کیا کہ بوقتِ تکمیل جب اُسے سند دی گئی تب بالحاظ عمر وہ کوئی پگڑی یا پہناوا وغیرہ پہننے کے قابل نہ تھا اور اب پچاس ساٹھ سال بعد کوئی سال بھر کے فرق اور فاصلے کے بعد مولانا خالدی نے اُسے اپنا متبرک جُبہ پہنا دیا۔ امام ربانی کے القاب سے پہچان رکھنے والے شیخ احمد سرہندی کے بعد صوفیائے نقشبندیوں میں سے مولانا خالد انتہائی بااثر شخصیت تھی۔ شخصیت ہذا سے جناب نورسی کی روحانی قربت کئی سیاق وسباق میں عیاں بھی ہوئی ہے۔

ہستی سرہندی جس نے کہ مجددِ دوسری صدی کہلایا کے کوئی سو سال بعد جنم لینے والی مولانا خالد نام کی ہستی نے بھی آنے والی صدی کا مجدد اور حاملِ روح نور کہلایا۔ جیسا کہ بحوالہ ہو چکا ہے، حاملِ عصر نو وہ جیل وجحت سلطنت مشرقی عثمانیہ میں بڑی مؤثر ثابت ہوئی۔ المختصر، سالمی حافظ نامی شاگرد جناب نورسی مولانا خالد اور جناب نورسی کے مابین چند متوازن اور افتراقی صفات وخصائل کا تذکرہ کرتا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس جبّے نے آپ اپنا اصل حق دار تلاش کر لیا تھا اور اُن دونوں ہستیوں میں سے ایک کے متعلق یوں بیان ہوا ہے۔

مولانا خالد کا 1780 - 1193ء میں جنم ہوا اور وہ 1811 - 1224ء کو دارالخلافہ ہندوستان، جہان آباد چلے گئے اور وہاں قاعدہ نقشی میں داخلہ لیتے ہوئے بطورِ خاص اُس کے نجات دہندہ کی جماعت المجددی میں بھی شامل ہو گئے۔ 1835ء کو اہالیانِ سیاست سے متاثر و محسور ہوتے ہوئے آخرِ کار بطرف دمشق ہجرت کر گئے۔ وہ Utman نامی تیسرے خلیفہ کی نسل میں سے تھے۔

وہ اِس قدر ذہین فطین تھے کہ صرف بیس برس کی عمر تک ہی اپنے وقت کے اولین مفکرین میں سے ایک ہو گئے تھے اور یہی حالات وواقعات جناب نورسی کی طرزِ حیات سے بھی بہت حد تک لگا کھاتے ہیں اور کسی بھی اتفاقی یا امدادی حادثے یا واقعے کے مرہونِ منت ہرگز نہیں ہیں۔ جناب نورسی نے 1880 - 1293ء کو جنم لیا اور 1911 - 1324 کو دارالخلافہ

سلطنتِ عثمانیہ استنبول پہنچا' پھر وہاں سے اُس نے راہِ اسلام کے لئے اپنے گھوڑے کسے اور 1925 - 1338ء کو انقرہ چلا گیا' وہاں اُس نے حساب لگایا کہ نئے سربراہان کے ساتھ تو وہ ہر گز نہ چل سکے گا۔

جہاں سے بے بنیاد اور نام نہاد سیاستدانوں کی کوڑھ مغیزلوں کے نتیجے میں اُسے جلا وطنی دیدی گئی' اور یہ بھی ایسے ہی تھا جیسے کہ صرف چودہ سال کی عمر میں اُس نے اپنی سند پاتے ہی تدریس و تبلیغ شروع کردی تھی۔ دونوں ہستیوں کے مابین فرق یہ سامنے آتا ہے کہ مولانا خالد کے حصے میں آنے والے لوگ قدرے ہدائیت والے تھے جبکہ جناب نورسی نے ازخود اپنے حصے میں آنے والوں کو نکھد قرار دیتے ہوئے اپنی ساری توجہ رسالۂ نور پر مرکوز کردی تھی۔

جبکہ' جب دونوں ہی حق وفاداری اور سنتِ رسالت مآب ادا کرتے ہیں تو مولانا خالد راہ صوفیانہ اور طرز طریقت پر چل نکلتا ہے تو حوادثِ زمانہ کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب نورسی بمطابق سائنسی حقائق اور علم حقیقت سچے اور سچے عقائد کی راہیں پکڑ لیتا ہے اور پھر' طرز صوفیانہ کی اہمیت تو ازخود ہی درجہ سوئم میں موہوم ہو کر رہ گئی ہے۔

ہدائیت جناب نورسی برائے شاگردین متعلقۂ رسالۂ نور:

اپنے خط میں اپنے شاگردین کے فرائض اور عملداریٔ رسالۂ نور کی تشریح کرتے ہوئے جناب نورسی متواتر زور دیتے ہیں کہ یہ چیزیں عقیدوں سے باہم ہیں' مختلف اور مخصوص حالات میں اُن کی پائیداری اور حفاظت کے لئے وہ انہیں نصیحت کرتا ہے کہ وہ اپنی ساری توجہ انہی سے متعلقہ موضوعات پر مرکوز رکھیں اور معاشرتی سیاسی اور دُنیاوی معاملات میں محو محض نہ ہوں۔ مالغ امر ہذا اثرات جنگ عظیم دوم بھی تھے' جس میں ترکی بوجۂ ناہمواری حالات اندرونی حصہ دار نہ بنا۔ تحفظ خلوص نیت اور سیاسی منافرت سے مذہب کے بچاؤ جیسی بہت سی وجوہات تھیں جو کہ حقیقی مقاصد کو درپیش مشکلات سے وجوہاتِ نجات تھیں۔

اُس وقت کے سیاسی حالات میں اُن ستمگروں کی قیادت میں جو جتھے کھلم کھلا مذہبی بنیادوں پر گامزن تھے اُن سے تو توقعات بھی کچھ ایسی ہی وابسطہ تھیں تاہم کچھ اہم ترین نکات کو زیر غور لاتے ہوئے جناب نورسی کا اہم ترین اصرار اپنے شاگردوں کو سیاست سے دور رکھنا اور اپنے عقیدے پر مرتکز رکھنا تھا جس کا کہ تجدید مذہب کرنے والے رسالۂ نور کی علم داری سے واسطہ تھا

اور جو کہ مستقبل بعید تک جناب نورسی کے ویژن میں ہی تھا۔ وقتِ آخر کی نبض پر ہاتھ رکھے لکھے گئے جناب نورسی کے خط سے یہ چیزیں سمجھی سمجھائی جاسکتی تھیں جو کہ اس کی پیش گوئیوں کے مطابق اُسی صدی میں ہونے والے ہولناک واقعاتِ جنگ ہی سے متعلقہ تھیں۔

اُس نے رسالہ نور کا مقام اور مقصد بھی اُسی تناظر میں طے کر رکھا تھا۔ متعلقہ امام مہدی کیے جانے والے سوالات کے جوابات سے بھی بطورِ خاص یہی عیاں ہوتا ہے جو کہ مطابق عوام الناس بھی وہی کچھ ظہور پذیر ہونے والا تھا۔ درج ذیل خط اسی چیز کی فصاحت ہے جو جناب نورسی کے بہت سارے شاگردوں کی طرف سے موضوع ہذا پر حوجا کو لکھے جانے کے جواب میں لکھا گیا۔

''ہمارے آقا فرماتے ہیں کہ اِس وقت عقیدہ' مذہب' معاشرت' شریعت' عوامی قوانین اور سیاستِ اسلامی سب کو ہی ایک قابل قدر قد و قامت کے حامل مجدّد کی ضرورت ہے۔ لیکن صداقتِ ایمانی کے لحاظ سے تجدیدی فرائض نہایت اہم مقدس اور عظیم تر ہیں۔ شرعی محور میں معاشرت اور سیاست دوسری تیسری بلکہ چوتھی پوزیشن پر ہیں۔ تجدیدِ مذہب میں زیادہ زورِ بیان لفظ ہدائیت کی معرفت تجدید صداقت ایمانی پر ہی ہے۔ لیکن کیونکہ عوامی نقطہ نظر میں اور پھر وہ کچھ جو کسی کی زندگی میں در آتا ہے جیسے اسلامی معاشرتی زندگی' سیاست اور مذہب وغیرہ جو کہ بظاہر ہر پہنچ سے باہر ہونے کی وجہ سے پرکشش اور غالب بھی ہوتا ہے اور' اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر لینے کو ہوتا ہے بطورِ خاص جب وہ اُسے اپنی ہی معنی خیز عینک سے دیکھتا ہے۔ اِس سے بھی بڑھ کر اِس وقت کسی ایک فرد یا گروہ سے ان تینوں فرائض کی مکمل بجا آوری ناممکن سی نظر آتی ہے' اور پھر اُن کے لئے جو کہ ایک دوسرے کی پاسداری کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

انہیں تو عین بروقت آخر بحیثیت مجموعی گروہ مہدی اکٹھا کر کے ہی لایا جاسکتا ہے جس سے کہ کسی نبی کی درخشاں خاندانی معاشرت کی عکاسی ہوتی ہو۔ رب قادر کے حضور بے حد و حساب شکر گزاری ہے کہ جس نے اس صدی میں رسالۂ نور اور اُس کے شاگردین کو صداقت ایمانی کے تحفظ اور تجدیدیت کے فرائض سونپے ہیں۔ مضبوطی عقیدہ و ایمان کو انتہائی بلند مقام پر فائز کرتے ہوئے جناب نورسی نے اپنے ایک دوسرے خط میں لکھا کہ حالات حاضرہ میں فوری طور پر کوئی بھی تبدیلی لانا ناممکن ہے' ہاں اب اگر مہدی نے آجانا ہوتا' تو وہ سوالِ بعنوان عقیدہ سلجھا اور سمجھا بھی لیتا۔ اس وقت جوش و جذبات کی لہریں اتنی بھری ہوئی ہیں کہ انہوں نے ہر چیز اپنے محور میں لے لی ہے۔ لہٰذا اگر واقعی صادق اور منتظر وہ لوگ جنہوں نے اگلی صدی میں آنا ہے انہیں تو اب آنا

چاہیئے اور میرا خیال ہے کہ وہ سیاست داری کو ترک کرتے ہوئے نہ صرف اپنا مقصد حیات بدل لیں گے بلکہ برخلاف اِس بہاؤ کے اپنا رُخ بھی تبدیل کرلیں گے۔

وہ یقیناً ایک ایسے بڑے بنیادی مواد پر ہاتھ ڈالتا جو دوسروں کا صوابدیدی نہ ہوتا تا کہ خدماتِ ایمانی رائج الوقت دعوؤں سے داغدار نہ ہو جائیں۔ وہ اسے دوسری قسم کی عوام الناس پر ظاہر بھی نہ ہونے دیتا جو بآسانی دھوکہ کھا جائیں جیسے کہ وہ دوسروں کی آلۂ کار بھی بنتی رہی تھی۔ یہ بھی اُسی تناظر میں بنی ہے کہ جناب نورسی نے عقیدے کی تجدید اور مضبوطی کے لئے رسالۂ نور کی ابتدائی عمل داری پایۂ تکمیل تک پہنچادی' یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ بذریعہ عمل ہذا وہ اپنے شاگردین کی راہنمائی کرتا ہے چند اہم نکات کی تشریح کرتے ہوئے بالحاظ خطوط اور تکمیلی نقطۂ نظر بذریعہ نصیحت متعلقہ اپنی خدمات جناب نورسی نے اپنے پیروکاروں کا ایک ذہن بنالیا تھا۔

اُس کی نصیحت کاری کی پہلی مثال سیاست سازی اور دنیاداری کو دفعہ دور کرنے کی' صورت میں سامنے آئی۔ دوسری مثال اُنہیں اُن کے بہت سے دشمنوں کی سازشوں سے بچنے کی احتیاطی تدابیر سے آگاہی اور خبرداری کی صورت میں سامنے آئی اور آخری مثال ان خطوط کی شکل میں تھی کہ وہ سب شاگردین رسالۂ نور کے ساتھ بے لوث اور اپنی خدمات میں انتہائی مخلص رہیں تا کہ ان کا مجموعی تشخص رسالۂ نور کی بے مثال عملداری کو بہرحال مشکلات سے نکال لے جانے میں عہدہ براہو سکے۔ باہمی تشخص کی ایسی آگاہی ہی رسالۂ نور اور اس کے شاگردین کا نشان امتیاز ہے اور ہمیشہ کی طرح اپنے ہی بے لوث اور مخلص مجموعی تشخص کو سامنے رکھتے ہوئے جناب نورسی نے بطور مثال اپنے آپ کو پیش کیا۔

سیاست سازی سے تنہائیت:

جناب نورسی نے دیکھ لیا تھا کہ جدید دور نے انسان کی روح پر قابض ہو کر اُسے اسی دنیا میں غرق کر دیا ہے اور یہ بھی اشارہ دے دیا ہے کہ بچاؤ بذریعہ تعلیمات رسالۂ نور ہی ہے۔ اس کا ایک پہلو تو وہ زندگی اور اس کی گذارن تھی۔ جناب نورسی نے لکھا کہ فضول ترین' غیر ضروری لوازمات اور لالچ نے باعث کشش بن کر گمراہ کن توجہ کو ایک ٹھہراؤ دے رکھا تھا تا کہ کوئی ایک چھوٹی سی دنیاوی خواہش بڑے سے بڑے مذہبی مواد پر سبقت لے جائے۔ قرآن کی رو سے تسکین اور تدارک کے لئے رسالۂ نور ہی اس قابل تھا کہ اس عجیب دور کی اس عجیب بیماری کو کوئی

دوا دارو دے سکے اور برخلاف اس کے ڈٹ جانے والے مخلص، مستقل، غیر متزلزل، وفادار اور جانثار شاگردین بھی انہی امراض کی دوائیں تھیں۔

اُس جدید دور نے لوگوں کو سیاسی حکمت عملی کی بناء پر نہ صرف شطرنجی کھیل جیسی پُر تجسس وباؤں میں مبتلا کر دیا بلکہ سیاسی بنیادوں پر معاشرتی اور طبقاتی تفریق جیسے نقصان دہ نتائج کے بھی حوالے کر دیا۔ تاہم فی الحال تو صداقتِ ایمانی ہی سب سے مقدم ہونی چاہیئے جبکہ باقی سب کچھ بعد میں ہوتا رہے گا اور بذریعہ رسالۂ نور ہی اُن کا تحفظ بنیادی فرض اور اہم مقصد ہونا چاہیئے۔ دنیاوی ریاست دنیاوی زندگی کو بڑے اونچے پیمانے پر ہوا دینے لگی ہے، بطورِ خاص جنگ عظیم دوم کے تناظر اور سانجھداری میں سب سے زیادہ معاشرتی اور سیاسی زندگی کو جو کہ تہذیب و تمدن میں گمراہی اور گناہ کی پاداش میں خدائی اعلان سزائے غضب ہے اور اس منحوس زمانے نے تو ایسی تباہ کن نفسانی خواہشوں کو نہ صرف درمیان دل تک بلکہ گو ہر صداقت ایمانی تک بھی سرائیت کر دیا ہے۔ جناب نورسی کا تواتر اور تسلسل تو لگتا ہی چلا جاتا ہے کہ دور حاضر نے تو ان چیزوں کو اس حد تک گاڑھ دیا ہے کہ مذہبی لوگوں میں بھی وجۂ نفاق بن گئی ہیں۔ مثال بعض مذہبی مفکرین مذہب دشمن منکرین کی شراکتی سوچ کی وجہ سے سیاسی اور معاشرتی پہلوؤں کی نسبت ایمان و عقائد کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں بطورِ خاص اُن صوفیانہ راہروں کے لئے عداوت پال پوس رہے ہوتے ہیں جو کہ ان کے سامنے سینہ سپر ہو جاتے ہیں اور پھر، اُس بارعب اور تباہ کن زمانے کا سامنا کرتے ہوئے بذاتِ خود جناب نورسی نے ہی اُسے انتہائی ہیچ قرار دے کر ٹھکرا دیا۔

اور اپنے شاگردین کو اس ظالمانہ شطرنجی کھیل کے قریب تک نہ پھٹکنے دیا کہ کہیں وہ اپنے مقدس فرض سے گمراہ ہو کر اپنے دل و دماغ بھی بدعنوان نہ کر بیٹھیں۔ اُن ڈھیروں خطوط میں سے ایک خط میں ایک ترجیحی توصیفی اور حوصلہ افزائی کی حامل عبارت بھی تھی۔ افضل ترین عقیدے کے حصول میں اختیار کردہ ایک نئے اور سیدھے انداز کی بذریعہ رسالۂ نور برکات و فضائل کی جناب نورسی نے مسلسل نشاندہی کی بلکہ اپنے شاگردین کے بھی اپنی ریاضتوں میں ثابت قدم رہنے پر زور دیا۔ کیونکہ تحریک جناب نورسی بمشکل تمام مستحکم ہی ہوئی تھی اور شاگردانِ جناب نورسی بھی حوجا اور مذہبی مفکرین کی معرفت ایک مقام لئے صوفیوں اور صاحبانِ طریقت کے روبرو آئے تو مذہبی رقابت اور عداوت بھری نظروں سے بھی دیکھے گئے۔

عین اسی تناظر میں بموجب مسلسل حال پکار جناب نورسی کو رسالہ نور کو ملنے والی غیبی امداد بھی دیکھ لی جانی چاہیئے تھی۔ ایسے موقعوں پر اس قسم کے عداوتی اشتعالی اور استحصالی ہتھکنڈے مذہب دشمن عناصر کے ہاتھوں ہی سر ہوتے ہیں۔ پھر بھی دوسرے فرقوں کے پیروکاروں سے برتاؤ بارے جناب نورسی اپنے پیروکاروں سے امن اور درگذر کا ہی متمنی رہا۔ بلکہ بیجا تنقید اور پھر مداخلت بیجا کے بدلے میں نیک نامی کے ساتھ مذہبی منافرت اور نفاق کا سبب بننے والی سیاسی تفرقہ بازیوں کے بھی حق میں نہ تھا۔ بالحاظ اتحاد و یگانگت مذہب سیسہ پلائی دیوار ثابت ہونا چاہیئے، خبردار، کسی دنیاوی بہاؤ یا پھر خصوصاً کسی سیاسی اور بیرونی بہاؤ اور نفاق کے بیج کو اپنے میں کاشت نہ ہونے دینا تمہیں الجھاؤ اور بے یقینی میں مبتلا کر دینے والے گمراہ کن گروہوں کو اپنے سامنے پنپنے کا موقع نہ دیں۔ بارے سیاست دوستی اور بارے سیاست دشمنی جیسے شیطانی کلمات پر بالکل کان نہ دھریں بلکہ خدائے واحد ہی کی خاطر دوستی اور دشمنی کا پیمانہ پکڑیں۔ جبر، نفرت، نفاق اور مجرمانہ سرگرمیوں میں سیاسی قسم کے شیطانی چیلوں کے مددگار نہ بنیں۔ جناب نورسی تو اکثر و بیشتر یہ اصرار ہی رہا کہ سیاست سے گریز ہی ہونا چاہیئے کیونکہ اس طرح سچ یقین اور قرآن تک بے معنی مصرف بنائے جاسکتے ہیں۔

اسلام اور انسانیت کے زمرے میں شریعت عقیدہ اور انسانی زندگی ہی اہم ترین مووادات ہیں، (لیکن) سچ اور عقیدہ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، رسالہ نور کے وفادار اور منتخب کردہ شاگردین سیاست سے گریزاں رہیں تاکہ وہ کسی ناموافق بہاؤ میں نہ بہہ جائیں اور نہ ہی کسی طاقت کے آلۂ کار بن جائیں اور نہ قرآنی سچائیوں جیسے علمی ہیرے کسی شعبدے میں لے لئے جائیں اور نہ ہی یہ اُن کے ہاتھ لگیں جو دنیاوی منڈیوں میں کاروبار استحصال مذہبی کرتے ہیں، بس یہ بچیں تاکہ اپنی لکھائی پڑھائی پر تحفظ عقیدہ و ایمان جیسے عظیم فرائض سے عہدہ براہو سکیں۔

جنگ عظیم دوم کے ماحول میں طرفدارانہ احساسات کی اٹھان پر جناب نورسی نے لکھا کہ اُن کے شاگردین کو ان علامتوں سے لاتعلق ہی رہنا چاہئے کیونکہ جیسے بے یقینی، بے یقینی ہی ہے ظلم بھی ظلم ہی ہے۔ اس حالت دست بدستی میں ظلم اور جبر کے مردہ دار ماحول نے تو جنت رلا دی ہے بلکہ اس سے تو خوف دہشت اور بربریت کی ایک مثال قائم ہوگئی ہے۔ اور پھر صداقتِ قرآن کی روشنی میں ان ستمگروں کی ستم زدگیوں اور حالات وحادثات کو دیکھنا عوام الناس کے بھی بس کی بات نہ تھی۔

دوران سال جنگ میدان معیشت میں ترکی کو بڑی بدحالی دیکھنی پڑی جو کہ بنیادی ضرورتوں کی قلت پر شدید ترین مشکل میں تھی تو ۱۹۳۰ء سے ہی زیادہ تر تنزل تو اس نام نہاد جمہوری جتھے کے سیمنٹ کی طرح اسلام کے نام پر سوسائیٹی کو چمٹے رہنے کی وجہ سے اخلاقیات میں تھا' اُن انحطاطی حالات کی جھلک جناب نورسی کے بہت سے خطوط میں ملتی ہے۔ مالی مشکلات کا سر اٹھا تو حکام بالا کے استحصالی ہتھکنڈے تھے' ایک طرف تو وہ غریب طبقے خصوصاً شاگردین جناب نورسی کی گزران بسر تنگ کرتے ہوئے انہیں مذہب سے دور دھکیل رہے تھے اور دوسری طرف انہی شاگردین کے اتفاق میں نفاق کے بیج بو رہے تھے۔ لہٰذا وہ انہیں متواتر چوکس اور چوکنا کرتا رہا کہ کہیں وہ ان نامساعد حالات کے آگے حوصلے ہار کر اپنی تنظیم نہ تباہ کر بیٹھیں۔ علی ہذا القیاس اُن حالات میں اُن سے وہ اصول کفائیت شعاری اور اظہار اطمینان قلبی ہی کا متقاضی رہا۔

اپنے شاگردین میں اخلاقی تنزلی کے زمرے میں اور دور رواں کی تباہی اور بربادی پر اختیار کردہ لائحہ عمل میں جناب نورسی نے انہیں خوف خدا اور تصور قرآنی کو گلے لگا لینے کی تلقین کی۔ اپنے ایک نہایت ہی اہم خط میں اس نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہوئے فرمایا کہ احسن اعمال کی تکمیل پرہیز گاری اور ہدایت مذہبی پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان آزمائشی حالات میں چند ایک اچھے کام بھی بہت زیادہ لگنے لگے' انہوں نے فرمایا کہ گناہ شدید کے مرتکب نہ ہونے والے افراد عہدہ داری' عہد و پیماں سے ہی بچ رہتے ہیں اور رسالۂ نور اُن خرافات کے خلاف بحیثیت معمار تھا۔

آلۂ قرآنی کے کس بل ڈھیلے پڑتے ہی بمعہ اخلاقی تنزلی اور انحطاط کے ایک لامذہبیت اور طوائف الملوکیت کا اندھیرا چھا گیا۔ ان حالات میں شاگردین جناب نورسی کا چھوٹا سا صالح عمل بھی بہت بڑے نتائج دینے لگا۔ جناب نورسی نے اپنے اس خط کا نچوڑ یوں کیا کہ ان کی قوت عظیم ان کے ایک دوسرے پر تقویٰ پر منحصر ہے۔ اس خوف و ہراس یافتہ ماحول میں بعد از اخلاص ہمارا سر چشمۂ طاقت اصول علم و عمل آخرت میں مضمر ہے۔ ہمیں اپنے زبان و قلم سے دوسروں کی نیکوکاری کتابوں میں اچھے اعمال کا اندراج کرانا ہے بلکہ دوسروں کے تقوؤں کے تعمیری قلعوں کے لئے علمی امداد اور عملی کمک بھی بھیجنی ہے۔

اجتماعی تشخص و اخلاصِ شاگردین رسالۂ نور:

بمطابق خط درج بالا بغور وخوضِ جناب نورسی ان کی عظیم تر طاقت ان کی لگن اور ایثار میں تھی۔ ایک دوسرے خط میں بھی انہوں نے راہ رسالۂ نور کا بنیادی راز ایثار و اخلاص میں قرار دیا

تھا۔ دورانِ رہائش بارلا واسپارٹا اپنے بیسویں اور اکیسویں مقالے میں اس نے اسی اصول کی تشریحات کیں جبکہ خطوط کا ستار مونو میں اٹھائے گئے نکات محض یاددہانیاں تھیں۔ حصول ایثار و اخلاص فوری طور پر اس لئے ضروری تھا تاکہ وہ کوئی عملی اقدام اٹھا سکیں' اور ایسا کرنا یوں بھی ضروری تھا کہ مختلف راستوں اور طریقوں سے آنے والے پیروکاروں کے درمیان نفاق ڈال کر دشمن کوئی فائدہ نہ لے جائے۔ چونکہ ہمارے راستے اور منزلیں سچ ایمان اور اخلاص سے لبریز ہیں' ہم اپنے مقصد کی رو سے دنیاوی اور معاشرتی زندگیوں میں محو نہ ہونے پر مجبور ہیں اور ان مجالس سے بچنا ہے جو حسد رقابت اور جھگڑوں کی مدرس ہوں۔

ہزار ہا بار مقام افسوس ہے کہ جب رعایا پر غنڈے بدمعاش حملے کریں اور بمعہ مذہبی لوگ مذہبی مفکرین بھی اسے ایک مچھر کاٹے برابر سمجھ کر درگزر کر لیں بلکہ اُن کافروں' منافقوں اور بدمعاشوں کی کارروائیوں میں معاون ہو کر اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو ختم کر لیں۔ ملحدوں کی ملحدیت میں بوقت تصادم ایثار و خلوص ہی رسالۂ نور کی کامیابی ہے۔ بہت سے خوف و خطرات کے خلاف رسالۂ نور کی فاتحانہ مزاحمت کاری میں ایثار و خلوص ہی رسالۂ نور کی کامیابی ہے۔ بہت سے خوف و خطرات کے خلاف رسالۂ نور کی فاتحانہ مزاحمت کاری میں ایثار و اخلاص کی کوکھ سے جنم لینے والے منکرین ملحدتیت تھے' وہ نہ تو کسی ایرے غیرے کے آلہ کار بننے نہ ہی خدمات عقیدہ و ایمان ان کا کوئی مقصد حیات تھا بلکہ اُن کا تو منتہائے مقصود ہی ابدی اور دائمی خوشیاں تھیں۔

وہ کسی ذاتی جاہ و جلال اور کارہائے نمایاں کے بھی کھاتے دار نہ تھے' بجائے اُن اہل طریقت کے جو پیغمبرانہ وراثتی راز و نیاز کی قرابت داریوں پر نازاں اور اتراتے ہیں۔ یہ تو صرف اپنے عقیدہ و ایمان کی روشن اشاعت کے ذریعے عقیدت مندوں کو احساس تحفظ دے رہتے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے فرائض منصبی میں کہیں مداخلت بیجا بھی نہیں کیا کرتے ....انسان کامل برضا و رغبت خداوندی دوسرے انسانوں کو انعام و اکرام الٰہی کی خوشخبری دیتے ہیں۔ وہ پورے خضوع و خشوع سے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ خدمت انسانی ہی ہمارا فرضِ اولین ہے اور بس یہی کافی و شافی ہے حقیقی شاگردان رسالۂ نور خدمت ایمانی ہی کو ہر چیز پہ فوقیت دیتے ہیں کیا اُن کا قطبین برابر مقام روحانی ہونا چاہیئے۔ لیکن ہر ایثار و اخلاص سے بالاتر' وہ خدمت انسانی ہی کو شرف قبولیت دیتے ہیں۔

بمطابق فی زمانہ اپنے مجموعی تشخص کو جدید کردار سازی کے سانچے میں ڈھالنے کی غرض سے شاگردینِ رسالہ نور کو اپنی انا کا گلا گھونٹ دینا پڑا یہ ''میں'' کو ناہم میں بدلنے اور ڈھالنے کا مرحلہ تھا انا پرستی پہ لات مارنا بھی یہی کچھ تھا اور کام کرنا تھا تو صرف اور صرف رسالۂ نور کے مجموعی تشخص کے لئے راہ حق پر چلنے والے اہل حقیقت کے لئے وقت حاضرہ ذاتی تشخص اور انا پرستی کے لئے نہیں ہے' بلکہ معاشرتی منزل کے لئے ہے۔ایک مجموعی تشخص معاشرتی تسلط سے آزادی پا رہا ہے، ہوسکتا ہے سر بلندیٔ خاطر بھی ہو۔ ایک بڑے پیمانہِ کارکردگی کے لئے انا اور شخصیت کے برفانی تودوں کو پگھل کر ایک بڑے تالاب کی حیثیت اختیار کرنی ہے۔ جبکہ ماضی اور پھر ذاتی تشخص کے ادوار میں عبدالقادر جیلانی' امام غزالی اور شیخ احمد سرہندی جیسی بلند قامت شخصیات کو احکاماتِ خداوندی کے مطابق مسلم معاشرے کی اصلاح کاری کے لئے بھیجا گیا۔ جدید دور کی بھی بے حد وحساب قسم کی مشکلات اور حالات پر ہاتھ ڈالنے کے لئے بھی کسی ایسے ہی حامل تشخص مجموعی کی ضرورت اشد ہے۔

کاستامونو میں حیات جناب نورسی کی جھلکیاں:

ماحولیاتی تناؤ اور عداوت کے توازن میں حکام نے جناب نورسی کو اپنے ہاتھوں کے حصار میں لے لیا' لیکن اس قصبے کے باسیوں کی طرف سے اُسے تب بھی پورا پروٹوکول ملا اور بمطابق اجازت حکام ایک کثیر تعداد اُسے ملنے جاتی رہی۔ تحسین آیدین سے ہمیں معلوم ہوا کہ ان ملاقاتیوں میں قصباتی کونسل کا چیئرمین بھی شامل تھا اُسی شاگرد نے ہی ایک موقع پر ہمیں یہ بھی بتایا کہ جنگ آزادی کے ایک ہیرو کی طرف سے شاگردین کو بھیجی جانے والے رقم تک بھی لینے سے جناب نورسی نے انکار کر دیا تھا حالانکہ کاستامونو میں اس کے حالات تو یہاں تک بگڑ گئے تھے کہ کرائے کی ادائیگی کے لئے اُسے اپنا لحاف بیچنا پڑ گیا لیکن ایسے مشکل حالات میں اُس نے کسی سے بھی کوئی امداد نہ لینے کا اپنا بنیادی اصول بالکل نہ توڑا۔

مشکلات میں بھی جناب نورسی ہمہ یاراں ہوتا اور وہاں ایسے لوگ بھی ہوتے جو شرابیں پیتے اور اُنہی قوانین کو توڑنے کے درپے ہوتے جن کی وہ حفاظت پر تھا۔ بمثال وہاں کہیں ہنگامی حالات کے پیش نظر اناطولیہ سے نکالا گیا ایک خاندان تھا اُس میں سے ایک تیرہ سالہ لڑکا جناب نورسی کے لئے پیغام رسانی کیا کرتا تھا کیونکہ وہ بچہ تھا اس لئے اُسے ادھر آنے جانے میں کوئی

روک ٹوک نہ تھی اور جناب نورسی کی وہ خط پہنچائی مہم بھی اپنی عمر کے لحاظ سے خاصی جان افروز تھی حتیٰ کہ جناب نورسی کی اقامت گاہ کے عین سامنے پولیس اسٹیشنوں اور دوسرے مشکوک راستوں سے بھی بچتے بچاتے اپنے لئے منتظر کھڑے لوگوں تک پہنچ پڑتا۔ وہ واضح کرتا ہے کہ جناب نورسی کی ہی سفارش پر اس کے خاندان کو ایک ایسے مکان میں منتقل ہونے کی اجازت ملی جہاں جناب نورسی بذات خود قیام کر چکا تھا لیکن انتہائی تنہائیت زدگی میں وہ قابل رہائش نہیں تھا چونکہ تھا بالکل خالی لٰہذا وہ وہاں بغیر کسی کرائے وغیرہ کے نو سال تک رہے۔

جناب نورسی بھی مختلف انداز میں اس خاندان کے لئے مددگار ثابت ہوا یعنی ایک موقع پر ایک سلیمان نامی ریٹائرڈ پولیس سپرینٹنڈنٹ ہمسائے نے اُن کے خلاف ایک شکایت کر دی اور اس شہر میں مکمل اجنبی ہونے کی وجہ سے وہ لوگ تو انتہائی پریشان ہو کر رہ گئے۔ وہ لڑکا نادر' فوری جناب نورسی کے پاس وہ شکایت لے کر دوڑا گیا اور اس نے بہت جلد وہ مسئلہ حل کر دیا۔

رسالہ نور مستحکم ہو ہی جاتا ہے:

انہی سالوں میں رسالہ نور ترک معاشرے کی جڑھوں تک سرائیت کر گیا تو جناب نورسی نے لکھا کہ اب اسے یقیناً اور تسلسل سے مستقبل تک لے جایا جائے۔ کاستامونو میں سکول جانے والے طالب علموں میں اس کی پڑھائی کا ذوق شوق اور کاستامونو کے ساتھ ساتھ اسپارٹا کے علاقے میں بچوں اور عورتوں میں جوش وخروش پا کر وہ زیادہ پر یقین ہوا۔ بچوں' بوڑھوں اور عورتوں کی طرف سے رسالہ نور کی ایک بڑی تعداد کے لکھے جانے پر اپنی انتہائی خوشیوں کو اس نے اپنے بہت سے خطوط میں ظاہر بھی کیا۔ ایک خط میں وہ لکھتے بھی ہیں میرے پیارے اور جانثار بھائیو!

معصوم اور نوجوان طالب علموں کے ہاتھوں لکھی گئی پچاس ساٹھ نقول ہمیں بھیجی جا چکی ہیں اور ہم نے انہیں تین جلدوں میں جمع کیا ہے ہم نے اُن میں سے چند ایک کے نام ضابطے میں لے لئے ہیں مثلاً عمر' پندرہ سال' بکر نو سالہ' جرسیئون گیارہ سالہ ان کا انہاک اور کوششیں ثابت کرتی ہیں کہ رسالہ نور تو انہیں ایک بڑی روحانی خوشی تفریح اور لگن فراہم کرتا ہے .... اُن بہت سارے بہلاوں اور محرکات کے جن کی آڑ میں وہ اپنے بچوں کو نئے سکولوں میں بھیجنے کی کوشش کرتے ہیں اس سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ نور جڑیں پکڑ رہا ہے۔ یہ مرضی برحق ہے کہ اس کا کوئی بھی کچھ نہیں بگاڑ پائے گا اور یہ مسلسل اور متواتر آنے والی نسلوں کے

بال و پر سنوارتا رہے گا۔ چونکہ اس سے حکام کی کارکردگی عیاں ہوتی ہے لہٰذا اپنی کم تر طبقاتی پوزیشن کے باوجود اپنا کام کر گئیں۔

جب میں وہاں پہنچ پڑا تو استاد صاحب مجھے دروازے پر ہی مل گئے۔ میری شکایت کا موقع محل سمجھ لینے پر مجھ سے کہا میں جان گیا تھا کہ تم پریشان تھے۔ ہیڈ کوارٹر مین احسان آفندی کے پاس جاؤ اور اُسے بتا کے آؤ میں اس کے پاس گیا اُسے بتایا اور اُس نے مجھے کہا کہ فوراً اور بخوشی جاسکتے ہو۔ وہاں سے فوری واپسی پر استاد نے کہا کہ جاؤ اور سلیمان سے کہو کہ ان لوگوں کو پریشان نہ کرے۔ لہٰذا احسان آفندی نے سلیمان کے پاس جا کر ساری بات دوہرا دی۔ وہاں سے وہ ہمارے پاس آیا اور ہمیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آرام فرمائیں کوئی بھی آپ کو تنگ نہیں کرے گا آپ کو اگر کوئی تکلیف ہے تو میں یہیں ہوں لہٰذا اس طرح سے وہ مسئلہ تمام ہوا۔

کاستامونو میں زبان زدِ عام کہانی یہ تھی کہ جناب نورسی نے آر چلیبو ڈیلیو مرمیون کو کس طرح تحفظ فراہم کیا۔ ڈیلیو مرومئیون کوئی بھلا انسان ہرگز نہ رہا تھا بلکہ ضلعی سطح پر راہزنوں اور بدمعاشوں میں سے بدنام ترین تھا۔ جواء اور شراب اُس کے معمول کے مشاغل تھے حتیٰ کہ کئی لوگوں کو قتل بھی کر چکا تھا۔ ایک دن پو پھٹے سے پہلے ہی ذرا اندھیرے میں جے چیوامین جناب نورسی کے ہاں اُس کی انگیٹھی گرم کرنے کے لئے گیا اور دروازہ کھولنے ہی لگا تھا کہ زینے پر ہی کسی کو گرتے پڑتے پایا وہ اس کے ذرا قریب اور ہم قدم ہوا تو دیکھا کہ وہ آر چلیبو ڈیلیو مرومئیون تھا تو اُس نے اُس سے کہا کہ اُسے وہاں کیا چاہیے ہے؟ تم نے پھر سے پی ہوئی ہے اور جانتے ہو کہ کس کی دہلیز پہ کھڑے ہو اور ڈیلیو مرویون بھی جانتا تھا کہ وہ کہاں کھڑا تھا۔ اُس نے اپنا مافی الضمیر بیان کرنا شروع کر دیا۔ مجھے پچھتاوے کا احساس ہو گیا ہے میرے لئے دُعا کریں اور مجھے اپنی شاگردی میں لے لیں۔ جے چرایوامین نے اوپر جا کر جناب نورسی کو بتایا اور جناب نورسی نے اُسے دھتکارا تک نہ بلکہ یہ کہتے ہوئے کہ آؤ میرے بھائی آؤ' شرابی راہزن کو قبول کر لیا اور اُس دِن سے ہی آر چلیبو ڈیلیو مرویون کو شراب نوشی راہزنیوں اور دیگر جرائم سے بھی بچا لیا گیا پھر اُس نے پر یقین ہو کر اپنے اصل نام کے ساتھ زندگی گزاری اور بہت سی ایسی مثالوں میں سے یہ ایک مثال تھی۔

اُسی خط میں اُس نے لکھا کہ اَن پڑھ بوڑھوں کے ہاتھوں لکھی ہوئی چالیس یا پچاس نقول بھی انہوں نے ایڈٹ کر لی ہیں جنہوں نے کہ لکھنے کے لئے سیکھا ہی پچاس سے اوپر جا کر تھا اور پھر اُن میں کاشت کار' کسان' چرواہے اور خانہ بدوش تک شامل تھے۔ جنہوں نے کہ رسالہ نور

کی کارگزاری کے لئے اپنی تمام تر دوسری سرگرمیاں ایک طرف رکھ دیں تھیں۔اس کی وضاحت کرتے چلتے ہوئے اس نے لکھا کہ ان نقول کی درستگی میں مشکلات یہ تھیں کہ ان کو کسی نہ کسی شکل میں لانے کے لئے انہیں بڑی ہی آہستگی سے اور احتیاط سے پڑھنا پڑتا تھا اور رسالہ نور کے اسباق کی سماعت میں جو خوشی مل رہی تھی وہ ان معصوم اور مخلص زبانوں کی ادائیگی تھی۔

ایک دوسرے میں جس سے کہ شاگردین جناب نورسی کو شفقت اور فراست سے حوصلہ مندی ملی اُس میں جناب نورسی نے ذکر کیا تھا کہ انہوں نے ان نقول کی سات جلدیں تیار کی ہیں' جو کہ بچوں کے لکھے ہوئے تحریری تراشوں پر مشتمل تھیں اور توفیق بھرے خطوط پر دلالت کرتی ہوئی روشن مثالیں تھیں۔اس نے لکھا کہ رسالہ نور کے ساتھ خواتین بھی گہری قرابت داری رکھتی تھیں اور اُسے ان سے دیرپا اور جوش وخروش بھری توقعات تھیں۔اس نے لکھا کیونکہ درحقیقت رسالہ نور کا بنیادی رُخ اور راستہ دردمندی ہے اور خواتین دردمندی کی کانیں ہوتی ہیں۔لہٰذا مجھے بڑی قومی امیدیں ہیں کہ رسالہ نور حلقہٗ خواتین میں خوب سمجھا سوچا جائے گا۔اور رب جلیل کی بھی شکر گزاری ہے کہ یہاں وہاں خواتین مردوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر اپنے کام میں سرخرو ہیں یہ دونوں مقاصد اور منشور ہی نہایت نیک شگون ہیں کہ مستقبل میں رسالہٗ نوران دردمندی کی کانوں میں بہت ساری فتح مندی پالے گا۔اگرچہ یہ بھی دوران دارالحکمۃ الاسلامیہ ہی تھا جب جناب نورسی نے خواتین کے لباس اسلامی پر ایک دانش مندانہ مقالا لکھا اور دورانِ قیام بالا جسے چوبیسویں الہامی تحریر کا نام دیا اور یہ صرف انہی سالوں میں ہی ہوا کہ اتفاق رائے سے تعلیمات رسالہٗ نور کی تدریس کے سلسلے میں خواتین کو موقع بہ موقع آنے دیا گیا۔راہنمائے خواتین کے نام سے چند تراشوں کی تالیف بھی اُسی دوران ہوئی اور اُن آنے والی خواتین کے لئے وہ تراشے اُس کے پیغام کو شاید بہت ہی بنیادی شکل میں پیش آتے۔جناب نورسی کا واسطہ اُن نوجوانوں سے بھی تھا جو کہ غضب کی حد تک پھیلائے جانے والے مادی نظریات کی لپیٹ میں آنے کے لئے بہت ہی موثر اور موزوں تھے۔۱۹۴۰ء یا ۱۹۴۱ء میں کچھ سکول کے لڑکوں نے جناب نورسی سے ملاقاتیں شروع کیں ان میں سے عبداللہ یگن نامی لڑکا رسالہٗ نور اور جناب نورسی کا بڑا ہی فدائی شاگرد تھا بلکہ آگے مستقبل میں جا کر تو وہ ایک ہونہار فدائی ثابت ہوا۔اُن سے پوچھے گئے سوالات کے چند جوابات تو رسالہٗ نور کے مختلف حصوں کے بنیادی نکات ثابت ہوئے اور راہنمائے نوجوانانِ کی اشاعت میں حتمی تراشوں کی فراہمی پر جناب نورسی اُن سب کا مشکور تھا۔

اور یہ سہرہ بھی انہی کے سر ہے کہ جناب نورسی نے پہلی دفعہ رسالہ نور کو لاطینی حروف ابجد میں تحریر ہونے کی اجازت دی تھی۔ تبھی تو وہ جلد از جلد نوجوان نسل کی پہنچ میں پہنچا۔ سکول جانے والے کچھ نوجوان لڑکوں کے جناب نورسی کے بارے میں تاثرات کچھ یوں ہیں۔

''کاستامونو ہائی سکول میں ۱۹۴۰۔۱۹۴۱ء کو میں مڈل حصے کی دوسری جماعت میں تھا۔ استاد محترم کی قابل عزت شخصیت کے ساتھ چند اور معززین نے ہمارا دورہ کیا اور اُسی گرامی قدر شخصیت کی تعریفیں کیں لہٰذا میرے اندر سے بھی اُس کے قریب جانے اور اس سے ملنے کی اُمنگ جاگی۔ جو کچھ میں نے اُس کے متعلق سن رکھا تھا وہ یہ تھا کہ وہ ایک نہایت ہی اہم شخص ہے اور نہ تو وہ کسی قسم کا کوئی تحفہ قبول کرتا ہے اور نہ ہی ہر کسی کو شرف قبولیت دیتا ہے۔ ایک دن دوسرے وقفہ میں اپنے بینچ کے ساتھی رفعت سے موضوع ہذا پر کچھ نہ کچھ بولا اور جب یہ کہا کہ یہاں کہیں ایک مشہور و معروف اور ملنے کے لائق شخصیت .... ہے تو اس نے جواباً کہا کہ ہاں میں اُسے جانتا ہوں اور اُس کا مکان ہمارے بالمقابل ہی تو ہے۔ وہ تو بڑا اچھا انسان ہے ہم اکٹھے چلیں گے اُس کے پاس اور میں تو کبھی کبھی اُس کے ہاں ہو آتا ہوں۔

ہم ایک مناسب اور موزوں وقت پر وہاں گئے دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ کھل گیا ہم سیڑھیاں چڑھ کر اوپر گئے اور دائیں ہاتھ اُس کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ رفعت کے بعد میں نے بھی اُن کے ہاتھ چومے اور پھر بیٹھ گئے۔ وہ اپنے بستر پر ہی گھٹنوں کے بل لحاف اوڑھے آگے کو جھکے بیٹھے تھے۔ وہ ایک کتاب پکڑے ہوئے تھے اور اُن کے بال کانوں تک نیچے آئے ہوئے تھے۔ اپنی عمدہ سی عینک کے اوپر سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے ہمیں کہا ''خوش آمدید'' اُس نے میرے دوست سے میرے بارے میں پوچھا اور اُس نے ہم سکول کے طور پر تعارف کروا دیا۔ اُس نے میرا نام بھی پوچھا اور واقعی مشفق تھے۔ اُس نے ہم سے بارے اسلام' حسن عقیدہ' خدائے واحد' حیات و موت اور آخرت گفتگو فرمائی۔ اس طرح ہم وہاں تھوڑی دیر بیٹھے رہے اور پھر چلے آئے۔ پھر سے ایک دن جب میں انہیں ملنے گیا تو استاد صاحب مجھ سے بڑی ہی شرافت اور بردباری سے پیش آئے۔ ان کی وہ شرافت اور آگاہی میرے لئے وجہ' حیرت تھی کیونکہ وہ ہمیشہ ہماری ذہنی سطح تک آ کر ہم سے ہمارے ہی علم پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک دن میں نے مہمت فیضی آفندی سے دریافت بھی کیا کہ کیا وہ عربی بھی جانتے ہیں تو فیضی آفندی نے ایک دم قہقہہ لگایا۔

ہم سب میں اُن استاد صاحب کی دلچسپی' شفقت' شرافت اور بردباری نے ہمیں اُن کا

گرویدہ کر دیا۔ وقتاً فوقتاً میں دوسرے دوستوں کو بھی وہاں لے جانے لگا اور وہ ہمیشہ ہی ہمیں ہمارے سوالات کے شاندار جوابات دیتے۔ اُن استاد محترم ہی کی صحبت میں میں نے سکول کے اساتذہ سے متعلقہ مذہب منفی خیالات کے اثرات زائل کیے۔ ایک دوسری صحبت میں میں نے انہیں کہا کہ ہمارے اساتذہ بارے خدائے پروردگار بالکل زبان نہیں کھولتے ہیں تو استاد صاحب نے موضوع ہذا پر بھی ایک طویل وضاحت پیش کی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے سوالات کے جوابات وہ لکھتے بھی تھے۔ جب ہمیں وہاں کی صحبت ملتی تھی تو محمد فیضی یا مرد کجرد علامات اعلیٰ اور مختصر مقالاجات کی ورق گردانی کرنے لگ جاتا بلکہ پھر ہم نئے خطوط کے طور پر انہیں اپنی کاپیوں میں لکھ لیتے تھے۔

ایک دن سکول میں جغرافیے کے پریڈ سبق کے دوران استاد نے کلاس سے پوچھا کہ انقلابی اور فسادی حوجا بدیع الزماں سے کون کون مل چکا ہے تو چھ لڑکوں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ ہم سے پوچھا گیا کہ ہم وہاں کیوں گے تھے اور کہا گیا کہ وہ اُستاد صاحب تو اصلاحات کے دشمن اور اتاترک سے بھی نفرت کرتے ہیں اور پھر ہمیں انتظامی کونسل کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ ہم سے بہت سارے سوالات پوچھے گئے اور پھر بالآخر مجھے اور ساوٴت نامی لڑکے کو چھ ہفتوں کے لئے سکول سے روک دیا گیا جبکہ باقیوں کو خبردار کر دیا گیا۔

اپنے دیئے گئے بیان میں ہم نے کہا کہ ہم وہاں جا کر بارے اپنے مذہب سیکھنا چاہتے تھے ہم نے کہا کہ بطور مذہبت ہم عباداتی عمل کو پسند کرتے تھے جبکہ وہاں کسی نے بھی کسی کے خلاف کچھ نہیں کیا۔ چند دن بعد پولیس نے ہمارے مکان پر چھاپہ مارا اور سب صاف کر دیا۔ میرا وہ بیان بھی پولیس کے ہاتھ لگ گیا مگر میں نے وہاں اُس کی وضاحت پیش کی جو کچھ کہ میرے ساتھ اور سامنے ہوا تھا۔ سرکاری وکیل نے مجھ سے پوچھا کہ یہاں کوئی مفتی بمعہ بہت سارے حوجے بھی ہیں تمہاری اُن سے ملاقاتیں کیوں ہیں؟ پر میں نے کہا کہ میں کسی بھی مفتی کو نہیں جانتا ہوں۔

اُن استادِ محترم سے ملاقاتوں کی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی سے بھی کسی قسم کا تحفہ قبول نہ کرتے تھے میں نے دیکھا کہ وہ حقیقتاً اور صداقتاً غریبانہ روش پر زندگی گزار رہے تھے اور اُن کے ایک کمرے میں تو ایک دری اور ایک موٹا سا کمبل تھا جبکہ دوسرا کمرہ بالکل خالی پڑا ہوا تھا اگر شہر کے کھاتے پیتے لوگ اُس کے لئے کچھ لے کر حاضر ہوتے تو وہ انہیں کمال شفقت سے مسترد کر دیتا کیونکہ وہ کسی کو ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ نہ کچھ ادا کئے بغیر ہرگز نہ تو کوئی چیز لیتا اور نہ ہی

کھا تا تھا۔ وہ اپنے لکھے گئے کے عین مطابق اور حقیقی طور پر زندہ تھا۔ وہ گفتگو کرتا تھا تو صرف اور صرف بعنوانِ رسالہ نور اور رہا اُس کا طرزِ زندگی تو بمطابق عین اُس کی تعلیمات اپنی تھا۔

عبداللہ یگن نے حیات جناب نورسی کو ایک دوسرے زاویہ کردار سے لیا۔ یعنی دھمکیوں اور اذیت ناکیوں کے بالمقابل اپنے عقیدے کی اساس پر ہر قسم کی سمجھوتا سازی کو رد کر دینا' جو کہ اُس اندھیر نگری میں دوسروں کے لئے ہمت اور حوصلہ مندی کی زور آور علامت تھی۔ اُستاد مرحوم کی تقریر کی طرح اس کا جداگانہ طرزِ زندگی بھی ایسا بے مثال تھا کہ دوسرے لوگ اُسے حیرت سے دیکھتے رہ جاتے تھے۔ میں تو اس انتہائی دباؤ اور دبدبے کے عالم کو کبھی نہ بھول پاؤں گا جب پولیس سے لے کر فوجی دستہ تک خوفزدہ تھا مگر استاد محترم اُن حفاظتی دستوں کے حصار میں اپنے معمول کے معمولی لباس میں دائیں بائیں لرزہ براندام کھڑے ہجوم میں سے بڑے ہی پر اعتماد انداز میں قدم اٹھاتے ہوئے بطرف دفتر گورنر آفس چلے جا رہے تھے۔

کاستامونو میں رسالۂ نور کی جزوی تحریر و تکمیل:

کاستامونو میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۶۰ء تک دوران آمد جناب نورسی نے تیسری تا نویں الہیاتی الہامی تحریریں لکھیں۔ اُن میں سے علاماتِ اعلیٰ جیسی ساتویں نزولی تحریر ۱۹۳۸ء تا ۱۹۳۹ء کے رمضان المبارک میں ہوئی اور یہ بہت ہی جلد اٹھاویں نزول کے ساتھ ہی بنام حزب الاکبر النوری عربی خلاصے میں مدغم ہوگئی۔ اسپارٹا میں موجود اپنے شاگردین کو جناب نورسی نے ڈھیروں خطوط لکھے اور جب وہ کاستامونو میں مقیم تھے تو انہوں نے ایسکی شہر کی قید میں لکھے گئے پہلے اور دوسرے نزول کو حتمی شکل دی تھی۔ فہرست کا دوسرا حصہ جس میں لحالر کے حصوں پر مشتمل پندرھویں نزول کے سابقہ اثرات ہیں اور پندرھواں نزول فہرست کو لفظوں اور خطوط کی شکل دیتا ہے جبکہ پہلے سے چودھویں نزول کو اسپارٹا میں جناب نورسی کے چند شاگردین کے تعاون سے ترتیب دیا گیا۔ جتنی بھی نئی تصانیف تالیف ہوئیں وہ ۱۹۶۰ء کے بعد آنے والے ایک غیر تسلسل شدہ وقفے سے وجود پذیر تھیں۔

جونہی رسالۂ نور نے ایک پھیلاؤ اور استحکام اختیار کیا جناب نورسی نے اس کے چند حصوں کو تو ایک مجموعے کی شکل دے دی اور چند ایک کو نئے خطوط میں شامل تحریر کر دیا۔ یہ سب ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۳ء تک ہوا۔ چار اور کاپیوں پر مشتمل ایک مجموعہ تو سکول کے لڑکوں کے لئے تھا۔

عبداللہ نے ان تحریری تراشوں کو نئے لاطینی مسودے کی شکل دی بشمول دیر بعد اشاعت پذیر گنجلک رہبر کی راہنمائے نوجوانان ثقہ تصدیق عینی منظوری مہر غیب الغیب اور دوسرے مجموعہ جات کے لئے بھی اُس نے بہت سے عنوانات تجویز کیئے۔

مبنی بر موت از روز محشر تراشوں کو بھی جناب نورسی نے بطور ایجنڈا احکامات درس میں بھی شامل ہونے دیا۔۱۹۴۳ء میں اسپارٹا کے قریبی گاؤں اتابے سے طاہری مہروتلرو نامی شخص نے علاماتِ اعلیٰ کو استنبول سے شائع کیا۔ کاستامونو میں ہی دورانِ قیام جناب نورسی وہ رسالۂ نور سے آگاہ اور سرکردہ شاگردوں میں سے ایک ہوا۔ حزب القرآن اور حزب النوری کے دستی مسودات بھی اُسی کی مہم جوانہ سرگرمی میں فوٹو کاپیوں کے طور پر چھپے۔۱۹۴۳ء میں خاتمہ دنیا' روز محشر اور عیسائیت مخالفین کی وجود پذیری کی تلاش پر مبنی بر حوالہ ہدائیت پانچواں نزول ہوا۔ آخری مقالے کا مسودہ ۱۹۳۸ء میں بشمول پہلے مسودے اور ۱۹۰۸ء میں لکھے گئے چند تراشوں کی مدد سے تیار کیا گیا جب کبھی جناب نورسی دارالحکمت کا رکن تھے اور اس پانچویں نزول مسودہ نے ہی جناب نورسی اور اس کے شاگردین کے لئے گرفتاریوں اور اگست ۱۹۴۳ء میں دوسری بار مختصر سے قیام قید کا سبب بنا تھا۔

دہشت اور دست اندازی میں اضافہ

کاستامونو میں جناب نورسی بمعہ شاگرد اور اسپارٹا کے دوسرے حصوں اور خطوں سے بھی شاگردین نور حکام کے مستقل دباؤ میں تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ۴۴-۱۹۴۳ء تک وسیع پیمانے پر گرفتاریوں' دیزلی' عدالتی ساعتوں اور قید و بند کی کارروائیاں عروج پہ رہیں۔ تب سے اب تک بہت سے موقعوں پر بعد از تلاش رسالۂ نور کی نقول منسوخ اور بند کی جا چکی تھیں۔ شاگردین گرفتار کیئے جا چکے تھے مگر پھر وہی شاگردین بری الزمہ ہوئے اور وہی نقول بھی واپس ہوئیں۔ اور یہ پانچویں نزولی کاپی تھی جس کی کہ خصوصی تلاش کی گئی تھی۔۱۹۶۰ء میں تیس یا چالیس شاگرد گرفتار اور رہا ہوئے تھے۔۱۹۴۱ء کے آخر میں رسالۂ نور سے وابسطہ اسپارٹا میں مہمت ضرحتر و نامی شاگرد کی گرفتاری کا وقوعہ ہوا اور یہ تیسرا وقوعہ تھا۔ جس دباؤ میں جناب نورسی خود تھے وہی دباؤ بوجہ قربت جناب نورسی اُس پر بھی بڑھا دیا گیا۔ ان وقوعہ جات کی جھلکیاں جناب نورسی کے خطوط میں ان یاد دہانیوں کے ساتھ ملتی ہیں کہ اس کے شاگرد اپنے خلاف تیار ہونے منصوبوں سے حتیٰ المقدور باخبر ہوتے ہوئے اپنی حفاظت میں رہیں۔

اس کا حوالہ بھی کہیں پیچھے ہو چکا ہے کہ ان مخالفین کا بڑا مقصد ہی ان میں نفاق ڈال کر، توجہ ہٹا کر اور ورغلا کر خدمات رسالۂ نور سے دور کر دینا تھا اور رسالۂ نور کے پھیلاؤ کو روکنے کی یہ ایک سوچی سمجھی کوشش تھی۔ گرفتاریوں کا سلسلہ اسپارٹا میں وقوع پذیر ہوا لیکن ذاتی طور پر دراصل جناب نورسی کو ہی گرفتار کرنا مقصود نہ تھا اس لئے حکام نے اپنے اُس مسئلے اور مصیبت کا حل بڑا ہی مکارانہ اور بزدلانہ نکالا یعنی انہوں نے بہت موقعوں پر اُسے زہر دے دی۔ جے چیوامین نے بیان کیا کہ بوجہ اس زہر خوانی کے وقت بے وقت بیماریوں سے زور آزمائی کرتے کرتے جناب نورسی کمزور ہو گئے تھے۔

جے چیوامین نے یہی مزید بیان کیا کہ ایک دفعہ جب جناب نورسی اکیلا پہاڑوں پر جا رہے تھے تو راستے میں اُسے زہر زدہ پھل دے کر مارنے کی کوشش کی گئی۔ مہمت فیضی نے بھی بیان کیا کہ اُس نے بھی جب ایسے الفاظ کسی کے منہ سے سنے تو وہ پہاڑ پر جناب نورسی کے پاس پہنچا جو کہ حالت لاشعوریت میں پڑا تھا۔ جناب نورسی اُس راستے پر سے ہمیشہ پھل لیتے تھے اور اُس پھل فروش کو بھی جانتے تھے۔ وہ بدبخت اُس مخبر اور ایجنٹ کے بہکاوے میں آ گیا تھا جو جناب نورسی کے تعاقب میں رہتا تھا اور جانتا تھا کہ وہی پھل فروش ہی زہریلے پھل سے کوئی کام دکھا سکتا تھا۔

جب جناب نورسی زیر بارِ زہر خوانی ہو گئے تو جس گھوڑے پر وہ سواری کر رہے تھے اپنے آپ ہی واپس گاؤں کی راہِ اختیار کر گیا لیکن فیریو اس گھوڑے اور جناب نورسی کو واپس پہاڑ پر لے گیا اور اس وجہ سے جناب نورسی کچھ عرصہ علیل رہے۔ اگست ۱۹۴۳ء کے اوائل میں جناب نورسی کا ایک بڑا ہی ہونہار شاگرد بہت سے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ دینزلی کے علاقے میں گرفتار ہو گیا۔ جناب نورسی کو اس کی اطلاع ایک مفتی نے دی اور پھر اُسی کے نتیجے میں بڑے وسیع پیمانے پر نہ صرف اُس علاقے کی تلاشیاں ہوئیں بلکہ رسالۂ نور کی دستی نقول بھی عین بند کر دی گئیں۔ حالات وواقعات ایسکی شہر کے مطابق معاملات نازک نہ صرف احکام انقرہ تک پہنچ گئے بلکہ ایک حد تک ہر محکمہ باخبر ہو گیا۔ صدر عصمت انونو، وزیر اعظم سرکرداور وزیر تعلیم حسن علی یوجل تک براہ راست ملوث ہو گئے۔ اسپارٹا اور کاستامونو میں بطور خاص ہدایات بھیجی گئیں اور شاگردین جناب نورسی کے گھروں کو تلاشی پہ رکھ لیا گیا اور پھر اسپارٹا میں سلسلۂ ہائے گرفتاریاں شروع ہو گیا۔

گرفتاری جناب نورسی:

کاستامونو میں جناب نورسی کی جائے پناہ کی لگاتار تین دفعہ تلاشی لی گئی۔

لیکن پانچویں نزولی جلد جس کی انہیں تلاش تھی نہ ملی مگر پھر بھی وہ جناب نورسی سے نپٹنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ بس بارہا وہ اُسے زہر دینے میں ہی کامیاب ہوئے تھے۔ اِس سازش کی تصدیق ڈاکٹروں نے کی تھی اور جب اُس زہر خوانی کے اثرات تشویش اختیار کرنے لگے تو اُس کی اُسی جائے پناہ کی دوبارہ سے پھر تلاشی لی گئی۔ اس کے ساتھ ہی ۲ ستمبر ۱۹۴۳ء کو آمدِ آغاز ماہِ رمضان بھی آن شامل حال ہوئی۔

پھر بڑے ہی ہائی پیمانے پر تعینات شدہ پولیس اور افسران کی زیرِ نگرانی تیسری چوتھی بار بڑی سخت قسم کی تلاشی ہوئی۔ اس دوران انہیں آگ جلانے والی لکڑیوں اور کوئلوں کے نیچے پڑے ہوئے ایک مضبوط قسم کے صندوق میں رسالۂ نور کے کچھ حصے ہاتھ لگ گئے وہ سارا پلندہ پانچویں نزولی جلد مجموعہ منظوری مہر غیب الغیب اور مقالا لباس اسلامی برائے خواتین پر مشتمل تھا جو کہ عدالتِ ایسکی شہر اور حروجرومت سٹی میں جناب نورسی کے لئے وجہ اقبال جرم بن چکا تھا اور پھر جناب نورسی کو گرفتار کر کے کاستامونو پولیس اسٹیشن میں دو سے تین ہفتوں تک محبوس رکھا گیا۔

اُسی سال موسم بہار میں جناب نورسی کو اس نوید سے متنبہ کیا گیا کہ وہ کاستامونو میں مزید نہ رہے۔ عبداللہ یگن نامی سکول کے لڑکے کو گرمیوں کی طویل تعطیلات پر جانے سے پہلے یہ سب بتا دیا اور جب اس کی واپسی ہوئی تو اس نے کیا دیکھا کہ جناب نورسی کو پولیس لئے جا رہی تھی۔ بارے وقوعۂ ہذا اس کا بیان کچھ یوں ہے۔

''یہ ۱۹۴۳ء کے موسم بہار کا سماں تھا، سکول کی چھٹیاں ہونے والی تھیں اور ہم دوسری دفعہ اُس سے ملنے گئے تو عقیدے اور اخلاقیات کے بارے میں ایک طویل ہدائیت دینے کے بعد جو کچھ انہوں نے ہم سے کہا میں کبھی نہیں بھول پاؤں گا۔ (میرے بھائیو ایک عرصے سے' کہیں ایک مقام پر آٹھ سال سے زیادہ میں........ قیام پذیر ہو پایا ہوں۔ یہاں آئے ہوئے بھی مجھے اب آٹھ سال ہو چکے ہیں لہٰذا اس سال یا تو میں مر جاؤں گا یا کہیں اور چلا جاؤں گا۔ شاید ہم دوبارہ کبھی مل بھی نہ سکیں لیکن ایک وقت آئے گا جب ہر سو شاگردانِ رسالۂ نور ہوں گے۔ نہ تو ایک دوسرے سے اور نہ ہی رسالۂ نور سے جدا ہونا۔

اُس کی اس طرح کی گفتگو سے میں تو پریشان سا ہو گیا اور اُس نے ایسا دیکھ کر کہا کہ فکر مت کرو خدا نے چاہا تو ہم دوبارہ ملیں گے۔ تین ماہ بعد چھٹیاں تمام ہوئیں تو وہ ارتج سے کاستامونو واپس آ گئے۔ میں اُن سے ملنے جانا چاہتا تھا مگر اُس نے جے جیوا مین بے کو خبردار کر دیا کہ خفیہ والے میرے تعاقب میں ہیں لہٰذا کسی کو بھی میری طرف نہ آنے دینا سو اس طرح ہم ان سے شرف ملاقات نہ پا سکے۔ پھر ایک دن ہم کاستامونو ہائی سکول کے کھیل کے میدان میں بوقت وقفہ موجود تھے کہ وہ انہیں ایک چھوٹی سی اور اوپر سے کھلی ہوئی گاڑی میں لے جا رہے تھے۔ اُس کے ساتھ ایک چراغ' لوٹا صراحی اور ٹوکری پر مشتمل اُس کا ضروری سامان بھی تھا۔ پھر وہ گاڑی رک گئی بمعہ حوالدار سارجنٹ اور چند پولیس والوں کے وہ باہر آ گئے۔

وہاں تو ایک ہجوم ہو گیا اور اُس نے کالی پگڑی کے ساتھ قریباً کالا سا ہی لمبا سا چولا پہنا ہوا تھا۔ اُس وقت اس قسم کے لباس میں باہر چلنا پھرنا ممکن تو نہ تھا مگر پولیس کی تحویل میں ایک مجبوری تھی۔ سکول میں موجود دوسرے لڑکوں نے مجھے اُسے بغور دیکھتے ہوئے دیکھا تو پکارا کہ ''او بدیع الزمان کے چیلے'' پھر گھنٹی بج گئی اور ہم کلاسوں میں چلے گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتنے دن بیت گئے ہونگے کہ ایک رات آدھی رات کو ہمارے مکان نے تھرتھرانہ شروع کر دیا یعنی زلزلہ شروع ہو چکا تھا اور تقریباً دو ہفتوں تک انسانی اعصاب پر رعشہ طاری رہا۔ لوگوں نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ خوجا آفندی نیک شخص تھا اِن حکمرانوں نے اُس پر تہمتیں لگائیں اور بُرا سلوک کیا اس لئے یہ زلزلے اور بھونچال آ رہے ہیں۔

نادر بے سل کی یادداشتیں جو پیچھے تذکرے میں آئی تھیں اُنہی میں جناب نورسی کی حراست کے بعد اُس شہر پر چھائے رہنے والے خوف و ہراس کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور مزید یہ کہ جناب نورسی کو کسی جیل میں نہیں بلکہ اُس کے مکان میں مقید رکھا گیا۔ ''یہ ۱۹۴۳ء کے رمضان المبارک کی بات ہے' میں استاد محترم کے مکان کی طرف جا رہا تھا کہ جوتوں والی مارکیٹ میں مَیں نے انہیں تا حال وُسی پگڑی اور چولے میں ایک کھلی سی گاڑی میں عدالت کی طرف لے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر جے جیوا مین' مہمت فیضی اور کم و بیش بائیس افراد کو دو ہفتوں کے لئے حوالات میں بند رکھا گیا جبکہ استاد محترم کو حوالات میں تو نہ رکھا گیا بلکہ پولیس کی زیر نگرانی واپس اُن کے مکان میں بھیج دیا گیا۔ دو ہفتے بعد اُن سب کو بھی ڈینوزلیو منتقل کر دیا گیا۔ شہر پر خوف و ہراس کی ایسی فضا طاری تھی کہ ہر کسی کو اگر استاد محترم سے کوئی واسطہ تھا تو وہ بھی عین جرم تھا اور بعض لوگ تو

اپنے گھروں سے باہر نکلنے سے بھی گھبراتے تھے۔استاد محترم نے جب کاستامونو چھوڑا تو کلینڈر کے اوراق سال ۱۹۴۳ء بتا رہے تھے اور پھر انتہائی قلیل دورانیے کے بعد زلزلہ شروع ہوگیا۔ چھوٹے قلعے پر سے ایک بڑا پتھر لڑھکتا ہوا نیچے ایک مکان پر آگرا جس میں رہنے والے سات افراد مارے گئے۔توسیاریجن میں تو چھ اور سات سو کے درمیان افراد ہلاک ہو گئے۔

کاستامونو' انقرہ' اسپارٹا:

وہ رحمتوں والی رات جو کہ ترکی میں پچیس چھبیس رمضان المبارک اور شاید ستائیس ستمبر کو نزول ہوتی ہے اُسی رات کاسامونو میں جناب نورسی کو بالمقابل پولیس اسٹیشن اُس کے مکان سے لیا گیا اور جنوب میں ۲۷۱ کلومیٹر دور انقرہ جانے والی بس پر سوار کر دیا گیا۔ وہاں پر متعین پولیس سے بھی جو کچھ اُس نے کہا تھا اُس کی بھی رپورٹ بنالی جاتی ہے کہ ''مدحت دی گورنر کاستا مونو سے کہہ دینا کہ بمعہ نئے پرانے خطوط میری دفاعی تقاریر میرے پیچھے ہی بھجوادیں۔عدالت کی رو سے جناب نورسی کے دفاعی نقطۂ نظر کے مطابق یہ رپورٹ صلاح الدین چیلی بئیو نے تیار کی تھی بارے اُس اسباب کے جو دوران تلاشی مکان جناب نورسی نے افسران اور پولیس کے حوالے کیا تھا۔اُس بس میں بھی انی بولو سے ضیاء ڈیولک نام سے ایک آفیسر سوار تھا جسے بعد میں دوران سفر اُس کی ریکارڈ شدہ گفتگو کے ایما پر گرفتار کرلیا گیا،روداد کچھ یوں ہے۔

''الاز اپنی ڈیوٹی پر جانے کے لئے میں بس پر سوار ہوا تو اُسے بمقام پولیس اسٹیشن اولروک پاسیو پر پولیس اور سارجنٹ نے روک کر تین آدمیوں کے لئے پیچھے جگہ بنوالی اور بدیع الزماں حوجا آفندی کو وہاں بٹھا دیا گیا جب بس چل پڑی تو اس نے بے آرامی محسوس کی کیونکہ وہ ستر سالہ بوڑھا اور پھر بیمار بھی تھا۔اس نے کہا کہ کیونکہ وہ ایک سیاسی قیدی ہے لہٰذا اُسے تو کسی پرائیویٹ ٹیکسی میں بھیجنا چاہیئے تھا مجھ سے اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک فوجی سپاہی نے اُسے اپنی نشست پیش کی اور آپس میں نشستیں بدل بھی لیں۔میرے اندر بھی ایک کھلبلی سی ہوئی مگر میں اس کے لئے کچھ نہ کرسکا۔جب وہ میرے پاس بیٹھ گیا تو اُس نے میرا نام پوچھا' اور میرے ضیاء ڈیولک بتانے پر اُس نے فوراً کہا کہ کیا تم ہمارے اپنے ضیاء ہو؟ کیا تم کاستامونو کے عوام کے ہمراہ مجھے الوداع کہنے آئے تھے؟ سیفوت نام کا پولیس مین جو اُسے لئے جا رہا تھا، کی طرف مڑ کر کہنے لگے کہ سیفوت جب تم نے میرے مکان پر چھاپا مارا تھا اور جہاں سے میں قرآن مجید کی تلاوت کر

رہا تھا تو تم نے ایک کاغذ پر جو آیت کریمہ لکھوائی تھی وہ یہ تھی کہ ’’صبر اور برداشت کے امتحان میں احکام خداوندی کے تحت ہی رہو کیونکہ تم اُس کی نگاہِ ربوبیت میں ہو اور بس ادائیگی نماز بیان عظمت کرتے رہو۔‘‘ پھر سے کہا کہ کیا میں یہی آیت تلاوت کر رہا تھا ناں۔ اُس نے وہ سیف دت اور دوسروں کو دکھاتے ہوئے مجھ سے کہا۔

ضیاء اپنے دوستوں سے کہہ دو گھبرائیں مت۔ ہم پر جرم ثابت نہ ہوگا حکام ہم سے کوئی برائے نام سا تصفیہ اور عارضی سی صلح وغیرہ کرلیں گے۔ بذریعہ میرے وہ اپنے مقید دوستوں کو بمعہ اچھی خبروں کے مبارکباد بھیجنا چاہتا تھا لیکن میں وہاں نہیں جا رہا تھا اور مجھے گرفتار بھی نہیں کیا گیا تھا۔ پھر مجھ سے کہا کہ میں ڈرائیور سے کہوں کہ براہ مہربانی وہ ذرا بس روکے۔ اسلام میں جبر قطعاً نہ ہے لیکن مجھے ان مسافروں سے چند کلمات کہنے ہیں۔ لہٰذا ڈرائیور نے بس روکی تو حوجا آفندی نے فوراً مسافروں سے خطاب شروع کر دیا۔

’’آج کی رات بھی بہت حد تک اُس رحمتوں والی رات جیسی ہی ہے ایام دیگر میں قرآن پاک کے ایک لفظ پڑھنے کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں، رمضان المبارک میں ہر نیکی ہزار ثواب کی حامل ہوتی ہے جبکہ اس رحمتوں والی رات میں ہر نیکی تیس ہزار ثواب سے ثمر بار ہوتی ہے۔ اگر آپ لوگوں کو معلوم ہوتا تو آپ کو کچھ کرنے کے عوض پانچ لیرے سونے کے دیئے جاتے کیا آپ خزانہ ہذا کے خواہش مند نہیں؟ مسافروں نے کہا کہ وہ تو یقیناً ہیں ہی تو حوجا صاحب کا بیان بھی جاری رہا۔ آپ لوگ اپنی اس عارضی اور فانی سی زندگی کے لئے صرف پانچ سنہری لیروں کے حصول میں اپنی طاقت اور توانائی صرف کر دیتے ہیں کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کی ابدی زندگی کی اشیائے خورد ونوش کے لئے آپ کے سامان کی گٹھڑی میں بھی کھانے پینے کے لئے کچھ نہ کچھ ہو؟ مسافروں نے پھر سے پُر اعتماد ہو کر جواب دیا تو جناب نورسی نے کہا کہ اس صورت حال میں اگر ایک مسلمان سورۃ اخلاص تین مرتبہ، سورۃ فاتحہ ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ ہی آیت الکرسیٰ پڑھ لیتا ہے تو سمجھ لیں کہ وہ اپنی ابدی زندگی کے سامان کی گٹھڑی میں کچھ نہ کچھ رکھ لینے کے لئے کچھ نہ کچھ تیار بھی کرلے گا۔

ریوز یلیو لطفی ڈرائیور اور مسافروں نے جناب نورسی کا شکریہ ادا کیا تو اس کے بعد ناشتے کا وقت بھی ہو چلا تھا لہٰذا اس ڈرائیور نے ایک مشہور عام چشمے پر چیل کے جنگلات میں الاز پہاڑی سلسلے کے قریب بس روکی اور ٹاؤن کونسل کی طرف سے دیئے گئے طعام میں سے حوجا آفندی نے

مجھے بھی پیش کیا اور پھر میں نے اپنا طعام انہیں پیش کیا، یوں ہم نے راستے میں اپنا ناشتہ وغیرہ کیا۔ نماز مغرب بھی ہم نے مل کر ادا کی اور پھر الاز میں ہی میں اُن سے جدا ہو کر اپنے کام پہ چلا گیا۔ لیکن زیادہ دیر نہ ہوئی ہوگی کہ مجھے گرفتار کر کے دینزلی بھیج دیا گیا جہاں حوجا آفندی کو ابھی تک نہیں لایا گیا تھا اور میں پہنچ گیا تھا۔

جیل میں جب دوستوں نے قدرے خفگی سے مجھ سے پوچھا کہ میں نے کبھی استاد محترم کو دیکھا بھی ہے؟ تو مجھے وہ آیت یاد آئی جو بطرف الاز بس کے سفر میں انہوں نے مجھے لکھوائی تھی۔ میں نے اُسے جیب سے نکال کر انہیں پڑھ کر بھی سنائی اور پھر وقوعۂ دورانِ سفر سے اُس کے تانے بانے جوڑنے لگا یہ اُن کے لئے بڑی توانائی بھری ڈھارس تھی اور وہ سب کے سب خوش بھی بہت ہوئے تھے۔کاستا مونو سے اسپارٹا تک جناب نورسی کی ہمراہی ....غیر آفیسر سارجنٹ کے سپرد ہوئی اُس کا نام اسمٰعیل ٹرنچڈون تھا۔ اور اس نے انقرہ پہنچنے پر نوٹ کیا کہ ڈسٹرکٹ سمن پازٹریو میں وہ اور جناب نورسی ایک ہی ہوٹل میں باقیام بھی ہیں اور پھر وہاں پہنچنے کے فوراً بعد ہی معمول کے معاملات بالکل ہی معمول سے ہٹ کر ہونے لگے یعنی گورنر انقرہ زیورزت ٹاندون کی طرف سے طلبی احکامات آگئے۔

ایک اور وقوعہ بھی ہونے ہی کو تھا یعنی اگر یہ جناب نورسی کی شان میں گستاخی نہیں تھی تو پھر محض ہنسا ہنسائی کا کھیل ہی تھا۔ ری پبلیکن پیپلز پارٹی کے ایک اہم سرکردہ اور سترہ سال سے بحیثیت گورنر انقرہ نے جناب نورسی کی طلبی ہی محض اس لئے کی تھی کہ اُس کی پگڑی اتروائی جائے اور اُسے سرکاری ٹوپی پہنائی جائے لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اُسے اُس عملداری میں کامیابی نہ ہوئی۔ جناب نورسی نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ یہ پگڑی تو صرف سر اترنے کے ساتھ ہی اتر سکتی ہے۔ سارجنٹ آفیسر کے مطابق مزید یہ کہ گورنر آفیو کا اردلی وہ سرکاری ٹوپی لئے آفس سے باہر چلا گیا۔ انی بولو سے جیلیے بیو نامی شاگرد جناب نورسی بھی واقعہ ہذا کا معتبر گواہ تھے جسے چند دن بیشتر انقرہ میں سے گرفتار کیا گیا تھا اور پھر جناب نورسی کے پیچھے پیچھے ہی گورنر آفس میں لایا گیا تھا۔ اُس کا بیان حال اس طرح سے ہے بہ اختتام رمضان المبارک ایک گرما گرم دن تھا اور میں بھی نیورت گورنر کے دفتر کے دروازے پر ہی تھا جب افسران جناب نورسی کو وہاں لائے اور ایک ہی ساتھ دفتر میں بھی داخل ہو گئے۔ پھر وہ افسران باہر آگئے اور وہ دروازہ بند ہو گیا لیکن اندر سے غصے بھری آواز کی گونج آتی رہی۔ پھر ایک گھنٹی بجی، اردلی اندر گیا اور پھر سے باہر آگیا۔ اُس مرحلے میں

جناب نورسی نے بہ آواز ناراضگی کہا کہ ''میں تمہارے اباؤ اجداد کا مظہر ہوں، میں بہ انداز کنارہ کش رہتا ہوں اور قوانینِ لباس الگ تھلگ رہنے والے لوگوں پر زبردستی لاگو نہیں کیئے جاسکتے ہیں۔ میں تو باہر بھی نہیں نکلتا ہوں تم لوگ مجھے باہر تک لے آئے اور مجھے امید ہے کہ تم اس کی ادائیگی بھی کرتے رہو گے۔ اتنے میں وہی اردلی پچیس کرورش کی سرکاری ٹوپی لئے ہوئے واپس آیا اور گورنر آفس میں داخل ہو گیا۔

ایک پہلو یہ بھی تھا کہ گورنر نے واقعی اور بذات خود جناب نورسی کے سر پر وہ ٹوپی پہنائی جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اُس نے کوشش تو بہت کی مگر ناکامی ہوئی۔ جناب نورسی کو پھر سے اسٹیشن لایا گیا اور اسپارٹا کے لئے گاڑی پر بھی بٹھا دیا گیا۔ گورنر ٹانڈون نے وہ مہم جوئی ترک نہ کی بلکہ ہمراہ پولیس بہ نیت کسی نہ کسی طرح جناب نورسی کو قابو کرنے کی تھی لیکن جن اوقات میں وہ اُسے دبوچنے چلے تھے، جناب نورسی نے اپنی وہی پگڑی اتاری تو دی مگر ٹرین پر بھی چڑھ گیا اور وہ مارے اِس حیرت کے کھڑے رہ گئے کہ اُسے کیسے معلوم پڑ گیا تھا کہ وہ کیا کچھ کرنے کی نیت سے وہاں ہی تھے۔

بعد میں جناب نورسی نے اتنا ہی کہا کہ وہ ایک مکھی یا چیونٹی سے چت ہو گئے تھے کیونکہ جیسے ہی وہ ٹرین پر سوار ہونے والا تھے واقعی ایک مکھی نما چیونٹی اُن کے سر پر آن گری تھی اور اُس نے اسے کھرچنے کے لئے پگڑی بھی اتاری تھی مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ بمطابق جناب نورسی وجہ وقوعہ وہ خود تو نہیں تھا بلکہ باعثِ برکت رسالۂ نور تھا۔ بمطابق سارجنٹ اسمٰعیل ٹرونچ ڈون اسپارٹا اسٹیشن پر جناب نورسی کے لئے مبارکبادی استقبالی ہجوم بہت زیادہ تھا بلکہ اسی ٹرین میں موجود جیپر ازیدی نامی ایک شاگرد خاص بہ ایام اسپارٹا کے لئے بھی وہی استقبالی ہجوم تھا۔

وہ جناب نورسی کے ساتھ ہی آیا تھا اور اس سفر صعوبت پر رطب السان بھی ہوا تھا لہٰذا برائے مناظرہ بازی اُسے دو دن تک وہیں روک لیا گیا۔ اسٹیشن سے سیدھا ہی جناب نورسی کو جیل پہنچا دیا گیا جہاں مختلف علاقہ جات سے بہت سے جانثارانِ جناب نورسی بھی لائے جا چکے تھے۔ اپنے عرصۂ قیام جیل جناب نورسی قید تنہائی میں ہی رکھا گیا اور بمعہ وہ جان نثاران وہ شدید قسم کی تفتیشوں کا بھی مرکز اور محور تھے۔ دینزلی جیل میں سماعتی مرحلوں کے لئے منتقلی سے قبل کم مدت کے لئے وہ اسپارٹا رکھے گئے انقرہ میں وزارت انصاف نے ڈینوزلی کو مخصوص اس لئے کیا تھا کہ پہلے سے گرفتار شدگان بھی وہاں لائے جا چکے تھے۔

تیرھواں باب

ڈینزلی

اثراتِ زہر کی وجہ سے جناب نورسی تا حال بیمار اور کمزور تھا اور ماہِ رمضان کا بھی آخیر ہی تھا۔ رسالۂ نور کے صدمے کے علاوہ سر کردہ طالب علموں کی گرفتاریوں کا بھی اُسے بڑا قلق تھا۔ اُن طالب علموں کو اسپارٹا صوبہ بھر کے دیہاتوں کا گھیرہ تنگ کر کے گرفتار کیا گیا جس سے کہ اُن کے خاندان بے یار و مددگار رہ گئے۔ اِس کے علاوہ بھی نتائج جیسے بھی سامنے آتے ایک یقین بہر حال اپنی جگہ قائم تھا لیکن اگر ایسکی شہر جیل میں حالات بگڑ جاتے تو پھر ڈینزلی میں صورتِ حال زیادہ ابتر تھی۔

جناب نورسی کا بیان تھا کہ ڈینزلی جیل میں جھیلی گئی ایک دن کی اذیت ایسکی شہر جیل کی ایک ماہ کی اذیت کے برابر تھی لیکن نتیجہ پھر بھی فتح مندی ہی کی صورت میں سامنے آیا۔ شروع میں تو یہ تھا کہ جیسے رسالۂ نور کی اِشاعت میں تذبذب سرائیت کر گیا ہو لیکن پھر اوّل ایسکی شہر اور آخر آفیون کی سماعتوں اور سزاؤں کی طرح واقعات ڈینزلی میں مقصد رسالۂ نور کو خلافِ توقع جانچا پرکھا گیا۔ انقرہ سے ماہرین کی رپورٹ ماشاءاللہ مثبت اور مبنی بر رہائی تھی اور اِس سے مزید مثبت نتائج کی حاملیت نے دوسرے تیسرے سرکاری افسران کو بھی علاماتِ اعلیٰ پڑھنے کی راہ سجھائی۔

عدالتی مقدمات اور سزاؤں سے تو رسالۂ نور کو ایک تشہیر اور توجہ ملی بلکہ جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کے لئے ہمدردیاں بھی اُبھریں بالآخر جو حکومتی کارکنان کی طرف سے مزین واویلے اور افواہوں کا مؤثر توڑ بھی ثابت ہوئیں۔ جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کی رہائی میں جو عوامل کارفرما رہے اور اُس سے دوسرے قیدیوں کو بھی جو فائدے پہنچے وہ بوجۂ جناب نورسی تبدیلی حالات تھی، ایسکی شہر جیل میں تو ایسا قدم ایک حد تک ہی اُٹھ پایا تھا جبکہ ڈینزلی جیل میں سو سے زیادہ قیدیوں نے نہ صرف ادائیگی نماز اور تلاوتِ قرآن سیکھ گئے بلکہ شاگردین جناب نورسی کے لئے رسالۂ نور کی نقول کی لکھائی میں مددگار بھی ہوئے۔

جبکہ جناب نورسی کو تو رکھا ہی گیلے ٹھنڈے' تاریک اور الگ تھلگ کمروں میں قید تنہائی کی حالت میں جاتا تھا' بلکہ کئی ایک موقعوں پر اُسے دوبارہ زہر دینے کی کوشش بھی کی گئی تھی۔ اور بلاشبہ نیت بھی یہی کارفرما تھی کہ جناب نورسی بمعہ چند سرکردہ شاگردین فارغ ہی کر دیئے جائیں' اور حقیقتاً اُن نو مہینوں میں دو ایک تو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے' اُن میں سے اسپارٹا کے قریب سے اسلامکیو نام کے گاؤں سے حافظ علی شاگردِ خاص بھی تھا۔ اور یہ بھی بڑا کھلا یقین تھا کہ اُسے زہر دیا گیا تھا' تاہم جناب نورسی نے بے خوف وخطر اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اُس کے شاگردین کو اُس سے ملنے اور بات چیت سے منع کیا جاتا تھا' لہٰذا اُس نے انہیں حوصلہ' تشفی' راہنمائی اور رسالہ نور کی ترسیلی نقول کی ہدایات پر مبنی بہت سارے خطوط لکھے اور پھر اُس نے گیارھویں نزول کے ساتھ ہی ثمراتِ ایمانی لکھے۔ اُس نے درخواستیں بنام حکام اور اپنی دفاعی تقریریں بھی لکھیں۔ کیونکہ اُس کے شاگردین بھی ایسکی شہر میں ملتے جلتے مقدماتِ جرائم میں ملوث تھے لہٰذا اُس نے کوئی چار سال بعد آفیون کی عدالت میں وہی دفاعی تقاریر پیش کر دیں۔ بابِ ہذا میں وہی سماعتی بیان ہی مختصراً آئے گا۔

حیاتِ قید دینزلی:

شاگردین جناب نورسی جو کہ اسپارٹا میں جمع کیے جا چکے تھے' جوڑوں کی صورت میں ہتھکڑیاں پہنائے ٹیلے اور گھاس پھوس سے لدی بغیر کھڑکیوں والی گاڑی میں ٹھونس کر دینزلی منتقل کر دیئے گئے۔ جناب نورسی کو اسپارٹا کے قریبی ساو نام کے گاؤں سے حسن داعیو نامی نوے سالہ بوڑھے کی ہمراہی میں ہتھکڑی پہنائی گئی کہ بوجہ ضُعف اور کمزوری جناب نورسی کو اُسے بھی سمھالنا پڑتا تھا اور اُن کی اُس ہتھکڑی کو دورانِ سفر کہیں ڈھیلا بھی نہ کیا گیا۔ ترکی بھر سے جو ایک سو اور چھبیس شاگردین جناب نورسی کو دینزلی لایا گیا تھا اُن میں سے تہتر کو تو جیل میں ڈال دیا گیا جبکہ باقی سب کو چھوڑ دیا گیا۔ کاستامونو' اِنی بولو اور استنبول وغیرہ سے شاگردین کو وہاں دو ماہ بعد لایا گیا اور ایک لمبی مدت کے لئے اُنہیں سزائے موت یافتہ قیدیوں میں رکھا گیا۔

وہ جیل نہ صرف نئی اور شہر سے باہر کی طرف تھی بلکہ پرانی عمارتوں کی نسبت زیادہ بند اور بنجر قسم کی تھی۔ اُسے پتھر اور چونے کنکریٹ سے بنایا گیا تھا مگر تھی بڑی ہی سیلابی اور بے ہوا قسم کی۔ کھڑکیاں تھیں تو ٹین ڈبوں والی مگر تنگی سی اور اونچی اونچی' کوٹھڑیاں تھیں یا کہ مشترکہ رہائشی

کمرے، سب پر ہی ایک ابدی حزن وملال کی کیفیت طاری تھی۔ چوبیس گھنٹوں میں بجلی چند گھنٹوں کے لئے میسر تھی اور وہ بھی بڑی مدھم توانائی کی صورت میں۔ جوؤں اور مچھروں نے الگ ناک میں دم کر رکھا تھا اور تمام رات چھت پر سے مچھروں اور کھٹملوں کے حملے ہلکی ہلکی بارشی پھوار کی مانند جاری رہتے۔ جناب نورسی کو ایک ایسی کوٹھڑی میں ڈالا گیا تھا جہاں ایک ہی بستر بمشکل تمام ہوتا تھا۔ ایک موقعہ پر جناب نورسی کا دِفاعی بیان لکھوانے کے لئے گورنر قیدیان کی طرف سے بھیجے گئے صلاح الدین چیلی بیو کے مطابق وہ کوٹھڑی اِس قدر گیلی، بے ہوا، بند اور باخوف تھی کہ کوئی اِنسان وہاں بمشکل تمام ہی نبرد آزما ہو سکتا تھا۔ اُنہیں ایک موم بتی کی روشنی میں اپنا کام کرنا پڑا اور ایک ہی گھنٹے بعد وہ صاحب تھکاوٹ سے بھی چور ہو گئے۔

اُس کوٹھڑی میں ایک معمولی سی کھڑکی تھی تو سہی اور قیدیوں کے ورزشی میدان کی طرف کھلتی بھی تھی۔ چونکہ جناب نورسی کو مکمل طور پر قیدِ تنہائی میں رکھا ہوا تھا اور سب قیدیوں کو بھی اُس سے بات چیت سے منع بھی کیا ہوا تھا، لہٰذا دردِ تنہائیت کے تناؤ میں وہ اپنی اُسی کھڑکی میں سے اُن کی طرف نوٹس اور خطوط لکھ لکھ کر پھینکتا رہتا اور وہ سب ردّی کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھ کر ماچس کی ڈبیوں کے اندر تہہ کیے ہوئے ہوتے تھے۔ جب جیل حکام اُس کارروائی سے آگاہ ہوئے تو اُنہوں نے ایک وقت تک کے لئے وہ کھڑکی ہی تہہ کر دی، پھر جناب نورسی وہ ترسیلات بنام آغا آر ناوروت آدم لکھنے لگ گیا اور جب شاگردین وہ سب وصول پا لیتے تو اُس کی آگے نقول لکھنے لگ جاتے تھے۔ وہ کوٹھڑی طفلانہ جرائم کاروں سے آگے ہی واقع تھی اور جناب نورسی کو تنگ و پریشان کرنے کے لئے اُن مجرمان کی حکام حوصلہ افزائی کرتے تھے، کیونکہ جناب نورسی برخلاف شور شرابہ اِنتہائی حساس واقع ہوا تھا بطورِ خاص اپنی ادائیگی نماز اور دورانِ عبادت۔

صلاح الدین چیلی بیو مہمت فیضی اور دیگر شاگردین بھی جب کاستامونو سے وہاں پہنچے تو اُنہیں بھی طویل عرصے کے لئے سزائے موت یافتہ قیدیوں کے ساتھ ہی رکھا گیا۔ اُن اسیران میں نمائندگان، ترجمان اور راہنمائے قوم کے معیار کے لوگ بھی تھے۔ ایام قید اور معاملاتِ جیل میں دِن بدن جو شخصیت مؤثر ترین ہوتی چلی گئی وہ سلیمان خرونکر کی تھی۔ سلیمان ایفی جو قبل از اصلاح اچھی شہرت کا حامل نہ تھا، اپنی سب پہلے والی بُری عادتیں ترک کر کے جناب نورسی کا ایک جان نثار شاگرد بن گیا تھا۔ تاسکو پولو بے بھی قبل اَز آمد جناب نورسی کاستامونو میں بڑی ہنگامہ خیز زندگی کی ڈگر پر رواں تھا اور پھر اُسے بھی حلقۂ شاگردی ہائے جناب نورسی نصیب ہوا۔

اگرچہ تمام شاگردین جناب نورسی اور کچھ تعداد قیدیوں کی بھی تھی جو کہ اُن ہولناک اور نفرین حالات میں بھی مذہب اور رسالۂ نور کے لئے مسلسل کام کیے جارہی تھی اور اُن دو فریقین اور فدائین کی وجہ سے ہی جناب نورسی کے لئے اپنا مقصد منظم رکھنا ممکن تھا۔ انی بولو سے فقصلیؤ ابراہیم نے بیان کیا کہ کیسے قیدیوں نے ادائیگی نماز اور اپنی اصلاح کاری شروع کی۔ جب جناب نورسی وضو یا غسل کرنے گیا ہوا ہوتا تھا تو قیدی محض اِس لیے اُس کی کھڑکی سے لگ کر جمع ہو جاتے تھے کہ وہ آئے اور اُن سے باتیں کرے۔ ایسا تقریباً دو تین مرتبہ ہوا اور جناب نورسی نے کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن تیسری مرتبہ اُس نے اُنہیں کہا کہ جائیں اور نہا لیں' لٰہذا سلیمان الفی نے ستر اسی قیدیوں کو اکٹھا کیا اور یہ پوچھ لینے کے بعد کہ کون کون پاک صاف نہیں ہے؟

اُس نے بڑی ایک پُر جوش تقریر کے بعد اُنہیں حکماً کہا کہ وہ غسل وغیرہ کر لیں۔ لٰہذا قیدیوں نے جناب نورسی سے دوبارہ کچھ کہنے سننے کی فرمائش کی تو اُس نے فرمایا کہ وہ نماز ادا کیا کریں۔ اور جب اُنہوں نے اُسے کہا کہ وہ نماز پڑھنا ہی نہیں جانتے تو اُس نے فرمایا کہ وہ اپنے شاگردین کو اُن کے پاس بھیج دے گا۔ لٰہذا' اِس طرح اور طریقے سے قیدیوں کی ایک بڑی تعداد نے نہ صرف دِن میں پانچ بار ادائیگی نماز شروع کر دی بلکہ اپنی اپنی ابتدائی کوتائیوں سے بھی توبہ تائیب ہوتے چلے گئے۔

شاگردانِ جناب نورسی نے اُنہیں اِبتدائی نکاتِ مذہب اور تلاوتِ کلام پاک کے متعلق سکھایا اور سمجھایا۔ کاستامونو کے قیدیوں کے ہمراہ استنبول سے بہت سارے مصروف قسم کے جوجے بھی تھے جن میں اُوتلیؤ نامی ترکی کا ایک بہترین مدرس قرآن بھی تھا اور اُس نے بھی اُن قیدیوں کو قرآن پاک پڑھایا تھا۔ اُن میں سے محمد نامی ایک قیدی جس نے چار قتل کیے ہوئے تھے' سارا قرآن پڑھتے ہوئے آخری بائیس سُورتیں زبانی یاد کر لی تھیں اور پھر اُس نے دوسرے قیدیوں کی راہنمائی کا فریضہ بھی سمجھال لیا۔

دوران حالات ہذا دوسرے قیدیوں کو عملداری سزائے موت کے لئے بھی لے جایا جاتا تو وہ عام قسم کی گناہ گردی سے پاک صاف تلاوتِ قرآن یا حالت ادائیگی نماز میں پائے جاتے تھے۔ سیکولروں' اِنسانیت نوازوں' معاشرہ سازوں اور اصلاح کاروں کے لئے کیسا رہا یہ سبق؟ جب کاستامونو اور انی بولو سے شاگردین نے اُس جیل میں پہنچنا شروع کیا تو صادیوک بے نے فوری طور پر دوسرے قیدیوں سے اچھے مراسم پیدا کر لئے جو بقول سلیمان الفی سارے کے سارے ہی اُس کے اپنے تھے۔

بے باک اور حوصلہ مند ہوتے ہوئے اُس نے تو اُن سے عزت کروائی اور پھر خدماتِ رسالۂ نور کے لئے ضروری احکامات کی بجا آوری کے لئے ایک ٹیم بھی تیار کرلی اور یہ بھی انہی کے ذریعہ ممکن تھا کہ تمام قیدیوں میں جناب نورسی کی تحریریں تقسیم ہوں بلکہ اندر باہر بھی آ جا سکیں۔ سلیمان اِنفی نے ایک عدد ٹائپ رائٹر ہاتھ میں لے لیا تھا جس پر وہ اُس کی ٹیم کی دفاعی تقریریں اور دوسری تحریریں مکمل کر کے نئے خطوط تیار کرتے اور پھر اُن کی نقول انقرہ کے علاوہ بھی جہاں جناب نورسی ضروری سمجھتا گورنمنٹ کے محکمہ جات کو بھیج دی جاتیں۔ اپنی حد سے بڑھتی ہوئی خدمات سے اُس نے جناب نورسی سے توصیفی احسان مندی جیت لی جو اُس کی طرف سے اُسے لکھے گئے خطوط سے عیاں تھی بلکہ صادیوبے کی طرف سے پیش کردہ یخنی کو بھی ایک قبولیت مل گئی۔

جناب نورسی جو کہ کسی سے بھی کچھ دیئے بغیر کچھ لیا نہ کرتا تھا صادیوک بے کی تیار کردہ یخنی پہ بخوشی زندہ رہ رہا تھا۔ یہ بات بھی ریکارڈ میں آ چکی ہے کہ ایک آن ڈیوٹی سارجنٹ کی ہی معرفت رسالۂ نور جیل سے باہر اندر آتا جاتا تھا اور وہ آن ڈیوٹی سارجنٹ اسپارٹا کے قریب کرولیولودنامی گاؤں کا رہائشی تھا۔ وہ سادونام کے گاؤں میں جناب نورسی کے پاس اُس کی برآمدہ نقول برائے اصلاح لے جاتا جہاں اُس کے شاگردین اُسے مزید مکمل کردیتے' ہاں تو وہ علاقہ عرقِ گلاب کے لئے بھی مشہور تھا۔ علاوہ ازیں جناب نورسی کے خطوط اور دفاعی تقریروں کے شاگردین کی ذاتی کاوشیں بھی جو کہ باہر کی دُنیا کے لئے ٹائپ کی گئی تھیں زیادہ تر متعلقہ ثمراتِ ایمانی تھیں اور نقل کردہ ایام جیل تھیں۔

گیارھواں نزول' جسے جناب نورسی ثمرات دیادگار دینزلی جیل اور پھر دو جمعہ واروں کی پیداوار قرار دیتا ہے' گیارہ تراشوں یا عنوانات پر مشتمل ہے جو ایمر دامیں جناب نورسی کی رہائی کے بعد لکھے گئے تھے۔ قیدیوں سے کئے گئے خطاب میں بطورِ خاص ہر ایک عنوان سے کچھ نہ کچھ ایمانی مواد کی تشریح ضرور ملتی ہے' جیسے کہ تعارفِ خداوند کریم' روزِ محشر اور حیات بعد از موت بلکہ بطورِ خاص مقامات وسوالاتِ متعلقہ موت' اور اس سے تو رسالۂ نور کی بھی سچائیوں کا ایک خلاصہ مرتب ہوتا ہے۔ اَخذ کردہ نتائج کے طور پر آٹھویں عنوان کا ایک بڑا حصہ دورانِ قربان بے رامی یا عید الاضحیٰ یعنی قربانیوں کی ضیافتوں پر لکھا گیا جو آٹھ دسمبر 1943ء کو شروع ہوئی تھیں۔

رسالۂ نور کے اِس اہم ترین حصے کی لاتعداد نقول دینزلی جیل کے قیدیوں اور شاگردانِ جناب نورسی کے ہاتھوں تیار ہو کر نکلیں تھیں اور کسی بھی دوسرے عوامل سے زیادہ اِسی عمل

نے قیدیوں کو اپنی اصلاح کا راستہ دکھایا تھا۔ پہلے پہل تو قیدیوں میں اِس کی نقول بڑی ہی راز داری سے آگے پیچھے ہوتی رہیں لیکن جب حکام جیل کی نظروں میں اس کی ترویج واشاعت آئی تو انہوں نے اِسے بغیر کسی مزید پابندی کے چھپنے کی اِجازت دے دی۔ یہی نقول عدالت اپیل کے علاوہ انقرہ میں ہی دوسرے محکمہ جات کی طرف بھیجی گئیں بطور دفاعی کارروائی رسالۂ نور' دوسرے لفظوں میں حیلہ ووسیلۂ رہائی جناب نورسی بمعہ شاگردانِ خاص وعام۔

عدالت دینزلی:

ایسکی شہر کی عدالت میں جناب نورسی اور اُس کے شاگردین پر ایک ہی قسم کے الزامات تھے۔ اُن الزامات میں اُنہوں نے ایک نئ صوفیانہ طریقت' سیاسی معاشرے کی بنیاد' اصلاحات کی مخالفت اور معاشرے میں نقص امن عامہ کے لئے مذہبی جذبات انگریزوں جیسی دفعات بھی شامل کردیں۔ دُنیاوی زندگی کے آخیر کے متعلق بر موضوع ہدائیت گیارھواں نزول اور مقالہ برائے راہنمائے گرفتار شدگان ہی برائے الزاماتِ مقدمہ فوجداری مبنی بر مذہبی اِشتعال انگیزی ایک بڑی شہادت ہاتھ لگ گئی۔

اور پھر' اسپارٹا سے دینزلی منتقل کرتے ہوئے جناب نورسی اور اُن کے شاگردین سے پھر سوالات ہوئے رسالۂ نور کی پھر سے چھان بین کر کے عدالت کو رپورٹ فراہم کرنے کے لئے سرکاری وکیل نے ایک کمیٹی بھی قائم کردی۔ اور ایک ایسی کارروائی کی تحریر و تکمیل کے لئے دو عدد غیر تعلیم یافتہ قسم کے سکول ماسٹروں کو مقرر کردیا گیا' جن کی سرکاری وکیل کی خواہش کے مطابق چند دِنوں میں تیار کردہ رپورٹ کو عدالت برائے انسدادِ جرائم میں پیش کرنا تھا اور اُن کی وہ رپورٹ بھی انتہائی بودی اور شرمناک قسم کے تاثرات کی ترجمان تھی۔

جناب نورسی نے اُن پر بڑھ چڑھ کر اِعتراضات کیے اور بمعہ اپنی اصلاح کاری اُن غلطیوں کو دُور کرتے ہوئے اس درخواست کے ساتھ انہیں عدالت میں پیش کیا کہ رسالۂ نور کی دوبارہ جانچ پڑتال کے لئے صاحبانِ ادراک کی کمیٹی قائم کی جائے' سو چند دِنوں بعد وہ درخواست منظور کرلی گئی اور 9 مارچ 1944ء کو مقدمے کا وہ تمام مواد عدالت برائے اِنسدادِ جرائم انقرہ کو بھیج دیا گیا۔ امین بوک' منصف اعلیٰ برائے عدالت ہذا کے ایماء پر تین صاحبانِ ادراک کی کمیٹی قائم کردی گئی اور جس نے کہ بمعہ رسالۂ نور' جناب نورسی اور اُن کے شاگردین کے خطوط کا بھی مطالعہ شروع کردیا۔

اِس دَوران دینزلی میں عدالتی کارروائی جاری رہی' جناب نورسی نے اِلزامات کی جوابدہی میں اپنا دفاعی نقطہ نظر پیش کیا بلکہ اُس کے شاگردین نے بھی اپنے دفاعی بیانات دیئے۔ ہمت فیضی نے معلوم کرلیا کہ بوجۂ بیماری عدالت حاضر نہ ہونے کی جناب نورسی نے درخواست دے دی' لیکن جب کمرہ عدالت کو ایک تھیٹریکل انداز میں کنٹرول کرنے والے منصف اعلیٰ' علی ریوضا بلیان کا رویہ مثبت دیکھا تو اپنی وہ درخواست واپس لے لی۔ اُس جج نے بھی سرکاری وکالت کے ایماء کے برخلاف جناب نورسی کو دورانِ سماعت نیچے بٹھانے اور مقدمے کے آخری نتائج آنے تک معاملات کو مثبت اور صاف صاف رکھا قریباً ستر اسیران جوڑوں کی صورت میں ہتھکڑیاں پہنے ہوئے جیل سے عدالت تک آئے اور یہی وہ وقت تھا جب مختلف جیلوں سے متعلقہ شاگردین باہم مل سکتے تھے جبکہ ہر بار ہی جناب نورسی کو کسی مختلف آدمی کے ساتھ ہتھکڑی لگائی جاتی تھی۔ سنگینوں کے سخت سائے میں تیس کے قریب سارجنٹوں کی ہمراہی میں اُنہیں لایا جاتا تو دینزلی کی عوام اُن کے راستے پر قطاریں باندھے کھڑے اپنے افسوس اور ہمدردیوں کا اظہار کیا کرتے تھے۔

دِفاعی بیانِ جناب نورسی سے اِقتباس:

جناب اِعلیٰ!

میں آپ کو یقین سے کہتا ہوں کہ اُن لوگوں کو ایک طرف کرتے ہوئے جن کا کہ ہمارے اور رسالۂ نور کے ساتھ کوئی واسطہ اور وسیلہ ہی نہیں ہے' میں نے اِس راہِ حق میں اِتنے زیادہ وفادار بھائی اور دوست پائے ہیں کہ جن کے آپ بھی خواہاں ہو سکتے تھے۔ بذریعہ یقینی علمی معجزاتِ رسالۂ نور اور ایک غیر متزلزل یقین کے ساتھ ہم قرآنی اِسرار و رموز کے ایما پر دو برابر چار کے عمل کے ساتھ ساتھ یہ بھی جانتے ہیں کہ ابدیت سے ہمارے اعمالِ احسن تک موت ناپید کی جا چکی ہے' اور وہ لوگ جو ہماری مخالفت کرتے ہیں اور گمراہ بھی ہیں بلکہ اگر حیات بعداز موت پر ایمان بھی نہیں رکھتے ہیں تو پھر اُن کے لئے تو ایک قید تنہائی اور اندھیرا ہمیشگی ہی ہے۔

میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ دُنیا میں اِس سے زیادہ بھی کوئی اذیت صلیبی قسم کا سوال اِس انسان سے کے لئے ہو سکتا ہے' چونکہ نہیں اور ہو ہی نہیں سکتا تو پھر آپ ہمارے خلاف کیوں برسرِ پیکار ہیں؟ آپ کے چہروں پر سے عیاں شدید پاداش سے تو ہمیں اپنی دُنیائے ایمانی کی

طرف جانے کے لئے پروانۂ نجات موصول ہوتا ہے' لہٰذا ہم پُر اُمید' پُر عزم اور پایہ اِستقلال ہیں۔اور یہ بھی ہم اِتنا ہی واضح جانتے ہیں جتنا واضح کہ آپ ہمیں اِس عدالت میں دکھائی دے رہے ہیں' کہ جولوگ آج ہمیں اپنی گمراہی کی وجہ سے دھتکارتے ہیں' بہت جلد قید تنہائی' ہولناک سزائیں اور ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے بھی مٹ جائیں گے بلکہ ہمارے معاشرہ اِنسانی سے بھی اور ہمیں اُن پر واقعی رحم آتا ہے۔

اُن میں سے اِنتہائی ضدی اور ہٹ دھرم شخصیت کو بھی اثباتِ حقیقت مطلق کے ذریعے خاموش کرانے کے لئے بھی میں تو تیار ہوں۔جید علماء اور فلاسفروں کی بجائے روحانی اور اخلاقی معاملات سے بے بہرہ' نادیدہ اور متکبر مزاج کمیٹی پر اگر میں روز روشن کی طرح واضح کرنے کے قابل نہ ہوتا تو میں ہر سزا کا حق دار تھا۔بمثال میں برائے اسیران دو جمعہ داروں پر لکھے گئے ثمراتِ ایمانی کو پیش کرتا ہوں۔یہ رسالۂ نور کے اُصولوں اور اساس کی تشریح بھی کرتا ہے اور اِسی طرح اپنا دِفاع بھی کرتا ہے۔

محکمہ جاتِ انقرہ کو پہنچائے جانے والے نئے خطوط کی تحریر و ترسیل ہم بڑی راز داری اور مشکلات سے کر رہے تھے۔لہٰذا اِسے اِنتہائی محتاط ہو کر پڑھیے اور سمجھیے گا کیونکہ بجائے آپ کی روح کے اگر آپ کا دِل ہی میری تصدیق نہیں کرتا ہے تو حالت ہذا میں بھی اپنی قید تنہائی میں ملنے والی مزید ذلت اور عقوبت کے لئے میں خاموش ہی رہوں گا۔مختصراً یا تو رسالۂ نور کو مکمل آزادی دیدیں یا پھر ایک مؤثر ترین اور نا قابلِ تردید سچ کے ٹکڑے ٹکڑے کر سکتے ہیں تو کر دیں۔

اب تک تو میں نے آپ کی دُنیاداری کے متعلق کچھ سوچا سمجھا نہیں ہے اور نہ ہی میرا کوئی ایسا ارادہ ہی ہے لیکن آپ کی طرف سے مجھ پر ایک دباؤ ضرور ہے۔شاید اِرادۂ خداوندی نے ہمیں آپ لوگوں کی خبرداریٔ اَعمال کے لئے بھیجا ہے۔جہاں تک ہمارا مسئلہ ہے تو ہمیں تو اپنے مقدس احکامات کی بجا آوری کے لئے بنایا ہی پُر عزم جاتا ہے کہ ''جو کوئی بھی ارادۂ خداوندی پر ایمان رکھتا ہے' مشکلات میں صبر کا دامن بھی نہیں چھوڑتا اور دُنیاوی دکھوں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

قیدی...... جناب سعید نورسی

جنابِ اعلیٰ!

صرف حکومت وقت کو نقطہ نظر بنا کر ہم پر اُٹھائی گئی بے شمار نکتہ چینیوں کی وجہ سے میں نے اپنی حسب خواہش راہ اپنائی ہے نہ کہ بذریعہ مذہبی اِشتعال انگیزی نقص اَمن عامہ' لیکن اِس

کے پیچھے بھی بوجہ عوامی اُمنگوں' ہمارے عقائد و خدمات اور کفر و اِلحاد و جھوٹ کی بڑی ہی نازک تہیں ہیں۔ افراطِ اثبات میں سے ایک یہ ہے کہ بیس سال سے بیس ہزار لوگ رسالہ نور کی بیس ہزار نقول پڑھتے چلے آرہے ہیں لیکن کہیں بھی بوجہ شاگردین جناب نورسی نقص امن عامہ کھڑا نہیں ہوا ہے' اور نہ تو گورنمنٹ کے مندرجات میں ایسا ہی کوئی واقعہ ہے اور نہ ہی سابقہ یا حالیہ عدالت ایسا کوئی واقعہ دریافت کرسکی ہے۔

کیا' ایک بیس دِنوں میں محض ایک بڑا گھمبیر قسم کا واویلا ہی کھڑا نہیں کردیا گیا تھا؟ پھر تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ مذہبی مشاورتوں سے ہم آہنگ ہوتا ہوا آرٹیکل نمبر 163 پر مبنی یہ غیر یقینی سا قانون ہی اصولِ آزادیٔ ضمیر کے برعکس فضول سا نقاب ہے۔ ملحد لوگ ایسے حکومتی ارکان کو دھوکا دیتے رہتے ہیں' عدلیہ کو بھی اُلجھاؤ میں ڈالے رکھتے ہیں اور ہر قیمت پر ہم ایسوں کو کچلنے کے درپے ہوتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت معاملات یہی ہے جسے کہ ہم اپنی پوری قوت سے عیاں بھی کرتے ہیں۔ اے بدبختو' برائے دُنیاداری مذہب فروش کون ہے اور گمرائیوں کے گڑھوں میں کون گر چکا ہے؟ جو کچھ کرسکتے ہو کرتے چلے جاؤ' تمہاری دُنیاداری تمہارے ساتھ ہی ختم ہوجائے گی۔ جس سچائی کے لئے لاکھوں کروڑوں سر قربان کیے جاچکے ہیں ہمارے سروں کو بھی قربان ہونے دیں۔ ہم ہر ہر جانے اور سزائے حق کے لئے تیار ہیں۔

اور ایسی صورتِ حال میں ایک باہر کا قیدی ہونا اپنے اندر کے قیدی ہونے سے بدرجہا اَبتر ہے۔ کیونکہ یہاں تو آزادی نام کی کوئی شئے ہی نہیں ہے' یعنی' نہ مذہبی آزادی' نہ ضمیر کی آزادی اور نہ ہی فکر و تدبر کی آزادی ہے اور اِس مطلق العنانیت نے تو ہمیں جنم پاپی ہی بنا کر رکھ دیا ہے۔ لہٰذا اُن عزت داروں مذہب داروں اور آزادی کے متوالوں کے لیے تو ماسوائے قید و بند اور اہتمامِ موت کوئی تیراراستہ ہے ہی نہیں ہم تو کہتے ہیں کہ ہمیں واسطہ خداوندی' وسیلۂ خداوندی اور وصالِ خداوندی حاصل ہے۔

قیدی......سعید جناب نورسی

جنابِ اعلیٰ!

انقرہ ماہرین کمیٹی نے تو ہمارے حتمی جواب کو الزام برائے تنظیم سیاسی جماعت گردانا ہے' اور پھر' بوساطت وکالت سرکار بحق ہمارے مجرم ٹھہرائے جانے کے مصر بہ بہانا و فیصلہ بھی آپ ہی ہیں۔ اِس فیصلے سے متعلقہ اِس نکتے پہ آپ کے اِصرار سے حیرت اور خوشی محسوس کرتے وقت

نکاتِ ذیل میرے دِل ودماغ میں وجود پذیر ہوتے ہیں کہ۔
دوستانے اور بھائی چارے بھرے معاشرے' مبنی برایمانِ آخرت میل جول اور مخلصانہ افہام وتفہیم' بھائی بندیاں اِنسانی فطرت کے لئے انتہائی ضروری اور معاشرتی زندگی کے لئے بھی بنیادی پتھر ہیں' بلکہ خاندانی زندگی سے لے کر قبیلوں قوموں' اسلام اور انسانیت تک کو باہم باندھ کر رکھ دیتی ہیں' اور پھر دکھوں دردوں کا جواز بننے والی مادی وغیر مادی مصیبتوں کے سیلاب کے آگے اِمدادی اور تسلی بخش بند باندھنے کا بھی مواد ہیں' جو کہ اِس کائنات میں ہر آدمی سے نبرد آزما ہوتی ہیں اور اپنے طور پر کوئی بھی اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتا بلکہ اِنسانی اور اِسلامی فرائض کی ادائیگی میں بھی مجبورِ محض ہی پایا جاتا ہے۔

اَب کچھ لوگ اِس کے ساتھ سیاسی معاشرے کا نام وابستہ کرتے ہیں تو اِس کے ساتھ سیاسی قسم کا تو کچھ بھی نہیں ہے' صرف تعلیماتِ عقیدۂ قرآنی پر مرتکز مخلص اور قابلِ تحسین دوستی ہے اُن شاگردینِ رسالۂ نور کی جو باہم شیر وشکر بھی ہیں' پھر مذہباً اِس جہان اور اُس جہان میں میسر مسرت کا جواز ہیں' راہِ حق کے ہمراہی ہیں اور ملک وقوم کو درپیش خطرات میں علاماتِ اتحاد و یگانگت ہیں۔

یقیناً اور یقینی طور پر بغیر کسی تردید کے اُن کو بڑے ہی دھمکی آمیز طریقے سے دھوکے میں لایا گیا تھا یا پھر وہ لوگ انتہائی شرانگیز اور طوائف الملوکیت زدہ تھے جو کہ دونوں ہی طرح سے یعنی انسانیت کے لئے بہ انداز وحشیانہ مضر رساں اور اسلام کے لئے دشمن خاص تھے۔
معاشرتی زندگی کے لئے بھی اُن کے انداز واطوار مکمل طور پر عداوتی اور جرائمی تھے اور اِس ملک اور قوم کے خلاف بھی اُن کی کوششیں نافرمانی' منحرفی' ہٹ دھرمی اور سرکشی پر مبنی تھیں بلکہ مذہبی مقدس پن اور قومیت اسلام بھی خطرے سے باہر نہ تھیں۔ تو' کیا وہ شیطانیت زدہ ملحدین ہیں جو کہ غیر ملکی قوتوں کے ایماء پر قوم کی خونی رگیں کاٹ رہے ہیں' حکومت کے ساتھ دھوکا دہی اور عدلیہ کے ساتھ فراڈ کررہے ہیں تاکہ اپنے ملک اور ملت کے حق میں اور اُن طوائف الملوکیتی شیطانوں اور فرعونوں کے خلاف استعمال ہونے والے غیر مادی یعنی ایمانی ہتھیار تلف کردیئے جائیں۔

نزولِ پنجم:

1948-49 کو آفیون میں ہونے والی سماعتی کارروائیوں میں نزولِ پنجم نے ایک نام

گراں پایا' لہٰذا اِس کے لئے تو کافی بحث وتمہیص درکار ہوگی جبکہ یہاں اُس کے ایک دو نکات ہی مختصراً پیش ہونگے۔ جیسا کہ اِس سے پہلے مندرج بھی ہوا اور جناب نورسی نے عدالت کو بھی بتایا کہ اُس مقالے کا اصل جس پر اُنہوں نے بحوالہ حدیث ہونے کا الزام عائد کیا تھا اور جسے بوقت آخر برخلاف عیسائیت مصطفیٰ کمال کو بطور سفیان یا اِسلامی دجال ثابت کرنے کے لئے اِستعمال میں لایا گیا تھا۔ 1907ء میں استنبول میں جناب نورسی کی آمد پر لکھا گیا تھا بلکہ مصطفیٰ کمال کے سَر اُٹھانے سے بھی کہیں پہلے لکھا لکھایا گیا تھا۔

قریباً پچیس سال پہلے جب جناب نورسی دار الحکمت اسلامی کا ممبر کا تھا تو کمزور ایمان حضرات کی مضبوطی ایمان کے لئے ایک عام سی قسم کا تمثیلی مسوّدہ لکھا گیا تھا۔ مزید یہ کہ جب جناب نورسی آٹھ سال تک کاستامونو میں رکھا گیا تب بھی اُس نے اُسے چھپنے کی اِجازت نہ دی اور جو دو نقول اُس کے ہاتھ لگیں وہ بھی اُس نے ضائع کر دیں۔ برمقام دینزلی (صوبہ) جولائی 1943ء کو رقابت پسند مفتیوں اور مبلغوں کے اُس مواد کی ایک نقل ہاتھ لگنے اور عاطف ایمن کو آگاہ کرنے پر اُس معاملے میں بگاڑ در آیا۔ عین اُسی وقت استنبول میں بغیر اجازت جناب نورسی علاماتِ اعلیٰ کو چھاپ دیا گیا اور حکام بالا مطلع ہوتے ہی نزولِ پنجم اور ہفتم میں گڈمڈ ہوکر رہ گئے۔ وہ تمام دشمنانِ جناب نورسی کے ہاتھوں اِدھر اُدھر تقسیم ہوا اور جس کے نتیجے میں دینزلی میں عوام کی گرفتاریاں اور پیشیاں سامنے آئیں۔

ہر موڑ پر دینزلی کی عدالت نے رسالۂ نور کے بقیہ مندرجات کو تو تقریباً صحیح قرار دے دیا تھا لیکن جب الفقرہ میں بٹھائی گئی صاحبانِ ادراک کی کمیٹی نے اُس پر اعتراضات کی بھرمار کر دی تو جناب نورسی نے نکتہ اُٹھایا کہ وہ کیوں نذرِ اغلاط ہوگئے تھے۔ دراصل' جناب نورسی بجائے علاماتِ اعلیٰ کے اَجماعِ عقائد کی کنجی چھاپنا چاہتا تھا لیکن اُس نے اپنے خط میں لکھ دیا تھا کہ مبنی بر توکل بالخیر کوشش برائے علاماتِ اعلیٰ مستقبل میں نتائجِ فتح مندی کی حقدار ہے۔

اصل النوع مقدمہ:

دینزلی جیل میں ہونے والی سماعت جناب نورسی اور اُس کے شاگردان کے لئے ایک آزمائش ہی تھی۔ اُس کارروائی میں موجود اذیتوں اور مشقتوں کے علاوہ جناب نورسی اور اُس کے بہت سارے سرکردہ شاگردین کی سزائے موت میں حکومت وقت کا ہاتھ بھی عین عیاں تھا اور اُن

کی وہ صورتِ حال بھی ایک انتہائی غیر یقینیّت کا شکار تھی۔ ابتدائی متعین کردہ کمیٹی کی متعلقہ رسالۂ نور تنقیدی رپورٹ کے علاوہ جناب نورسی نے اپنے اور اپنے شاگردین کے خلاف وزیرِ تعلیم حسن علی یوچل کے اِشاعت شدہ دستوری حملے کا بھی ذکر کیا' حتیٰ کہ وزیرِ اعظم سو کو سارا چولو بھی اِس مقدمے میں براہ راست ملوث تھا۔

مزید یہ کہ' کیونکہ رسالۂ نور ہی دراصل زیرِ سماعت تھا لہٰذا جناب نورسی اور اُس کے شاگردین یعنی دونوں فریقین کا دفاع بھی دفاعِ رسالۂ نور پر ہی منحصر تھا۔ اور پھر برخلاف رسالۂ نور وجۂ سماعت بننے والے منصوبوں کے پردے چاک ہوتے وقت جناب نورسی کی آواز بہ اَنداز دفاع مدلل اور زور آور ہوتی چلی گئی' بلکہ برخلاف اپنی اُس تشویشناک حیثیت کے اُس کے الفاظ کسی اکثیر سے کم نہ تھے اور یہ بھی ایک قسم کا باہر سے دباؤ ہی تو تھا جو قانون کو محض ایک ڈھال کے طور پر استعمال کرنے کی شکل میں سامنے آرہا تھا' بلکہ مذہب کو بھی ٹھکانے لگانے کا ایک جواز تھا' کہ جناب نورسی نے اپنے ایک خط میں اپنے شاگردین کو مطلع کر دیا تھا کہ۔

اُن کے خلاف اِتنے وسیع پیمانے پر کی جانے والی چڑھائی اور دھاوے کی اَصل وجہ نزولِ پنجم نہیں تھی بلکہ عقیدے کی کنجی' اثباتِ حق اور جزب النوری تھے۔ مبنی بر سچائی عقیدہ ہونے والے مبلغانہ کام نے لادینیت کو شکست دیدی تھی۔ تاہم اہلِ الحاد جو کہ اپنی لادینیت کے دِفاع میں اہلِ حق کی ہیروں جڑی ایمانی تلواروں کی تاب نہ لا پائے تھے تو اُنہوں نے اُن کے حکومت کو دھوکے میں رکھنے کے لئے بطورِ بہانہ نزولِ پنجم پیش کر دی تھی۔

حالات کی اُن ستم ظریفیوں کے آگے جناب نورسی کی دفاعی کارکردگی نے اُلٹا اِنصاف کے چلن کو اِس نہج پر ڈال دیا کہ جیسے وہ کئی ماہ تک قید تنہائی کاٹنے کے باوجود متعلقہ حالات و واقعات پر مضبوط گرفت رکھنے والا ذہین و فطین مہارت ساز ہو۔ یعنی اُس نے تو اُن سب کو ایک آندھی کی لپیٹ میں لے لیا۔ اُس نے تمام حکومتی شعبوں کو ثمراتِ ایمانی کے خطوط کی نئی نقول اور وزارتِ انصاف کو رسالۂ نور کے تمام پرچے ارسال کر دیئے۔

اور جب وزیرِ تعلیم نے اُن پر اپنی چڑھائی اختیار کی تو جناب نورسی تب بھی بے خوف و خطر رہا بلکہ اُس نے اُسی وزارت کو رسالۂ نور ہی کے مواد سے بھرے چار عدد صندوق مزید ارسال کر دیئے۔ اپنے شاگردین سے اُن طوالت اور کشیدگی اختیار کرتے چلے جاتے ہوئے حالات میں صبر و تحمل کا تقاضا کرتے ہوئے جناب نورسی نے اپنے خط میں اُس انتہائی اہم واقعے کی بھی

نشاندہی کی کہ کیوں اُس حکومتی ڈیسک پر بھی رسالہٗ نور پڑھا جا رہا تھا اور جس سے کم از کم اُن کے ناقص عقائد کی تجدید اور دماغوں کی قلعی بھی کھل جانی چاہیے تھی۔

رہائی:

پھر جب جناب نورسی اور اُس کے شاگردین سے متعلقہ صورتِ حال اِنتہائی ہیبت ناک نظر آنے لگی تو وہ بطرف انقرہ کسی سخت ترین اقدام سے متوقع تھے لیکن جناب نورسی کے ستارے نے گردش توڑی اور تمام تر صورت حال سے متعلقہ اِنتہائی نرم خو اور مصالحانہ سی صورت حال سامنے آ گئی۔ بائیس اپریل 1944ء کو رسالہٗ نور پر متعین نگران کمیٹی نے عدالت انسداد جرائم کونسل کو اپنی پہلی متفقہ رپورٹ پیش کر دی جو کہ تمام تر توقعات سے کہیں بڑھ کر مثبت اور حوصلہ افزاء تھی، پھر وہ تمام تر مواد دینزلی بھیج دیا گیا بلکہ اُس کی ایک نقل جناب نورسی کو بھی پہنچ گئی۔

اُس رپورٹ میں بتایا گیا کہ نوے فیصدی رسالہٗ نور مبنی بر تشریحاتِ مفکرانہ برائے سچائی عقیدہ و ایمان ہے اور اُس کا تمام تر مواد ماسوائے مذہبی اصولوں اور وظائف کے کچھ اور نہیں ہے۔ البتہ اِس میں تشکیل معاشرہ، مذہبی اشتعال انگیزیت اور امن عامہ کے لئے خطراتی تحریک سی بھی ہے۔ تاہم اُس نے اپنے ایک خط میں اپنے شاگردین کو لکھا کہ یہ تو حمد و حمائیت اور واقعات و نگہداشت باری تعالیٰ ہے۔ کیونکہ، جیسا کہ، میں نے سُنا ہے کہ انقرہ میں ماہرین کی کمیٹی سچائی رسالہٗ نور کے آگے ہار مان گئی ہے، اور جہاں اُن کے پاس سخت تر تنقید اور اعتراضات کی بے شمار تاویلیں موجود تھیں، اُنہوں نے اِس پر اِس کی بریت کا اِنتہائی سادہ سا فیصلہ بھی دے دیا ہے۔

اُونچے ایوانوں میں بیٹھے ہوئے رسالہٗ نور کے مخالفین کو مطمئن کرنا تو رہا درکنار، کمیٹی کا بھی بیان تھا کہ تمام تر مقالہ جات خفیہ قسم کے اِطلاع نامے ہی تھے، بلکہ انتہائی غیر ذمہ دارانہ اور غیر مدبرانہ قسم کی تحریریں ہی تھیں، جو کہ اُس جناب نورسی سے اپنی حالت غیر، تر نگ اور دماغی شوریدگی میں لکھی گئی تھیں اِس لیے اُسے اِن کا ذمہ دار نہیں ٹھہرانا چاہیے۔ اُنہوں نے مزید بھی لکھا کہ قدرتی نظائیر کی کئی ساعتوں میں اِس کے مبتلائے پراگندگی رہنے کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔

اپنے خط میں ہی اپنے شاگردوں کو جناب نورسی نے لکھا کہ ایسے الزامات کی تردید کے لئے رسالہٗ نور کے باقی مندرجات ہی کافی و شافی ہیں۔ تینتیس کھڑکیاں بمعنی تینتیس خطوط جیسے عنوانات پر وہ سب کچھ بطور گواہی سامنے آیا تھا اور اِنتہائی حقیقت تو یہ تھی کہ جناب نورسی نے رب

رحیم نام کاورد کرتے ہوئے اپنی بلی کوسُن لیا تھا اور ایک دوسرے مقالۂ میں اُس نے مرحلۂ عرفان و آگاہی میں اپنے آپ کو کتبہ قبر کی شکل میں بھی دیکھ لیا تھا۔

عالمانہ پیرائے میں اُس کمیٹی نے قریباً پندرہ اعتراضات آگے بھجوائے جن پر جناب نورسی نے جوابات بہ اندازِ اعتراضات پیش کیے۔ اِکتیس مئی 1944ء کو جو اُس نے آخری اور طویل ترین جواب بمعہ اِعتراضات عدالت میں پیش کیے اُس پر اُس دِن وکیل سرکار نے بھی اپنے آخری مشاہدات اور اِجماعی عمل مکمل کرتے ہوئے عدالت کو اُن کی درخواست برائے سزا دے ہی دی۔ بحوالہ 136-199 جون 1944ء کو عدالت اپنے فیصلے پر آن پہنچی اور کمیٹی کی وسیع تر اور بھاری بھر رپورٹ کے مطابق اُس نے اُن قیدیوں کی رہائی اور فوری آزادی کا متفقہ فیصلہ سنا ڈالا جبکہ وکیل سرکار اُن کو سزائیں دیئے جانے پر برابر بہ اصرار رہا' لہٰذا مقدمۂ ہذا عدالت اپیل انقرہ بھیج دیا گیا۔ لیکن اُسی حکومتی اپیل کو وہاں بھی مسترد کر دیا گیا اور تیس دسمبر 1944ء کو عدالت دینزلی کا ہی فیصلہ برقرار رکھا گیا۔

سیحیر ہوٹل:

عدالتی مشکلات سے جب جناب نورسی اور اُس کے شاگردین نے نجات پائی تو دینزلی کی عوام نے نہ صرف اُن کا تالیوں اور والہانہ چیخوں سے استقبال کیا بلکہ انصاف زندہ آباد کے نعرے لگاتے ہوئے جیل تک اُن کے ہمراہی بھی رہے جہاں اُن کی تعلق داریاں جمع خاطر تھیں۔ احاطۂ بیرونِ جیل ایک تہوار کا سا سماں پیش کر رہا تھا۔ اُنہیں لینے کے لئے کھلی چھتوں والی گاڑیوں کا ایک سلسلہ شہر سے وہاں تک آیا ہوا تھا۔ وہ لوگ مہمانانِ دینزلی تھے لہٰذا عوام اُنہیں اپنے گھروں میں لے گئے اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں بڑھ چڑھ کر اُن کی خاطر مدارت کی۔

عوام کی طرف سے منتخب شدہ حاجی مصطفیٰ کو جایا کا نام کے ایک تاجر کے پاس شاگردین جناب نورسی میں بانٹنے کے لئے ایک خطیر رقم تھی لیکن کچھ قبول نہ کیا گیا۔ اور جب وہ اسٹیشن پر گئے تو شہر کے بہت سے نمایاں لوگ اُن کی معاونت اور الوداعی ٹرین کے لئے آ گئے۔ یعنی جناب نورسی اور رسالۂ نور نے شہر ہذا کو فتح کر لیا تھا۔ قید ہذا کو خیر آباد کہتے ہوئے جناب نورسی سیحیر ہوٹل کی آخری منزل پر واقع اُس کمرے کو محض منظر احسن دیکھنے کے لئے اُدھر مڑ گیا جہاں اُسے ڈیڑھ ماہ تک قیام کرنا پڑا تھا اور پھر ایک دو دِنوں میں اُس کے شاگردین اپنے اپنے گاؤں اور قصبوں کو لوٹ گئے۔

جونہی جناب نورسی بہ قیام ہوا قریباً پانچ سو روزانہ کے حساب سے لوگوں نے اُسے ملنے آنا شروع کر دیا۔ اُن میں سے بعض لوگوں نے تو روزانہ کو بھی معمول بنا لیا تھا جن میں سے نور الدین تو پچو نام کا ایک لکھاری بھی تھا۔ اُس نے اپنی تحریروں سے وزیر تعلیم حسن علی یوروجل کے غضب کو آواز دے کر جیل کی ہوا کھائی ہوئی تھی۔ سیحیر ہوٹل میں اُس کی جناب نورسی سے وجۂ ملاقات کا حوالہ کچھ یوں ہے۔

''شہر میں ہر کسی کی زبان پر اُس کا نام تھا اور ہر ایک شخص اُسے جانتا تھا اور بعد از رہائی وہ سیحیر ہوٹل کی آخری منزل کے ایک کمرے میں بہ قیام بھی ہوا تھا۔ وہاں پر اُس کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی اور اُس کے ملاقاتیوں کو بھی اُنہی تفتیشی مراحل سے گذارا جاتا اور تمام نام پتے تک لکھوائے جاتے تھے اور پھر بڑے ہی مختصر وقت کے لئے اُنہیں اُن سے ملا کر فوراً چلتا کر دیا جاتا تھا۔'' نورالدین ٹوپچو نے تو اُس سے ملنے کا معمول ہی بنا لیا اور وہ عموماً وہاں دوران دینزلی طعام شام جایا کرتا اور آدھے گھنٹے تک وہاں رہ جاتا۔ اُسے معلوم تھا کہ دینزلی عدالت میں ابتدائی ماہرانہ رپورٹ دینے کے لئے وہاں دو عدد استادوں کو تعینات کیا گیا تھا جو کہ بظاہر بھی بڑے بدخواہ قسم کے انسان لگتے تھے لیکن اُن سے درگذر برتنے اور اُنہیں راغب مذہب کرنے میں وہ جناب نورسی سے مزید متاثر ہوا۔

جناب نورسی تو واقعی ایک بڑا انسان تھا' اُس نے کہا کہ وہ اُنہیں معافی دے چکا ہے اور بحق معافی نامۂ عوام الناس یہ ایک بڑی توفیق تھی' اُن لوگوں کے لئے جو اُس کے پھانسی لگنے کے عمل میں شریک کار تھے۔ الغرض وہ ایک عمل مہم جوانہ قسم کا اِنسان تھا۔ وہ ہر کسی سے باتیں کیا کرتا اور اپنا مطلب واضح کر لیا کرتا تھا بلکہ اُس میں پسپائی' بے اِختیاری اور ہچکچاہٹ نام کی تو رمق تک نہ تھی۔ ایک شام وہ اُس کے جی بھر کر کھایا جانے والا طعام لے کر آئے لیکن اُس نے وہ تمام طعام یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ وہ باہر اُسے غریبوں کو دیدے جبکہ اُس کے پاس کچھ زیتون اور روٹی تھی اور وہی اُس نے کھا بھی لی۔

اُس نے مجھے بتایا کہ ڈبل روٹی کا ایک ہی گالا اُس کو دو ہفتوں تک کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اُس کے پاس چائے بنانے کے لئے بھی ایک ساموور نام کی خاص شے تھی جس سے تیار کردہ چائے وہ مجھے بھی پیش کیا کرتا تھا۔ اُسے ابھی جیل سے رہائی ملی ہی تھی اِس لیے اُس کے کمرے میں استعمال ضرورت کی کوئی چیز نہ تھی ماسوائے بشمول اصل و نقل شدہ تحریری کام کے اُس کے ہاتھوں سے

لکھی ہوئی ہزاروں کتب ہاتھوں ہاتھ نکلتی جا رہی تھیں' شہروں سے گاؤں تلک اُنہیں لکھا ہی جایا جا رہا تھا بلکہ رسالہء نور کی نقول بھی جگہ جگہ لکھائی پہنچائی کے عمل سے گذر رہی تھیں' الغرض چڑھتے سورج کے چڑھاوے کی طرح وہ وقت بھی اپنے دامن میں حوصلوں کے پہاڑ لیے ہوئے تھے۔

وقت بہ وقت دینزلی کے قریب واقع گرودی جلی گاؤں میں بھی میں گیا جہاں اِردگردِ کے دیہاتوں میں واقع قریباً ہر گھر سے اِنتہائی جوش و جذبے کے ساتھ دَس دَس ہزار صفحات پر مشتمل اُس کے کام کی لکھائی پہنچائی جا رہی تھی۔ وہ بڑا ہی پُر وضع اور بیباکانہ انداز و اطوار کا حامل اِنسان تھا' اُس کا حوصلہ اور شان و شوکت بھی بے پایاں تھیں اور اُس کے عالی دماغ کی دریافتیں بھی غیر معمولی نوعیت کی تھیں۔

وہ آلام و مصائب سے بھی بڑے تحمل اور توکل سے گذر جاتا تھا کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو سپردِ خدا کیا ہوا تھا۔ درحقیقت اُس کی تمام کھیتی اُنہی چیزوں سے مہکی ہوئی تھی حتیٰ کہ تمام کا تمام دینزلی بوجہء اُس کے جوش و جذبات سے سرشار ہوا ہوا تھا۔ دوست دُشمن سب ہی ایک ہو کر اُس کی تعریفوں میں لگے ہوئے تھے۔ دینزلی کی وہ رات دِن میں بدل گئی تھی یعنی اُس انسان نے اُس عالم کو فتح کر لیا تھا۔

جنابِ نورسی نے تو کبھی بھی دِلی طور پر اپنے شاگردین اور اُن بھائیوں سے بچھڑنا محسوس نہ کیا تھا' البتہ سب سے بڑھ کر' حافظ علی کی جیل کی موت نے اُنہیں بہت زیادہ رنجیدہ کر دیا تھا لہٰذا جیل سے جان چھوٹتے ہی اُس کا پہلا فریضہ اُس کی قبر پر حاضری تھی۔ صلاح الدین جیلیوٗ وہاں موجود تھا' اور اُسی نے یہ یادداشتیں تازہ کیں کہ کس طرح تلاوتِ کلام پاک کی گئی اور بعد میں جنابِ نورسی نے اپنے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کس قدر غمگین دُعا میں کہا کہ ''یہ ایک درخشاں ستارہء شہادت ہے' اور وہاں پر موجود سب نے بلا اِرادہ اپنے سر اوپر اُٹھائے تو آسمان پر واقعی ایک ستارہ چمک رہا تھا۔ ثمراتِ ایمانی کے دس عنوانات میں جنابِ نورسی نے ذہنی و قلبی کیفیات بیان بھی کی تھیں..........

> ''دینزلی جیل سے رہائی کے بعد میرا قیام بڑے مشہور ہوٹل شہر کی آخری منزل پر رہا تو میرے بالمقابل ایک عمدہ قسم کے باغ میں موجود بے شمار چنار اور سفیدے کے درختوں کے درویشوں کی طرح دائروں میں بے خودی' کیف و مستی اور مترنم پن میں رقص کنعاں تنوں' شاخوں اور تیز تر

پتوں کے پرتو نے اپنے بھائیوں سے بچھڑتے ہوئے ایک افسردگی اور دِلی دُکھ میں مجھے مبتلا کر کے رکھ دیا۔

پھر ایک دم ہی موسم سرما اور خزاں دماغ میں در آئے تو دِل و عقل پر تنبو سے تن گئے۔ اور اُن شاندار قسم کے چناروں اور سفیدوں کے ساتھ ساتھ مکمل طور پر مسرت اور وارفتگی کے غلبے میں زندگی کے سفر میں محو مخلوق پر ترس کھاتے ہوئے میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں پھر کشیدہ کاری سے مزین پردوں کی حامل اِس کائنات کی تہوں میں پہنچ کر جدائیوں اور مرمٹ جانے کی یاد دیہانیوں اور اِس موت و یاس سے بھری پُری دُنیا نے تو مجھے تہہ کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر' ایک دم ہی نور محمد ﷺ میری معاونت اور میرے دکھوں کو خوشیوں میں بدل دینے کے لئے میری رسائی تک لایا گیا' یعنی اُس نے حجاب سا اُٹھا دیا' اُس نے عدم' معدوم' فنا' فضولیت' بے مقصدیت' بے اِرادیت اور جدائیوں کی جگہ چناروں اور سفیدوں کے پتوں کی مانند مبنی بر عقل و فہم واقعاتِ عالم تک دکھا دیئے اور جس طرح جو رسالۂ نور میں بھی ثبوت تر ہوئے اور بہ لحاظِ نتائج بہ اندازِ فرائض تین مندرجات میں منقسم بھی ہوئے۔''

چودہواں باب

ایمرداغ

صوبہ آفیون میں دینزلی کے شمالاً اور اناطولیہ میں مغربی پٹی میں رہنے کے لئے انقرہ سے حکم آنے تک جناب نورسی دینزلی کے ہی ہوٹل سیحیر میں ڈیڑھ ماہ تک مقیم رہا۔ صادق دینزلی جو کہ جناب نورسی کو چاول وغیرہ بھیجا کرتا تھا کو دینزلی سے محفوظ مصطفیٰ کو جاپا کا نام کے ایک تاجر نے خط لکھا کہ جناب نورسی تو ایک پولیس انسپکٹر کی معیت میں وہاں سے کوچ کر گیا۔ اُس کی صحت بھی اچھی تھی اور اُس آمد و رفت کے متعلق بھی وہ وسیع النظر تھا۔ اور حکومت وقت نے حکم دے دیا تھا کہ اُسے چار سو لیرے سفری اخراجات کے لئے دیئے جائیں۔ پھر جناب نورسی کو آفیون کے انقرہ ہوٹل میں دو سے تین ہفتوں تک رکھا گیا اور پھر بعد میں ایمرداغ کی اقامت بارے احکامات کر دیئے گئے۔

لہٰذا اگست 1944ء کے وسط میں وہ بل کھاتی ہوئی پہاڑیوں پر آباد اِس چھوٹے سے شہر میں پہنچ گیا۔ جنوری 1948ء سے لے کر ستمبر 1949ء تک آفیون میں گذارے گئے بیس مہینوں کے علاوہ اکتوبر 1951ء تک اگلے سات سال کے لئے جناب نورسی کا وہیں مسکن رہا۔ اور جب وہ ایمرداغ پہنچا شعبان کا مہینہ تھا جس کے بعد اُسی سال 21۔ اگست کو ماہ رمضان شروع ہو گیا۔

تعارف:

وہاں اپنے پہلے ساڑھے تین سالہ قیام میں تو جناب نورسی کو اُن لامذہبی قوتوں کے خلاف نبرد آزما رہنا پڑا جنہوں نے سیکولرازم تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور تب تک اُن قوتوں نے ترکی میں اپنے آپ کو انتہائی محفوظ و مالوم سمجھ رکھا تھا۔ بمطابق ایک مصنف حاضرہ دینزلی جیل سے رہائی نے نہ صرف اُنہیں ہلا کر رکھ دیا تھا بلکہ اُنہیں یہ تک اِحساس نہ تھا کہ وہ رہائی ایک توپ

کے گولے کی طرح اُنہی پر داغی گئی تھی۔ اور یہ رسالۂ نور اور اُس کے مذہب کی نہ صرف ایک واضح کامیابی تھی بلکہ مستقبل کی کامیابیوں کی پیش بندی بھی تھی۔

الغرض جناب نورسی کی بیس سالہ خاموش جدوجہد کے ثمرات اور نتائج سامنے آنے لگ گئے تھے۔ اُنہی قوتوں کی نیتوں اور ترغیبات کے برعکس دینزلی میں عدالتی سماعتوں اور سزاؤں کی بھرپور پبلسٹی نے بمعہ جناب نورسی شاگردین رسالۂ نور کو رسالۂ نور ہی کے متعلق غور وفکر اور کشادگی کی راہ سجھائی۔ جبکہ تب تک رسالۂ نور کا کام تو دو تین اہم علاقوں میں ہی مرتکز تھا لیکن ترکی کے بہت سے علاقوں سے ہزاروں لوگ اِس کی شاگردی میں آ گئے اور مختلف وجوہات کی بناء پر قرآنِ پاک کی خدمت شروع کر دی۔ دشمنانِ جناب نورسی کا ایک بار پھر سے اُن کے خلاف اُس کی وجود پذیر ہونے والی تحریک کے حوالے سے مقامی اور انقرہ حکومت کو مخمصے میں ڈالنا تھا۔

ایک پہلو تو عیاں تھا کہ جناب نورسی کو ہی جو ایک توجہ کا مرکز بنا لیا گیا تھا صرف اُسے لاچارگی سے ہمکنار کرنا تھا۔ اور پھر عدالت دینزلی سے جناب نورسی کی رہائی اور رسالۂ نور کی صفائی اِشاعت کے باوجود اور برعکس غیر صحت مند سلوک، غیر قانونی خوف و ہراس اور وہ کڑی نگرانی جس میں اُسے رکھا گیا تھا پہلے سے بھی زیادہ تھیں۔ اُس نے اپنے شاگردین کو لکھا کہ اُس نے وہ سب کچھ ایک فخر کے ساتھ قبول کر لیا تھا یا پھر، اُس کا یہ مطلب تھا کہ اُس کی وہ قید و بند اور سختیاں رسالۂ نور اور اُس کے شاگردین کے ہی ہم حال تھیں لہٰذا اُنہیں بغیر کسی مزید مصائب کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی خدمات جاری رکھنی چاہئیں۔

جناب نورسی کی گرفتاری، اُس پر بہت زیادہ بڑھتا ہوا دباؤ اور اُسے آفیون قید میں ہی روکے رکھنے کی کڑیاں انقرہ میں بدلتے ہوئے حالات سے جاملتی تھیں یا شاید اُن حقائق سے بھی منسوب تھیں جو جنگ عظیم دوم کے بعد مذہبی اور جمہوری آزادی سے متعلق امریکی رجحان کے تابع تھے لہٰذا انتہا پسند سیکولرسٹوں نے بھی اپنے پاؤں تلے سے زمین کھسکتی اور بعدازاں اپنے ہی خلاف مضبوطی پکڑتی ہوئی محسوس کرتے ہوئے اپنے حیلے اور حملے بڑھا دیئے۔ دینزلی میں سے ہی رسالۂ نور کو ملنے والی محکمانہ رو رعائیت اور پھر اپنی رہائی سے جناب نورسی نے بھی فوائد اُٹھانے کا سوچ لیا۔ اور اِس کا راستہ اُس نے اعلیٰ افسران اور حکومتی اراکین کو رسالۂ نور اور اُس کے مدبرانہ اور کارگر کردار کے بارے میں ایسی چٹھیاں لکھ کر اپنایا کہ کیسے کیمونزم اور لادینیت کے لئے کچھ قوتوں کے ملک کو طوائف الملوکیت کی طرف دھکیلے جانے کے خلاف رسالۂ نور کیسے مددگار ثابت ہو سکتا

ہے اور اُس نے چند افسران کے ہاتھوں غیر قانونی طور پر حراساں کیے جاتے رہنے کے بارے میں بھی انہیں خوب آگاہی دی۔

ایمرداغ میں آمد:

ایمرداغ میں اور گرم تر ماہِ اگست میں جناب نورسی ذرا شام سے ہی پہلے پہنچ آیا۔ اُس وقت حکومتی دفاتر کے سامنے کچھ لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے آفیوں کی طرف سے گردوغبار کے ایک بادل میں سے ظہور پذیر ہوتی ہوئی ایک بس وہاں پہنچ آئی۔ اُن لوگوں میں موجود ڈاکٹر طاہر بارجیون نام کا ایک گورنمنٹ ڈائیریکٹر بھی تھا جو کہ ضلعی افسر بحالیات بھی تھا جس نے خلافِ معمول کسی کو پگڑی باندھے اور چوغا پہنے ہوئے دو حفاظتی سارجینٹوں کی تحویل میں اُس بس سے اُترتے ہوئے دیکھا۔ ستر سال کے پیٹے میں معین اُسی اجنبی سے شخص نے کوئی مناسب سی جگہ دیکھتے ہوئے اور قبلہ روئی کی سمت سمجھتے ہوئے اپنے پاس پہلے سے موجود جائے نماز بچھا دی اور بعد دوپہر عصر اور مغرب کی نماز ادا کی جو کہ اُس وقت مذہبی ستمگری کا ایک خلاف معمول قسم کا سا نظارہ تھا۔

اُس ڈاکٹر کے لئے وہ بڑا خوش کن لمحہ تھا کیونکہ 1922ء اور استنبول میں بحیثیت طالب علم مدرسہ وہ جناب نورسی کو فاتح مسجد میں دیکھ چکا تھا۔ اور اب ایمرداغ میں وہ اُس کا ایک معتمد شاگرد بن گیا کیونکہ مشرقی ترکی میں بمقام بیوٹ لیوس 1945ء میں ایک سال کی سرکاری تعیناتی میں جناب نورسی کے آبائی علاقے میں وہ رسالۂ نور کی تعارفی تگ ودو میں اُس کا بھی ایک متحرک کردار رہا تھا جہاں اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ وہ جلاوطنی جھیل ہی نہ سکے گا۔

اُسے جس کسی علاقے میں بھی بھیجا گیا تو اُس نے فرامین جناب نورسی کو رسالۂ نور کے لئے بغیر کسی پس و پیش کے اپنی اور اپنی جائیدادوں کی محبت بھری قربانیاں دیتے ہوئے دیکھا۔ وہاں ایمرداغ میں کلیوسکن نامی ایک خاندان نے ضروریاتِ جناب نورسی کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اُن کے چھٹے نمبر کے بھائی حسن کو سب سے پہلے جناب نورسی کی دیکھ بھال کا شرف حاصل ہوا۔ بعد ازاں اُن تمام بھائیوں اور اُن کے خاندانوں کو اُس کی تمام ضروری حاجتوں کا خوب خیال رکھا، جس میں کہ سب سے پہلے اُس کا کھانا وغیرہ تھا اور جس کی اُس نے ہمیشہ ادائیگی کی اور پھر اُن ضروری کاموں کی خیر خبر بھی جن سے کہ رسالۂ نور کا تسلسل برقرار تھا۔

1945ء کو جناب نورسی نے محمد جیلیوسکن کے ایک انتہائی ذہین فرزند جے لان کو اپنا روحانی بیٹا بنالیا جو کہ اُس کے ساتھ ساتھ رہا اور آنے والے وقتوں میں رسالۂ نور کا ایک اہم ترین شاگرد ثابت ہوا۔ جناب نورسی کے رہنے کے لئے جو مکان متعین ہوا وہ میونسپل بلڈنگ اور پولیس اسٹیشن کے قریب اور شہر کے وسط میں واقع تھا اور اُس کے دروازوں اور کھڑکیوں پر گارڈز تعینات تھے لہٰذا اُس سے ملاقات بہت ہی مشکل تھی۔ ایک بار جب اُس لڑکے جے لان کو اُسے ملنے سے منع کیا گیا تو اُس کے والد جیلیوسکن نے ایک قریبی دوکان میں سے اُس تک پہنچنے کے لئے ایک سوراخ سا بنالیا۔ حکومت کی طرف سے اُس کے خلاف اُٹھائے جانے والے فوری اور جبری اقدامات کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے اُسے ملنے والے حکومتی وظیفے کو ٹھکرا دیا تھا کیونکہ اپنی رہائی کے بعد اُسے چپ کرانے کی وہ فوری اور پہلی نئی حکومتی چال تھی۔ بلکہ اُس مقررّہ وظیفے کی مد میں اُسے خرید لینے کی کوشش میں اُسے اُس کی خواہش کے مطابق ایک عدد مکان بھی بنا کر دینے کی پیشکش موجود تھی۔ اور پھر اُنہوں نے اُسے پیچھے ذکر کردہ سفری خرچ بھی بھیجا۔

بعد از سوچ بچار اور مشورۂ شاگردین' جناب نورسی نے اُنہیں جواباً لکھا کہ اُس نے اپنے اخلاص اور زندگی بھر کے اُصولوں کی حفاظت کی خاطر اُن پیش کشوں کو ٹھکرا دیا تھا۔ اِس پر حکام بالا اُس سے اور بھی خفا ہوئے اور انجامِ کار سختیاں بھی بڑھ گئیں اور زندگی اِس قدر مصائب بھری ہوگئی کہ بقول اُس کے ایمر داغ میں گذرا ہوا ایک دن دینزلی میں گذارے ہوئے ایک ماہ برابر تھا۔

زیادہ سے زیادہ یہی تھا کہ چائے بنانے سے لے کر خطوط کی لکھائی پہنچائی تک وہ جے لان اُس مکان میں جناب نورسی کی ضروریات کا خیال رکھتا تھا یا پھر کبھی' موسم بہار اور گرما میں زیادہ سے زیادہ ممکن العمل وقت دیہات وغیرہ کی طرف گذارنا چاہتا' بالخصوص برائے اصلاح رسالۂ نور کی نقول اُٹھائے ہوئے ایمر داغ کے گرداگرد بنی ہوئی پتھر کی دیوار کے اُس پار تک ٹہلتے ٹہلتے چلے جانا۔ تو تب بھی کثیر تعداد میں سارجنٹ وغیرہ اُس کی تاک میں ہوتے تھے۔

بعد ازاں جب کام کا بوجھ بڑھ گیا تو جیلوسکین عموماً ایک ہی شاگرد کو بطورِ ڈرائیور لے کر جناب نورسی کے سفر کے لئے بغیر چھت والی گاڑی کا انتظام کر لیتا تو تب یہ نظارہ بھی اُس علاقے میں خوب جانا پہچانا جانے لگا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر اُس کو تنہائی زدہ کرنے والی کوششوں کے باوجود جناب نورسی اِتفاقاً مل جانے والے لوگوں سے بھی ہمیشہ ہم ربط رہا۔ ایمر داغ کے اردگرد

واقع دیہاتوں سے بچے اُس کے گرد غول در غول جمع ہو جاتے اور اُس کی اُس کھلی گاڑی کے پیچھے پیچھے جو جا دیدی بڑے دادا ابو کہتے ہوئے دوڑتے چلے جاتے' جناب نورسی بھی ہمیشہ اُن کے لئے نرم گوشہ ہی رکھتا تھا۔

بلکہ کہا کرتا تھا کہ وہ رسالۂ نور کے مستقبل کے شاگردین ہیں۔اور اُن دیہاتوں میں چکر لگاتے ہوئے وہ ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کو اپنے دام محبت کا اسیر کر لیتا تھا۔گڈریوں مزدوروں' کسانوں الغرض جن سے بھی وہ ملتا یہی کہا کرتا تھا کہ آپ لوگ جو خدمات سرانجام دے رہے ہیں' دوسروں کی تقویت کے لئے ہیں اور دِن میں جو نمازِ پنج گانہ ادا کرتے ہو یہ آخرت کی فائدہ عنصر عبادت ہے۔جو راہ ورسم اور راہنمائی جناب نورسی کی طرف سے اُن لوگوں کو ملی تھی اُس کے قابل قدر اثرات بھی مرتب ہوئے' یعنی مستقبل بعید میں بہت زیادہ تعداد میں بچے قرآن اور مذہب کی ترویج کے لئے جناب نورسی کے حلقۂ شاگردی میں آ گئے۔اور ایمرداغ میں ہی دوکانداروں' تاجروں اور ہنرمندوں میں بھی ایمانداری اور راست بازی نظر آنے لگی۔حتیٰ کہ 1947ء میں جناب نورسی کی جاسوسی پر متعین سفید کپڑوں میں ملبوس پولیس والے نے بھی یہ تاثرات دیئے کہ جب کبھی وہ مکھن وغیرہ خرید تا تو دوکاندار اُس کاغذ کا بھی علیحدہ سے وزن کرتا جس میں کہ وہ مکھن لپیٹ کر دیتا اور ایمرداغ شہر کو ایسا بنا دیئے جانے پر جناب نورسی کے متعلق یہ اُس کا واضح اقرارِ حال تھا۔

رسالۂ نور:

اگرچہ دینزلی سے حافظ مصطفیٰ نے صادق بے کو لکھا کہ جناب نورسی سے دامن صحت چھوٹ چکا ہے کیونکہ سخت حالت بیماری میں اُس نے خود بھی بتایا تھا اور یہ تب ہوا جب ماہِ رمضان سے کچھ ہی پہلے اُسے ایمرداغ میں منتقل کیا گیا تھا۔ایمرداغ سے اسپارٹا میں مقیم اپنے شاگردین کو لکھے گئے اپنے پہلے خط میں اُس نے لکھا کہ اُسے اُن سے دِلی محبت ہے کیونکہ اُن کی دُعاؤں کی وجہ سے ہی اُسے بیماری مہلک سے نجات ملی تھی جو صعوبت قید و بند کی دین تھیں۔

بیماریوں سے مقابلہ نہ کر پاتے ہوئے اور مجبورِ محض رہتے ہوئے' شائد یہی وجہ تھی کہ رسالۂ نور کا بہت سا کام اُن بیماریوں سے نبرد آزمائی میں ہی ہوا' بالخصوص دینزلی جیل میں ہی پہلے نو باب اور ''ثمراتِ ایمانی'' کے دس باب لکھے گئے۔قرآنِ پاک کی دوہرائی کے بارے میں اُٹھنے والے اعتراضِ ناپاک کے متعلق ٹھونک بجا کر دیا جانے والا جواب بھی اُسے ہی مانا گیا۔

اُس نے کہا کہ آفتابِ قرآن کو پھونکوں سے بجھانے والے بچوں جیسے نادانوں اور منافقوں کی ناپاک جسارتوں سے شبہ پا کر وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوا کیونکہ وہ نادان قرآنِ پاک کی حرمت کم کرنے کے لئے اِس کے طرح طرح کے تراجم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ جناب نورسی نے یہ بھی لکھا کہ اُس نے وہ دسواں باب اُنہیں بھیجنے کا ارادہ بھی کرلیا تھا۔ آنے والے سال کے ماہ مارچ کے آخر میں اسپارٹا میں موجود اپنے شاگردین کو لکھتے ہوئے جناب نورسی نے اُنہیں نوید دی کہ وہ اُنہیں فرشتوں سے متعلقہ ''ثمراتِ ایمانی'' کے مزید نسخے بھیج رہا ہے جو کہ گیارھویں نزول کے آخری نچوڑ کے طور پر ''ثمرات ایمانی'' ہیں۔

رسالہ نور بھی اپنی تکمیل کی آخری حدوں کو چھو رہا تھا' ماسوائے الحروجی ترویعنی ''روشن ثبوت'' کے جو کہ آفیون جیل میں لکھا گیا تھا، ''ثمراتِ ایمانی'' جیسے شہہ پاروں کا بھی لکھا جانا باقی تھا اور بعد ازاں وسیع پیمانے پر رسالہ نور بھی بحیثیت مجموعی با اشاعت ہوا۔ اُس وقت وجہ عقیدہ ایمانی وہ اہم مواد تھا جسے دو انتہائی اہم مجموعوں میں چار چاند لگنے تھے یعنی موسیٰ کے مضامین ''عصائے موسیٰ اور ذوالفقارِ'' ''ثمراتِ ایمانی'' کا گیارھواں حصہ مضامین موسیٰ پر ہی مشتمل ہے اور حصہ دوم رِسالہ نور ہی کے گیارہ شہہ پاروں یعنی' علاماتِ اعلیٰ کا مقام اوّل اور مقالہ برائے فطرت پر مشتمل ہے۔

ذوالفقار اُنیسویں خط پر بشمول ہے جبکہ معجزاتِ محمدی ﷺ اور اقوالِ پچیس کراماتِ قرآنی طباعت 1947ء بمقام ایسکی شہر راہنمائے نوجواناں تھیں اور وہ مجموعہ جات جو پیچھے مذکور ہوئے وہ کاستامونو میں بننے والے شاگردین جناب نورسی جو کہ سکول طلباء ہی تھے' کے لئے لکھے اور تیار کئے گئے تھے۔

دینزلی عدالت کی طرف سے جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کی رہائی کی منسوخی پر مبنی اپیل وکالت سرکار کی طرف سے انقرہ عدالت کو بھیجی گئی۔ تاہم' عدالت اپیل نے دینزلی عدالت کے منصفین کے متفقہ فیصلہ بوقت تیس دسمبر 1944ء کو ہی برقرار رکھا اور اِسے پندرہ فروری 1945ء کو سُنا بھی دیا گیا تھا۔ اُنتیس جون 1945ء نہیں آیا تھا کہ دینزلی میں ضیاء سونمیز نامی وکیل جناب نورسی نقولِ رسالہ نور اور کتب جناب نورسی جمع کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

قانونی طور پر تو رسالہ نور کی آزادانہ اشاعت اور ترسیل پر کوئی قدغن نہ تھی بلکہ دینزلی عدلیہ کی سماعتوں سے لے کر اُس کی مانگ بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ترکی بھر کے عوام الناس میں

رسالۂ نور کی جستجو جاری تھی۔ 47-1946ء میں ہی اسپارٹا کا ستامونو دینزلی اور دوسرے مقامات سے شاگردین جناب نورسی مضامین موسیٰ' ذوالفقار اور رسالۂ نور کے ہی دوسرے حصوں کی نقول کی لکھائی پہنچائی بڑے دھواں دارانہ پیمانے پر کر رہے تھے استنبول میں جیلبوس اور چند دیگر شاگردین نے ترکی میں آنے والی نقول مشینوں میں سے ایک خرید ہی لی۔

اسپارٹا سے طاہری مورتارو اُس مشین کو دیکھنے کے لئے آیا اور براستہ استنبول واپس جاتے ہوئے اُس نے بھی ایک خرید لی اور پھر اُن دو مشینوں سے رسالۂ نور کی ترسیل میں بڑی سہولت واقع ہوئی۔ وہ مشینیں بوجوہ اُن شاگردین ہی کے خریدی اور کام میں لائی گئی تھیں جن کی اُن قابلِ قدر قربانیوں نے اُن کے وسائل میں برکت ڈال دی تھی جو کہ بعد میں اشاعت شدہ کتابوں کی بکری سے اور بھی بڑھ گئی تھی۔ وہ مشینیں 1948ء میں شروع ہونے والی آفیون کی سماعتوں اور سزا شروع ہونے سے ڈیڑھ سال پہلے تک خوب زیرِ استعمال رہیں۔

اقوالِ مختصر' راہنمائے نوجوانان' تصدیق مہر برغائب الغیب' چراغِ روشنائی' ذوالفقار اور مضامین موسیٰ پر مبنی رسالۂ نور کے اہم حصوں نے بدست شاگردین جناب نورسی اُن مشینوں پر طباعت ہونا تھا اور ہو کر رہے۔ مختلف موضوعات پر ہدایات برائے کارکردگی بطرف شاگردان بذریعہ بے شمار خطوط جناب نورسی رسالۂ نور کی ہزاروں نقول کے مجموعہ جات کی طباعت ایک اور اضافی چیز تھی اور پھر عین اُسی وقت بذریعہ ہاتھ لکھائی پہنچائی جانے والی نقول کی رفتار بھی جاری و ساری رہی۔

نئی نسل کے لئے فوری دستیابی کے پیش نظر پہلی بار لاطینی حروف ابجد میں راہنمائے نوجوانان اور مضامین موسیٰ جیسے اہم حصوں کے مجموعہ جات طباعت کیے گئے۔ تاہم چونکہ رسالۂ نور کا اہم کام عربی مسودے کی نگہداشت تھا جو کہ دُنیائے اِسلامی میں وسیع الناس کا مسودہ دل پذیر تھا اس لیے زیادہ تر حصہ جات کی ترویج کے لئے اِسے اُنہی حروف تہجی میں جاری رکھنا پڑا۔ ایسا وسیع النظر کام دُوررس نتائج کا حامل تھا کیونکہ آنے والے سالوں میں تحریک نور کے اہم مہروں کے طور پر رسالۂ نور کو نوجوان نسل کی ایک نئی کھیپ مل گئی تھی۔

تاہم رسالۂ نور عوام الناس کی بالخصوص حاجاتِ حیات کے لئے بھی جوابدہ ہے جنہیں نہ صرف مغربی فکر اور فلسفے نے بدل کر رکھ دیا تھا بلکہ جمہوری ذریعہ تعلیم کے ہاتھوں یونیورسٹیوں کے طلباء اور اساتذہ بھی ہتھیائے جاچکے تھے' جن میں مصطفیٰ سُونگو نامی ایک دیہاتی مدرسے کا مدرس

اور جناب نورسی کا روحانی بیٹا بھی شامل حال تھا۔علاوہ ازیں مصطفیٰ رمضان لرو نامی طالب علم یونیورسٹی اور زروبی یور گرندروزالپ نامی ملازم محکمہ ڈاک بھی تھا جس کی 1946ء میں جناب نورسی سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔اور پھر جناب نورسی نے اپنا جانشین بھی کوئی نہیں مقرر کیا تھا' کیونکہ بقول اُس کے تحریک رسالۂ نور کی مجموعی حیثیت اور ہیئت ہی اُس کی صحیح معنوں میں اُستاد تھی' ہاں 1960ء کے بعد زروبی یورایک راہنما کے طور پر اُبھر کر سامنے آیا۔

پھر زیادہ تر تو یہ ہوا کہ بہ اقدام آہستگی رسالۂ نور کا اسلامی دُنیا میں پھیلاؤ شروع ہوا اور خاص طور پر بر مقام حج بیت اللہ پر پہنچ پڑنے والی اِس کی نقول مہا معاون ثابت ہوئیں۔کچھ نقول کے مجموعۂ جات مصر میں الاظہر' دِمشق اور مدینہ منورہ کی طرف بھیجے گئے' اور پھر کچھ مواد ایک کشمیری مذہبی مفکر کو آگے ہندوستانی علماء تک پہنچا دینے کی حامی بھر لینے پر دیا گیا۔اور پھر یہ بھی کہ اِنی بولو میں مقیم صلاح الدین جیلی بیو' جسے کہ جناب نورسی عبدالرحمٰن صلاح الدین کہا کرتا تھا اور جس نے کہ قریباً ایک ماہ سے بھی زیادہ تک بارے مضامین موسیٰ اور ذوالفقار کے بحث وتمہیص کے بعد چند اہم نقول دیتے ہوئے چند امریکن مشنریوں (پادریوں) سے اپنے تعلقات ہی منقطع کر لیے۔کیمیونزم کے بڑھتے ہوئے خطرات کے پیش نظر خاص ہدایات کی روشنی میں جناب نورسی نے اُن خطرات سے نپٹنے کے لئے عیسائی اہلیانِ مذہب سے تعاون کی بھی حمائیت کی تھی' جو کہ ایک آئندہ باب میں زیرِ بحث آتی ہے۔

حالاتِ خاص:

ایمرداغ میں جناب نورسی کی آمد پر جلد ہی ایک ماہ میں رسالۂ نور کا کام تو بظاہر مکمل ہی تھا لیکن اُس کا زیادہ تر وقت اُسے اُس کی ہاتھ سے لکھی ہوئی اور نقل ہوئی نقول کی درستگیوں میں ہی گذر جاتا تھا البتہ روزانہ ہی عبادت اور مراقبے کے وقت اِس کام کو تہہ کر دیا جاتا تھا۔اپنے بہت سے خطوط میں جناب نورسی نے اپنے شاگردین کی سرگرمیوں بارے ہدایات دیتے ہوئے اُنہیں ہاتھ سے لکھی جانے والی نقول کی متواتر اہمیت بارے بھی اُبھارا اور صحیح نقول کی ترسیل کا بھی تقاضا کیا تاکہ اُس وقت بے بہا اور مشقت مہا میں اُس کی معاونت ہو۔دشمنوں کی طرف اُن کے کام کو درپیش ہمہ اوقات خطرات کے پیش نظر وہ اُن سے چوکنے اور چوکس ہو کر رہنے کا ہمیشہ ہی متقاضی رہا۔

ایمرداغ میں ساڑھے تین سال جناب نورسی کے لئے واقعی اذیت ناک تھے اور یہ چیز اُس کے خطوط سے ہی عیاں تھی۔ایک انتہائی کینہ پرور ردِعمل جس سے وہ دوچار تھا' ایمرداغ کے لوگ اور اُس کے شاگردین بھی مکمل طور پر اور غیر قانونی لحاظ سے نبرد آزما تھے۔وہ ستر سالہ عمر مستعار کی حدوں کو چھو رہا تھا جب کہ اُس کا اِنتہائی مہلک قسم کی بیماریوں سے بھی واسطہ تھا جو کہ سالہا سال کی دَربدریوں' قیدوبند کی صعوبتوں اور متعدد بارانہ زہرخوانیوں کی وجہ سے تھیں۔

اُس کے دشمنوں کا مقصد تو یہ تھا کہ عوام الناس پر سے اُس کا اثر زائل کرنے کے لئے اُسے احساس جرم اور بدگمانیوں کے بادلوں تلے ہی رکھا جائے اور لوگوں کی نظروں میں اُسے مختلف واقعات میں ملوث کرتے ہوئے اُس قید تنہائی جس میں کہ اُسے ڈالا ہوا تھا' کی کڑی سے کڑی نگرانی اور مستقل دباؤ ہی ایک آخری حربہ تھا۔لیکن ایمرداغ میں تھوڑے ہی قیام کے بعد دینزلی کے لوگوں کو اُس نے اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔لیجئے اُس کے اپنے الفاظ''دینزلی'' جیسی صورت حال ہی کی طرح رسالہ نور کے ایماء پر لوگوں نے مجھے میری توقع سے بھی بڑھ عزت بخشی جبکہ اُس کے دشمنوں نے سرکاری اثر ورسوخ کے تحت اُس کے خلاف واویلا مہم اور تحریک اُٹھاتے ہوئے اُس پر خوب دباؤ بڑھایا تا کہ لوگوں کو خوفزدہ کر کے اُس سے دور رکھا جائے۔

کوئی ایک واقعہ مشتعل کھڑا کرنے کے لئے منافقین نے بڑے منصوبے اور حکمت عملیاں گھڑیں تا کہ جناب نورسی کو نقص امن عامہ کے جرم میں قصوروار ٹھہرایا جاسکتا اور پھر حکام اُس پر بزور طاقت چڑھائی کرسکتے۔وہ وجہ خاص جو قید وبند میں بھی دباؤ اور دھاووں کی علامت تھی وہ زیب تن اُس کا وہ لباسِ خاص تھا اور پھر وہ مکانِ خاص جس پر کہ چھاپوں کی حد بھی ہو چکی تھی۔

درحقیقت وہ تمام تر طریقہ کارِ مظالم سابقہ حربوں سے قطعاً مختلف نہ تھے' اور پھر اُنہیں جو منہ کی کھانی پڑی تو کیا وہ مظالم ایمرداغ سے کسی حد تک مختلف تھے؟ کیا اُن کی رفتارِ کار بہت زیادہ مدھم تھی یا بہت زیادہ تیز تھی؟ رسالہ نور کی اشاعت' اُس کی ترسیل اور جناب نورسی کو خاموش رکھنے کی جو جو وجوہات درج ذیل آئی ہیں شائد اُس کی زندگی پر نظر دوڑاتے ہوئے اُس کے خطوط میں دوبارہ مل سکیں۔

ممکن ہے یہ 1945ء کے بعد کی بات ہو' جب اُن کی رہائی بھی مصدقہ ہوگئی تھی اور رسالہ نور کی ضبط شدہ نقول بھی واپس مل گئی تھیں اور نقول ساز مشینیں بھی حاصل کرنے سے پہلے رسالہ نور کے مزید حصے چھاپنے کی کوششیں کی گئی ہوں جن میں سے ایک علاماتِ اعلیٰ ہی

تھی۔ نئے یا پرانے حروف ابجد کے اِستعمال کی بحث و تمہیص ختم ہو چکی تھی۔ اسپارٹا میں دورانِ مشاورت ہمراہ شاگردین جنابِ نورسی نے مضامین موسیٰ کو پُرانے حروف میں اور ذوالفقار کو نئے حروف میں چھپوانے کے لئے طاہری مورو تلہر وکو استنبول بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

تاہم اُن کے دشمناں کو بھی کارہذا کی بھنک پڑی گئی اور اُنہوں نے بھی بہت سے حکام بالا کے کان خوب بھرے کہ وہ رسالۂ نور کی نقول ہی بند کر دیں لہٰذا اِس وجہ سے اس وقت دو مجموعہ جات چھپنے سے رہ گئے۔ اپنے ایک اگلے خط میں اُس نے رسالۂ نور کے ایک حصّے کو نئے حروف میں چھپوانے کی اہم وجہ کھول کر بھی بیان کی تھی۔ اُس نے لکھا وہ وقت آ گیا تھا یا جلد ہی آنے والا تھا کہ رسالۂ کو چھپوانا پڑا اور وہ بھی ایک وسیع پیمانے پر' بالخصوص اُن دو بڑی دہشتوں اور تباہیوں کی روک تھام کے لئے جن کے خطرات پورے ملک پر منڈلا رہے تھے اور رسالۂ نور کا کردار ایک نجات دہندے کا سا تھا۔ اُس بے وقت اور وقعت رفتارِ زندگی کے خلاف آفاتِ عرضی میں سے ایک نام کیمونزم تھا جس کے لئے رسالۂ نور ایک قرآنی باڑ کا کام کر سکتا تھا' جبکہ دوسری مشکل ترک عوام پر پوری اِسلامی دُنیا پر لگائے گئے شدید قسم کے اِعتراضات تھے جن کی لپیٹ سے جمہور کی جڑیں کسی حد تک کھینچ لی گئی تھیں اور رسالۂ نور تو چونکہ ایک معجزۂ قرآنی تھا لہٰذا وہی پہلے والی محبتیں اور بھائی چارے لوٹا سکتا تھا۔

اُن مصائب سے ترک عوام پر پڑنے والے خوف سے جناب نورسی بخوبی آگاہ تھے' اور وہ خوف اِس قدر یقینی سا تھا کہ رسالۂ نور ہی پر چڑھ دوڑنے کی بجائے حب الوطن قسم کے سیاست دانوں کو تو چاہیے تھا کہ اُس خوف سے نپٹنے کے لئے اُس کی سرکاری سطح سے اشاعت کرواتے۔ لیکن اپنی سابقہ بیس سالہ دربدری اور حراست کے دورانیے سے بھی بالکل ہٹ کر اُس نے حکومت اعلیٰ کو پیدا شدہ خوف و ہراس کی سختی اور نوعیت کے بارے میں خط لکھتے ہوئے اُن سے رجوع اسلام کے لئے رسالۂ نور کی اشاعت کا ہی تقاضا کیا۔

درحقیقت یہ تو اُسی کوشش کا ایک تسلسل ہی تھا جو قرآن کو مغرب اور اُس کے فلسفے کے برعکس حکمرانوں کو قبول کروانے کے لئے وہ اپنی جوانی میں اختیار کر چکا تھا۔ جنگ آزادی کے بعد قریباً صدی بھر پہلے آزمودہ راہِ مغرب اختیار کر لی گئی تھی۔ جس کی منزلِ مقصود مکمل طور پر مغربیت ہی تھی اور جو قرآنِ پاک کو بھی اپنی ہی ناپاک عینک سے دیکھنا چاہتے تھے۔ اور یہ بھی جناب نورسی ہی کی نظر حکمت نظیر تھی کہ مابین جنگ حق و باطل کیا تھا۔ سالہا سال کی دربدریت سے لے کر اَب

تک اِس کشمکش سودوزیاں میں جناب نورسی کا کردار دفاعی رہا تھا' اُس نے بہت سے مقالۂ جات سچ اور ایمان کی تشریح اور ترجیح میں لکھ ڈالے جو کہ سائنس فلسفہ اور لادینیت کے نام پر خونخوار قسم کے حملوں کی زد میں تھے۔

بہت سارے محاذوں پر سے اسلام اور عقیدے کے خلاف منظّم قسم کی یورش کے خلاف اُس نے ہمہ قسم مطبوعات' سکولوں میں تعلیم و تعلیم بالغاں جیسے پروگراموں پر مبنی ایک راستہ پیدا کیا۔ جس پر بہت ہی معمولی مقدار میں لیکن بغیر کسی قسم کی مداخلت سے رسالۂ نور معمولی معمولی لوگوں میں ہاتھوں ہاتھ پہنچا' نقل ہوا اور ترسیل بھی ہوا' حتیٰ کہ 1945ء تک ترکی بھر میں رسالۂ ہٰذا اور مصنف ہٰذا کے ہزاروں پڑھنے اور پیروی کرنے والے ہو چکے تھے۔

اور اب 1945ء میں' انجامِ کار وہ راستہ جو اختیار کیا چکا تھا' جناب نورسی نے دیکھا کہ ترک قوم نہ صرف ایک بڑے خطرے سے دوچار ہے بلکہ اِسلامی دُنیا میں سے اپنی اُصل مدد اور معاونت سے بھی محروم کی جارہی ہے' اور تو اور اُسے اپنی اصل اور صحیح اِسلامی پہچان سے بھی بیگانہ کیا جارہا ہے اور پھر اُس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ تو لادینی قوتوں کی منصوبہ بندیوں سے نبرد آزمائی کے بھی قابل نہیں ہیں۔ جو کہ قدم بقدم عملی صورتِ حال اختیار کرتے شکار ہو جائے گی' پرے پرے اور الگ الگ بھی ہو جائے گی اور شمال میں ظہور پذیر خوف وخطرات کے دیوٗ کے غلبے میں بھی آ جائے گی۔ اپنے ایک پچھلے خط میں جناب نورسی نے یہ نکتہ بھی اُٹھایا تھا کہ اِس عفریت کو صرف اور صرف قرآن اور ترک قوم ہی روک سکتی تھی جو کہ بذریعہ اِسلام ہی متحد اور درخشاں تھی۔

اُوپر کے کچھ معاملاتِ خاص کے ایماء پر چند خفیہ طاقتیں اپنے کام دکھا رہی تھیں' یعنی، ''مجالس خاص اور خفیہ'' اور ایک ''لادینی تنظیم' جن کی کہ جڑھیں بھی کافی نیچے تک تھیں' اور موقف یہ رکھتی تھیں کہ آئینی اِنقلاب اور جمہوری استحکام کے دِن سے بھی پہلے سے جناب نورسی اپنی کوششوں میں لگا چلا آرہا تھا اور ترکی میں لادینیت کی ترویج کے راستے میں رکاوٹ بھی تھا جسے کہ ہٹانے اور سہانے کے لئے اُنہوں نے ہر حکمت عملی' دھوکہ دہی اور آلہ کاری کر دیکھی تھی۔ جن میں سے کچھ عدالتی سماعتوں اور سزاؤں جیسے انجام کار کو پہنچیں اور دوسری اُسے زہر دینے کی کوششوں پر منتج ہوئیں۔

اَب ایمرداغ میں بھی سرکاری سطح سے حکومت کی ہمہ اوقات متحرک زور آوریاں بھی جناب نورسی کے سر پر سوار تھیں۔ 1938ء میں صوبہ اِنی بولو کے مقتدر اور مختار ہوتے ہی کیموزم نے

ملک میں خاطر خواہ استحکام پکڑ لیا تھا۔ وہاں کی حکمت عملیاں اُس کی ترویج میں مددگار تھیں اور 1940ء میں تدریس اساتذہ کے لئے قائم کی جانے والی دیہاتی درسگاہوں کو تو کیمونسٹ اقدامات کی جولان گاہیں اور گودگاہیں سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ' ایسے القابات اور عنوانات کو سچ ثابت کرنا ہے تو مشکل لیکن اُس وقت وہاں کیمونسٹ ہمدردوں کی تعیناتیاں بڑا اعلیٰ شگون سمجھی جاتی تھیں۔

جب کیمونزم کا زور شور اور بہاؤ مغرب کی طرف بہہ گیا تو صوبہ اِنی بولو کو جمہوریت' روشن خیالی اور مذہبی آزادی بڑی نمایاں نمائندگی دی گئی جس سے کہ رسالۂ نور کی رکاوٹوں اور جناب نورسی کی خاموشیوں کو پروان چڑھانے والی کیمونزیائی خفیہ کوششیں بھی دفع دور ہو گئیں۔ دیگر مسائل اور اخلاقی زوال باہمی طور پر ترکی میں لمحۂ فکریہ بنے ہوئے تھے اور جناب نورسی نے مستقبل کے خطرات کو بھانپ لیا تھا جنہیں کہ اُس نے اپنے خط میں رسالۂ نور سے متعلقہ عدالتی منصفوں اور وزیر اِنصاف کو وضاحتاً بیان بھی کیا اور تقاضا کیا کہ رسالۂ نور اور اُس کے شاگردین کے خلاف غیر قانونی چارہ جویوں کی بجائے اُنہیں تحفظ فراہم کیا جائے۔

اُس نے اُن کے آگے یہ نکتہ بھی اُٹھایا کہ تیس سال پہلے آزادی پسندوں نے مذہب اور اِس کی اخلاقیاتی بندشوں کو ڈھیلا کرنے کی حمائیت کی تھی تو اُس کے نتائج آج ہمارے سامنے ہیں۔ بعینہٖ' آج تیزی پذیر اِصلاحات ایک خوف و ہراس کی فضا میں پچاس سال تک معاشرے کی لاتعلقی اور نسلی بگاڑ کی صورت میں نتائج دیں گی۔ کیونکہ' مسلمان دوسروں سے مشابہہ نہیں ہیں' لٰہذا ایک ہوئے بغیر بالآخر اُنہیں تباہ کر کے رکھ دیتیں اور ترک قوم صرف اور صرف قوتِ قرآنی ہی سے اُن الاؤں بلاؤں کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ لٰہذا' جناب نورسی نے بھی نئے حروفِ تہجی میں وسیع پیمانے پر رسالۂ نور شائع کرتے ہوئے قدرے جارح ہونے کی کوشش بھی کی۔

لیکن اُسی نازک وقت میں وہ حکومتی استحکامی اِحکام کی خلاف ورزی بھی تو نہیں کر رہا تھا کیونکہ اُس تضاداتی پس منظر میں نقص امن عامہ' طوائف الملوکی اور ملکی سالمیت کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی طاقتوں کی وجہ سے اُس کا مقصد اِستحکام معاشرہ اور تحفظ قانون تھا اور اُنہی خطرات کی آگاہی اور خبرداری کے لئے اُس نے اراکین حکومت اور حکومتی محکموں کو بہت سے کھلے خطوط اور درخواستیں بھی لکھیں۔

اکتوبر 1946ء تک بطور وزیر داخلہ اور پھر بعد میں ریپبلیکن پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ہونے والے ہیولیو کو بھی ایک ایسا ہی خط لکھا گیا تھا' جس میں جناب نورسی نے اِسلام اور

ترک قوم کی نا قابلِ علیحدگی فطرت اور بذریعہ اصلاح معاشرہ اسلام کو کنارے لگانے کی جان لیوا غلطی کی نشاندہی کی تھی، جس سے کہ قومیت اور مثبت کاری کی شکل میں وہ فلسفہ ٹھونستے ہوئے اِسلام کی جڑھیں ماری جارہی تھیں۔

اُن نافذ العمل حالات میں دوسرا اہم پہلو اسلامی دُنیا میں پھوٹ ڈالنے اور تقسیم کرنے کے درپے قوتوں کا باہم شیر وشکر ہونا تھا جنہوں نے اسلامی دنیا میں اپنی کالونیاں اِس مقصد کے لئے قائم کرلی تھیں کہ وہ اُس ملک میں مؤثر ترین اسلامی مرکز پرلا مذہبیت کا الزام لگا کر اُسے مجرمیت میں ملوث کررہی تھیں۔ وہ اسلامی دُنیا کے ساتھ ترکی کے تعلقات اور بھائی چارے کو ایک عداوتی رنگ دینے کے منصوبے پر عمل پیرا تھیں۔ اور، جو کچھ ہیں اور ہورہا تھا اُسے جناب نوری نے ''مجالس ملحدانہ (زیوندیو کامیؤ تیسیوٗ)' خفیہ تنظیمیں اور جرائمی طاقتیں کہہ کر اُس پر روشنی ڈالی جو کہ ترک قوم میں عداوت کے بیج بونے کے لئے مکمل طور پر لادینیت کی زمین تلاش اور تیار کررہی تھیں تا کہ اِسلامی دُنیا پر کمان اور کمال حاصل قوم کے بہادرانہ بھائی چارے میں دراڑیں ڈال دی جائیں۔

ایک اور پہلو یعنی، کیمونزم نے بھی اُس وقت ایک واقعی خطرہ پیدا کر رکھا تھا۔ تمام مشرقی یورپ پر قبضہ جماتے ہوئے شمال میں اِس کے پر جوش ظہور اور بطرف ترکی جارح رُخ نے ترکی کو مغرب میں مدغم ہونے کے لئے مجبور کردیا تھا کیونکہ ترکی میں اِس کی جمہوری اِنتظامیہ اور ماسکو کے نمائندگان کیمونزم کی ترویج کے لئے کام کرتے چلے آرہے تھے۔ جناب نوری نے ہیولیو روران کو سمجھایا کہ مذہب کے ہرج اور ہرزہ رسائی کے لئے اگر معاشرتی اصلاح کاری کی جگہ ایک واویلا مبہم جاری رہی تو تم بھی قرآنی عقائد و سچ کی ترویج نہیں کر پاؤ گے اور ترک قوم بھی ایک مکمل گمراہ کن طوائف الملوکیت کا ایک مسلمان اپنا دامنِ مذہب چھوڑ کر اور اِسلام کے اونچے معیار کردار سے ہٹ کر بالکل ہی گمراہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے، مطلق العنان بن جاتا ہے اور تادیر حکم بردار بھی نہیں رہتا۔ جناب نوری نے دلالت دی کہ اِن قوتوں سے ہونے والی اِخلاقی اور روحانی بربادی اور بگاڑ سچائی عقیدہ و ایمان ہی سے روکا جاسکتا تھا۔

قرآنِ کریم کی ہی طرف سے جاری ہونے والا رسالۂ نور اُن قوتوں کی راہ میں حائل ایک اٹیم بم کی سی قرآنی قوت کا معمار تھا۔ کیونکہ اُن قوتوں کی طرف سے پیدا شدہ نقصانات اور پُر خطر حالات پر قانون اور اِنصاف تو کیا نہ سیاست اور نہ ہی کوئی حکمت عملی حکمت دِکھا سکی تھی۔ اپنے خط میں ہی جناب نوری نے اپنے شاگردین اور محکمہ جاتِ حکومت، دونوں کو ہی رسالۂ

نور سے منسلک سیاست دانوں اور حب الوطنوں کی اہمیت کا پرزور احساس دلایا۔
بعینہٖ اور اکثر اوقات اُس نے یہ نکتہ بھی اُٹھایا کہ یہی قوتیں ہی قانون شکنی اور مطلق العنانیت میں کوشاں رہتی ہیں، ملک کے خلاف سازشیں کرتی ہیں، لگاتار وقوعے پیدا کرتی ہیں اور اُن میں جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کو ملوث کر دیتی ہیں۔ جبکہ بمطابق فیصلہ و اِستحکام عدالت قانون رسالۂ نور بمعہ شاگردین ہذا قانونِ عوام الناس کو سہارا، سلمیت کو تحفظ اور فسادی اقدامات کی نفی اور تدارک کرتے ہیں۔ اور پھر اُس نے آفیون پولیس ہیڈ کوارٹر کو بھی لکھا کہ مستقبل قریب میں ہی ملک اور حکومت دونوں کو رسالۂ نور جیسی سرگرمیوں کی ضرورتِ اشد ہوگی۔

شدت خوف و ہراس بہ آغازِ آفیون:

1944ء سے 1948ء کے آغاز تک رسالۂ نور کی ساڑھے تین سالہ پیش قدمی اور سیدھا ہی حکام بالا تک اپنا مقصد مقدمہ دائیر کرنے کی تیز روی میں اُس نے اُن سے رسالۂ نور اور اُس کے شاگردین کی سرگرمیوں پر بڑے بھاری منصوبے بنانے والے سیکولروں کے بیباکانہ اِقدامات پر سنجیدگی سے نوٹس لینے کا تقاضا کیا۔ اور اِس دفعہ تیسری بار اور بڑے پیمانے پر جناب نورسی معہ شاگردین ہونے والی قید بھی نقطۂ عروج تک پہنچ گئی۔

1947ء کے قریب قریب صدر عصمت اِنونو نے آفیون کا دورہ کیا اور ایک عدد تقریر بھی جس کی تعمیل میں جناب نورسی پر دباؤ بڑھا دیا گیا۔ اُسے جس طرح کی رپورٹیں دی گئی تھیں اُن پر اُس نے اپنے اُس دورے میں کہہ دیا کہ اِس صوبے میں مذہبی بگاڑ پھوٹ پڑے گا اور ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ اور آگے سے جناب نورسی نے لکھا کہ اُس کے خلاف ہونے والی وسیع الوسعت سازش کا وہ پہلا قطرہ تھا اور حالاتِ سابقہ کی طرح اُس پر خوف و ہراس طاری کر کے اِشتعال انگیز واقعات اور گڑبڑ کو ہوا دی جارہی ہے۔ اور بس اِسی ایما پر ہی پولیس اسپارٹا، کاستامونو اور قونیہ کے صوبوں کے علاوہ دوسرے خطوں میں بھی شاگردین جناب نورسی پر چڑھ دوڑی، گھر گھر تلاشیاں ہوئیں اور تفتیش شروع ہوگئیں۔

جناب نورسی کو بھی اُس وقت سے ہی چھاپوں دھاووں اور خوف و ہراس کی فضا میں مکمل طور غیر قانونی لحاظ سے نشانے پر رکھ لیا گیا اور مٹی کے ایک تودے کی خاطر بیسیوں پہاڑوں کی کھدائی کے مصداق اُس کی گرفتاری سے دوسری گرفتاریاں عین سمجھ لی گئیں بلکہ گورنر آفیون اور

وزیرِ داخلہ کے احکامات پر پولیس چیف ایک رات جناب نورسی کے مکان کی تلاشی لینے کے لئے ایمرداغ آدھمکا۔ چونکہ اُس اقدام کا وکالتِ سرکار و عوام کے ہاں اندراج نہ تھا لہٰذا اُنہیں صبح تک وہاں منتظر رہنا پڑا اور اُس کے بعد دو مقررہ آدمیوں نے دروازے پر پڑا ہوا تالا توڑ کر بزورِ طاقت راستہ بنایا۔

تلاشی پر اُنہیں جناب نورسی کے اُس مکان سے ماسوائے قرآنِ کریم اور عربی مسودے کے طور پر لکھے گئے پلندوں کے کچھ ہاتھ نہ لگا' جنہیں کہ وہ ساتھ لے گئے بلکہ بمطابق حکم بالا دو سارجنٹ جناب نورسی کو پولیس اسٹیشن بھی لے گئے۔ اور تو اور گورنر اور پولیس چیف جیسے اِنتہائی اعلیٰ عہدیداران دس دِنوں میں پانچ دفعہ وہاں پہنچے لیکن بوجہ عمل گرفتاری بھی جناب نورسی کو ناراض نہ کر پاتے ہوئے اُس کو بیان دِلوانے کے لئے لے جاتے ہوئے بزورِ بازو بھرے بازار میں اُس کی پگڑی اُتروانے اور ہیٹ پہنانے کو ایک تماشہ بناتے ہوئے اُنہوں نے اشتعال انگیز وقوعہ کھڑا کرنے کی کوشش بھی کر دیکھی مگر پھر سے ناکام رہے۔

جناب نورسی نے لکھا ''تمام تر قدرتوں کے حامل اے خدا' شکرانہ بے حد و حساب' چونکہ اُس ذات نے مجھے ایک کمال ذہنی بالیدگی سے سرفراز کیا ہوا ہے لہٰذا اِس ملک کے بدبخت لوگوں پر سے بلائیں دُور کرتے ہوئے میں نے کاش اپنی عزتِ نفس اور وقار تک قربان کیا ہوا ہوتا۔ اُنہوں نے مجھے بے عزتِ کرنے اور گالیوں سے نوازنے کے جو بھی ارادے کر رکھے تھے آگے سے میں نے بھی اُنہیں ہر قیمت پر برداشت کرنے کا عہد کر لیا تھا۔

اِس قوم کی سالمیت کی خاطر میں تو ہزار بار سے بھی زیادہ اپنی جان کے نذرانے کے لئے بھی تیار ہوں بلکہ معصوم بچوں کی خوشیوں اور اِطمینان' بڑے بوڑھوں کی تعظیم' بدقسمت بیماروں اور غربت کے شہکاروں کی خاطر جاں پیش بھی ہوں وہ دِن اور پھر آنے والے دِنوں میں بھی جب جناب نورسی اُس اَدھ کھلی گاڑی میں ایمرداغ کے گرد و نواح میں گھومنے پھرنے کے لئے نکلتا تو پانچ چھوٹے ہوائی جہازوں سے اُس کی نگرانی اور تعاقب کیا جاتا تھا اور ہوسکتا ہے کہ یہ سب وہاں کے لوگوں کے حوصلے پست کرنے کے لئے کیا جاتا ہو۔

1948ء کے آغاز میں ہی جناب نورسی کو پھر سے پولیس اسٹیشنوں اور دفتروں میں بیانات دینے کے لئے بلایا' جانے لگا لیکن طریقہ کار اُس کی کم تری اور توہین آمیزی پر مبنی ہوا کرتا تھا۔ ایک موقع پر بیماری اور پھر ستر سال سے بھی اُوپر کی بزرگی کے باوجود اُسے معمولی اور فضول قسم

کے سوالوں کے لئے چار گھنٹے تک کھڑا رکھا گیا جبکہ دینزلی سے وابستہ قصے کہانیوں کی بناء پر ایک رات ایمرداغ کی دھرتی چار شدید قسم کے جھٹکوں سے لرز اُٹھی۔

رسالۂ نور کی راہِ اشاعت روکنے کے لئے آفیون سے ایمرداغ تین سادہ لباس پولیس والے بھیجے گئے تا کہ وہ سرکردہ شاگردین اور اُن کی سرگرمیوں کی ٹوہ لگا ئیں۔ اُس گروپ میں سے عبدالرحمٰن آکرول نام کے ایک سینئر پولیس مین نے بعد میں اپنے اُن تجربات کی تفصیل دی جس کا اختصار کچھ یوں ہے۔

''اُن تینوں کو اپنے خاندانوں کو بھی بتائے بغیر بھیس بدل کر بغیر اپنی پہچان کرائے وہاں پہنچنے کی ہدایات دی گئی تھیں۔ عبدالرحمٰن کو پولیس چیف کی طرف سے خاص تنبیہ تھی کہ وہ جناب نورسی کو ناراض نہیں ہونے دے گا ورنہ اُسے اُس کی طرف سے پہل ملاقات میں دقت ہو گی۔ 13 دسمبر 1947ء کو وہ تینوں وہاں پہنچ گئے اور صرف اعلیٰ سارجنٹ اور کے میکم کو ہی ایمرداغ میں معلوم تھا کہ وہ کون تھے۔ جناب نورسی کا وہ مکان دکھائے جانے کے بعد وہ تینوں اُس کے سامنے ایک کیفے پر بیٹھ گئے اور لگے اُس کی چوکیداری کرنے' تو تھوڑی ہی دیر بعد جناب نورسی بمعہ شاگردین دروازے پر نمودار ہوئے۔''

''عبدالرحمٰن کو تو اُن کی اُٹھتی جوانیوں نے موہ لیا۔ پھر وہ شاگردین اُس کیفے پر آ گئے' اُس کے مالک سے اُن کے بارے میں معلوم کیا اور اُس نے اُن تینوں کو بتایا کہ استادِ محترم نے آپ کو سلام بھیجے ہیں اور ملاقات بھی چاہتے ہیں۔ یہ سن کر وہ تینوں پولیس والے تو بکے بکے رہ گئے اور لاعلمی کا بہانہ کرتے ہوئے اپنی اصلیت چھپانے کی کوشش کرنے لگے۔ آخرکار عبدالرحمٰن نے دوسرے دو میں سے حسن کو اُن کے ساتھ بھیج دیا جس نے کچھ دیر واپس آ کر انہیں بتایا کہ وہاں کیا کچھ ہوا تھا۔''

جناب نورسی نے سب سے پہلے تو اُس کا نام پوچھا جو کہ اُس نے احمد بتایا۔ پھر جناب نورسی نے اُس سے کہا کہ دیکھو احمد' وعدہ کرو مجھ سے کہ سچ بولو گے۔ میں نے وعدہ کیا تو جناب نورسی آگے بولا کہ' مجھے خبر موصول ہوئی ہے کہ تین پولیس والے میری تفتیش کے لئے بھیجے جا رہے

ہیں۔ یہاں میرے پاس بہت سارے شاگردین اور احباب موجود ہیں اور اگر تم ہی وہ تینوں پولیس والے ہوتو بولو اور میں اِن سب کو خبردار کرتا ہوں کہ وہ تم لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔

لیکن حسن اپنے اُسی موقف پر مصر رہا کہ وہ پولیس والے نہیں ہیں۔ لہٰذا اگلے دِن بھی ویسے ہی ہوا اور اُس دن ابراہیم نے دوسرے دو پولیس والوں کو اُدھر بھیج دیا۔ جناب نورسی نے اُن سے بہ عنوانِ عقیدہ و قرآن گفتگو کی، پھر اُنہیں کچھ لوکم اور تر کی لزاذتیں پیش کیں اور آخر میں مضامین موسیٰ اور راہنمائے نوجوانان کی دستی نقول بھی دیں۔ صالح نامی تیسرے پولیس والے کی لکھی ہوئی یادداشتوں کے تانے بانے عبدالرحمٰن کچھ یوں جوڑتا ہے۔

"جناب نورسی نے اُس سے کہا کہ وہ اُس کے ایک شاگرد کو ساتھ لے کر پنسار کی دوکان سے عرق شراب لائے لیکن کسی کو اشارہ تک بھی نہ ملے اور صالح نے اُس حکم کو اُس کی شفقت میں معمور سمجھا اور اُسی رات خود ہی اِس قدر پی گیا کہ کسی لڑائی میں اُلجھ کر نہ صرف خوب پٹائی کروا بیٹھا بلکہ بے ہوشی میں ایک گڑھے میں گر کر اپنا ریوالور بھی چوری کروا بیٹھا۔ بطورِ سزا اُس کے سینئر نے اُسے اُس ریوالور کی قیمت پر تین گنا جرمانہ کیا اور تنزلی کر کے کہیں اور بھیج دیا۔ بعدازاں، از خود وہ گرفتار ہو کر جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کے پاس پہنچا تو، آگے سے پھر سے بہ زبانی عبدالرحمٰن۔"

"جب کبھی بھی ایمرداغ میں جناب نورسی باہر نکلتا تو عوام الناس اُس کے راستے کے ساتھ ساتھ کھڑی ہوتی تھی جنہیں وہ مسکرا کر سلام کرتا جاتا تھا۔ جس دوران ہم وہاں تھے، پانچ یا چھ دفعہ گورنر اور وکیل سرکار و عوام الناس کی بھی ایمرداغ میں آمد ہوئی اور تلاشیوں میں سرگرمی ہوئی لیکن ایک شام دس لوگوں کو اُن کے گھروں سے اور پانچ چھ لوگوں کو کام کرتے ہوئے اُٹھا لیا گیا۔ اگلی صبح جناب نورسی کو بھی جمع خاطر کر لیا گیا اور پھر اُن سب کو ایک پولیس بس میں ڈال کر آفیون لے جایا گیا۔ یہ سترہ جنوری 1948ء کا دِن تھا اور ہم بھی اُسی دِن ہی آفیون واپس آ گئے تھے۔"

آفیون میں اُنہیں تین دِن تک ہوٹل ایمپوئیت میں رکھ کراُن کے بیانات لیے گئے اور اُن تین دِنوں تک ہی نزدیک نزدیک ایک بڑا سارا ہجوم بھی موجود رہا۔ پھر پولیس نے تمام ہوٹل کے معائینے کے بعد قید و بند کی حد بندی کر دی۔ پھر پولیس چیف نے مجھے ہی کہہ یا کہ میں ہی جناب نورسی کو ہوٹل سے لے جاؤں' سو میں نے وردی تو پہن لی مگر اُس سے کہا کہ'میں کیسے؟ وہ تو مجھے جانتا ہے اور یہ تو بڑی ہولناک قسم کی چپقلش ہوگی' لیکن اُس نے جواب دیا کہ'بس یہی کرو اور اَب سب کچھ کھلم کھلا ہو۔

میں نے کافی ساری پولیس لی' ہوٹل پہنچا لیکن اُنہیں اندر بھیج کر خود باہر دروازے پر انتظار کرنے لگا۔ جب جناب نورسی باہر نکلا تو اُس نے اوپر کے زینے سے ہی مجھے دیکھ لیا اور مسکراتے ہوئے خوشی سے کہا' عبدالرحمٰن' پھر میری کمر پر تھپکی دیتے ہوئے کہا' میں ابھی بھی تمہیں پسند کرتا ہوں کہ تم ابھی بھی اپنی ڈیوٹی پر ہو۔ ہم جناب نورسی کو خالی گلیوں میں سے جبکہ اُس کے شاگردین کو پولیس متعین راستوں سے جیل لے جایا گیا۔ عدالت کی پیشیاں ایک عرصے تک پڑتی رہیں۔

جہاں میرا بیان بھی ریکارڈ پہ آیا' جس میں میں نے کہا کہ میں نے جناب نورسی کو کسی بھی قسم کی نقصان دہ سرگرمی میں سرگرم نہ پایا۔ اگرچہ عبدالرحمٰن آکرول نے تو پیچھے کہہ دیا ہے کہ جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کو تین دِن تک ہوٹل میں رکھا گیا' لیکن تب 23 جنوری تھی جب اُنہیں حکومتی حکم پر گرفتار کر کے آفیون جیل میں ڈالا گیا تھا لہٰذا' یہ ایک ہفتے سے پندرہ دِن تک تو لازماً ہیں جو وہ وہاں رہے۔ اِس دورانیے میں نور شاگردین کو اسپارٹا' دینزلی' آفیون' کاستامونو اور دیگر مقامات پر سے گھماتے پھراتے آفیون ہی لایا گیا جہاں 54 شاگردین کو بحیثیت مجموعی ابتدائی سوالیہ مراحل سے گذرنا پڑا' ساتھ میں آفیون میں شاذ و نادر ہی تجربے میں آنے والی شدید سردی کی لہر اور لپیٹ سے بھی خوب پالا پڑا جہاں دُوسرے خطوں کی نسبت کافی حساس حد تک درجہ حرارت پایا جاتا ہے۔

پندرھواں باب

آفیون

قید و بند آفیون:

جناب نورسی اور اُس کے شاگردین اپنے تیسرے مدارج فکر سکول یوسف یعنی مدرسۂ یوسفیہ میں داغل ہو گئے جیسا کہ بمطابق حالاتِ سابقہ رسالۂ نور اور تمہید جناب نورسی لکھتے لکھاتے اُنہوں نے اِسے ایک سکول کا درجہ دے ڈالا تھا' الجنۃ الزھرا یعنی آئینہ اثبات لکھتے اور مطالعہ کرتے کراتے باوجود ایسکی شہر اور دینزلی جیل کی سختیوں کے تجربات کے اُنہوں نے دوسرے قیدیوں کو بھی سکھایا سمجھایا۔

یہ رپبلیکن پیپلز پارٹی کی حکمرانی کا اخیر ہو رہا تھا اور 1946ء سے ہی مضبوطی پکڑتی ہوئی ڈیموکریٹ پارٹی سامنے آ چکی تھی پھر بھی مذہب اور اسلام پر اپنا آخری وار کرتے ہوئے جو اُنہیں رورعائیت سوجھی وہ جناب نورسی کے لئے قید بیس ماہ با مشقت تھی لیکن دوسرے اہلِ مذاہب سے الگ تھلگ رہ جانے کے باوجود اُس مردِ حق نے اُس کی پرواہ تک نہ کی اور ڈیموکریٹ پارٹی کے زیرِ سایۂ رسالۂ نور کی آزادانہ طباعت اور اور اپنے شاگردین کے استحکام کو ایک قوت بخش تحریک کی صورت میں دیکھنے کے لئے روا رکھے جانے والے غیر انسانی سلوک میں بھی بہر حال زندہ رہنے میں کوشاں رہا۔

یہ بھی عیاں ہی تھا کہ جناب نورسی معہ شاگردین کی سزائے قید انجام بر اختتام تھی لیکن بعد از رہائی عدالت دینزلی اور دوسری تین بڑی عدالتوں کے اِنصاف اور وقار کی توہین کرتے ہوئے اُن کے دشمنان ہر قیمت پر اُنہیں مجرم ہی ٹھہرائے جانے پر تلے ہوئے تھے۔ چونکہ تمام تر الزامات ایک سے تھے لہٰذا حالات نے بھی کچھ ایسا رُخ اختیار کر لیا کہ سب سے پہلے تو آفیون جیل کے ہی معمولات کو مدِنظر رکھتے ہوئے مجموعۂ قوانین جرائم کی شق نمبر 163 میں مزید لچک'

جامعیت اور بھاری پن پر عالی مرتبت قومی اسمبلی میں کہے گئے وزیر اعظم کے ارشادات کا مطلب یہ تھا کہ اُنہیں کسی نہ کسی طرح جناب سعید نورسی معہ شاگردین پر لاگو کر دیا جاتا۔

دوسرے نمبر پر، بمطابق گورنر جیل آفیون، یہ قضیہ بھی انجام بر اختتام ہی تھا کہ جناب نورسی کو مزید جیل میں رکھا جاتا۔ چونکہ، یہ حکومت کا ہی کھڑا اور گھڑا ہوا قضیہ تھا کہ جناب نورسی منفی مذہبی واویلا کر رہا ہے سو صابر یو بانازلیو نامی پولیس آفیسر کے ساتھ چند دوسروں کو بھی سادہ لباس میں ایمرداغ بھیجا گیا تھا، تو ایک دن بانازلیو نے جیل آکر مجھ سے کہا کہ جسے جناب نورسی کہا جاتا ہے ہم بہت جلد آپ کے پاس لا رہے ہیں اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ واقعی سعید جناب نورسی کو جیل میں لے آئے۔ وہ سب حفظ ماتقدم تھا، کیونکہ بغیر کسی عدالتی کارروائی اور کارگذاری کے صرف اور صرف گورنر جیل کو ہی اطلاع دے کر جناب نورسی کو وہاں لایا جا رہا تھا۔

پھر، ایک دفعہ جب اُسے جیل میں ڈالا ہوا تھا تو قید تنہائی کے ساتھ ساتھ دیگر سہولیاتِ اسیرانِ سے لے کر کسی ایک ملاقاتی تک کی بھی اُسے رو رعائیت حاصل نہ تھی۔ پھر نہ تو اُسے کسی کی معاونت اور نہ کسی عدالتی کارروائی سے آگاہی دی گئی بلکہ اُس کی دفاعی تدابیر کو پس پشت ڈالنے کے لئے اُس کی طرف سے تیار کردہ پچاس ساٹھ صفحات پر مبنی مسودے پر ماہرین انقرہ کی چھ ماہ کی رپورٹ بھی وکیل سرکار نے روکے رکھی۔ وکیل سرکار نے تو سرکار کو ناراض کرنے اور اُس کاروائی کو آگے تک گھسیٹنے کیلئے جناب نورسی معہ شاگردان پر مختلف طریقوں سے مختلف اِلزام تراشیاں بھی کیں۔

جب وہ سب جیل میں تھے تو اندر ہی ہونے والی ایک فسادنما بغاوت کو بھی اُن سے منسوب تو کیا گیا لیکن اُس کا کوئی ایک بھی شاگرد ملوث ثابت نہ ہوا۔ لیکن پھر بھی اُس نے اُس کاروائی کو لٹکائے ہی رکھا۔ بمثال اُس نے عدالت اپیل تک تین ماہ کے لئے تمام تر کاغذات ہی روکے رکھے۔ اُن کی گرفتاری کے بعد اور ابتدائی کاروائی کے کوئی چار ماہ بعد سماعت عدالت شروع ہوئی اور ساڑھے چھ ماہ تک جاری رہی۔ تیس کے قریب شاگردین پر بغیر گرفتاری ڈالے مقدمہ چلا اور بمعہ جناب نورسی اُنیس بیس کے فرق سے ایک گروہ جیل میں بھی تھا۔

تمام تر اثبات حال کے باوجود جناب نورسی کو مجرم ٹھہرائے جانے کا عدالتی فیصلہ بھی پر آن کھڑا ہوا، اگرچہ سابقہ کمیٹی ماہرین نے تو رسالۂ نور کو کسی بھی قسم کی قانونی قدغن سے سبکدوش کر دیا تھا لیکن اِس دفعہ وہ کمیٹی نہ صرف بشمول موادِ منفی ڈائیریکٹوریٹ امور مذہبی کی تعین کردہ تھی بیرونی دباؤ اور آفیون اِستغاثہ کی وجہ سے جناب نورسی معہ شاگردین کے خلاف ہی گئی۔

آفیون جیل کی زندگی:

جناب نورسی بیس ماہ کے لئے آفیون جیل میں تھا اور اُس کے شاگردین کم وبیش اٹھارہ ماہ کے لئے تھے جبکہ اکثریت چھ ماہ کے لئے تھی اور اُن میں بھی ایک گروپ تو عدالتی سزا سے بھی پہلے کا تھا اور دوسرا بعد کا تھا۔ اُدھر موسم گرما بھی اپنی گذران میں تھا اور بہت ساری باتوں کی بھی بھاپ سرد ہو رہی تھی۔ لیکن ایمر داغ میں جناب نورسی کے ہی فدائین پر عرصہ حیات تنگ کر کے اُس کے دشمنان اپنے ہی خلاف اپنی عقل کا استعمال کر رہے تھے۔ جناب نورسی کی مخلصی اِس سے زیادہ کیا ہو سکتی تھی کہ وہ محض رسالہ نور اور اپنے شاگردین کے لئے ہمہ اقسام ہولناکیاں اور سختیاں برداشت کیے جا رہا تھا۔ وہ برمقابل حالاتِ حاضرہ ہی نہ تھا فاتح حالات بھی تھا۔

ستر سال سے اُوپر کے پیٹے میں متعدّد بار زہر خوانی برائے موت سے ہمکنار ہوتے ہوئے ایک کمزور لاغر اور سردی سے ٹھٹھرے ہوئے جسم کے ساتھ اُس نے ناقابلِ تصور حد تک تن تنہا اپنے شاگردین اور اسیرانِ دیگر کی راہنمائی کے لئے جو لکھا سو لکھا' اور راتیں اپنی عبادت اور مراقبوں کے لئے وقف کر دیں بلکہ برخلاف اپنے اُس آخری حملے کے رسالۂ نور کی اَصل اہمیت اور حقیقت کو اُجاگر کرتے ہوئے اپنے شاگردین کے بھی حق دفاع کے لئے اُس نے تشہیری تحریک کو مستعمل اور منظم کیا اور اپنی آہستہ رَو روحانی قوت سے دشمنانِ ہذا کو شکست فاش دی۔

جیل میں چھ حصوں یا رہائشوں پر مشتمل ایک وارڈ کو جناب نورسی کی آمد پر پہلی منزل تک قید تنہائی میں بدل دیا گیا جس کی کہ چھت بھی ستر فیصد حد تک بوسیدہ ہو چکی تھی۔ پھر اُس کی چالیس کے قریب تو کھڑکیاں تھیں مگر شیشے صرف پندرہ کے صحیح سلامت تھے جن کی ہواداری اور نقطۂ انجماد سے بھی کم تر درجۂ حرارت میں اُس مبتلائے بخار شخص کو بغیر آگ اور چولہے کے تنہا چھوڑ دیا گیا۔ پھر بعد ازاں اُسے ایک عدد چولہا بھی دے ہی دیا گیا' لیکن اُس کی بعد کی تقاریر سے عیاں ہوتا ہے کہ وہاں ساڑھے تین ماہ تک وکیل سرکار نے اُس کی کتابوں کو اُس تک پہنچائے جانے کی اجازت تک نہ دی۔

گستاپو چیف صلاح الدین جیلی بیؤ نے وکیل سرکار اور گورنر جیل سے اپنے مذاکرات میں زور دیا کہ ممنوع شدہ شاگردین جو کہ اُس سے ملنے میں کوشاں رہتے ہیں' کمزور ترین اہلِ سزائے قانون داروغے وغیرہ شاگردین جناب نورسی کو نہ تو کسی اپنے طریقہ کار سے واقف ہونے

دیں، نہ اُس کے قریب پھٹکنے دیں اور اگر پکڑے جائیں تو خوب خوب مرمت کیے جائیں۔ مگر شاگردین جناب نورسی نے اُن پر ہجوم وارڈوں اور بیرکوں میں رہتے ہوئے پہلے سے موجود ہولناک حالات کو بخوشی قبول کرتے ہوئے بعد میں آنے والی بکثرت سختیوں کو بھی بوساطت رسالۂ نور برائے قرآن وایمان بڑے تحمل سے برداشت کیا۔

اُن کے اُستادِ محترم اُن کے لیے ایک اَبدی وسیلۂ طاقت وتشفی تھے۔ کسی نے کہیں کہا کہ کسی نہ کسی طرح اُس کی شبینہ آہ وزاریاں اُنہیں تسلی دے ہی جاتی تھیں، بلکہ وہ سب ہی دورانِ جیل اُس کی شفقتوں کی شفایابی کے گن گاتے تھے۔ وہ باہر صحن یا لان میں ورزش کے لئے آتے وقت اُسے اوپر پہلی منزل پر اُن کی طرف دیکھتے ہوئے دیکھ کر حوصلے پا لیتے تھے اور وہ اُوپر سے اُن کی خیر وعافیت معلوم کرنے کے لئے نوٹس نیچے اُن کی طرف پھینک دیا کرتا تھا۔ الغرض اُن بیس ماہ میں اپنے شاگردین جیل کو وہ مختصر ترین خطوط اور اضافی طور پر نوٹس بھی لکھتا رہا۔ دینزلی جیل کے خطوط کی طرح اُس کے وہ خطوط بھی معہ دیگر معاملات کے متعلقہ جیل گذران ہی ہوتے تھے۔

اُن خطوط میں اُن سے زیادہ تر تقاضا مبنی بر رضائے الٰہی سزائے جیل کی بھگتان تھی جس نے بذریعہ رسالۂ نور خدماتِ قرآنی کی نئی خدمات ایک آزمائش اور مقدمے سازی کی صورت میں سامنے لا کھڑی کی تھیں۔ جب مقدمانہ ساعتوں کو آگے ہی آگے گھسیٹا جانے لگا اور مہینوں کے حساب سے اُنہی حالات سے دوچار رہے تو جناب نورسی نے رسالۂ نور ہی کی وسعت اور فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے اُن سے تقاضائے صبر کیا۔ اور اُن میں سے کچھ خطوط اُن ساعتوں کے پھر براہِ راست اُن دِفاعی تقاریر سے متعلق تھے جو مختلف دفاتر اور محکمہ جات کو بھیجی گئی تھیں۔ اُنہوں نے اِنہیں ملکی استحکام میں رخنہ اندازیاں اختیار کرنے والے اور تفرقے کے بیج بونے والے مخبر اور جاسوس تک کہہ کر خبردار کیا۔

جناب نورسی نے بھی اپنے ڈھیروں خطوط کے ذریعے اسیرانِ جیل کی اِصلاحی خدمات کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا جو بہت سے قیدیوں کے بندے بن جانے کی صورت میں ثمر آور بھی ثابت ہوئیں جن میں طاہر قصائی جیسے سفاک قاتل بھی موجود تھے۔ جہاں تک شاگردین تھے تو وہ جناب نورسی سے ملنے اور تبادلۂ خطوط کے مختلف اور مستقل طریقے سوچ اور ڈھونڈ لیتے تھے۔ اگرچہ اُنہیں بہت سے وارڈوں میں پھیلا دیا جاتا تھا لیکن ہر گروپ رسالۂ نور کے مطالعہ کے لئے اپنا ایک مدرسہ بنا لیتا تھا اور سیکھنے سمجھنے والے قیدیوں کو بھی راہِ راست پر لے آتے تھے۔ تمام

شاگردین رسالۂ نور کی مسلسل لکھائی پہنچائی بھی کرتے رہے۔

مصطفیٰ اجیت نام کا ایک شاگردِ خاص جو کہ ایمرداغ سے چیلیوٗ سکان کا رشتہ دار تھا' مدرسۂ یوسفیہ سے فارغ التحصیل تھا اور غلطی سے جس کی گرفتاری تیرزیو مصطفیٰ نام کے کسی دوسرے شخص کی بجائے ہوگئی تھی۔ اور پھر اُس معصوم اِنسان نے گیارہ ماہ آفیون جیل میں گذارے' چونکہ وہ امور جاتِ مذہب میں بطورِ خطاط ملازم رہا تھا اِس لیے اُس نے شاگردین جناب نورسی سے مسوداتِ قرآن کی نہ صرف تالیف سیکھ لی بلکہ بطریق احسن تلاوت بھی سیکھ لی اور پھر اپنی رہائی سے اگلے دس سالوں تک وہ ایمرداغ میں بطور امام مسجد کام کرتا رہا۔

نیچے زمین پر پتھریلی سطح والے وارڈ کو بیس ضرب پچیس اور آٹھ ضرب دس کے حساب سے پیمائش کر کے وہاں تین جائے ضرورت بھی بنادی گئیں۔ اُن وارڈوں میں ستر سے اسّی قیدی ہوتے تھے اور جس کسی کو رفع حاجت کی حاجت ہوتی وہ پہلے تو پانی کا کنستر ڈھونڈھتا اور پھر اُن طہارت خانوں میں جادم لیتا اور تو اور اُن قیدیوں میں بانٹی جانے والی دال روٹی کی بھی قیمت وصول کی جاتی تھی۔ چونکہ بہت سارے قیدی مقامی تھے لہٰذا اُن کا اَن پانی اور دُھلائی وغیرہ بذمہ اُن کے رشتہ داران ہوتی تھی۔

شاگردین جناب نورسی چونکہ غریب الوطن واقع ہوئے تھے اور انہیں نپی تلی کھاد خوراک پر گذارہ کرنا ہوتا تھا۔ ابراہیم فاکزیو نے بتایا کہ خشک دہی تارحانہ اور شوربے وغیرہ پر اُس کی گذران ہوتی تھی اور وہ شوربہ وہ قیدی چھوٹی سی انگیٹھی پر ایک ٹین کنستر میں بنایا کرتے تھے اور پھر اُس میں اِس قدر گھٹیا قسم کا تیل استعمال ہوتا تھا کہ اگر اُسے استعمال سے پہلے جوش نہ دیا جاتا تھا تو وہ تو کھانے پینے کے ہرگز قابل نہ ہوتا تھا' تاہم بعد ازاں اُس میں اُس ترحانہ خشک دہی کا بھی اضافہ کرلیا جاتا تھا۔ اُس نے مزید بتایا کہ اُس اُبلے ہوئے تیل کی لیٹرینوں تک بھی اِس قدر بدبو پھیلی ہوئی تھی کہ شروع شروع میں تو وہ چکرا کر رہ گیا تھا البتہ دو تین دِن بعد اُس ماحول کا عادی بھی ہو ہی گیا۔

وارڈ نمبر چھ' جہاں مہمت فیضی' حروضرو اور جیلان نامی شاگردین موجود تھے کبھی کبھار جناب نورسی کے لئے کھانا وہاں سے بھی پک کر آتا تھا کیونکہ جناب نورسی جیل کی طرف سے مہیا کردہ روٹی نہ کھایا کرتے تھے لیکن پھر بھی اُسے تین بار اُسی جیل میں زہر مار بھی کیا گیا۔ پھر سخت سردی میں آفیون جیل میں گذرنے والے اِنتہائی رحم دلانہ اَوقات جناب نورسی کی پُر ہجوم وارڈ میں منتقلی کے بارے میں ابراہیم فاضلیوٗ نے اور بھی بہت کچھ بتایا کہ "اگر ہم اُستاد کو کھڑکی پر نہ دیکھ پاتے تو

پریشان ہوجایا کرتے اور پھر ہر قیمت پر اُس پریشانی کی وجہ معلوم اور حل بھی نکال لیا کرتے تھے۔"

سخت سردی ہی کا ایک دن تھا جب میں کسی کو دکھائی دیئے بغیر اُوپر چڑھ گیا جہاں اُستادِ محترم بیمار پڑے ہوئے تھے' اُنہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کہا کہ پکڑلو میں نے اُسے پکڑا اور چوم لیا جو کہ سارے کا سارا تپ رہا تھا۔ پھر مجھ سے کہا ابراہیم' میں انتہائی بیمار ہوں اور قریب المرگ ہوں لیکن تمہیں یہاں پا کر قدرے سکون میں ہوں۔ اتنے میں جی لان بھی وہاں آ گیا اور اُس نے وہی کچھ اُس سے بھی دوہرا دیا۔ اُس حالت گھبراہٹ میں ہم تو رونے لگ گئے تو اُستادِ محترم بھی رو پڑے۔ تب ہمیں تو بالکل ہی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں' اُس نے ہی ہم دونوں کو اپنے گلے لگایا' اَلوداعی کلمات کہے اور بہت ساری دعاؤں کے ساتھ ہمیں وہاں سے بھیج دیا۔ واپس وارڈ میں آ کر ہم نے وہ ساری صورتِ حال اپنے وہاں کے بھائیوں سے بحث کی' بہت ساری دُعائیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک دُعائے خاص بھی پڑھ دی لیکن بعدازاں سمجھ بھی گئے کہ اُستادِ محترم کو زہر دے دیا گیا تھا۔

سردیاں ہی تھیں جب آفیون ہر جگہ جم چکا تھا اور اِردگرد کے باہم رابطے بھی کٹ چکے تھے حتیٰ کہ نظام ریلوے بھی ٹھپ ہو چکا تھا۔ پندرہ بیس دِنوں تک کسی قسم کی خوراک اور ایندھن وغیرہ بھی اُس شہر تک نہ پہنچ سکا اور نہ ہی چلتا پانی میسر رہا لہٰذا جناب نورسی کے اُس وارڈ کو بھی اُس کی ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں کے رِخنوں اور فرش کے شگافوں سے محفوظ اور گرم رکھنا ممکن نہ رہا تھا۔ اُس دِن میں نے دیکھا کہ اُستادِ محترم ایک کیتلی' چائے دانی' تیل والا کنستر اور تھوڑا سا لکڑیوں کا کوئلہ اپنے سامنے رکھے دو کمبلوں میں لپٹے ہوئے بیٹھے تھے۔

جب اُس نیم کھلے اور خالی وارڈ میں وہ معصوم' بوڑھا اور بیمار جناب نورسی بطرف موت برف ہوئے جا رہا تھا تو عین سامنے والے وارڈ کی گرم پانی اور لوہے کے چولہے کے علاوہ حالت بھی بہتر تھی۔ جبکہ اُس کے مکینوں میں سے کیمونزم کرائمیز میں عمر قید کاٹنے والا ایک نوجوان بالجبیر کا ملزم ایک ڈاکٹر اور ایک سیاسی قیدی تھا اور اُنہیں ہر قسم کی حق رعائیت حاصل تھی حتیٰ کہ کیمونسٹ کو تو حفاظتی دستے کے ساتھ شہر میں نکلنے کی اِجازت بھی تھی۔ شاگردانِ جناب نورسی نے جیل حکام کو اُن کے لیے کوئلوں اور چولہے کی درخواست گذاری لیکن اُس کے عین اُلٹ اُسے آوارگان' جیب کتروں اور چوروں کے مسکن چھٹی منزل پر زبردستی بھیج دیا گیا۔

کیسے اچھے طریقے سے اُنہوں نے اُس پر رحم کھایا تھا اور افسوس کہ اُن سے نہ

ہتھکنڈوں میں مزید رہتے ہوئے اُنہیں بھی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ہجوم شور اور گندگی اُس کے لئے ناقابلِ رہائش اور ایک بڑی اذیت ہیں۔ پھر بھی' دوسرے قیدیوں نے اُس سے ہمدردی کرتے ہوئے وارڈ ہی کا ایک حصہ الگ کر کے اُس میں کمبل چولہے کا اِنتظام کر کے جناب نورسی کو وہاں مقیم کر دیا اور اپنا بھی کسی قسم کا شور شرابہ باہر نہ نکلنے دیا پھر تو وہ اُس قید خانے کی گرم ترین جگہ بن گئی اور یہی وہ جگہ تھی جہاں جناب نورسی نے الجنہالزہرا تو زہرہ لکھی تھی۔

انتہائی نحیف اور بیمار جناب نورسی نے لکھا بھی تھا کہ وہاں وہ سب کچھ اُسی کی وجہ سے ہو رہا تھا' اور پھر تمام وارڈوں میں تو شاگردین رسالۂ نور مقیم تھے لیکن یہ پانچواں وارڈ ہی تھا جس کے مکینوں کو پیغام رسالۂ نور سے محروم کیا گیا تھا' لہٰذا' بسم اللہ کرتے ہوئے اُس نے وہاں کے نوجوانوں کو خصوصاً گیارھویں اثباتِ ایمانی' اتحاد اور وحدانیت کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ بہت سے قیدیوں نے تو نماز پنجگانہ پڑھنی شروع کر دی اور دوسروں میں معاونت جناب نورسی کے لئے مقابلے کی سی فضاء پیدا ہو گئی۔

پہلے تو جناب نورسی پانچ نمبر وارڈ میں منتقل ہوتے ہوئے رنجیدہ ہوا' اگرچہ جو بعد میں رحم و کرم میں بدل گیا' پھر اُس نے شدت پکڑتی ہوئی سردی کو مدنظر رکھتے ہوئے جیل حکام کو خبر دارانہ لہجے میں کہا کہ وہ اِس سب کئے کرائے کی سزا بھگتیں گے۔ قیدیوں میں سے پیشے کے لحاظ ایک کتب فروش جس نے جیل میں جناب نورسی کی معاونت کے لئے بہت کچھ کیا تھا' نے بتایا کہ بہ لحاظ فرمانِ ہذا جناب نورسی کس طرح درجہ حرارت نیچے سے نیچے تک گرتا گیا اور تمام کے تمام نالے بھی منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ تب شہر ہذا کے لوگ بھی کہہ اُٹھے کہ حکام پھر سے حوجا آفندی کے ساتھ کوئی بدسلوکی کر بیٹھے ہیں۔

تب تقریباً قیدیوں نے ہی جناب نورسی کے سابقہ اور پرانے وارڈ ہی میں چولہا وغیرہ رکھ کر اُس کو قابلِ رہائش بنایا اور جناب نورسی نے واپس بسیرا اختیار کیا۔ کچھ ہی ثانیے بعد گرم قسم کی ہوا کھلی جس سے درجہ حرارت بڑھا اور برف پگھلنی شروع ہو گئی' پھر تو ہر جگہ ہی نالے نالیاں پھوٹ اور پھٹ پڑے اور بمعہ جیل سارا شہر ہی اُن نالوں سے نکلنے والے گندگی کے سیلاب کی نذر ہو گیا۔ اور اُس جناب نورسی کی وہ پیش بندی بھی سکہ بند ثابت ہو گئی۔ تب جناب نورسی نے مقام الجنۃ الزہرا لکھی جسے کہ کیمل بیر اکلیونامی قیدی کچھ یوں بیان کرتا ہے کہ وہ اُس کی ایسے تشریح و توضیح کرتا جیسے کہ وہ بنام حرسُر و لکھی گئی تھیں۔

پھر فوری طور پر ہی بمعہ شاگردین جناب نورسی وہ اُس کی نقول تیار کر لیتا لیکن مکمل ہوتے ہوئے ہی وہ اُسے واپس مل جاتیں جو کہ کسی حد تک با اجازت اپنے پیشہ وارانہ اوزاروں سے اُنہیں کتابی شکلوں میں ڈھال دیتا اور وہ ساری کاروائی اِنتہائی رازداری میں ہوئی یہاں تک کہ رسالۂ نور کی کارگذاری بھی حالاتِ آفیون میں ہی جاری و ساری رہی۔

جناب نورسیؒ جیل سے باہر دیکھائی دیتے ہیں:

ایسکی شہر اور دینزلی جیل کے دورانیوں کے علاوہ آفیون میں بھی بہت سے مواقع پر جناب نورسی کو بہت ساری مسجدوں میں دیکھا گیا اور ایک بہتر دُنیا کی طلب اور جستجو میں یہ اُس کی غیر معمولی قوتوں اور معجزوں کا ایک معمول تھا۔ جناب نورسی اپنے آپ ہی کی خاطر اُن معمولات کی نفی کر دیتا اور اُنہیں مزید مخفی رکھتے ہوئے قرآن اور رسالۂ نور سے اُنہیں منسوب کر دیتا۔ مساجد میں اُس کے دیکھے جانے کے دو شاہدین تھے' ایک تو جیل وارڈن حسن ڈیور یچیوؔ اور دوسرا اُسی شہر سے ایک مقامی شخص تھا۔ وارڈن کا بیان تھا کہ اگرچہ وہ جیل میں تھا لیکن مسجدوں اور مارکیٹوں جیسی جگہوں پر اُس کے دیکھے جانے کی افواہیں ایک دم زور پکڑ چکی تھیں۔ تب میں نے ایک بڑا ہی جاہلانا قدم اُٹھایا کہ میں نے اُس کے جوتے بڑی ہی اچھی طرح صاف اور پالش کر دیئے کہ اگر تو وہ گرد آلود اور گندے ہو جاتے ہیں تو پھر تو واقعی اُس کے وہی ہونے کا وہ ثبوت تھا۔

حیولمیوؔ جو کہ آفیون شہر کا رہائشی تھا اور اُس نے جناب نورسی کو بعد اَز رہائی وہاں دَوران قیام دیکھا اور ملا بھی تھا' کا یادداشتی بیان کچھ یوں ہے۔ ''دَوران قید جیل جناب نورسی نے ادائیگی برائے نمازِ جمعہ کی اجازت مانگی لیکن اِنکار ہی ملا' پھر جب وارڈنوں نے وارڈوں میں جھانکا اور اُسے کہیں نہ پایا تو پھر اُس ناگہانی مصیبت کے تحت اُس کی مسجدوں میں تلاش شروع کر دی۔ پولیس کے دستے بہت سی مسجدوں میں گئے اور اُن میں سے کئی ایک نے اُسے امارات' اٹپازاری اور مصر کی مسجدوں میں نمازیں ادا کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن صرف اُس وقت نہ دیکھ سکے جب ادائیگی نماز کے بعد سب نمازی باہر چلے گئے تھے اور جب وہی پولیس والے واپس جیل پہنچے تو وہ جناب نورسیؒ بھی اپنے وارڈ میں ہی پائے گئے۔ آفیون شہر سے بھی بہت سارے لوگ اُس واقعے سے بخوبی باخبر تھے۔

مبنی بر معاملا ہذا سوال کے جواب میں جناب نورسی نے تصدیق بھی کی تھی کہ ہاں' ایسا اَمر ہوا تھا' لیکن جیسا کہ پیچھے ذکر کیا گیا' اُس نے اُس کو غیر اہم گردانتے ہوئے اور اپنے آپ پر سے توجہ ہٹاتے ہوئے رسالۂ نور پر مرکوز کرتے ہوئے مزید لکھا کہ ''ایک دفعہ ایک بڑے مشہور مفکر کو جہادی لوگوں کے مختلف جنگی محاذوں پر دیکھا' تو پوچھا' اور اُس نے جواب دیا کہ بہت سے صوفیا میری جگہ میرے ہی لیے خود بھی یہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اور اُنہوں نے انہی تعلیمات کی دیگر اہلِ ایمان کو بھی اجازت دے رکھی ہے۔ سو' بعینہٖ دینزلی آفیون میں میرے مختلف مساجد میں دیکھے جانے کو سرکاری طور گورنر جیل اور وارڈنوں کو اطلاع کر دی گئی تھی۔

بلکہ کچھ کو خبردار کرتے ہوئے پوچھا بھی گیا کہ کون اُس کے لئے جیل کے دروازے کھول دیتا ہے۔ پھر بالکل ویسا ہی اَمر یہاں واقعہ ہوا' لیکن اُسے میری ناقص اور غیر اہم ذات کی بجائے مہر اثبات مجموعۂ غائیب الغیب سے منسوب کیا جائے جو معجزاتِ رسالۂ نور کی دلالت کرتے ہیں اور سینکڑوں ہزاروں بار صدق صبر اور دولتِ یقین حاصل کرتے ہیں۔ اور رسالۂ نور کے بھی یقینی معجزات کی تصدیق اُس کے ہونہار اور بہادر شاگردین اپنے قلم اور کردار سے کرتے چلے آتے ہیں۔

جھنڈے والا واقعہ:

29۔ اکتوبر' جو کہ دِن برائے جمہوریہ ہے' کو گورنر جیل نے ہوسکتا ہے کہ کسی اِشتعال انگیز وقوعے کو مدِنظر رکھتے ہوئے مشہورِ عالم چاندستارے والا قومی جھنڈا جناب نورسی والے وارڈ پر باندھ دیا' حالانکہ یہ بھی سب کو یقین ہی تھا کہ وہ بھی یقیناً اُن کے اِس عمل سے پریشان اور پُر ملال ہوگا۔ لیکن اُن افسران نے تو جناب نورسی کے متعلق بڑی کم اندیشی کی' وہ جناب نورسی تو اپنی کم عمری سے ہی ایک مذہبی جمہوری واقع ہوا تھا اور اُس نے میدانِ قلم سے میدانِ کارزار جنگ تک اپنی تمام تر زندگی ہی ترک قوم اور ملک کے لئے وقف کر دی تھی۔ لہٰذا' اُس نے کچھ اِس انداز سے گورنر جیل کو خط لکھا............

جنابِ عالی!

میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے چھٹی برائے آزادی کے دِن کا جھنڈا میرے وارڈ پر لگا دیا۔ استنبول میں دَورانِ قومی عملداریت انقرہ کو بھی بخوبی معلوم تھا کہ برطانویوں

اور یونانیوں کے خلاف میں بھی اپنے چھ اقدام کے نام سے اشاعت اور طباعت و ترسیل کے میدان میں اور شاید ملٹری ڈویژن میں ہی اپنی خدمات سرانجام دے چکا تھا' جن کے لئے دو دفعہ مصطفیٰ کمال نے مجھے انقرہ جا کر جوابدہ ہونے کا تحریری نوٹس بھی کیا تھا' بلکہ اُس نے تو یہاں تک کہا تھا کہ ہمیں بہر حال اِس بہادر حوجا کو اپنے پاس رکھنا ہے لہٰذا' آج بر موقع ءِ قومی چھٹی جھنڈا لہرانا میرا بھی حق ہے۔

آفیون عدالت:

دورانِ جیل ہی جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کو مکمل طور پر غیر اخلاقی اور غیر قانونی طریقہ کار میں رکھا گیا' بعینہٖ حقائق مقدمات کو بھی بالائے طاق رکھتے ہوئے مقصد سماعت عدالت جناب نورسی کو مجرم ٹھہرانا تھا۔ اور اگر حالات کا رُخ اُن کے خلاف ہو رہا تھا تو پھر تو بمطابق قرآن رسالۂ نور کی طرف سے اُٹھنے والے سیلاب اور جناب نورسی کا منہ بند کرنے کی سماعتیں اور سزائیں ہی بیکار تھیں۔ نقص امن عامہ میں مذہبی جذبات انگیزی' خاتمۂ سیاست کے لئے ایک الگ اور خفیہ معاشرے کا قیام' ایک نئے طرزِ طریقت صوفیانہ کی تشکیل' مصطفیٰ کمال اور اُس کی اِصلاحات پر تنقید اور اُس سرکاری مشینری کے خلاف خیالات کی ترسیل جیسے الزامات جنہیں جناب نورسی ہزاروں ندیوں کا سمندر قرار دے چکا تھا' اور اُن میں عدالتی بریت بھی ہو چکی تھی' مگر معہ جناب نورسی خلاف شاگردین دوبارہ دائر کر دیئے گئے اور ایک الگ عذاب کھڑا ہو گیا۔

ایک دفعہ پھر سے جناب نورسی کے سر گردش قومیت پرست ہونے کا الزام دھر دیا گیا اور اِس الزام کا تو حقیقت حال سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا لیکن حکام ہر حال میں اُسے قابلِ تحقیر اور تضحیک کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ تخلیقات جناب نورسی سے پانچویں نزول سے متعلقہ ترغیباتِ نقص عامہ الناس کو وکیل سرکار نے بہت زیادہ رگڑا دیا لیکن' دراصل جس میں صوفیان' دجال اور وقت آخرت کے اشارہ جات اور احادیث ہی مضمر تھیں لیکن حکام نے موڑ توڑ کر اُن کا رُخ مصطفیٰ کمال کی ہی طرف کیے رکھا کیونکہ بدقسمتی سے ماہرین کی رپورٹیں بھی اُنہی کی تائید کر رہی تھیں۔

اور اُنہی مسائل سے متعلقہ سوال ہیئت بھی تھا۔ ایسکی شہر عدالت میں اِسلامی لباس اور حق وراثت سے متعلق کل چھبیس الفاظ پر مشتمل قرآنِ کریم کی آیات کی تشریح اور راہِ آسان کو بھی اِلزامات کی زد میں لے لیا گیا۔ لیکن' اگر واقعی اُن میں کسی قسم کی سازش وغیرہ ہوتی تو اُس سے تو

ایک آگ بھڑک اُٹھتی' مگر جناب نورسی' رسالۂ نور اور مذہب کے خلاف بجائے عداوتی ماحول بننے کے تشہیری قسم کی عدالتی کاروائیوں اور قید و بند نے اُن کے حق میں ہمدردانہ ماحول کی آبیاری کی۔ پھر مزید اور' درحقیقت عامتہ الناس کا غم وغصہ اُس غیر قانونی' غیر اِنسانی اور بیہمانہ سلوک کے خلاف تھا جو معصوم جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کے خلاف روا تھا اور اُسی طرزِ عمل کو 1950ء میں منعقدہ اِنتخابات میں رپبلیکن پیپلز پارٹی کی شکست فاش بھی فرض کرلیا گیا تھا۔

چونکہ ایسکی شہر اور دینزلی کی عدالتوں میں زیرِ سماعت مقدمات کی نوعیت ایک سی ہی تھی اِس لیے جناب نورسی کو معمولی ردّوبدل کے ساتھ اپنی دفاعی تقاریر کی تیاری میں سہولت رہی اور اُس نے ایک بار پھر سے اُن اِلزامات اور دفعات کو غلط ثابت کر دیا کہ نہ تو کبھی رسالۂ نور اور نہ ہی کبھی وہ اور اُس کے شاگردین ہی قانون شکنی کے مرتکب رہے ہیں۔ اب آگے اُس کی دِفاعی تقاریر سے چند اِقتباسات ہیں یعنی' احکامِ عامتہ الناس اور سیاسی معاشرے سے متعلقہ اِلزامات کے لئے پہلا جواب دعویٰ...... ''رسالۂ نور کے 130 اقتباسات یہاں سب کے سامنے پیش ہیں۔ اور یہ بخوبی سوچتے سمجھتے ہوئے کہ اِن کا ماسوائے صداقتِ عقیدہ کوئی دُنیاوی مقصد ہے ہی نہیں ایسکی شہر عدالت نے تو ایک دو حصّوں پر جبکہ دینزلی عدالت نے ایک بھی حصّے کو قابلِ اعتراض نہ گردانا اور پھر آٹھ سال کی مسلسل اور کڑی نگرانی کے باوجود کاستامونو کی بڑی بھاری پولیس میرے دو معاونین اور تین دوسرے شاگردین کو ماسوائے کسی بہانے کے ایک بھی ملزم تلاش نہ کرسکی۔

اور شاگردین رسالۂ نور کا کسی بھی لحاظ سے کسی سیاسی معاشرے میں ملوث نہ ہونے کا یہ ایک حتمی اور کھلا ثبوت تھا۔ اگر کوئی الزام یا تہمت سر دھرنے میں معاشرے کی نیت یا ارادہ بن جاتا ہے تو یہ ایمان وآخرت کے لحاظ سے اُسی سوسائٹی پر ہی بوجھ ہے۔ بلکہ ہم جواباً یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر تو سوسائٹی کا نام ہم یونیورسٹی کے طلباء اور تاجر لوگوں کو دیتے ہیں تو پھر تو یہ لیبل ہم پر بھی چسپاں ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر آپ ہمیں ایک نسلی اتحاد کہتے ہیں تو پھر مذہبی مفافرت سے ضربِ امن عامتہ الناس والی بات ہوئی' جس کے بدلے میں ہم جواب آں ہیں کہ' ان تیس سالہ طوفانی حالات میں کسی ایک جگہ پر بھی شاگردین رسالۂ نور امن عامہ کی گڑبڑ کے رگڑے میں نہیں آئے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہی رہی ہے کہ ایسا کوئی بھی وقوعہ حکومت یا کسی عدالت کے ریکارڈ میں موجود ہو جو اِس جرم بد کی نفی نہ کرتا ہو۔

اور اگر لفظ ''کمیونٹی'' کو ایسے معنی پہنائے جاتے ہیں جن سے کہ مستقبل میں پائیداریٔ مذہبی جذبات تحفظ امن عامتہ الناس کے لیے ضرر رساں ہو سکتے ہیں تو پھر تو ہم ہی کہے دیتے ہیں کہ اولاً تو ڈائیریکٹوریٹ برائے امورِ مذہب اور تمام تر مبلغین بھی یہی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر' اپنی تمام تر قوتِ ایمانی اور یقین دیہانی سے شاگردین رسالۂ نور تحفظ امن عامتہ الناس اور قوم کی برخلاف طوائف الملوکیت حفاظت کرتے ہیں' وہ مانع امن ہرگز نہیں۔ تو' ہاں تو پھر' ہم ایک نسلی اِتحاد ہی ہیں اور ہمارا پروگرام برائے مقصد تحفظ ازخود اور پھر اِس قوم کو اِحساس ابدی معدومیت اور بوجہٗ دخولِ سلطنت قید تنہائی سے تحفظ کے ساتھ ساتھ اپنے ہم وطنوں کو مطلقیت اور لاقانونیت سے نجات دلواتے ہوئے ہمیں رسالۂ نور کی یقینی صداقتوں کے سہارے کفر و اتحاد کے خلاف بھی اپنے آپ کو محفوظ کرنا ہے جو کہ اِس اور اُس جہان میں ہماری بربادیوں کی وجہٗ اوّل و آخر ہے۔

جناب نورسی نے اپنی دفاعی تقاریر میں اکثر زور دے کر کہا کہ اُن کی قرآنی خدمات اُنہیں سیاست بازی سے منع کرتی ہیں' اور وہ وہی لوگ تھے جو اِن خدمات کے عوض مثبت معاشرتی نتائج کی مخالف کیا کرتے تھے اور وہی پھر سے اُنہیں سیاسی وابستگیوں میں ملزم بھی ٹھہراتے تھے۔ مگر ہم شاگردین رسالۂ نور اپنے رِسالہ کو دُنیاوی سیاستوں کا آلۂ کار نہیں بناتے ہیں کیونکہ قرآنِ پاک ہمیں زیادہ سے زیادہ اور سختی سے سیاست سازی سے منع کرتا ہے۔ کیونکہ بذریعۂ صداقتِ ایمانی اور اِنتہائی اثباتِ حتمی کے ساتھ رسالۂ نور کا کام خدمت قرآن ہے۔

اُس پیش منظر میں جہاں مکمل بے یقینیت اَبدی زندگی کو تو برباد کر کے رکھ دیتی ہے بلکہ اِس دُنیاوی زِندگی کو بھی ایک ایسے زہر آلود مردہ زار میں منتقل کر دیتی ہے جس پر کہ انتہائی سنگدل اور ملحد قسم کے فلاسفروں کو ہی یقین اور اِعتقاد ہوتا ہے۔ اِس لئے ہم رسالۂ نور کو کسی بھی قسم کا آلۂ کار نہیں بنا سکتے۔ اور پھر پہلی بات تو یہ' کہ ہمیں سرے سے ہی سیاست سے منع کیا جاتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سیاست کاری میں جھوٹا واویلا کر بیٹھیں اور پھر قرآنی موتیوں کے بدلے میں کانچ کے ٹکڑے اکٹھے کرتے پھریں۔ دوسرے نمبر پر' ہمدردی' صداقت' حق اور ضمیر جو کہ رسالۂ نور کے بنیادی ستون ہیں اور بڑی سختی سے کار سیاست اور مداخلت کار سرکار کے سلسلے میں ہماری راہ میں حائل ہیں۔

ایک دودہریئے قسم کے لوگ جو کہ مکمل طور پر بے یقینی کے گڑھوں میں گرے ہوئے

تھےاور سزاؤں کے مستحق بھی تھے پر انحصار کرنے والے سات آٹھ معصوم بچے' ذہنی بیمار اور بوڑھے بھی شامل حال تھے۔ اور اگر اُن کی سزاؤں کو دیکھتے ہیں تو بجائے ایک دو کے وہ سب مستوجب سزا ٹھہرتے ہیں۔ نتیجہ بھی کوئی خاطر خواہ نہیں رہتا کیونکہ معاشرتی زِندگی کی سیاست کاری میں مداخلت کی مد میں ہمیں منع کیا جا چکا ہے۔ لیکن وہ سب کچھ حکومت اور عوامی احکام کے سلسلے میں ضرر رساں ہی ہے۔ تاحال پیش آورد عجیب صورتِ حالات میں ملک قوم اور معاشرتی زِندگی کو طوائف الملوکیت سے بچانے کے لیے پانچ سنہری اُصول واضح ہیں۔

مثلاً اَدب و احترام' ہمدردی و غمگساری' اشیائے حرام سے اِجتناب وگریز' تحفظ جسم و جاں ترکِ لاقانونیت اور تعمیل احکاماتِ حکام بالا۔ اور یہ شہادت عمل بھی ملاحظہ فرمائیں کہ رسالۂ نور کی جب معاشرتی زندگی پر نظر پڑتی ہے تو یہ تو ایک مضبوط اور مقدس چلن کے طور پر اُن پانچ سنہری اُصولوں کو قائم دائم کر دیتا ہے اور احکاماتِ عامتہ الناس کے بنیادی پتھر کا بھی ایک ایسا لقب اور نگہداشت کنندہ ثابت ہوتا ہے کہ پچھلے بیس سالوں سے بھی زیادہ عرصے میں اِس نے اِس ملک اور قوم کے ایک لاکھ لوگوں کو بے ضرر اور مفید مطلب قالب میں ڈھالا ہے۔

دوہرائی الزام مبنی بر مسئلہ طریقت اور جوابِ جناب نورسی:

رسالۂ نور کا آغاز اور انجام مبنی بر جوہر قرآنی پختگیءِ ایمان وعقیدہ ہے۔ اِسی لئے تین عدد عدالت ہائے قوانین طریقت ہی کے تناظر میں اِسے بری الزمہ قرار دے چکی ہیں اور پھر اِن بیس سالوں میں کسی ایک بھی شخص نے یہ نہیں کہا ہے کہ سید نے مجھے ہدایاتِ طریقت دی ہیں۔ ہزاروں سال سے جس عقیدۂ ایمانی کی رسّی سے اِس قوم کے آباؤ اجداد بندھے چلے آ رہے ہیں اُن کے سر بھی تو کوئی نہ کوئی الزام دھرا جا سکتا ہے۔ اور یہ در پردہ منافقین جو حقیقت اسلام کو طریقت کہہ کر اِس قوم کے مذہب پر حملہ آور ہوتے ہیں بذاتِ خود بھی تو ایک لحاظ سے ایک طریقت میں ہی ملوث ہیں۔

تمام تر چالبازیوں اور اِلزامات میں سے سب سے بڑا اور عیاں بہتان کردش قوم پرست ہونا تھا۔ بطور ایک بوڑھے سیّد کے' سلطنت عثمانیہ کی اِتحادی طاقت کی تقویم کے لئے جناب نورسی نے بلاشبہ کشٹ کاٹے تھے اور ترک قوم کے لئے ہی بیس سالہ جلاوطنی میں پیدا شدہ اُس نئے جناب سعید نورسی نے اُسے ایک بار پھر سے اپنے آپ پر قربان کر دیا۔ لیکن' اِس کے

باوجود عدالت اُسے اسی الزام میں سزاوار سمجھتی ہے کہ اُس کی رگوں میں گردش قوم پرستی کا خون کھول رہا ہے' اور قانون کے نام پر یہی توہین عدالت و انصاف بھی تھی۔

دُنیا کی کوئی بھی عدالت کیا اِن حالات میں مجھے ملزم ٹھہرا سکتی ہے۔ جیسا کہ اِس جناب سعید نورسی نے مذہبی ترکوں اور مسلم قوم کے لئے اپنا آبائی ملک' رشتہ دار بلکہ اپنی زندگانی اور اُس کی روح تک قربان کر دی' ایسے اِنسان کے متعلق کیا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بائیس سالہ اذیتوں اور تکلیفوں کے تناظر میں متعلقہ ترک قوم بھائی چارے اور خلوصِ نیت میں جس کی ذرّہ برابر بھی لغزش پیدا نہ ہوئی ہو' اور' جس پر اُسے دُنیا کی کوئی عدالت موردِ الزام بھی نہ ٹھہرا سکتی ہو اور جس نے کہ پچاس سال پہلے ہی کہہ دیا ہو کہ نسل پرستی میں نہ کوئی صداقت ہے اور باہمی بھائی چارے کے لئے بھی سخت نقصان دہ ہے۔ اِسلامی بھائی بندی ہی سب کچھ ہے اور قوم بندی کی پشت پناہ بھی ہے اور پھر جس نے یہ بھی کہا ہو کہ' نسل پرستی ترک کر دو اور اِسلامی بھائی بندی اپنالو' بلکہ' جس نے ہمیشہ ہی یہ تلقین کی ہو کہ یہی بھائی بندی تمہاری چوپال میں چار ارب بھائی بندوں کو لا کھڑا کرے گی۔

برائے خواتین بہت سارے اِسلامی قوانین کی تشریحات کا مواد بھی بغرض اِلزام جناب نورسی عدالت کے ہاتھ لگ گیا جس کے پیشِ نظر اُس نے عدالت اپیل میں دِفاعی طور پر لکھا کہ "تہذیب و شائستگی کے نام پر قرآنِ پاک کے معترضین کے منہ بند کرانے کے لئے ربّ تعالیٰ کے نام مبارکات کی تلفظاً تلاوتِ پاک' کثیر الازدواجیت' پردۂ نسواں اور مسائل وراثت پر کیے گئے تبصروں کو بھی اُنہوں نے میری سزا کے لئے ایک وجہ بنا کر پیش کیا۔ اگر دُنیا کی پیشانی پر انصاف نام کا کوئی جھومر ہے تو قابل سماعت اپیل عدالتوں کو بھی چاہیے کہ وہ اِس فیصلے کو کالعدم قرار دے دیں جو کسی اُس شخص کو موردِ الزام ٹھہراتا ہے جس نے سابقہ ساڑھے تیرہ سو سالوں میں آیاتِ قرآنی سے متشرح ہر صدی کو متبرک گرادنا ہے' ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کی زندگیوں کو نورِ خدا سے منور کیا ہے اور تیرہ سو سال پر محیط اَپنے آباؤ اجداد کے عقائد و ایمان کو مدنظر رکھتے ہوئے ساڑھے تین ہزار قرآنی تبصروں اور تفسیروں کو تصدیقاً ایک موافقت اور اِعتبار بخشتا ہے۔

یہ لاکھوں مذہب پرستوں' مایۂ ناز آباؤ اجداد اور اسلام کی نہ تو تکذیب ہے' نہ ہی غداری ہے اور نہ ہی کوئی جرم عظیم ہے کیونکہ اُس نے تو اُن آیاتِ مبارکہ کی تشریح کی تھی جن کی رُوح اور رعائیت سے وہ بغرضِ ضروریاتِ فی زمانہ عملداری یورپی قوانین تو قطعاً قبول نہیں کر سکتا اور بغرض حالاتِ ہذا جس نے سیاست سے لے کر معاشرت تک ترک کر دی ہو' تو پھر کیا یہ سب کچھ توہین تفسیراتِ قرآنی نہیں ہے؟

ماہرین کی رپورٹ:

دورانِ جرح وسوال وجوابات بذریعہ وکیل سرکار اور معاینہ بذریعہ میجسٹریٹ بعداز گرفتاری جناب نوری شاگردین' مجموعہ جاتِ رسالۂ نور بشمول ذوالفقار' مصاجین موسیٰ' چراغِ روشنائی (سراج النور)' راہنمائے نوجوانان یا جتنے بھی خطوط اور دستاویزات تھیں انقرہ میں ڈائریکٹوریٹ آف مذہبی امور کو مزید ایک ماہرین کی کمیٹی میں چھان بین کے لئے بھیجی گئیں۔ وکیل سرکار ہی کی مداخلت سے سے 16 مارچ 1948ء تک وہ رپورٹ ایک مختصر وقت کے بعد آفیون عدالت میں پیش کردی گئی کہ کہیں جناب نوری اُس کی کوئی نقل نہ حاصل کرلے اس لئے اُسے ماہ بہ ماہ لٹکایا بھی نہ گیا۔

اِس مرتبہ اُس کمیٹی کو بھی حکومت ہی کی طرف سے آگے دباؤ ڈالنے پر مجبور کیا گیا اور وکالت سرکار کی برخلاف جناب نوری آسانی کے لئے دو اہم ترین نکات بھی شامل کیے گئے حالانکہ تین ہی سال پیشتر سابقہ ماہرین نے رسالۂ نور کو شفاف قرار دیا تھا۔ پھر بھی' اُنہوں نے نقصِ عامتہ الناس' تشکیل سیاسی معاشرہ اور تقویم طریقت جیسے اہم الزامات کو سرے سے رَد کر دیا اور پانچویں نزول میں بمطابق جناب نوری' نا قابلِ اِنصاف' غیر منصفانہ اور لفظ غلط پر ہی اُنہوں نے اپنی توجہ مرکوز رکھی۔

دوسرا نکتہ جو اُنہوں نے اُٹھایا وہ بھی غلطیوں سے پُر اور جانبدارانہ ہی تھا جو کہ بے خوف وخطر دشمنانِ جناب نوری اکثر وبیشتر اُس کے سر تھوپتے رہتے تھے اور وہ زیادہ تر رہا بھی خام خیالیوں اور لاف زنیوں پر ہی مشتمل' کہ اُس کے شاگردین اُس پر دِل وجان سے فدا ہیں اور وہ خودستائشانہ طاقت کی حامل شخصیت ہے۔ کمیٹی کی طرف سے اُٹھائے گئے اِعتراضات کے جواب ''خط شکریہ'' میں اُس نے اِن اِلفاظ میں دیئے کہ سب سے پہلے تو متعلقہ اِلزامات سے بری الزمہ ہونے پر وہ اُن کا مشکور ہے۔ پھر اُس نے بڑے ہی عالمانہ اور مفکرانہ انداز میں پانچویں نزول کی توجیہات اور حدیثوں ہدایتوں پر عائید کیے گئے اِعتراضات کی مروجہ وجوہات پیش کیں۔

چونکہ مسلۂ وراثت اور لباسِ اسلامی سے متعلقہ کچھ سطریں بھی رسالۂ نور سے منسلک تھیں اِس لیے حالیہ اور سابقہ عدالتی مقدمات کو جواز میسر آ گئے تھے اور تو اور اعلیٰ حکام نے بھی موادِ ہذا کو خلافِ اَتاتُرک خیال کیا اور مقالۂ ہذا کی بھی یہاں ایک انوکھی تاریخ سی ثبت ہوتی ہے جو

اَز خود اِس نکتے پر روشنی ڈالتی ہے کہ کیوں؟ اپنے لیے اپنا نام جناب نورسی نے بدیع الزماں دَھرا تھا' یعنی ''اعجازِ زمانہ'' اور پھر بمقابلہ مفکرین دیگر یہ کس طرح برسرِ انجامِ رقابت وحسد بھی ہوا۔

پانچویں نزول کی جڑھیں سابقہ چالیس سالہ ماضی میں پیوست تھیں۔ 1907ء میں آئینی اِنقلاب سے پہلے جناب نورسی استنبول آ چکا تھا اور تقریباً اُسی وقت ''مقدرِ مشرق'' اُس کے دروازہ دِل پر یہ نوٹس بھی چسپاں کر چکا تھا کہ ''یہاں سب سوالوں کے جوابات تو دیئے جاتے ہیں لیکن پوچھا ایک بھی نہیں جاتا ہے۔'' علماءِ استنبول نے بعنوانِ آخرت چند نقلی قسم کی حدیثوں کے حوالوں سے اُس پر کچھ سوالات کیے جو کہ بذاتِ خود اُن سے جاپانی کمانڈر انچیف کی ہدایتوں کے حوالوں سے ... آمد پر پوچھے گئے تھے۔ پھر' جب بعد از جنگ عظیم اوّل رکن دار الحکمت اِسلامیہ سے بھی مبنی بر موضوعِ ہذا مزید اِستفادہ کیا گیا تو جناب نورسی نے ایک عارضی سے مقالے کی صورت میں اُن جوابات کو جمع کرلیا۔

مقصد یہ تھا کہ صاحبانِ ایمانی کو اُن نقلی حدیثوں (ہدایتوں) کے شکوک وشبہات سے محفوظ رکھا جائے' جنہوں نے بڑی ہی خام خیالی اور تکلیف دہی میں سَر اُٹھایا ہوا تھا.......... اُنہی احادیث میں بیان کردہ پیشین گویوں کی جانچ پرکھ کے لئے 1922ء میں اُسے مصطفیٰ کمال کی طرف سے بلاوا آ گیا' لیکن مدنظر موصوف کمال ہی تھے اِس لیے جناب نورسی بھی اُس کی طرف سے پیش کردہ ہر مقام اور مرتبے کو رَد کرنے پر مجبور ہو گیا بلکہ بغرضِ حفاظت عقیدۂ ایمان کارزارِ سیاست اَنا طولیہ سے توبہ تائیب ہو گیا۔ اور پھر' 1938ء کو کاستامونو میں دَورانِ جلاوطنی بر موضوعِ آخرت اُنہی فرسودہ حدیثوں پر مبنی پیش بندیوں کے بارے میں پوچھے جانے والے سوالات پر اپنے اُس مقالے کو آخری شکل دے کر بعد اَزاں نزولِ ہفتم کے لئے رسالۂ نور کے ساتھ منتھی کر دیا۔

کہنا ہی پڑتا ہے کہ' جیسے ہی وقت نے کروٹ بدلی' 1907ء میں بزبانِ جناب نورسی متشرح شدہ چند احادیث کی پیش گویاں سچ ثابت ہوئیں۔ بمثال' اُن میں سے ایک حدیث یہ کہتی ہے کہ' بروقتِ آخرت ایک خوفناک سی شخصیت بوقت صبح صادق ظہور پذیر ہو گی اور اُس کی پیشانی پر لکھا ہوگا ''کافر'' (جبکہ) 1907ء میں جناب نورسی نے اِس کی توجیہہ کچھ یوں پیش کی تھی کہ' غیر معمولی قسم کی شخصیت اِسی قوم کی راہنمائی کرے گی' وہ صبح صادق ہی ظہور پکڑے گی' ہیٹ پہنے ہوئے ہوگی اور دوسروں کو بھی ہیٹ ہی پہنا کر دم لے گی۔ سفیان خود بھی وہی یورپی ہیٹ پہنے گا اور دوسرے کو بھی پہنائے گا۔

لیکن' چونکہ یہ سب کچھ بذریعہ قانون اور زبردستی ہوگا لہٰذا' یہ ہیٹ جسے خدا کی خواہش اور غفور الرحیمی خیال کیا جائے گا' برخلافِ مرضی ہذانہ پہننے والا خدانخواستہ کافر نہیں ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ برموضوعِ حالاتِ حاضرہ جناب نورسی نے اپنے اُس مقالے کو دبا لیا تھا بلکہ برگشت بھی نہ ہونے دیا تھا۔ یہ تو سابقہ ماہرین کی کمیٹی کی رپورٹ پر دینزلی کی عدالت کی طرف سے قانونی اِجازت پر بمعہ نزولِ ہفتم رسالۂ نور کی نقول جاری ہوئی تھیں۔ اب کی بار' متعین کردہ ماہرین کی کمیٹی نے نزولِ ہفتم میں جناب نورسی کی طرف سے بیان کردہ تنقیدات بعنوانِ ناقابلِ تشریحات' کثیر الاغلاط اور غیر منصفانہ کو بیان کیا ہے جن میں سے ایک تو اُن دو وکلاء میں سے تھا اور مصطفیٰ اجیت نام کا ایمرداغ سے ایک اور گواہ بھی تھا' اُس نے بیان کیا کہ دورانِ سماعت نمازوں کے اوقات کارگذرتے جارہے تھے لیکن ایک ناقابلِ یقین جرأت اور ڈھٹائی سے کسی کو پانچ منٹ تک کے لئے بھی عدالت سے اِدھر اُدھر ہونے کی اجازت نہ تھی۔

تاہم' جناب نورسی نے ہی غصے میں آکر وکیل سرکار سے کہا کہ ہم یہاں حقوقِ عبادات کے تحفظ ہی کے لئے تو سر مار رہے ہیں' ہمارا اور کچھ بھی قصور نہیں ہے' اور پھر' وہ ایک دم کھڑا ہوگیا اور باہر نکل گیا۔ یوسر بھی فوراً ہی اُس کے پیچھے باہر نکل گیا' اور جناب نورسی نے سیکریٹری کے دفتر میں اپنی ادائیگی نماز کی...... پھر' اُس عدالتی کاروائی نے تو ملک بھر میں بڑی دلچسپ صورتِ حال اِختیار کر لی اور لوگ جوق در جوق آفیون شہر کی طرف آنے لگے۔ بقولِ شاگرد جناب نورسیؒ کہ ایک موقعہ پر وہ عدالت سے چھٹکارہ پاکر باہر آیا ہی تھا کہ لوگوں کا ایک جم غفیر اُس کی طرف اُس کے ہاتھ چومنے کے لئے بڑھ گیا۔

وہ لوگ باری باری اُس کے ہاتھ چومتے چلے جارہے تھے تو وکیلِ سرکار بھی باہر آ گیا' اور وہ سب کچھ ہضم نہ کر پاتے ہوئے پولیس اور سارجنٹوں پر دھاڑا کہ' کیوں تم اِنہیں اِس چیز کی اِجازت دے رہے ہو' آگے سے اُس جناب نورسی میں بھی غصے کی لہر اوپر تک چلی گئی اور وہ بھی با آوازِ بلند بولا کہ' یہ کیا ہے' یہ ہے کیا' میں چاہوں گا تو اپنے اِن بھائی بندوں سے ضرور ملوں گا' اور پھر' وہ اِتنے جوش میں آ گیا کہ اپنی وہی پگڑی تک اُتار پھینکی۔ ہم نے فوراً اُسے زمین پر سے اُٹھایا اور اُس کے سر پر دوبارہ رکھ دی۔ اپنے ہوش وحواس سے باہر ہوتے ہوئے اُس وکیل سرکار نے اپنے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر اشتعال انگیزی کے لئے کسی شخص کی ٹانگ پر زور سے ٹھڈا دے مارا۔

اُس بھائی بند نے بھی وہاں تو کوئی درد وغیرہ محسوس نہ کیا لیکن بعد ازاں ہم نے اُس

اُس زخم زدہ اور اَرغوانی رنگت آمیز ٹانگ کو بغور دیکھا۔اُس دَوران جناب نورسی بھی اُن ساعتوں سے مطمئن نہ تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ بس کاروائی پہ کاروائی ہی پڑتی چلی جائے۔دینزلی میں اُس نے اپنے شاگردین کی وساطت سے اپنی اور اُن کی دفاعی تقاریر کی نقول حاصل کیں اور اُن تمام تر مقدمات کی صحیح صورتِ حال تک پہنچنے کے لئے اُنہیں حکومت انقرہ کے دفاتروں میں بھیجا' جن میں بالخصوص نوے غلطیوں والے الزامات کی جوابدہی بھی شامل تھی۔

لیکن' آفیون میں اُس نے اُس جوابدہی میں حد سے زیادہ زور آزمائی کرتے ہوئے اسپارٹا کے علاوہ نقول خاص اپنے شاگردین کو بھیجیں کہ وہ اُن کی مزید نقول کر کے وکیل سرکار' دینزلی اور استنبول تک پہنچائیں۔اُنہیں تو کتابی شکل بھی دے کر تقسیم کیا گیا لیکن جناب نورسی کی ہدائیت تھی کہ اُن کی نقول ڈائیریکٹوریٹ آف پر مذہبی اور عرق ریزی کی جائے' جن میں اُن حدیثوں کی ہی حاشیہ برداری کی گئی تھی جنہیں اُنہوں نے ناقابلِ سماعت اور ناقابلِ ثبوت کہا تھا۔اُس شکر یئے بھرے خط میں اُن تنقیدات کی جوابدہی میں جناب نورسی کو تھوڑی مشکل بھی پیش آئی تھی۔

اُس کے ساتھ ساتھ ہی جناب نورسی نے اُن تنقیدات کو حسد اور وہابی ازم کی پیداوار کے طور پر بھی بیان دَربیان کیا جو کہ دوسرے نکتہءِ اعتراض کے لئے وجہ' نکتہ بھی ہیں اور مساوی طور پر کثیر الاغلاط بھی تھیں۔پھر' اُنہوں نے بذریعہ' شاگردین جناب نورسی' رسالہ' نور اور جناب نورسی کی مدح سرائی کو بھی موضوع تنقید بنالیا۔بحوالہ' مدح سرائی' جناب نورسی نے یہ بھی نکتہ (عقدہ) اُٹھایا کہ مدبرین اور حامل مزاجِ ادبی لوگوں کے مابین قدیم الروائیت یہ طریقہ کار رہا ہے کہ ایک دوسرے کی کارکردگی پر مدح سرائی کی جائے اور کسی کے پہل پہلوٹھی کے کام پر تو ایسے کلماتِ خاص اکسیر خاص ہوتے ہیں۔اگر تو وہ مدح سرائیاں جناب نورسی کے متعلق تھیں تو جناب نورسی نے ہی اُن کا رُخ رسالہ' نور کی طرف کر دیا تھا۔

اور یہ تو وقت ہی ثابت کر رہا تھا کہ رسالہ' نور کے متعلق لکھا جانے والا کیا کچھ کس حد تک درست تھا۔اور اگر اُنہوں نے جو بھی لکھا تھا' ایک سنگین قسم کا مبالغہ بھی تھا تو اِس قسم کی تحریریں مفکرانہ ابہام اور مغالطے ہوا کرتی ہیں اور ہر صاحب التحریر اپنے نظریئے کا آپ ہی نقیب ہوا کرتا ہے۔ڈائیریکٹوریٹ آف اُمورِ مذہبی کی طرف سے متعین کردہ ماہرین پہ جناب نورسی نے بڑے ہی حلیمانہ طور پر تین سوال کر کے وہ سلسلہء سوال جواب جاری رکھا اور اُنہیں مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ خواہ مخواہ اُنہوں نے اپنے آپ کو اِدھر اُدھر اُلجھائے رکھا جبکہ مذہب اور قرآن دونوں ہی زمانہ حال

کے خوفناک قسم کے حملوں کی زد میں رہے' یا پھر وہی لوگ اُن حملوں کی خوفناکی میں معاونین رہے۔

آگے چل کر بھی نازیبا اور نادیدہ تنقیدات پر مبنی رپورٹ سے قطع نظر جناب نورسی نے اپنے شکریئے بھرے خط میں ڈائریکٹوریٹ آف امور مذہبی کی طرف اپنا رویہ اور رُخ مثبت ہی رکھا' بلکہ دوسرے محکمہ جات کو بھی بھیجی جانے والی دفاعی نقول کا خاصِ اِنتظام کیا۔ اور پھر اپنی گرفتاریوں سے کہیں پہلے اُس نے اپنے شاگردین کو بھی اُن کے پاس بھیجا تاکہ وہ اُن کا تعاون اور رواداری دیکھ لیں۔

عدالتی کاروائی جاری رہتی ہے:

جناب نورسی اور رسالۂ نور تحریک کے خلاف سرکاری سطح سے در پردہ سازش کا ایک اور ثبوت یہ بھی تھا کہ اُسے ہمہ قسم قانونی استحقاق سے محروم رکھا گیا تھا۔ اور تو اور دستاویزی رپورٹوں کی رسائی اور اپنے مؤقف کی سچائی کے لئے اُسے عدالت میں ازخود بولنے سے بھی منع کیا گیا تھا۔ سزائے قید میں گیارہ ماہ تک تنہا رکھے جانے سے صاف عیاں تھا کہ نہ تو وہ کسی کاروائی سے باخبر ہوا اور نہ ہی اپنے شاگردین کی مدد کر سکے۔ یہاں تک کہ دفاعی دستاویزات کی تیاری میں اُسے کسی معاون کی بھی اجازت نہ ہوئی۔ چونکہ جناب نورسی لاطینی حروف تہجی کے استعمال سے ناواقف تھا اِس لیے اُسے سرکاری دستاویزات پڑھنے کے لئے یا پھر کسی عدالت یا حکام کو پیش کرنے کے لئے کسی خط یا دستاویز کی تحریر کے لئے شاگردین کی ضرورت ہوتی تھی۔

جہاں تک اُس کے لباسِ خاص کا معاملہ تھا تو وہاں اُس نے ہر تعاون سے اِنکار کر دیا۔ چونکہ عثمانی خطِ تحریر اب زائد المعیاد اور غیر قانونی ہو گیا تھا لہٰذا جب قانونی کاغذات پر اُس کے دستخط ضروری ہوئے تو اُنہوں نے یا تو اُس کی انگلیوں کے نشانات لیے یا پھر نئے حروف میں اُس کے نام کی ربڑ والی مہر استعمال میں لائی گئی۔ آگے چل کر بھی' کسی بھی طریقے سے اور کسی بھی مقام پر جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کو نا اِنصافیوں اور ناتوانیوں میں رکھ کر ڈرایا دھمکایا نہ جا سکا۔ ایمرداغ اور آفیون میں متعین شدہ سارجنٹ ابراہیم میزوورلیؤ نے بیان کیا کہ ایک موقع پر جناب نورسی عدالت میں بولنے کے لئے اُٹھا تو پھر لگاتار دو گھنٹے تک بولتا ہی چلا گیا۔

اور پھر جب جج نے ہی کہہ دیا کہ بس اتنا ہی کافی ہے تو جناب نورسی میں غصے کی ایک لہر سی اُٹھی' ہوا میں اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک دائرہ سا کھینچا اور اُنگشت شہادت کو جج کے عین

چہرے پر لہراتے اور جماتے ہوئے بولا کہ میرے پاس آٹھ گھنٹوں تک بولنے کا اِختیار ہے اور میں جب تک چاہوں گا بولوں گا۔ آفیون میں تین عدد وکلاء نے جناب نورسی اور شاگردین جناب نورسی کا دفاعی مقدمہ لڑا۔ اُن میں سے اَحمت حکمت نامی وکیل جو کہ جناب نورسی کا شاگرد بھی رہ چکا تھا' نے رسالۂ نور اور شاگردین کی دفاعی تقاریر بیان کیں اور اُنہوں نے اپنے طور پر بھی تحریراً عدالت میں دفاعی کوششیں کیں' جن میں سے زروبی یبرگروند روزالپ اور رحمت فیضی کل بطور خاص اور قابلِ قدر تھے۔ بعد اَزاں جاری رہنے والی کارروائی میں اُن ساڑھے آٹھ گھنٹوں نے اُسے جناب نورسی کی طرف سے وکیل رسالۂ نور کا اعزاز بخشا۔ دوران عدالتی کارروائی ہی جناب نورسی نے وقت مقررّہ پر اپنے حق ادائیگی نماز کے لئے اصرار کیا' بہت سے گواہوں نے بھی اپنے اپنے طور پر ایسے مواقعات پر اپنی آراء مذہبی امور کو ہر صورت بھیج دیں۔

اَب اگلا مرحلہ اَوقات کارِ جیل میں انتہائی راز داری اور مشکل میں طے کیا جانا تھا۔ جو نقول جناب نورسی چاہتا تھا وہ تو کسی ٹائپ رائیٹر پر ہی تیار ہو سکتی تھیں' لیکن یہاں دینزلی کے برعکس ایسی ویسی کوئی اجازت ہی نہ تھی۔ اِس کام میں اُن کا وکیل احمد بے بھی اُن کا مددگار تھا پھر بھی جناب نورسی اپنے خطوط میں موادِ ہٰذا کی درستگی پر زور دیئے جا رہا تھا۔ نحاد بوزکوری نام کا ایک فوجی سپاہی جو کہ آفیون میں تعینات تھا ہفتے میں دو دفعہ اپنے ایک دوست کو ملنے جایا کرتا اور اُن کے لئے دفاعی تقاریر بھی ٹائیپ کر کے لے جایا کرتا تھا۔

پھر' ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ عدالت نے جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کے خلاف خوب سوچ سمجھ کر الزامات کے کچھ ستون دوبارہ کھڑے کر دیئے۔ عدالتی اِختیارات ہی کی توہین اور جناب نورسی کے خلاف عامتہ الناس کے نظریات کی توڑ پھوڑ کے لئے چلائی جانے والی اُس واویلا مہم کی جوابدہی میں جناب نورسی نے اپنے پاس موجود بہتانوں کی بہتات اور اغلاط سے بھرمار والی نقول اور پھر اپنی دفاعی تقاریر کی نقول بھی رسائی اِصل حقائق تک کے لئے عوام میں تقسیم کروا دیں۔

عدالت کا فیصلہ:

تمام تر تاخیری حربوں کے ساتھ 16 دسمبر 1948ء کو عدالت نے اپنا آخری فیصلہ سنا ہی دیا۔ تمام تر شواہد کو بھی پس پشت رکھتے ہوئے مبنی بر الزامات اِشتعالِ مذہبیت اور برخلاف

حکومتِ وقت عامتہ الناس کو اُکسانے پر زیر دفعہ 163 بمطابق قاعدۂ قانون جناب نورسی کو مجرم قرار دے دیا۔ معاملۂ اِنصاف میں عدالت قانون کو کسی کو یہ اجازت دینی چاہیے ہے کہ وہ اِسے بمطابق اپنی مرضی استعمال میں لے آئے' اِس سے تو رسوائی اِنصاف اور ترک اِنصاف کی تاریخ میں ایک توہین آمیز باب رقم ہوگا۔ تو' جناب نورسی کو دو سال کی سزائے قید ہوئی مگر زمرۂ اِطاعت ومحکومی کی رو سے اور پھر بالحاظ اُس کی عمر' بیس ماہ کر دی گئی۔

احمد فیضی کل جس نے خوب دِفاعی کوشش کی تھی' کو اٹھارہ ماہ سزائے قید ہوئی' جبکہ جناب نورسی کے بیس عدد دوسرے شاگردین کو بھی چھ چھ ماہ کی سزائے قید ہوگئی اور اُن میں سے کچھ تو پہلے ہی گیارہ ماہ والی قید کے سلسلے میں جیل میں تھے۔ وہ شاگردین جن کی سزائے قید پوری ہو چکی تھی رہا کر دیئے گئے اور جو ابھی تک گرفتار ہی نہ تھے اُنہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ پھر تو جی کسی بھی لحاظ سے 1956ء تک نہ سمیٹی جا سکنے والی قانونی بحث وتحیس کا آغاز ہو گیا۔ متعلقہ عدالت سے ملنے والی سزا کے خلاف فوری طور پر عدالت انقرہ میں اپیل تو دائر کر دی گئی لیکن یہ اندازِ اوّل وآخر وکیل سرکار نے دستاویزات بھیجنے میں ہی خاصی تاخیر کی اور بھیجی بھی تو صرف وکلا کی وساطت سے۔

جیل میں بھی جناب نورسی کے ساتھ وہی غیر اِنسانی اور غیر منصفانہ سلوک پھر سے شروع ہو گیا یا پہلے سے بھی بڑھا دیا گیا' اور پھر' اُوپر سے موسم بھی شدید سرد ہو گیا اور اُسے زبردستی ایک دوسرے وارڈ میں بھی منتقل کر دیا گیا۔ وہاں سے جناب نورسی اور اُس کے شاگردین نے عدالت اپیل میں اور بھی کافی کچھ لکھ کر بھیجا' وکلا نے عدالت میں دفاعی کوششیں کیں' جن کے نتیجے میں 4 جون 1949ء کو مطلوبہ فیصلہ بھی آ گیا۔ کیونکہ اِنہی الزامات سے دینزلی عدالت نے اُسے بری الزمہ قرار دیا تھا اور اُسی فیصلے کو عدالت اپیل نے بھی بحال اور درست قرار پایا تو آفیون کا وہ فیصلہ کالعدم ہو کر رہ گیا۔

اگرچہ جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کو رہائی تو اُسی فیصلے پر مل جانی چاہیے تھی لیکن آفیون عدالت کی طرف سے کسی نئی ترکیب عملی کی وجہ سے مقدمہ واپس اُسی عدالت کو بھیجا جانے لگا تو اُن سے پوچھا گیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ تو اُن کے اِس فیصلے پر کہ وہ عدالت اپیل ہی کے فیصلے کو آگے دائر کرنا چاہتے ہیں تو عدالت متعلقہ نے تو طوالت بحث سے بچتے ہوئے اپنا دامن سکیٹر لیا۔ پھر ماسوائے رضامندی راستہ تو کوئی تھا نہیں لیکن پھر بھی' تیرہ اگست 1949ء کو مقدمے کی دوبارہ سماعت کی غرض سے ایک دفعہ پھر سے کاروائی شروع ہو گئی۔

اِس طرح سے جاری وساری تاخیروں، تعطیلوں اور غیر قانونی حربوں کی وجہ سے جناب نورسی کو دی گئی سزائے قید بیس ماہ جیل میں ہی بھگتنی پڑی اور ختم ہی ہوگئی تو اُسے رہا بھی کر دیا گیا بلکہ اُس کے شاگردین کو چلۂ سزائے قید پورا ہونے پر چھوڑ دیا گیا۔ لیکن اِسی راہ پر وہ کونسی ظالمانہ چال اور جابرانہ ہٹ دھرمی تھی جو آخری وقت تک اُن معصوم لوگوں پر لاگو نہ رہی تھی۔ اور جب جناب نورسی کی رہائی ہونے لگی تو بھی اُنہوں نے اُسے مقررّہ اوقاتِ رہائی کی بجائے دِن ہونے سے کچھ ہی قبل رہا کیا۔

آفیون عدالت کی کاروائی والی کہانی یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ ملزمان کی غیر حاضریوں میں بھی جاری رہی تاوقتیکہ 1950ء کے عام اِنتخابات میں ڈیموکریٹ پارٹی کی جیت کے بعد عام معافی کا اعلان ہوگیا۔ پھر بھی مدعا سرکار سر دخانے کی راہ پر جانا چاہتا تھا، وہ رسالۂ نور کی تقسیم و ترسیل کو غیر قانونی کہہ کر قانونی کاروائی پر مصر رہا، سو وہ کاروائی بھی پھر سے جاری ہوگئی۔ اور عدالت پھر سے اِس آخری فیصلے کی دہلیز پر پہنچی کہ رسالۂ نور کی نقول ضبط کر لینی چاہئیں۔ مقدمہ پھر سے عدالت اپیل میں پہنچا اور وہاں سے پھر آفیون عدالت کا وہ فیصلہ بھی کالعدم ہوا۔ آفیون عدالت کے پاس ماسوائے تعمیل حکم عالیہ کوئی راستہ نہ تھا لہٰذا اُسے رسالۂ نور کی جان خلاصی کرنی ہی پڑی۔

لیکن مدعی سرکار کے لئے پھر بھی یہ قابلِ قبول نہ تھا لہٰذا اُس نے پھر سے کسی عدالت اپیل میں بھیج کر ہی چین لیا۔ لیکن اِس دفعہ عدالت اپیل نے آفیون عدالت کے آخری فیصلے کو کچھ قانونی پیچیدگیوں کی وجہ جگہ تو دے دی مگر فیصلہ یہ دیا کہ رسالۂ نور کو بحال بھی کر دیا جائے اور اُس کی نقول بھی اصل مالکان کو لوٹا دی جائیں مگر پھر بھی سرکار، سرکار ہی رہی اور پھر سے عدالت اپیل کی چوکھٹ پر پہنچ گئی۔

تو، اِس بار اپیل عدالت نے فیصلہ دیا کہ ڈائیریکٹوریٹ آف مذہبی امور ماہرین کی کمیٹی مقررّ کرے اور رسالۂ نور کی وہاں مکمل چھان بین ہونی چاہیے۔ اُس نئی کمیٹی نے بھی ایک نئی رپورٹ دے دی تو اُسی پر آخری بھروسہ کرتے ہوئے جون 1956ء کو آفیون عدالت نے رسالۂ نور کو شفاف قرار دیتے ہوئے حکم دیا کہ ضبط شدہ نقول تک اصل مالکان کو لوٹا دی جائیں۔ اِس مرتبہ سرکار نے اپنی ہار تسلیم کر لی اور وہ فیصلہ ہی ایک آخری فیصلہ قرار پایا۔

سولہواں باب

اِستحکام تحریک جناب نورسی اور جہادِ الفاظ

اب ہم جناب نورسی کی آخری دس سالہ زندگی اور اُس کے تین اہم مقامات کی طرف آتے ہیں' بقولِ جناب نورسی از خود' وہ اُس ذات کا تیسرا روپ تھا۔ ذاتِ جناب نورسی کا تیسرا روپ یا تیسرا جنم اُس کی سالہا سال پر محیط زیست کے طرز سفر میں موجود تبدیلیوں کے مدارج سے عبارت ہے جو کہ وسعت عمل رسالۂ نور اور معاشرتی سیاسی بہتری میں اُس کی بہتر کارکردگی کا مرہونِ منت ہے۔

ذاتِ سعید کا تیسرا جنم فی الفور 1950ء کے عام اِنتخابات میں عدنان میندریس کی ڈیموکریٹ پارٹی کے ہاتھوں رپبلیکن پیپلز پارٹی کی شکست تھی جبکہ جیل میں جناب نورسی نے اپنا یہ گمان لکھ دیا تھا کہ ذات سعید کا تیسرا جنم ہونے والا ہے۔ یہاں وہ اپنی ذات کی تہہ در تہہ تبدیلیوں کا بھی حوالہ دے رہا ہے کہ ایک وقت پر اُس کے اندر سے یہ اُمنگ اُٹھی تھی کہ وہ اِس دُنیا سے مکمل طور پر دستبردار ہوتے ہوئے رسالۂ نور کے معاملاتِ رواں سرکردہ شاگردین کے حوالے کر دے۔ لیکن واقعتہً وہ ایسا کر نہ پایا کیونکہ اُس کے اندر کا جذبۂ ایثار اُسے اُن سرگرمیوں میں سرگرم رہنے کی برابر آنچ دیئے چلا جا رہا تھا۔

رپبلیکن پیپلز پارٹی کے دبدبے کے آخری سالوں میں تحاریک جناب نورسی پر سے کچھ پابندیاں اُٹھالی گئیں تو اُس نے ہمراہ رسالۂ نور اور بسلسلہ پیشی عدالت ایمرداغ' اسپارٹا' استنبول اور انقرہ وغیرہ کے دوروں میں زیادہ تر وقت گذارا۔ نئی حکومت بن جانے پر بھی حکومتی مشینری کے کل پرزے سابقہ افسر شاہی کے کنٹرول میں ہی تھے لہٰذا رسالۂ نور کی نقول پر بندشیں' شاگردین پر دباؤ اور اور مقدمات پر کارروائیاں جاری وساری رہیں۔ 1950ء کے اوائل میں ہی شاگردین جناب نورسی نے ترکی کے مختلف حصّوں میں دیہاتوں اور شہروں میں رسالۂ نور کی نقول کی لکھائی پڑھائی شروع کر دی جبکہ اسپارٹا اور اِنی بولیؤ میں وہ نقول مشینوں پر مرتب ہو کر مجموعۂ جات کی شکل میں تقسیم ہوئیں۔

1956ء میں آفیون عدالت نے اپنے ایک آخری فیصلے کی پہنچ پر پہنچتے ہوئے رسالہ نور پر سے تمام قانونی پابندیاں اُٹھالیں اور ایک نئی نسل نے نئے ولولوں سے نئی مشینوں پر نئے الفاظوں میں رسالۂ نور کے مجموعہ جات کی طباعت شروع کر دی۔ ویسے تو یہ کام چار مقامات پر واقع ہوا مگر شروع میں انقرہ اور استنبول سے ہی آغاز ہوا۔ اور مابعد اِس کے شاگردوں اور پڑھنے والوں کی تعداد میں سینکڑوں ہزاروں کے حساب سے بڑھوتری آتی چلی گئی۔ اُن ترقیوں اور تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اُس دوران تحریک نور از خود ایک باہمی اور منجمد قسم کی تحریک بن گئی تھی اور ذات جناب نورسی میں بھی نئے شاگردین کی تربیت کے لئے کچھ تبدیلیاں سامنے آنے لگیں جنہوں نے کہ بعد از اں رحلت جناب نورسی وہ ساری سالاری اپنے سر لینی تھی۔ 1940ء میں ہی اُن کی ایک بڑی تعداد نے جناب نورسی سے بالمشافہ ملاقاتیں، رسالہ نور سے وابستگی حتیٰ کہ آفیون جیل میں بھی اُس کے ساتھ سابقہ کشٹ کاٹے ہوئے تھے۔

اُس آزمائشی وقت میں بوجہ تعلیمات قرآنی جنہوں نے نئی نسل کی تربیت کا بیڑہ اُٹھایا وہ سینکڑوں میں سے زرد بے ائیر گروندرد زالپ، مصطفیٰ سنگور اور جئی لان چیلسکان نام کے وہ شاگردین تھے جنہوں نے مکمل طور پر اپنا آپ رسالۂ نور کے نام کر دیا تھا اور جن کی خاطر بڑی حد تک جناب نورسی نے اپنے معمولاتِ زیست بھی بدل دیئے تھے۔ ایسکی شہر اور دینزلی میں بتائے جانے والے رسالۂ نور کے انداز و اطوارِ کو آفیون نے ایک نیا رنگ ڈھنگ دیا اور اِس کا ایک پہلو تو یہ تھا کہ آفیون اُن کے لیے ذریعۂ اِتحاد و یگانگت ثابت ہوا۔ کیونکہ جن دِنوں آفیون میں اُن کی عدالتی سماعت جاری تھی تو تمام ترکی سے ہی اُن کی اخلاقی حوصلہ افزائی کے لئے شاگردین وہاں پہنچ گئے تھے۔

اور اِس طرح اُن کی آپس میں سوجھ بوجھ قرابت داری اور جناب نورسی اور رسالۂ نو کے طریقہ کار کو بھی سمجھنے میں کافی آسانی رہی یعنی، آفیون نے اُس اِستحکام تحریک میں بڑی اہ کردار سازی کی۔ جناب نورسی ذات میں بظاہر وہ تبدیلی جس کی وجہ سے اُس دوران وہ ا تیسرے روپ میں پہنچانے جانے لگے تھے وہ معاشرتی اور سیاسی زِندگی میں اُن کی منفرد وابستگی اور اُس تیسرے جنم کا تعلق 1950ء میں برسر اقتدار آنے والی ڈیموکریٹ پارٹی سے بھی تھا۔ وجہ تھی کہ اُس کی وہ وابستگی اُن ڈیموکریٹس کے لئے مدد اور راہنمائی کی شکل اختیار کر گئی جسے اُس نے دو برائیوں میں کم تر کے چناؤ کا نام دیا۔ اپنی اگلی تمام تر زندگی ریپبلکن پیپلز پارٹی کو

دوبارہ اِقتدار میں آتا نہ دیکھنے کے لئے اُس نے ڈیموکریٹ پارٹی کی مدد کی تھی لیکن یہ کوئی بہت بڑی سرگرمی بھی نہ تھی۔

ہاں اگر کوئی چاہتا تو اُسے ضرور اپنے کھاتے میں ڈال لیتا۔ ڈیموکریٹ پارٹی کے برسر اقتدار آتے ہی ترکی کو ایک ایسی حکومت میسر آ گئی تھی جس نے کیمونزم کے خلاف بھی قدم اُٹھانا ہی اُٹھانا تھا' پھر یہ کمال اِزم اور سیکولرازم کے اصولوں کی بھی کسی حد تک پابند تھی' مذہب اسلام کی طرف بھی ہمدردانہ جھکاؤ رکھتی تھی اور پھر قوم کی خواہش کے اِحترام میں سابقہ پچیس سالہ آر پی پی کی سیاہ کاریوں کو بھی نئی آب و تاب سے سفید کرنا تھا۔ سیاسی اصطلاحات کے زمرے میں جناب نورسی نے اپنے آپ کو بڑے اُونچے پلیٹ فارم پر فائز کرتے ہوئے بذریعہ رُشد و ہدائیت' شاگردین اور ڈیموکریٹک نائبین اپنی خدمات نئی حکومت کو پیش کر دیں۔ اُس نے بڑی واضح نشاندہی کرتے ہوئے بتایا کہ کہاں کہاں اور کس کس شکل میں خطرات چھپے ہوئے اور اُن کے تدارک کے لئے بمطابق اسلام کیا کیا حکمت عملیاں اِختیار کی جاسکتی ہیں۔

صرف 1957ء میں ہی جناب نورسی نے اُنہیں اپنا ووٹ بھی دیا' اِخلاقی مدد بھی فراہم کی اور اپنے شاگردین سے بھی کہا کہ اُن کی مدد کرتے رہیں۔ تحریک نور کی کوئی اہمیت اُس ڈیموکریٹ پارٹی کے قریب تھی یا نہ تھی کیونکہ اُن کی اپنی گُڈی کی اُڑان بڑی اونچی تھی' بہر حال' کیمونزم کے سیلاب کے آگے بند باندھنے لادینیت اور اَخلاقی و رُوحانی نقصانات سے ملک کو بچانے کی جدوجہد میں وہ پارٹی شاگردین جناب نورسی کی معاون ضرور ثابت ہوئی۔ تاہم' جب جناب نورسی نے معاملاتِ سیاست زیرِغور کیے تو اُس نے تو اُنہیں خدمت مذہب کی نظر سے ہی دیکھا۔

اور صدر جلال بایار کو لکھا بھی کہ برعکس اُن کے جنہوں نے نہ صرف ہمارے ساتھ بدسلوکی کی بلکہ ایک عجیب بے تکی دیوانگی میں سیاست کو لادینیت کا ہتھیار بناتے رہے جبکہ ہم اِس ملک اور قوم کے لئے مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے کے دوست بناتے ہیں اور اُس کی طرف سے اِسلام اور مذہب کی منفعت اور مضبوطی کے لئے متعارف کرائی جانے والی حکمت عملیوں کی وجہ سے ترکی اور اِسلامی دُنیا کے مابین چپقلش بھی دُور ہو جاتی۔ جناب نورسی نے حکومت وقت پر اُن تعلقات کی تجدید اور بحالی پر بڑا زور دیا تاکہ دنیا بھر کی مسلمان آبادی پر مشتمل اِسلامی اتحاد و یگانگت کی گود میں سے اپنے ملک کے لئے قوت کشید کر لیں۔

جنگ عظیم دوم کے بعد برطانیہ' فرانس اور امریکہ کے بارے میں بھی جناب نورسی کے

رویے میں بڑی تبدیلی آ گئی اور اَب اُنہوں نے بھی اِسلامی اِتحاد اور بلاک سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتی تھی کیونکہ کیمونزم اور کفر کی طرف سے اُٹھنے اور اُبھرنے والی طوائف الملوکیت کی روک تھام کے لئے اُنہیں بھی اِن کی ضرورت تھی۔ (اور پھر) بعد اَزاں جنگ' امریکہ کو بھی اُس نے سنجیدگی سے بسلسلۂ مذہب کام کرتے ہوئے پایا تو پھر اُس نے بھی اُس سے دوستانہ انداز اختیار کر لیا۔

1940ء اور 1950ء کی دہائی میں نو آبادیاتی طاقتوں سے آزادی حاصل کرنے والے بہت سے ممالک اور وجود پذیر نئی اِسلامی ریاستوں سے باہم ہو کر کافی سارے معاملات کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب نورسی نے بمطابق اقوال ہذا قرآن و اِسلام کی فوقیت اور غلبے کے بارے میں تبلیغ شروع کر دی۔ بلکہ صدیٔ ہذا کے آغاز میں ہی اُس نے ''ریاست ہائے اِتحادِ اسلامی'' کے نام سے وفاقِ اسلام کی پیش گوئی اور پیش بینی بھی کر دی۔ کسی ایک موقعے پر جناب نورسی نے اُن ڈیموکریٹس کو ''احرارلر'' کہا جو کبھی کسی وقت آزاد خیال کہلاتے تھے' لیکن جن کے ساتھ جن کو مذہبی معیار بندی کی وجہ سے حرّیت سیریہ یعنی آزادی کی جنگ میں وہ مددگار سمجھا تھا اور اُسی صدی کے آغاز میں جس اِنتظامی ڈھانچے کی تشکیل کے لئے وہ آئینی دور اپنے میں کام بھی کر چکا تھا تو پھر تو وہ جس راستے کے لئے پُر اُمید تھا اُنہوں نے اُسے اپنا لیتا تھا۔

تو ڈیموکریٹس سے اِن تعلقات کی بناء پر جناب نورسی اُن کی حوصلہ افزائی کرتا چلا آ رہا تھا کہ وہ ایسی سیاسی اور معاشرتی فضا قائم کریں جو باعث مضبوطی مذہب ہو اور مذہب مخالف عناصر کو بھی ایک حد میں رکھتے ہوئے ایک پُر امن اور ارتقائی معاشرے کی داغ بیل ڈالے۔ بعد اَزاں تو اُس نے تحفظ حکم عامہ تجویز میں ایک اہمیت بھی اختیار کر لی تھی۔ جیسے کہ وہ اکثر کہا بھی کرتا تھا کہ جن لوگوں نے نقص قانون اور گڑبڑ کو ہی اپنا کاروبار بنا لیا تھا اُن کی تمام تر کوششوں اور اشتعال انگیزیوں کے باوجود ایک بھی شاگردِ جناب نورسی ملوث نہ پایا گیا۔

پُر امن جدوجہد اور خدمت قرآن و ایمان ہی رسالۂ نور اور شاگردین جناب نورسی کا راستہءِ اوّل و آخر تھا بلکہ پُر امن کوشش کے ساتھ ساتھ جہادِ اَخلاق و الفاظ اور معنی و معنویت' کفر و الحاد کے اِخلاقی اور رُوحانی کم قدر پیش منظر میں عامتہ الناس کے دِل و دماغ میں یقینِ محکم کا بیج بونا اُن کا مقصد آخر تھا۔ جبکہ' بہت سے دوسرے مسلم ممالک میں بذریعۂ انقلاب غیر طبعی قسم کی تبدیلیاں لائی گئیں جن سے کہ ہزاروں معصوم جانیں تلف ہو گئیں لیکن رسالۂ نور کی مثبت' پُر امن اور پُر یقین کاروائی کا سو فیصد نتیجہ تحفظ و استحکام عامتہ الناس ہی ہے۔

ایمرداغ:

بیس ستمبر 1949ء کی ایک صبح آفیون جیل سے رہا ہونے پر اُس سے کچھ عرصہ ہی قبل رہائی پانے والے اُس کے شاگردینِ خاص کی طرف سے حاصل کردہ ایک کرائے کے مکان تک بھی دو پولیس افسران کی نگرانی میں جناب نورسی کو لے جایا گیا اور اُن شاگردین میں سے ایک زرد بے آئیر بھی تھا۔ ایمرداغ میں اپنی سابقہ جائے رہائش پر پہنچنے سے پہلے جناب نورسی وہاں دو تین پولیس والوں کی کڑی نگرانی میں قریباً دو ماہ تک رہا لیکن اُس کے ملاقاتیوں کے نام تک نوٹ کیے جاتے رہے۔

آفیون میں دو سال قبل گرفتار ہو کر آنے پر جناب نورسی کو جہاں رکھا گیا تھا' پھر سے کافی سارے شاگردوں کی معیت میں وہیں پہنچا دیا گیا۔ اسپارٹا میں موجود شاگردین کو لکھے گئے اپنے پہلے خط میں اُس نے اُن میں سے ایک سے کہا تھا کہ وہ اَنقرہ جا کر ڈائیریکٹر مذہبی امور سے کہے کہ باوجود عمل زہر خوانی بہ مہربانی سرکار' وہ مکمل مسودۂ رسالۂ نور کی دُرستگی میں لگا ہوا ہے جس کی کہ دو سال قبل ڈائیریکٹر متعلقہ نے درخواست کی تھی' اور مکمل درست ہوتے ہی پیش کر دیا جائے گا۔ وہاں سے موصول ہونے والے جواب کے جواب میں جناب نورسی نے اُس ڈائیریکٹر صاحب سے درخواست کی کہ وہ رسالۂ نور کی مفت ترسیل اور حروضرود کے لکھے ہوئے اسم مبارک کی فوٹو شدہ طباعت قرآنی کی بھی اجازت دیدیں۔

اور پھر' جناب نورسی نے آفیون عدالت کی طرف سے مقرر کردہ ماہرین کمیٹی کی رپورٹ سے پیدا شدہ منفی تاثرات اور نقصانات کو اپنے اور رسالۂ نور کے لئے مجموعی طور پر ایک وجۂ زیاں سمجھا اور بعد از رہائی پہلا کام اُس نے یہ کیا کہ اُن لوگوں کی کھوج اور تعاقب میں لگا رہا جو کہ رسالۂ نور کے لئے انتہائی مفید وقت تھے اور جن کے قرآنی تبصرہ جات نے قانونی پابندیاں تک اُٹھوا دیں حتیٰ کہ اُنہی مفتویوں اور حوجوں نے ہی اُس کی سرکاری طور پر اِشاعت بھی کروائی۔ اگرچہ متعلقہ ڈائیریکٹر احمد حامدی تو اُس کی اِشاعت پر راضی ہو گیا تھا لیکن ایسا ممکن نہ ہوا۔

1956ء میں رسالۂ نور آفیون عدالت کی طرف سے شفاف تو ہو گیا تھا لیکن نیا ڈائیریکٹر ایوروپ صابری حاپور لیولو سفارش زدہ ہو گیا' بلکہ اَب کی بار تو وزیراعظم میندریس تک کے ملوث ہو جانے پر بھی تمام کوششیں رائیگاں ہی گئیں۔ ایمرداغ میں زیست جناب نورسی بظاہر

حسب سابق ہی تھی لیکن اُس کے شاگردین نے اُس میں چند ایک ایسی تبدیلیاں بھی دیکھ لیں۔ مثلاً جیلیکان گھرانے کی بجائے اُس کے ہمراہ رہنے والے اُس کے شاگردین اُس کا کھانا تیار کرنے لگے اور ساتھ ساتھ اُسے روزانہ دو تین اخباریں بھی پڑھ پڑھ کر سنانے لگے۔

مہمت چیلیسکان بتاتا ہے کہ کیسے وہ کہیں نہ کہیں سے اُس کے لئے اخبارات حاصل کرتے اور پھر کیسے اپنی جیبوں میں ٹھونس کر وہاں تک لاتے' اُسے خاص خاص حصّے پڑھ کر سناتے اور پھر واپس اخبار فروشوں کو پہنچا بھی آتے۔ ڈیموکریٹ پارٹی کے برسرِاقتدار آنے کے کوئی چھ ماہ بعد جناب نورسی ایمرداغ پلٹ آیا اور چودہ جولائی 1950ء انجام کار عام معافی کا اعلان بھی ہو گیا' اُصولی طور پر اُس کی تحریک پر سے پابندیاں بھی اُٹھالی گئیں بلکہ سب سے بڑھ کر یہ کہ عبادت میں اذانِ عربی پر سے پابندی اُٹھ جانے کی جو خوشی ملک بھر میں منائی گئی اس میں شرکت کرتے ہوئے۔

وہ رمضان المبارک کی پوری تیس راتوں کے لئے نمازِ تراویح پڑھنے کی غرض سے مسجد جارسی کے اجتماع میں بھی شریک ہوا۔ 14 مئی 1950ء کو ڈیموکریٹس کے انتخابات جیت جانے پر جناب نورسی نے نئے صدر جلال بایار کو یہ مراسلہ بھیجا۔ ''جناب صدرِ جمہوریہ' جلال بایار۔ ہم آپ کو اپنی طرف سے اپنی مبارک بادیں بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادرِ کُل آپ کو ملک وقوم اور اسلام کے لئے کامیابیوں کی توفیق دے۔ بنام شاگردین رسالۂ نور اور اُنہی میں ایک' علم کا طالب' سعید جناب نورسی...... جس کا اُسے یہ جواب نامہ موصول ہوا۔ جناب بدیع الزماں سعید جناب نورسی' ایمرداغ۔ اِنتہائی پُرتپاک مبارک باد کا میں اَز حد ممنونِ اِحسان ہو کر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جلال بایار۔

اپنے ایام کاستامونو سے ہی جناب نورسی کو شاگردین کی راہنمائی سے اِنتہائی رغبت سی ہو گئی تھی اور اُن کی بھی ایک جوان در جوان کھیپ تیار ہو چکی تھی۔ 1950ء کی دہائی کے آغاز میں ہی اُن کی تعداد حیرت انگیز طور پر بڑھی تھی اور رسالۂ نور کی کارکردگی میں اُن کے کردار کی اہمیت دو چند ہو گئی تھی۔ درحقیقت جناب نورسی کی زِندگی کے آخری دس سال بہت سے پہلوؤں سے چند شاگردین کو آخری سالوں کے لئے اِنتہائی اہم راہنمائی اور تربیت دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اسپارٹا میں موجود شاگردین پختہ عمر خاص کو لکھے گئے اُس خط سے بھی کچھ ایسا ہی لگتا تھا جس میں نوجوان مصطفیٰ سونگرو کو جناب نورسی کے نائب کی حیثیت ڈائیریکٹوریٹ آف مذہبی امور میں پیش ہونے کو کہا گیا تھا' بلکہ آنے والے بہت موقعوں پر بھی اُس نے ایسے فرائض

نبھائے۔ خاص طور پر استنبول اور انقرہ میں سے اِنتہائی نوجوان اور جوشیلے یونیورسٹی طالب علموں نے اپنے آپ کو رسالۂ نور اور قوم کی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا۔ خیالاتِ جناب نورسی اور مقدمہ رسالۂ نور کی تشریح و توجیہہ پیش کرتے ہوئے وہ انقرہ کی نیشنل گرانڈ اسمبلی میں بڑے ہی متحرک نظر آئے بطورِ خاص بطورِ نائبین جناب نورسی بطرف اِسلام نرم گوشہ رکھنے والے ایک نائب اسمبلی سے ملتے وقت اُنہوں نے کمال کارکردگی کا مظاہرہ کر دکھایا۔ ساتھ ساتھ اُنہوں نے رپبلیکن پارٹی والوں کی اُن حکمت عملیوں اور گھاتوں پر سے بھی پردے اُٹھا کر دکھائے جو وہ ڈیموکریٹس کے خلاف لیے پھرتے تھے۔

ایک مقدمہ مضامین موسیٰ اور ذزوالفقار کے مجموعۂ جات کی حکام اسپارٹا کے ہاتھوں ضبطگی پر مشتمل بھی تھا حالانکہ یہ مقدمہ ڈیموکریٹ وزیرانصاف کے ہاتھوں شفاف بھی ہو چکا تھا مگر معہ جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کے خلاف اور ڈیموکریٹس کے مابین محض دشمنی کو ہوا دینے کی غرض سے یہ آر پی پی حمائیتوں کی منصوبہ بندیاں تھیں جنہیں اُنہوں نے تائید وحمایت کی بڑی مضبوط دیواریں بنا رکھا تھا۔ اپنے ایک خط میں نئی حکومت سے تعلق داری سے متعلقہ نئی حکومت ہی کے صدر کو جناب نورسی نے ازخود معہ شاگردین کو اَفسر شاہی کی طرف سے پہنچنے والے خوف و ہراس اور دیگر مخالف عناصر کے بارے میں خبردار کرتے ہوئے بہت کچھ لکھا۔ وہ افسر سرکار کچھ اِس نوعیت کے تھے کہ مذہب موافق فعال قوتوں کے اِتحادی ہو جانے کے خلاف وہ آر پی پی کے ایماء پر منصوبے گھڑنے پر کھڑے ہو گئے تھے اور پھر کیونکہ ابھی تک پورے ملک کی مشینری پر کنٹرول آر پی پی کے ہی ہاتھوں میں تھا لہٰذا بمطابق فیصلہ ہائے عدالتان معہ جناب نورسی شاگردین پر بھی وہ دباؤ جاری وساری تھا۔

اِیسکی شہر اور اَسپارٹا:

سزا ہو جانے اور کسی مقام پر جلاوطن کیے جانے کے بعد سالہا سال تک جناب نورسی کو کسی مسجد یا پھر ورزش وغیرہ کے لئے بھی باہر تک جانے کی اِجازت ہرگز نہ تھی۔ لیکن اَب وہ من مرضی سے کہیں بھی آنے جانے کے لئے آزاد تھا یہاں تک کہ 15۔ اکتوبر 1951ء کو اُسے ایسکی شہر جانے کا موقع ملا جہاں اُس نے یلدیز ہوٹل میں قیام رکھا۔ وہاں وہ ویسے تو ہر طبقۂ فکر سے ملاگر نوجوانوں کے لئے خصوصی دِل و دِماغ کے ساتھ اُس نے ملاقات کی۔ اُن ملاقاتیوں میں ممبرانِ عسکری قوت بھی تھے بلکہ قوتِ فضائی سے منسلک ملاقاتی بکثرت تھے۔

قریباً ایک ماہ بعد جناب نورسی اُسپارٹا چلا گیا جہاں وہ راہنمائے نوجوان چھاپنے والے محسن علیو اور دیگر یونیورسٹی شاگردین کے ساتھ استنبول عدالت میں پیشی پڑنے تک مقیم رہا۔ دَورانِ اقامت اسپارٹا اور استنبول اُس کے بہت سے خطوط کو بعدازاں ''الامین بیرانا حترائی'' یعنی' کلید جہانِ رسالۂ نور کے نام ایک کتابچے کی شکل میں شائع کیا گیا۔ استنبول میں زیر سماعت اور زیر بحث آنے سے پہلے راہنمائے نوجوان کے حوالے سے وہ خطوط بھی موضوع بیان ہوئے' کیونکہ چھوٹے تراشوں سے تشکیل پانے والے چھوٹے سے مجموعے کو رسالۂ نور میں شامل کرنے سے رسالۂ ہذا کو چار چاند بھی لگے۔

اِس سارے مواد کے تانے بانے یقین اور ایمان کی اُس سائنس سے جا ملتے ہیں جس کی رُو سے کسی بھی راہ کے گمراہی اگر روشنیِ قرآن میں چلیں تو ہو سکتا ہے کہ اُن کے عقیدے میں وسعت اور توانائی آ جائے۔ اُن میں سے ایک تراشا ریڈیو سے ترغیب شدہ تھا اور ریڈیو سے جناب نورسی وقتاً فوقتاً مستفید ہوتا رہتا تھا بلکہ' ریڈیو نے ہی اُسے ہوائی اور ریڈیائی خدمت کے بارے دِلچسپ ترین عناصر پر لکھنے پر آمادہ کیا تھا۔

راہنمائے نوجوان پر لگنے والے اِعتراضات کے اعداد وشمار کے ساتھ ہی اُس نے قدرت اور تخلیق کے پیچھے کارفرما ہاتھ کے ساتھ ہاتھ کرنے والوں کو خدائے واحد کی وحدانیت کے بڑے پکے ثبوت پیش کیے جو کہ شمارۂ ہذا میں بھی پہلی بار سامنے آئے تھے۔ اِس طرزِ تخاطب سے سائنس اور ٹیکنالوجی سے تعلقہ سچ اور عقاید کی تشریح وتوجیہہ پیش کرتے ہوئے جناب نورسی نوجوانوں' یونیورسٹی طلباء اور سکول طلباء کے زیادہ قریب واقع ہوئے تھے۔

یہاں اُن خطوط کا حوالہ دینے کے لئے تمام معاملات کو بھی اَزسرِنو دیکھتے ہیں کیونکہ اپنی سابقہ دس سالہ زندگی میں جناب نورسی نے خود کو بڑے اُونچے گراف پر معاشرتی اور سیاسی معاملات میں ملوث رکھا جبکہ اُس کا مقصد عظیم تو بذریعۂ رسالۂ نور قرآن وعقائد کی اشاعت و ترسیل ہی تھا۔

سماعتِ راہنمائے نوجوان۔1952ء:

اپنی سات سالہ حالیہ جلاوطنی کاٹتے ہوئے جنوری 1952ء کو استنبول میں جناب نورسی کی یہ پہلی آمد تھی۔ سابقہ بہت سے یونیورسٹی طلباء نے نئے حروف پر مبنی راہنمائے نوجوان کی کوئی دو ہزار نقول چھاپ دیں' جس کے نتیجے میں وکیل سرکار نے برخلاف عدالتی کاروائی ڈال دی اور جنوری

1952ء کو استنبول میں عدالت ہائے اِنسدادِ جرائم نمبر ا میں حاضر ہونے کی تعمیل بھی کروالی گئی۔ جرائم کی شق نمبر 163 کے مطابق اِلزامات متغیر قسم کے تھے یعنی راہنمائے نوجوان سیکولر اِزم کے اُصولوں کے خلاف ایک مذہبی واویلا تھا اور جسے لکھاہی ریاستی نظام کو من مرضی مذہب کے لئے گیا تھا۔

اسپارٹا سے آ کر 22 جنوری 1952ء کو جناب نورسی حاضر عدالت تھا اور اُس کا بندوبست سماعت عدالت کی اُوپر والی منزل پر ہوا جہاں آج کل بڑا ڈاکخانہ کام کرتا ہے۔ استنبول میں قریباً اپنے دو ماہ قیام میں پہلے تو عدالت کے قریب سرکیجی علاقے میں واقع اک شہر پیلس ہوٹل میں جناب نورسی ٹھہرا رہا جبکہ بعد میں ڈسٹرک فاتح میں رشید یہ نام کے ہوٹل میں سکونت اختیار کر لی۔ قیام ہذا میں اُسے ملنے کے لئے نئے پرانے دوستوں' یونیورسٹی کے معروف طالب علموں اور بطورِ خاص نوجوان نسل پر مشتمل ایک سیلاب اُمڈ آیا تھا۔ تین عدالتوں کی سماعتوں میں سے دوسری اور تیسری سماعت میں پڑھے لکھے لوگوں کے لئے بڑی کشش تھی بلکہ اُن عدالتی کاروائیوں میں جناب نورسی اور تحریک نور کے لئے اِس قدر تشہیر نایاب مضمر تھی کہ جو بامقدر ہستیوں کے ہی حصے میں آیا کرتی ہے۔

پہلی ہی پیشی پر کمرۂ عدالت تو کیا برآمدے تک لوگوں سے بھرے پڑے تھے' بمطابق اِلزامات ماہرین کی رپورٹیں پڑھ دی گئیں تو جناب نورسی کو جوابدہی کا موقع ملا۔ سیاسی مقاصد کے لئے مذہبی اِشتعال انگیزیت کے علاوہ اُس پر مذہبی تعلیمات کی امدادی سرگرمیوں کا بھی اِلزام تھا بلکہ بحوالۂ لباسِ اِسلامی معاملات خواتین اور حصولِ عزت وتوقیر کے لئے ذاتی اثر ورسوخ کے بھی اِلزامات عائد تھے۔ اگرچہ استنبول کے ہی تین معروف وکلاء نے مقدمہ جناب نورسی لڑا مگر مقدمہ ہذا ہی کی رو سے پانچ سالہ سزائیں ایک بھی ایسا ثبوت سامنے نہ لاسکیں جس سے کہ وہ طبقہ دشمن امن ثابت ہوتا۔ جہاں تک خاتمہ عمل سیاست کے لئے مذہبی استعمالِ ناجائز کا تعلق تھا تو عدالت نے یہ سوچتے ہوئے کہ جس شخص کی اسی سال عمر ہو' دروازۂ قبر پر کھڑا ہو اور اِس دُنیا میں وہ ہو بھی فارغ البال تو ایسے اِنسان کو موردِ الزام ٹھہرانا سراسر اِنصافی ہے۔ لہٰذا اُسے بریت ہی دے دی گئی۔

جناب نورسی نے اپنی تقریر کا انجام کچھ یوں کیا' کہ محترم جج صاحبان' کوئی اٹھائیس سال تک مجھے اور میرے شاگردین کو دبایا اور دبکایا گیا' عدالتوں میں بھی وکیل سرکار ہمیں ذلیل کرنے سے باز نہ رہے لیکن ہم نے وہ سب کچھ انتہائی صبر وتحمل سے برداشت کیا اور خدمات ایمان وقرآن پر ہی لگے رہے۔ ہم نے سابقہ حکمران ٹولے کے قہر وجبر کو بھی معاف کر دیا کیونکہ اُنہیں اُن

کے کیے کا پھل مل گیا جبکہ ہمیں ہمارے حقوق اور آزادی مل گئی۔ ہم بدولت موقع ہذا اُس قادرِ مطلق کے انتہائی شکر گذار ہیں کہ اِنصاف اور انصاف پسند ججوں نے ہماری سُن لی۔

جناب نورسی کے تین اہم وکلاء نے پھر سے اپنی دِفاعی تقاریر پیش کیں تو ججوں نے مزید صلاح مشورے کے لئے برخاستگی اختیار کر لی۔ اور جب اُن کا متفقہ فیصلہ برسر اعلان آیا تو وہ واضح بریت تھی جو کہ شاگردین جناب نورسی اور تماشائیوں کی تالیوں کی گونج میں مدغم ہوگئی۔ آنے والے سالوں میں مقدمہ ہٰذا کے چیف جج نے اُس دِن کی مناسبت سے بیان دیا کہ 'وہ کوئی بڑا ہی ذہین اِنسان تھا' اُس نے ساری کارروائی کی رفتار اور معیار سے ہی نتائج کو بھانپ لیا تھا لہٰذا اُس نے ذرّہ برابر بھی جوش وجذبات کا مظاہرہ نہ کیا بلکہ اِتنے آرام اور تن آسان سے مخاطب رہا جیسے کہ اپنے مکان میں خالصتاً مشرقی لہجے میں اپنے دوستوں سے ہم کلام ہو۔

اک شہر پیلس اور رشیدیہ ہوٹل:

اک شہر پیلس اور رشیدیہ ہوٹل میں اپنے دو تین ماہ کے قیام میں مختلف قسم کے لوگوں کو ملنے ملانے سے جناب نورسی کے تو اور بھی بھاگ جاگ اُٹھے جبکہ اُس کی ضروریات زندگی سے منسلک قریب ترین شاگردین کی معرفت بھی اُس کی تعریف وتواضع تو ہوتی ہی رہتی تھی۔ اُن میں سے محسن علیو نامی شاگرد خاص بھی تھا بلکہ وہ تو جناب نورسی کا مقدمہ وار بھی تھا۔ اُس نے بتایا کہ جب اُستادِ محترم کو اِستنبول لایا گیا تو اِتنے لوگ اُمڈے چلے آئے جیسے کہ وہاں کی تمام عوام الناس اُنہی کی راہیں دیکھ رہی تھی۔ روزانہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اک شہر پیلس ہوٹل میں اُن سے ملنے چلے آرہے تھے اور اُن میں بڑی بڑی مشہور ومعروف شخصیات بھی تھیں۔

ملاقاتیوں کی آمد کے متعلق محسن علیو نے مزید یہ بتایا کہ معروف ترین لوگوں میں سب سے پہلے تو ''بروئی ردک'' رِسالے کے مالک مصنف اور شاعر نجیب فضل کسکو رورک آئے اور رشیدیہ ہوٹل میں ''سہر ڈ نجسیٹی'' کے لکھاری اور اشاعت کنندہ بھائی عثمان یروکسل سہر ڈ نجسیٹی بھی آئے تھے۔ دراصل یہ وہ مقالہ جات اور مضامین تھے جو یہاں وہاں اِسلامی چھاپہ خانوں میں ظہور پذیر ہو رہے تھے۔ جیسے کہ ایسرف اِیڈیس سیلیر درسد نامی پریس تھا اور جس نے کہ جناب نورسی اور رسالۂ نور کے بارے میں نہ صرف نوجوانوں کی جماعتوں تک وہ معلومات پہنچائیں بلکہ سلسلۂ مقصد ہٰذا ہنوز جاری است۔

محسن علیو بھی اِس میدان میں مردِ کامل ہی تھا بلکہ اُس سارے تناظر اور تناسب میں اپنے تین ہم عصروں میں اہم ترین تھا' اور پھر گلاتا سرائے کے وہ طلباء جنھوں نے اُن مطبوعات سے کمال استفادے حاصل کیے۔ زیرِ بحث آنے والے طالب علم ہمت شوکت ایجی نے آنے والے سالوں میں اَز خود بہت سے اخبار اور مطبوعات شائع کیں۔ یہی وہ تین طالب علم دوست تھے جنھوں نے اپنے سکول میں ہاتھ سے لکھی ہوئی نقول کی بھی نقول پڑھ کر اُن سے ملاقات کا مصمم ارادہ کیا تھا۔ اُس کے تعارف اور تعریف سے ہی وہ سب حلیم طبعی اور حیاداری عیاں تھی جو کہ اُس کا طرۂ اِمتیاز بھی تھا۔

یہاں تک کہ جب وہ ہوٹل میں مقیم تھا تو بھی اُن لڑکوں کو اُس کی وہی دلچسپیاں اور ترجیحات دکھائی دیں' یعنی ''ہوٹل کی آخری منزل کے جس چھوٹے سے کمرے میں جناب نورسی کا قیام تھا ہم اُس میں داخل ہو گئے' اُس کی نیچی سی چھت اور چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں۔ استادِ محترم ایک رنگ دار کپڑے یا مفلر کو پگڑی کے طور پر پہنے ہوئے بستر پر آلتی پالتی مارے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں دیوار میں بنے ہوئے شیلف میں بیک لائیٹ سے بنا ہوا ایک چھوٹا سا ریڈیو بھی تھا' اُس کے علاوہ اور تو کچھ بھی نہ تھا اور ہم نیچے فرش پر ہی بیٹھ گئے۔

استادِ محترم نے ترکی زبان کے مشرقی لب و لہجے میں گفتگو کی اور یہ جان کر کہ ہم گلاتا سرائے کے طلباء ہیں' بہت ہی خوش ہوئے اور ہمیں اچھی اچھی نصیحتیں کیں۔ وہ اشتمالیوں کی اِشتراکیت پسندی کے خطرات میں گھیرے ہوئے تھے اور کیمونزم' صرف وہی نہیں تھی جو کہ ترکی میں پھیل چکی تھی بلکہ اُسے تو بہت دُور تک دکھائی دے رہا تھا کہ وہ مستقبل بعید میں ترکی کے لئے کیا کیا مسائل پیدا کرے گی۔ اپنے طور پر محسن علیو نے استنبول شہر کے اردگرد جناب نورسی کی اُس سیر و سیاحت کا بھی ذکر کیا جو کبھی وزارتِ جنگ اور اَب یونیورسٹی اقامت گاہیں بن چکی تھیں' بوجۂ حادثہ 31 مارچ 1909ء کے اوائل میں جہاں جناب نورسی کو بسلسلہ فوجی ضابطوں قید بھی نظر آ رہی تھی۔

تاہم' جواب آں اہلِ اِلزام عدالت 19 فروری 2 بجے دِن تک کے لئے برخواست کر دی گئی مگر اِسی کاروائی میں ولکین نام کے ایک رسالے میں راہنمائے نوجوان کی اشاعت کے بارے میں پوچھ گچھ ہوئی لیکن' چونکہ 1943ء میں ڈینزلی کی عدالت معاملۂ ہذا کو بریت دے چکی تھی لہٰذا قانوناً اُسے دوبارہ زیرِ سماعت نہ لایا گیا۔ تاریخ متعلقہ سماعت یعنی 19 فروری کے بھی افواہ پکڑتے ہی شاگردین جناب نورسی اور اُس کے خیر خواہوں سے بسلسلۂ کاروائی مقدمہ و عدالت احاطۂ عدالت بھرنا شروع ہو گیا۔

اور تو اور' ججوں وکیلوں اور جناب نورسی کی آمد پر ججوں اور وکیلوں کی مقررّ اور مخصوص جگہوں پر بھی وہ ہجوم چڑھ آیا بلکہ اُس عدالت کی عمارت سے باہر سڑک پر بھی یہ عالم تھا کہ بسوں وغیرہ نے بھی آگے گذرنے کی بجائے مڑ جانے میں بہتری جانی۔ کمرہ عدالت میں پولیس اپنی فرائض آوری میں ناکام دکھائی دی اور جب جج صاحبان نے ہجوم کو باہر نکل جانے کو کہا تو بھی کسی نے پرواہ تک نہ کی بلکہ ججوں کی درخواستیں تو گئی رائیگاں جبکہ جونہی جناب نورسی نے اُس ہجوم کی طرف پہلو بدل کر اشارہ ہی کیا تھا کہ ہجوم منٹوں میں باہر چلا گیا اور عدالتی کاروائی کا آغاز ہو گیا۔

راہنمائے نوجوان کو چھاپنے والے چھاپہ ساز اور پولیس کے بیانات سننے کے بعد برخلاف رپورٹس ماہرین جناب نورسی کے اعتراضات بھی سنے گئے اور ساتھ ہی وکلائے صفائی کی تند اور طویل تنقیدات بھی سُن لی گئیں تو جناب نورسی کی درخواست مبنی بر اَدائیگی نماز کو مدنظر رکھتے ہوئے عدالت ہی 5 مارچ تک کے لئے برخواست کر دی گئی۔ (اور) 5 مارچ کو پولیس پھر سے اُس ہجوم پر اپنی طاقت کے استعمال میں بے بس ہی رہی یعنی کمرہ عدالت چھپائی والے ملزم محسن علیو' جناب نورسی اور وکلائے صفائی کی تقریریں سننے کے لئے ہجوم سے پھر بھی لبالب بھرا ہوا تھا۔

ایک بار پھر سے جناب نورسی کو زور دے کر کہنا پڑا کہ وہ کیا کچھ تھا اور کیا کرتا تھا کہ اُسے حکومتی لشکر کا مخالف ملزم قرار دے دیا گیا جبکہ اُس نے تو حتیٰ الوسع قانونِ امنِ عامہ کو مدنظر رکھا تھا' پھر کیسے اُس کے اِس فعل کو مجرمانہ ٹھہرایا گیا۔ دوسرے تناظر میں غلط کاریوں' ناجائز دباؤ اور لاقانونیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا تو عین عنصر انصاف بھی ہے۔ دوسرا بڑا الزام بھی اُس پر قانونِ امن عامتہ الناس میں نقص عمل پر ہی مبنی تھا مگر چھ صوبوں کی چھ عدالتوں کو جناب نورسی اور شاگردین پر کئی اور سزاؤں کے کشٹ کاٹنے پڑے تھے۔

بمطابق ایک دوسرے شاگرِدِ خاص کے جو جب اُنہیں ملنے ہوٹل رشید یہ پہنچا تو اُس نے اُنہیں ایک بیس سالہ نوجوان کی طرح چہل قدمی کرتے اور اوپر نیچے آتے جاتے بالکل ہشاش بشاش دیکھا اور جب ادائیگی نماز کے بعد وہ فاتح مسجد سے باہر نکلے تو لوگوں کا جم غفر اُن کے ہاتھوں کو بوسے دینے کا مشتاق اور منتظر تھا لیکن اُنہوں نے فوراً ایک ٹیکسی میں مدغم ہو جانے میں خیریت جانی۔ ہمیشہ ہی کی طرح جناب نورسی کے دشمن سستی اور کاہلی کا شکار ہرگز نہ ہوئے تھے بلکہ اُنہوں نے سرکجی میں واقع ہوٹل اُک شہر پیلس میں اُنہیں پھر سے زہر مار کرنے کی پوری کوشش کی۔

اِنی بولو سے تعلقہ ابراہیم فاضلی نامی ایک شاگرِدِ خاص نے محسن زرو بے ائیر اور اور

ضیاء اروِن کی صحبت میں رات بھر گذار کر یہ واقعہ بیان کیا کہ وہ زہر جناب نورسی کی خوراک میں ڈالی گئی تھی جسے کہ اُس نے کھڑکی میں ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیا تھا اور جب وہ اُس موقع (حرامزدگی) کی نوعیت اور نزاکت کو اچھی طرح جان گیا تو اُس نے ہوٹل کے اہلکاروں کو بلایا تو سمجھ میں یہ آیا کہ ساتھ والے کمرے میں امریکن عسکریت قیام پذیر تھی۔ ابراہیم فا کا ضلی بَر موقع گواہ تھا کہ جب اُس امریکن عسکریتی کو قابو کیا گیا اور منایا گیا تو اُس نے اُس بزدلانا جرم کا اِقرار بھی کرلیا۔

ایمرداغ:

بعد از رہائی مارچ 1952ء جناب نورسی جلد ہی ایمرداغ لوٹ آیا اور اپنے ایک خط میں اُس نے لکھا بھی کہ بوجہِ زہرخوانیوں کے اپنی صحت اور عمر کے اُس میں تو زیادہ بولنے تک کی بھی سکت نہیں رہی گئی تھی لیکن اپنے بہت سے دوستوں اور شاگردوں سے ملنے ملانے کی حبُ اور خواہش اُسے کھینچ لائی تھی۔ اور پھر' اُس نے تو یہاں تک بھی لکھ دیا تھا کہ رسالۂ نور کا ہر ہر باب ہی ایک سنتا بولتا جناب سعید نورسی ہی ہے اور آپ جس بھی باب پر نظر ڈالیں گے آپ کو اِس گوشت پوست کے جناب نورسی کی ملاقات سے دَس گنا فائدہ ہوگا۔

اور پھر' آپ حقیقتاً بھی تو مجھ سے کہیں نہ کہیں مل ہی چکے ہوں گے۔ اور افسوس کہ ایمرداغ نے پر بھی مزید قانونی اور عدالتی کاروائیوں کے لئے جناب نورسی لاقانونیت اور خوف و ہراس کی زد میں تھا۔ اِس دفعہ وجہِ مقدمہ وہی لباسِ خاص تھا اور فوجی بھائیوں کے ہاتھوں میں تھا۔ 1952ء میں ماہ مئی کے آخر میں شروع ہونے والے ماہِ رمضان المبارک میں شہر سے باہر کی طرف ذرا ورزش وغیرہ کے لئے نکلا اور تھا بھی اکیلا ہی تو عین اُسی اثناء میں دو فوجی اور ایک سارجینٹ اُس کے تعاقب میں اُن پہاڑیوں تک چلے آئے جہاں وہ اکیلا بیٹھا تھا' وہاں پہلے تو اُنہوں نے اُسے حکماً کہا کہ وہ اپنی وہ والی پگڑی اُتار کر یورپی ہیٹ پہن لے اور پھر بعد ازاں شائد اُس کے ڈٹ جانے پر اُسے واپس ایمرداغ پولیس اسٹیشن لے آئے۔

اپنی آزادی پر ہونے والے اُس ظالمانہ حملے کے خلاف جناب نورسی نے وزارت اِنصاف و داخلہ کو درخواستیں ارسال کیں اور انقرہ میں موجود اپنے شاگردین سے بھی کہا کہ وہ اُس کی نقول حقوقِ اِنسانی کے نائبین کو بھی پہنچائیں تو ایک شاگرد نے تو اُس کی ایک نقول سیمسن میں

المعروف ''بروئے روک جہاد'' کو بھی بھیج دی اور جونہی وہ درخواست اُس اخبار میں ظہور پذیر ہوئی تو سیمسن کے وکیل سرکار و عامتہ الناس نے جناب نورسی کے خلاف کاروائی عمل میں لاتے ہوئے ایمر داغ میں بھی تعمیلی احکامات بھیج دیئے کہ جناب نورسی کو فوراً سیمسن عدالت انسدادِ جرائم میں پیش کیا جائے۔

آگے سے جناب نورسی نے بھی اُنہیں ایک طویل اور نا قابل انکار قسم کا اپنا دفاعی بیان لکھ بھیجا کہ وہ تو محض اُس کے سابقہ پانچ مقدمات میں نپٹا دیئے جانے والے الزامات اور دفعات کی دوہرائی پر ہی مصر ہیں اور ساتھ ہی اپنے سفر نہ کر سکنے کا ڈاکٹری سرٹیفکیٹ بھی بھیج دیا۔ اُسی اثناء میں 22 نومبر 1952ء کو ملاتیاء وقوعہ سرزد ہوا جس میں کہ ایک معروف صحافی احمت امین یلمان کی زندگی زیرِ دست ہوئی تھی اور تمام تر اخبارات میں ایک طوفان سا برپا ہو گیا تھا تو حکومت وقت نے بھی اُس کے زیرِ اثر تمام تر وہ اخبارات جو اسلام کی حمائیت پر تھے بند ہی کر دیئے بلکہ اُن سے منسلک افراد بھی گرفتار کر لیے۔

اُن سب میں (بروئے روک جہاد) کا مالک اور شاگردِ خاصِ جناب نورسی مصطفیٰ سنگور بھی شامل تھا کیونکہ وہ سام سن میں ہی تھا اور اُس نے بھی اخبار میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اُسے ڈیڑھ سال کی سزائے قید ہوئی جو کہ جناب نورسی پر اُٹھائے جانے والے قہر و جبر کے حساب سے کچھ ہی کم تھی لیکن عدالت اپیل نے انجام کار اُس فیصلے کو بدلتے ہوئے اپنے دوسرے ہی اجلاس میں اُسے بریت بخش دی۔

سیمسن وکیل سرکار عامتہ الناس عدالت ہذا میں جناب نورسی کی حاضری پر مصر تھا کہ وہ ازخود عدالت میں آکر اپنی صفائی میں جوابدہ ہو' لہٰذا' آخر کار 75 سالہ بوڑھے جناب نورسی نے بھی ارادہ سفر باندھ ہی لیا۔ وہ استنبول پہنچ تو گیا مگر اُسے پھر سے استنبول عدالت انسدادِ جرائم میں حاضری سے مشنیٰ ہونے کے لئے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کی درخواست کرنا پڑی۔ انجامِ کار نتائج تو مبنی بر بریت ہی سامنے آئے اور اِسی بہانے استنبول میں جناب نورسی کی دوسری بار آمد بھی متبرک رہی اور اُس بار وہاں اُن کا قیام بھی تقریباً تین ماہ تک رہا۔

دَورہ نائب وزیر تعلیم پاکستان:

قیامِ استنبول پر جناب نورسی کے ذکر کرنے سے پہلے ایک دو اور واقعات کو ذکر کیے ہوئے بغیر نہیں رہنا چاہیے جن میں سے ایک واقعہ ترکی کے لئے سرکاری دورہ کرنے والے پاکستانی وزیر

تعلیم سیّد اکبر علی شاہ کا جناب نورسی کے لئے غیر سرکاری دورہ بھی ہے جو کہ اُس نے ترک وزیر تعلیم کے مشورے پر یونیورسٹی شاگرد جناب نورسی صالح پیو جان کی معیت میں اختیار کیا' اور یہ غالباً 15 جنوری 1951ء کا واقعہ ہے۔ صالح پیو جان نے ہی مزید کہا کہ اُس دَورے میں اُس کی اور جناب نورسی کی یکساں زبان عربی ہونے کی وجہ سے اُسے ہی ترجمان بننے کی درخواست بھی کی گئی تھی۔

سوُ اپنے طور پر پیو جان نے رسالہ نور اور اُس کی طرز خدمات کی اپنے مہمان ملاقاتی سے کافی حد تشریحات زیر بحث کیں لیکن جب وہ بحث و تمحیص مشکل مرحلے میں داخل ہوئی تو بقول اُسی کے اُستادِ محترم اپنے بستر پر ہی اُٹھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور سچی کھری قسم کی شستہ عربی میں گفتگو شروع کر دی اور سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے اُس سے پہلے وہ شستہ عربی گفتگو کہیں نہیں سنی تھی۔ موصوف' وزیر تعلیم نے ہوٹل واپسی پر ملاقاتِ جناب نورسی کے بارے میں اپنے دلی جذبات اور تسلیمات بیان بھی فرمائیں اور اپنی واپسی سے پہلے دوبارہ بھی ملاقاتِ جناب نورسی کے خواہاں ہوئے۔

لیکن دوسری ملاقات کے لئے جناب نورسی رضامند نہ ہوا' البتہ اُسے الوداع کہنے کے لئے وہ انقرہ جانے والی بس میں اُس کے ساتھ ہی چھ سات کلومیٹر تک اُس کا ہم سفر ہو گیا۔ سیّد اکبر علی شاہ انقرہ میں ملاقاتِ جناب نورسی پر انتہائی مشکور اور مسرور تھا لہٰذا جب اُس نے یونیورسٹی طلباء کو لیکچر دیا اور واپس پاکستان بھی آیا تو جناب نورسی اور رسالہ نور کی خوب توقیر و توصیف بیان کی۔ وزیر موصوف نے جناب نورسی کو بڑے بھاری اعزازیے میں پاکستان آنے کی دعوت بھی دی لیکن جناب نورسی کا کہنا تھا مرضِ کہن چونکہ ترکی میں تھی لہٰذا اُس کا محاذ جنگ بھی وہیں پر تھا۔

سیّد اکبر علی شاہ کو بعد ازاں سندھ یونیورسٹی کا ریکٹر یعنی منتظم اعلیٰ بنا دیا گیا تو اُس نے صرف شاگردین جناب نورسی سے خط و کتابت جاری رکھی بلکہ جہاں تک ہو سکا رسالہ نور کے پیغام کو بھی پذیرائی دی۔ 1950ء کی دہائی میں بمعہ پاکستان رسالہ نور نے دُنیا میں مختلف مقامات تک بھی بے شمار طالبانِ علم پیدا کر لیے۔ 1958ء میں حیاتِ جناب نورسی پر حیاتِ جناب نورسی میں جو اُس کی سوانح حیات شائع کی گئی وہ اسلامی دُنیا کے علاوہ فن لینڈ اور واشنگٹن تک سے شاگردانِ جناب نورسی کی محبتوں' عقیدتوں اور خطوط کی مرہونِ منت تھی۔ بلکہ سلسلہ مضامین تو عراق اور پاکستان تک رسائی کر گیا تھا۔ کچھ شاگردین جناب نورسی نے تو رسالہ نور کے تعارف اور تعلقات کے سلسلے میں حجاز' شام اور ایران تک کے سفر بھی کیے۔

1954ء میں محسن علیو کو جناب نورسی نے جزو کے قرآن پاک کی پرنٹنگ کے لئے جرمنی بھی بھیجا کیونکہ ترکی میں اُس کی طباعت کے نتائج خاطر خواہ نہیں آئے تھے۔اور محسن علیو جرمنی میں بطور نمائندہ رسالۂ نور کچھ عرصہ رہا بھی۔بعد ازاں جناب نورسی نے معہ ذوالفقار دوسرے بھی بہت سے رسالۂ نور کے باب جرمنی بھیجے جہاں اُنہیں بڑی ہی اچھی پذیرائی ملی اور اَز خود جناب نورسی کو بھی بہت سے مسلم مفکرین اور اہم ترین شخصیات کی جانب سے دعوت نامے موصول ہوئے۔

بذریعۂ رسالۂ نور ترکی اور دوسرے مسلمان ممالک کے درمیان سابقہ کشیدگیوں کو دُور کرتے ہوئے تعلقات کی اَز سرِ نو بحالی اور اِستحکام بھی مقصد مستحکم تھا اور اِسی رُو سے جناب نورسی کی اِجازت سے صلاح الدین جیلبی نے ذوالفقار کو برلن مسجد کا اِمام بنا کر بھیج دیا اُس نے جامعہ الازہر آف مصر، سفیر پاکستان اور رُوم کے پوپ کو بھی رسالۂ ہٰذا کی نقول بھیجیں جن کے جواب میں جناب نورسی کو 22۔فروری 1951ء کو ویٹیکن تک سے خطوط بشکریہ موصول ہوئے۔

جیسا کہ پیچھے یہ نکتہ اُٹھایا جا چکا ہے کہ جناب نورسی تو ہمیشہ مغرب اور اُس کی خرافات کے خلاف اِسلامی دُنیا کی سربلندی اور آزادی کے لئے سر توڑ کوشاں رہا کیونکہ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ اُس جارحانہ الحاد کے خلاف مسلمانوں کا اِتحاد اور عیسائی برادران کا خلوص خدائے واحد کی وحی کے سہارے ہی کامیاب و کامران ہے۔اور اُسی روشنیءِ ایمان و خلوص کی بدولت ہی روایتی قسم کے بزرگ یونانی خاندانوں اور گرجاؤں میں آمد نظر آئی اور وہ آمد 1953ء میں اُن کے قیام استنبول کے دوران موسم بہار اور گرما میں ہوئی۔

اِستنبول:

غالباً بیس اور پچیس اپریل 1953ء کو جناب نورسی کی استنبول میں آمد ہوئی جب وہ سیمسن جا رہا تھا۔پہلے پہل تو اُس کا قیام مرمارا پیلس ہوٹل بایزید میں ہوا پھر ایک رات باسفورس میں ایشین علاقے کی طرف چاملی جا میں بسر کی پھر اُسکدار کی طرف نکل گئے جہاں اُنہوں نے مزید تین راتیں گذاریں۔

اور پھر آخر میں اپنے ایک شاگردِ خاص مہمت فرنچی کی دعوت پر دراماں ڈسٹرکٹ میں فاتح کے قریب اُس کے گھر پر بھی تشریف لے گئے۔پھر آخر میں اُنہی کی بیکری سے آگے بھی کسی

گھر میں اُن کے قدم جا پڑے مگر پھر ساتھ ہی مزید کوئی سفر کرنے کے قابل نہ ہوتے ہوئے جناب نورسی نے خوشگوار سے ماحول میں لکڑیوں سے بنے ہوئے اُسی گھر میں تین ماہ تک قیام فرمایا اور وہ سدا سے آرزومند بھی ایسے ہی ماحول اور مقامات کا رہا تھا۔

اِستنبول میں ڈاکٹری رپورٹوں کے سہارے اِنسدادِ جرائم کی عدالتوں میں اپنا دفاع کرتے کراتے جناب نورسیؔ نے بے شمار ملاقاتیوں کو بھی بھگتایا اور بذریعہ بس استنبول کے گرداگرد ہوا خوری بھی خوب کی۔ اپنے ایک اِنتہائی اہم خط میں دورانِ قیام استنبول اُس جدید فضول اور بیکار زندگی کے بارے میں اُس نے اپنے تاثرات کو حاصل دورۂ حال قرار دیا۔ اور اِس صورتِ حال کا کہیں بھی حوالہ دینے سے پہلے اِس کے اَصل معنی ومفہوم مدنظر ہونے چاہئیں۔ وہ خطوط لکھنے میں جناب نورسی کے مدنظر اَصل مقصد بنیادی قوانین قرآن کہلانے والے قوانین کی صحیح صحیح وضاحت پیش کی جائے کہ یہ قوانین بنیادی اَلہامی اُصولوں اور ضابطوں کی معاشی معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے پیدا شدہ بگاڑ کی اِصلاح کے لئے آخری حد تک مغربی جدیدیت اور فکر و فلسفے کو اپنا لینے کے خلاف ایک سعیٔ مسلسل کا نام ہیں۔

جناب نورسی کی ذہنی عرق ریزی پر دلالت کرتے ہوئے یہ ایسے سنہری اُصول وقوانین ہیں کہ جنہیں ہر کوئی اپنے تصرف میں لا سکتا ہے اور بمطابق ذاتی تربیت و استطاعت اُس کی اندرونی انگڑائی معاشرتی اصلاح اور تبدیلی پر اثر انداز بھی ہوسکتی ہے اور یہ کارسازیٔ قوانین کے ہی ذریعے نیچے سے اُوپر اور اُوپر سے نیچے تک اصلاح معاشرۂ میں نمایاں حیثیت کی حامل ہوسکتی ہے۔ اپنے علم وعمل میں جناب نورسی جو نام ونشانیاں زیر قلم لاتا ہے اُن سے بھی اِنسان کے جذی اور دنیاوی اُصول وضوابط کی اہمیت' موافقت اور طبعی ہونے کی ہی تصدیق ہوتی ہے۔

اب ایسی ہی ایک سیر حاصل بحث آگے بھی ہے جو مبنی بر خطوطِ جناب نورسی بطرف مینڈریس و ڈیموکریٹس بغرض تقاضا ہائے حاصل شد ہے۔ چونکہ' مغربی تہذیبی قوانین مذہبی وحی یافتہ قوانین بنیادی سے متصادم ہیں' اِن کی برائیاں اِن کی اَچھائیوں پر بھاری ہیں' اِن کے نقصانات اِن کے فوائد سے کہیں زیادہ ہیں اِس لیے حیاتِ دُنیاوی کی سچی خوشی' اِطمنان اور اِس تہذیب کے مقاصد صدا بہ صحرا ہو چکے ہیں۔

اور چونکہ' ناجائز مصرفِ زر اور فضولیات نے کفائیت شعاری اور قناعت کی جگہ لے لی ہے' جذبۂ خدمت اور خواہش کام کی جگہ کاہلی اور تن آسانی نے لے لی ہے لہٰذا' بدقسمتی سے اِس چیز

اور عمل نے اِنسانیت کو انتہائی کاہل کام چور اور غربت زدہ کر کے رکھ دیا ہے۔ وحی قرآن سے قوانین بنیادی کی تشریحات کے ضمن میں کھانا پینا تو ہے مگر ضیاعِ خوراک نہ ہے (قرآن 7:31) اور اِنسان تھوڑا بہت آئندہ کے لئے بھی بچا پاتا ہے (قرآن 39-53) بلکہ رسالہ نور تو کہتا ہی یہی ہے کہ اِنسانوں کی حقیقی خوشیاں کفائیت شعاری اور محنت میں مضمر ہیں اور امیر غریب کا باہمی چلن بھی وہیں پوشیدہ ہے۔ یہاں اسی ضمن میں مَیں دو تین نکات کی توضیح پیش کروں گا۔

پہلے نمبر پر جب اِنسان اپنے گنوارپنے کی حیثیت سے تھا تو اُس کی ضروریات تین چار اہم اشیاء ہی تھیں اور دس میں سے دو آدمی ہی ایسے تھے جو اُن اشیاء تک رسائی نہ رکھتے تھے لیکن اب اِس فضولیاتی، توہین آمیز، بھوک پیاس انگیزی اور نشہ آور رسم و رواج پر مبنی آج کی تہذیب نے تو غیر ضروری چیزوں کو بھی ضروری بناء چھوڑا ہے بلکہ جدید تہذیب نے تو اِنسان کی چار ضروری اشیاء کے مقابلے پر بیس اشیاء لاکھڑی کی ہیں اور بیس میں سے دو آدمی ہی ایسے ہوں گے جو کہ قانونی یا شرعی لحاظ سے اُن اشیاء کے حصول میں مطمئن ہوں گے۔

یہ اندرونی اور طبعی طور پر قسمت کے مارے ہوئے نچلے طبقے کو اوپر والے طبقے کے خلاف اُبھارنے کے مترادف ہے۔ یہ ہدائیت قرآن پاک سود کی لعنت سے بچتے ہوئے رزقِ زکوٰۃ پر گذارہ وقناعت کرتے ہوئے لوگوں کے برعکس اِس تہذیب نے تو وہ دامن ہی چھوڑ دیا ہے۔ جس سے چھوٹے طبقے کو بڑے طبقے کی تابعداری اور بڑے طبقے کی چھوٹے طبقے پر شفقت ساری کی ہدائیت و تلقین اور حوصلہ افزائی وابستہ تھی۔ جبکہ اِس تہذیب نے تو اوپر والے رئیس طبقے کو قہر و جبر اور نیچے والے طبقے کو بغاوت کی تحریک دیتے ہوئے بنی نوع اِنسان کا سکھ چین ہی چھانٹ کر دیا ہے۔

دوسرے پہلو پر، چونکہ جدید تہذیب کی حیرت انگیزیاں بھی ہیں تو خدائے واحد ہی کی وَدایتیں لہٰذا اِسے بھی اُس ذات پاک کا مشکور ہوتے ہوئے اِنہیں بنی نوع اِنسان کی بھلائی میں استعمال کرنا چاہیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اِس نے تو اکثریت کو کاہلی اور گناہ میں ملوث ہونے کی حوصلہ مندی دی ہے اور اُن کے کام اور کوشش کی حس ہی دبا دی ہے۔ بمثال، ریڈیو ایک بڑا تحفۂ وقت ہے اور اِنسانی بھلائی کے اِستعمال میں شکریئے کا بھی مستحق ہے لیکن اِس نے بھی چار پانچ پہلوؤں پر غیر ضروری خواہشوں کو بھڑکانے، غیر ضروریات کو رواج دینے، بیکاری اور بدکاری کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ کام کی لگن کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔

المختصر، چونکہ جدید تہذیب نے وحیِ مذہبی کی طرف بالکل ہی دھیان نہیں دیا ہے اور

اِنسان کو بے دست و پا کرتے ہوئے اُس کی ضروریات کی تلوار کو تیز تر کر دیا ہے' ساتھ ہی اِس نے اِس کے کفائیت وقناعت کے اُصولوں کو کہیں دفن کر کے اُس میں سے طمع لالچ اور حرص کی فصل کھڑی کر دی ہے۔ 11۔مئی سے 17۔مئی تک استنبول میں دورانِ قیام جناب نورسی کی مشرقی زبانوں کے ماہر الفریڈ جیلام کی یونیورسٹی میں پانچ لیکچر دینے کے سلسلے میں آمد ہوئی تو مقامی مدبرین اور مفکرین کی طرف سے اُس کے متنازعہ خیالات سے ایک تضاد سا اُٹھ کھڑا ہوا۔

محسن علیو فلاسفی گریجوایٹ اور ضیاء اردن نے اُن میں سے پہلا لیکچر از خود لیا بھی تھا جس میں ماہر علوم مشرقی نے قرآن میں مذکور سات آسمانوں کی علمی حقیقت کو یہ کہتے ہوئے جھٹلایا تھا کہ آج کے دَور میں علم فلکیات اِس قدر آگے تک جا چکا ہے کہ کسی بھی قسم کی کہیں بھی آسمانوں یا پھر خلاء میں سات تہیں نہیں ہیں اور یہ آیت کریمہ سائنس سے متصادم ہے۔ سو اُنہی دو شاگردین کے اُس لیکچر سے مطلع کرنے پر جناب نورسی نے رسالۂ نور میں سے ہی چند تراشوں پہ مبنی ایک خط مرتب کیا جس کی کہ دوسرے دِن لیکچر شروع ہونے سے پہلے ہی یونیورسٹی میں نقول تقسیم کر دی گئیں۔

اور وہی مسودہ جب اُس ماہر علوم مشرقی کو پڑھ کر سنایا گیا تو بعد میں سنا بھی گیا کہ اُسے اپنا اُس دِن کا لیکچر مختصر کرنا پڑا۔ اُسی سال بڑی ہی دَھوم دھام سے استنبول کی پانچ سو سالہ فتح کی تقریبات منائی گئیں جو کہ افواجِ عثمانیہ کے روایتی بینڈ باجے مہتر کی دھنوں پہ 29۔مارچ کو قومی لباس میں بہ مقام تُوپ کاپی دیوار شہر سے لے کر بر مقامِ فتح تک پریڈ کرتے چلے جانے سے عروج کو پہنچ گئیں۔ اہلیانِ استنبول اُنہیں دیکھنے اور اُن کے ساتھ قدم بقدم چلنے کے لئے باہر آ گئے۔

ایک اور بہت بڑی تقریب فاتح سلطان محمد کے مقبرے پر واقع مسجد میں تھی جہاں مسجد سے باہر عوام الناس کے لئے چبوترے اور بینچوں کی صف بندیاں کی گئیں۔ جب جناب نورسی کی وہاں تشریف آوری ہوئی تو اُسے عزت و احترام سے بڑے چبوترے پر گورنر استنبول کے ساتھ بٹھایا گیا جہاں سے اُس نے معہ مہتر بینڈ تمام تقریباتی کاروائی کو خوشدلی سے دیکھا۔ اب' اگرچہ نظریاتی طور پر تو جہاں چاہے آنے جانے کے لئے آزاد تھا مگر در پردہ پولیس اَب بھی اُس کا پیچھا کر رہی تھی۔ مہمت فرنچی نے بتایا کہ استنبول آمد پر اور وقتی طور پر کوئی خبر گیری نہ ہونے پر وہ سب کس قدر خبردار کر دیئے گئے تھے اور جب درامان کے ایک مکان میں منتقل ہو گیا تو مستقلاً ایک پولیس والا وہاں تعینات کر دیا گیا۔ اور اُن پولیس والوں نے ہی مہمت فرنچی کو بتایا کہ جناب نورسی کے بارے میں زیادہ پوچھ گچھ پر مبنی فرائض میں جناب نورسی کو تحفظ فراہم کرنا بھی شامل ہے۔

ملت پارٹی کی مقامی شاخ کے چیئر مین حرؤ سے این جاہد پیازا جو کہ جناب نورسی کے بڑے ہی قریبی ملاقاتی تھے نے بھی بتایا کہ کس پولیس انسپکٹر کو وہاں تعینات کیا گیا تھا اور وہ کس طرح آنے جانے والوں کی نگرانی اور نام پتے نوٹ کرتا تھا۔ جبکہ جناب نورسی کی تو مسجد جانے سے لے کر سیر و تفریح تک کی نگرانی ہوتی تھی۔ اُس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا کہ وہاں ایک غیر مسلم سبزی فروش تھا' جس سے کہ جناب نورسی کا لین دین تھا اور وہ اُس کی عزت بھی کرتا تھا' ڈیمیٹر اوس اُس کا نام تھا' پیازا کو بتایا گیا کہ تمہیں ہرگز ہرگز معلوم نہیں ہے کہ یہ شخص کون ہے' اگر یہی شخص یونان میں ہوتا تو وہاں اِس کے لئے سونے کا محل تیار ہوتا۔

محسن علیو ہی نے مزید کہا کہ ایک دن وہ سب باقر کوئے بیو کی طرف کھلی اور تازہ ہوا خوری کے لئے نکل گئے تو وہاں پر بیروت سے آئے ہوئے سلیمان نامی شخص نے بغیر وقت ضائع کئے جناب نورسی کی صحبت اختیار کر لی لیکن جناب نورسی نے اُس شخص کو زیادہ وقت تو نہ دیا لیکن اُس کی طرف سے پیش کردہ کافی کے ساتھ اُس سے گفتگو ضرور کی۔ جب جناب نورسی استنبول میں تھا تو ماہِ رمضان المبارک تھا اور مہمت فرنچی نے دیکھا کہ راتیں اپنی عبادت اور دِن رسالہ نور کی لکھائی پڑھائی' شاگردین کی تعلیم' نظر نقول و مسوّدات' ملاقاتیوں کی آمد اور دوسری سرگرمیوں میں صرف ہو جاتا تھا اور استادِ محترم کے پاس سونے کو بہت ہی کم وقت بچتا تھا۔

اور پھر' راتوں کو سفید قمقموں کی روشنی میں جناب نورسی محوِ عبادت ہوتا تو اُسے ایک نظر دیکھنے کے لئے اُس کے مکان کے آگے مقامی لوگ اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔ اور آخر کار جب وہ اپنی کھڑکیاں بند کر لیا کرتا تو وہ لوگ اِعتراض اور اِحتجاج کرتے کہ وہ تو اُس حوجا آفندی کے ساتھ ساتھ اپنی تلاوت' عبادت اور عرضداشتوں کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے۔

اسپارٹا:

جولائی آخیر میں جناب نورسی ایمرداغ پلٹ آیا اور قریباً ایک ہفتہ گھومنے پھرنے کے بعد ایسکی شہر کے یلدیز ہوٹل میں چلا گیا اور پھر' اگست کے آخر میں وہ اسپارٹا چلا گیا۔ وہاں اپنے شاگردِ خاص نوری بینلی کے ہوٹل میں ایک ہفتہ قیام کے بعد وہ ایک کرائے کے مکان میں اُٹھ آیا اور ایمرداغ اور ایسکی شہر کے درمیان دوروں کے دورانیوں میں اُسے ہی اپنا مرکز قیام بنائے رکھا۔ دراصل اُسے اسپارٹا سے دِلی محبت تھی اور چاہتا بھی یہی تھا اپنی زندگی کے ایامِ آخروہیں اپنے شاگردین میں بسر کرے۔

وہ مکان جو اب اُس کے پاس کرائے پر تھا اُس کے دوطرف تو باغ تھا' کافی کھلا بھی اور بہت سے کمرے بھی تھے جن میں اُس کے خاص خاص شاگردوں نے بھی اب اُس کے پاس مستقلاً رہنا تھا۔ جناب نورسی کے چار پانچ شاگردین نے بھی سالہا سال سے اُس کی رفاقت میں رہتے ہوئے اپنی زندگیوں کو حیرت انگیز حد تک بدل لیا تھا۔ اور یہ بھی اُس کے ناقابلِ تبدیل اُصول ہی تھے کہ کسی کو بھی شام تا صبح بوجہ عبادت اُس کے کمرے میں جانے کی اجازت نہ تھی بلکہ اندر باہر سے وہ اپنا دروازہ بھی بند ہی رکھتا تھا اور اُس کے شاگردین یعنی زرد بے ایئر گروندر زالپ' طاہری ملتو' مصطفیٰ سُونگر اور بے رام یروکسل اُس کی باہر کی ضروریات اور اندر کی حاجات کا خیال رکھتے۔

الغرض جناب نورسی کا یہی لائحہ عمل مستقلاً رہا اور اُس کے شاگردین کی رہائش اور سرگرمیاں الگ تھلگ رہیں مگر حسن اِتفاق کہ ایک طرف تو وہ سب اُس اسّی سالہ اُستادِ محترم کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھتے اور دوسری طرف تحریک نور کے لئے وہ بھی اُن شاگردین کی تربیت کیے چلا جا رہا تھا۔ اور یہ بھی اُس وقت ہی ممکن ہوا کہ جناب نورسی نے رسالۂ نور کی دَرس و تدریس کا کام گروپ کی شکل میں شروع کیا تو نہ صرف یہ سلسلہ ملک بھر کے شاگردین جناب نورسی میں پھیل گیا بلکہ تحریک جناب نورسی کا طرۂ امتیاز اور نشانِ اِمتیاز بن گیا۔ جناب نورسی اور شاگردین جناب نورسی نے پہلے تو وہ سلسلۂ نماز فجر کے بعد رکھا مگر جلد ہی ہر پانچ چھ گھنٹے بعد کا لائحہ عمل بنا لیا۔ شاگردین کتابِ رسالۂ نور میں سے کچھ نہ کچھ اُسے پڑھ کر سناتے اور وہ آگے اُس کی تشریح اور تصریح کرتے جاتے۔

بے رام یروکسل جس نے اُن گذرے ہوئے ماہ و سال کی زیادہ سے زیادہ معلومات دی تھیں' لکھتا ہے کہ اُستاد جناب نورسی جتنا زیادہ مطالعہ وغیرہ میں غرق ہوتا جاتا تھا اُس میں ایک بیس سالہ جوان والی رِعنائی لوٹ آتی تھی بالخصوص اُس وقت جب طوالتِ وقت کی وجہ سے اُس کے شاگردین میں برداشت اور توانائی کی کمی آنے لگتی تھی۔ خوراک لباس اور صفائی ستھرائی سے لے کر اُس بارعب جذبہ عمل تک بے رام یروکسل نے اپنی طرف سے بہت سی معلومات دیں کہ وہ پانچوں نمازوں کی ادائیگی کے لئے یوں تیار ہوتے جیسے کہ پہلی ہی نماز کی پہل ہو رہی ہو۔ وہ زیر دست اور زیر تحریر مسودات کی تیاری میں بھی کبھی تاخیر نہ کرتے کراتے۔ اُس نے اُن کی حد درجہ کفائیت شعاری اور جانوروں سے محبت بارے بھی بہت سی باتیں کہیں۔ کسی خط کی ہی وابستگی سے معلوم ہوا

کہ جب بھی باہر مضافات میں اُستادِ محترم ہوا خوری کے لئے جاتے تو وہاں بھی وہ کائنات کی کتاب عظیم کے مطالعے سے بیگانے نہ رہتے۔

اُن کے دِل میں تمام مخلوق کے لئے ہی بڑے گہرے اِحساسات وجذبات ہوتے تھے جنہیں کتوں اور بلیوں سے اُظہارِ شفقت کے طور پر جانا جاسکتا تھا۔ اسپارٹا میں ہی لکڑیوں سے بنی ہوئی جائے رہائش کے بارے میں بھی اُس کا کہنا ہے کہ وہاں بالکل اوپر کی منزل پر رکھے ہوئے کتابوں اور کاغذات کو چوہوں نے کتر کتر کر کے خراب خستہ کر دیا تو جناب نورسی نے کہا کہ وہ رسالۂ نور کو ہرگز نہ کتریں گے اور قدرت خدا کی ایسا ہی ہوا۔ بے رام یروکسل ایسی بہت سی باتوں کا عینی شاہد رہا لیکن اُس نے اُنہیں کسی کھاتے نہ چڑھایا اور نہ ہی کوئی ایسی ویسی جناب نورسی کی خواہش ہی تھی کہ اُس کی کراماتی قوتیں منظر عام پر آئیں۔

1954ء میں جناب نورسی بارلا پلٹ آیا جہاں سے اُس نے بیس سال قبل رخصتی پکڑی تھی' وہ رسالۂ نور کے اُس مدرسے میں داخل ہوتے ہی فرطِ جذبات سے بہہ نکلا جہاں اُس نے آٹھ سال گذارے تھے' پھر اُس نے باغ میں کھڑے ہوتے اُن دیوقامت درختوں اور بارلا کی پہاڑیوں پر نظر ڈالی جن کی واقعی معیت میں رسالۂ نور کی تحریر و تکمیل و ترسیل ہوئی تھی۔ آنے والے سالوں میں اُس کے لیے اِس قسم کے دورے بڑی مشکل کیفیت کے حامل رہے کیونکہ تازگی ہوا کے لئے باہر تو نکلنا ہی ہوتا تھا' لہٰذا' آخر کار 1955ء میں اسپارٹا' اِنی بولو اور ایمرداغ کے سرکردہ شاگردین نے باہم مل کر ایک جیپ خرید لی جو کہ شروع شروع میں تو اُن سڑکوں کی وجہ سے غیر آرام دہ ہی رہی لیکن جلد ہی اُنہوں نے اُسے 1953ء ماڈل شیورلٹ میں بدل دیا جو کہ آئندہ سالوں کے لئے اُس کے زیرِ استعمال رہی۔

اِشاعت رسالۂ نور اور دُوسری سرگرمیاں:

1956ء میں آفیون عدالت کے چیف کے آخری فیصلے کے مطابق تو رسالۂ نور کی ضبط شدہ کاپیوں کی بحالی اور دستی مسودات کی استنبول اور اِنی بولو میں نقول مشینوں پر دوبارہ اور متواتر دستیابی کی اجازت تھی اور مسودۂ عثمانیہ کے بہت سے حصّوں میں وہ اسباب جوں کے توں رہے۔ انقرہ اور دوسرے مقامات پر شاگردین جناب نورسی نے دوسرے حروف میں بھی نقول منظر عام پر لائیں تو سہی مگر وہ چھوٹے سائز میں اور محدود پیمانے پر تھیں۔ رسالۂ نور کے کارن اہم ترین کام اُس کے اپنے حروف کا اِجراء تھا جنہیں لاحیکا یا اَضافی حروف کہا جاتا تھا۔

1953ء میں اسپارٹا میں حروزو کے ہاتھوں وہ کاپیاں مومی کاغذ پر بھی نقل پذیر ہوئیں اور بعدازاں ساوںنامی ایک گاؤں سے پورے ملک میں تقسیم کر دی گئیں۔ بلکہ اُنہی کاپیوں کی بہت بڑی تعداد استنبول میں بغرض جلد بندی بھیجی گئی اور کتابی شکل میں وصول کی گئی۔

شاگردین جناب نورسی میں سے خصوصاً حروسُو کو پولیس متواتر تنگ کیے رکھتی، وہ ابھی تک اُس خبر گیری میں لگی ہوئی تھی بلکہ ہر ممکنہ ذرائع سے اُسے ہراساں اور قابو کرنے کی کوشش میں تھی۔ 1953ء میں استنبول میں ہونے والے دورۂ جناب نورسی کے موقع پر میزبان مہمت فرنچی اور دوسرے شاگردین نے ایک گروپ تشکیل دے کر بالحاظ لیاقت و قابلیت اپنے اپنے نرائض نبھاتے ہوئے اپنے محدود وسائل کو بھی مدنظر رکھتے ہوئے رسالۂ نور کی اشاعت و ترسیل کے پروگرام مرتب کیے۔ پھر اُنہیں مسجد سرولیمانیہ کے قریب ہی ایک ایسا مکان بھی میسر آ گیا جہاں اُنہوں نے انتہائی رازداری سے نقول مشینیں بھی نصب کر لیں۔

یہی مکان استنبول میں رسالۂ نور کا پہلا مطالعاتی مرکز (درشانے) بنا اور مکان میں ہی شاگردین کی بطور شاگردین جناب نورسی سالمیت مستحکم ہوئی بلکہ تمام شہر میں سے تمام شعبہ ہائے حیات کے لوگوں کی بحیثیت مجموعی مطالعاتی تسکین و تسلی کا مرکز یقین بھی وہی مکان ہی ٹھہرا۔ ویسے تو اُن تمام تر سرگرمیوں میں ہی جناب نورسی کی دلچسپی موجود رہتی مگر رسالۂ نور کی درستگی طباعت اور اشاعت کے مراحل میں بالخصوص ہوتی تھی اور نئے حروف کی درستگی میں تو اُسے ایک اپنے شاگردِ قابل کی بھی برابر ضرورت پیش آتی۔ اکثر و بیشتر ایسا بھی ہوا کہ کہیں باہر نکلے ہوئے ہونے پر جناب نورسی فوراً واپسی کا اِرادہ کر لیتا اور اُس کے شاگردین استنبول یا انقرہ میں اُسے اُن مقامات تک پہنچا دیتے جہاں شاگردین برائے دُرستگی مسودات لیے منتظر بر اُمید کھڑے ہوتے۔

جناب نورسی فوری طور پر اُن کی درستگی کر دیتا اور پھر قبل از طباعت اُنہیں ہاتھ تک نہ لگاتا۔ جناب نورسی اپنے ذہین اور تعلیم یافتہ شاگردین سے ہمیشہ قریب تر رہتا اور بذریعۂ مطالعۂ رسالۂ نور ہی اُنہیں ایک تربیتی حوصلہ مندی بخشتا رہتا تھا اور اَب اُسے اپنی تیس سالہ جلاوطنی کی صعوبتوں کا صلہ اِن کامیابیوں کی شکل میں نظر آ رہا تھا' بالخصوص جب انقرہ اور استنبول میں نئے حروف میں نئی مشینوں پر رسالہ نور کی چھپائی شروع ہو گئی تو 1957ء میں وہ بے اِختیار کہہ بھی گیا کہ یہ رسالۂ نور کی کامیابی کا تہوار ہی ہے اور میں اپنے فرائض سے سبکدوش ہوں۔ اِسی وقت کا میں مدت سے منتظر تھا اور میں رُخصتی پکڑ سکتا ہوں۔ اِس امر واقع سے جناب نورسی اِس قدر خوش اور

پرجوش تھا کہ کسی ایک جگہ پر اُس کے پاؤں ہی نہ ٹکتے تھے سو وہ ایمرداغ کی جھیل سے لے کر بارلا اور اسپارٹا کے گردونواح میں حسین مقامات پر گدھے گھوڑے یا پھر کار پر بھی گھومتا پھرتا رہا۔

رسالۂ نور کی سرکاری سطح سے اشاعت کے سلسلے میں جناب نورسی وزیرِاعظم میندریس سے بھی مل چکا تھا' نائب ناظم اسپارٹا ڈاکٹر تحسین تولہ بھی سلسلۂ ہائے معاملاتِ ہٰذا میں بڑا مددگار ثابت ہوا۔ وزیرِاعظم میندریس جناب نورسی سے بڑے عزت واحترام سے پیش آیا اور اُس نے اُس کی تجاویز سے بھی اتفاق بھی کیا بلکہ ڈاکٹر تحسین تولہ سے بھی کہا کہ وہ بذریعہ اُمورِ مذہبی ڈائریکٹوریٹ اُن تجاویز کو مرتب کرائے لیکن اُس کی اُس کوشش نے آگے سفر اختیار نہ کیا کیونکہ اپنے شاگردین سے اُس نے کہا کہ اُنہیں خود اُس مواد کو چھاپنا ہے۔

کاغذ کی قلت میں بھی ڈاکٹر تحسین تولہ نے کاغذ بچا کر سب سے پہلے ''الفاظاجات'' یعنی' سپئیو زلز' کی طباعت کی اور اُس کی اَصل اشنائی حیثیت اور فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر تحسین تولہ نے اُس کی استنبول کے لئے روانگی تک کی نگرانی کی۔ لیکن' دوسری طرف' شاگردین جناب نورسی تاحال اپنا یہ سارا کام خوفِ پولیس و مداخلت میں ہی کیے چلے جا رہے تھے' ''جلوہ جات'' یعنی (لیم آلر) اور ''خطوط'' یعنی (مکتوبات) بھی اُسی حال میں چھپائی کے مراحل سے گذرے۔ دریں اثناء شاگردین نے کوئی دس ہزار کے قریب ''مختصر ارشادات'' کی کاپیاں اور ڈھائی ہزار کاپیاں فوری طور پر اناطولیہ میں مختلف مقامات تک ترسیل کے لئے چھاپنا شروع کر دیں' ساتھ ساتھ اُنہوں نے ''مکتوب برائے خواتین'' کی بھی پانچ ہزار کاپیاں چھاپ لیں۔

1958ء میں مصطفیٰ سنگر اور زروبے ائیر جیسے قریب ترین شاگردین جناب نورسی نے اپنے اُستادِ محترم کی عہدہ براء سوانح عمری چھاپنے کی تیاری باندھی مگر رسالۂ نور پر ہی زیادہ تر متوجہ رہتے ہوئے جناب نورسی نے اَزخود ہی اُس کے بہت سارے باب اور حصے خارج از بحث کر دیئے' پھر یہ تکرار اور تفریق بھی باقی تھی کہ اُس میں تصویریں شامل ہوں اور پھر جناب نورسی ہی کے ایماء پر بہت سی تصویریں بھی شامل صفحات کر دی گئیں۔

اُن دِنوں جناب نورسی تراجم کی اہمیت میں بہت ہی منہمک تھا یعنی عربی ترجمے اور ترکی ترجمے میں برابر کی حد تک تاکہ رسالۂ نور کو اِسلامی دُنیا اور ترکی کے بھی بہت سے حصّوں تک اُس کی ترسیل ہو سکے۔ جبکہ اَزخود جناب نورسی نے 1951ء میں خطباتِ دمشق کو ترکی میں ترجمہ کیا اور اُس کے چھوٹے بھائی عبدالمجید مفتیءِ اُورا روپ کیسیری نے جناب نورسی کے ہی ایماء

پر ''مصاجین موسیٰ'' کا عربی میں ترجمہ کیا' الغرض جناب نورسی ہر شعبۂ کام میں دلچسپی لیتا تھا۔1955ء کے اواخر میں عبدالمجید نے جناب نورسی کے ''تبصرہ جات جنگ قرآنی'' معجزاتی اِشارہ جات (اِشارۃ العجاز) اور ''مثنویٔ العربی النوری'' کے عربی سے ترکی میں تراجم کیے اور ''اشارۃ اِلعجاز کالاطینی'' زبان میں ترجمہ انقرہ میں نئے حروف میں چھپا اور چھاپا گیا۔

رسالۂ نور......مثبت اَندازِ خدمات:

پولیس کی بداعمالیوں کے باوجود رسالۂ نور کی کھلے عام اور قانونی طباعت اُن عناصر پر جوتیس سال سے اُنہیں خاموش کرانے کے لئے ہر حربہ استعمال کرتے چلے آرہے تھے جناب نورسی اور شاگردین نور کی شاندار ترین فتح اور کامیابی تھی اور پھر وہ اُن کی ثابت قدمی بھی قابلِ قدر تھی۔ رسالۂ نور اور اُس کے مثبت اَقدام عمل میں مضبوطیِ ایمان خدائے واحد اور اپنے مذہب کی دوسری سچائیوں کو بچانے کے لئے اِختیار کردہ کوشش مبنی برصبر وتحمل' بنیادی تحریری الفاظ وارشادات اور عملداریٔ سیاست نے اُن عناصر کو مفتوح کر کے رکھ دیا جو سیکولرازم کے پردے کے پیچھے سے اسلام اور عقیدۂ اِسلامی کو نیست ونابود ہوتا دیکھ رہے تھے۔

تجدید ایمانی اور اَز سر نو توانائی اسلام کے لئے عمل رسالۂ نور نے بھی اُسی طریقہ کار پر اِنحصار کیا جو اسلامی دُنیا میں باہم مماثلت کی بناء پر کارگر بھی تھا اور جہاں بمطابق جناب نورسی مبنی بر سیاسی حکم عدولیاں مسائل مادی قسم کے تھے۔ بابِ ہذا کے شروع میں ہی جو چیز زیرِ بحث آئی وہ یہ تھی کہ رسالۂ نور اور تحریک نور جس جہاد کو اُس نے غیر مادی جہاد کہا تھا وہ جارحانہ لادینیت اور کفر والحاد کے خلاف اَخلاقی' لفظی اور معنوی جہاد ہی تھا۔

عقیدۂ وایمان کی وسعت اور استحکام کے لئے تن تنہاء کام کرتے چلے جانے کا مطلب لادینی قوتوں کی اَخلاقی اور رُوحانی توڑ پھوڑ کے خلاف معاشرے میں اندرونی طور پر بالحاظِ امن قانونی اِستحکام پیدا کرنا ہے کیونکہ اُنہوں نے معاشرتی بگاڑ اور طوائف الملوکیت کے رواج کا تہیہ کر رکھا ہے۔ اگرچہ ڈیموکریٹ پارٹی نے بھی اپنے خلاف اُٹھنے والے خطرات کو بھانپتے ہوئے استحکام اسلام کے لئے مثبت اِقدام اُٹھا لیے تھے لہٰذا' جناب نورسی نے انہیں اپنے شاگردین کے معاونین قرار دیتے ہوئے اُنہیں اپنی طرف سے تائید وحمائیت پیش کی۔ بلکہ وقتاً فوقتاً اُنہیں اُنہی مسائل پر مشاورت اور راہنمائی بھی فراہم کی۔

بہت سارے دوسرے گروپس جو کہ ذاتی حیثیت اور پھر غلطی سے اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے اُن کے بالکل برعکس نور شاگردین نے جب مثبت اور سمجھدارانہ رویہ اپنایا اور ظاہر کیا تو حکومت وقت نے بھی اُنہیں رسالۂ نور کی کھلے عام طباعت کی اجازت دیدی کیونکہ 1956ء میں آفیون عدالت بھی تو اُنہیں ہراساں نہ کرنے کے حق میں فیصلہ دے چکی تھی۔

اُنہی حالات اور حقائق کے تناظر میں جناب نورسی نے ڈیموکریٹس اور بالخصوص میندریس کی اُس کے دس سالہ اقتدار تک تائید وحمائیت جاری رکھی جبکہ دوسرے اسلامی گروپوں سمیت اُس کی مخالفت بھی ہوتی رہی۔ اُس نے اپنے شاگردین کو بھی اُس کی حمائیت پر ہی رکھا کیونکہ حکومت کا بڑی ہی منتقم مزاج حزب اختلاف سے پالا پڑا تھا' بلکہ آخر وقت حکومت پر تو بالخصوص آر پی پی (ریپبلکن پیپلز پارٹی) کے راہنما عصمت انونو کی بڑی بے رحمانہ مزاحمت درپیش تھی۔ اور یہ اُسی تائید وحمائیت کا ہی نتیجہ تھا کہ جناب نورسی اور شاگردین نور آر پی پی انتظامیہ کے ہاتھوں مختلف طریقوں سے ہراساں کاری کے نشانے پر آ گئے اور قانونی کٹہروں میں بھی کھڑے کر دیئے گئے۔

ڈیموکریٹس کے بارے میں تو جناب نورسی کا شروع دِن سے ہی یہ کہنا تھا کہ یہ دو برائیوں میں سے بطورِ ایک بہتر ہے اور ذاتی طور پر بھی اِن میں سے کوئی ایک بھی مذہب سے مخلص نہیں سمجھا جا سکتا۔ بمطابق جناب نورسی' سوائی صدی تک اسلام کو آر پی پی کے ہاتھوں ہونے والے نقصان کے برعکس میندریس نے بخدمت اسلام بہت بہتر کام کیا' اگرچہ 1960ء میں جناب نورسی کی وفات کے دو ماہ بعد ہی فوجی طاقت نے اُسے اُٹھا پرے پھینکا تھا لیکن ترک عوام کو جو اُس نے مذہبی آزادی دیدی تھی اُس سے رسالۂ نور اور اِسلام کے مستقبل میں پھلنے پھولنے کے امکانات بڑے روشن تھے۔

1954ء میں مسلمانوں کے لئے منتخب ہونے والے آزاد ناظم نائب گیا سے دین ایمرے سے جناب نورسی نے کہا تھا کہ ''عدنان میندریس'' مذہبی چیمپین ہی ہے' اِس نے بغرضِ مذہب بڑی خدمات سرانجام دی ہیں اور آئندہ بھی دے گا' لیکن وہ جس کسی چیز کی بھی خواہش کرتا ہے اُس کو پورا ہوتا ہوا نہیں دیکھ پاتا۔ مجھے بھی مذہبی خدمات کی انجام دہی کا شرف حاصل ہوا ہے' جسے میں چھپاتا بھی نہیں ہوں' لیکن عین اُسی کی طرح میں بھی کوئی نتیجہ نہیں دیکھ پاؤں گا۔ چلیں دونوں کے نتائج کی کمندیں مستقبل پر رہیں۔

تائید جنابِ نورسی بَر معائدہِ بغداد:

جنابِ نورسی اور رسالہ نُور کے پلیٹ فارم پر سے ڈیموکریٹس گورنمنٹ کی طرف داری میں مثبت رویے کی روشنی میں اور اُن پُر مصائب اور مشکلات کی کیفیات میں جن کا مقصد ہی بذریعہ رُشد و ہدائیت اِن آلام کی بیخ کنی تھا اور بطرف مذہب اسلام جھکاؤ نا قابلِ پہنچ تھا' لہٰذا معاہدہَ بغداد کی تائید وحمائیت میں جنابِ نورسی کے خط کوضرور دیکھنا چاہیے۔

واقعی' اِس طرزِ خدمات نے تحریک مذکور کو ملک بھر میں ایک قوتِ نجات بنا دیا تھا حالانکہ شاگردانِ نور کارِ سیاست میں اَزخود ملوث اور متحرک بھی نہ تھے۔ خطرہَ کیمونزم کے خلاف مغربی اِتحاد میں ترکی اور مسلمان ممالک کی شرکت کی تائید بھی جنابِ نورسی کی وکالت پر دلالت کرتی ہے۔ فروری 1955ء میں بغداد پیکٹ پہلی بار ترکی اور عراق کے درمیان طے پایا' بعد اَزاں پاکستان ایران اور برطانیہ میں بھی طے پا گیا۔ اِسی معاہدے کی رُو سے اُس علاقے میں تحفظ اَمن کے لئے اُٹھائے گئے پہلے ہی مثبت اقدام کے لئے تعریفی اور مبارک بادی خط بھی جنابِ نورسی نے وزیرِ اعظم میندریس اور صدر جلال بایار کو لکھا اور یہ بھی لکھا کہ اُس نے تو اِن مسائل کو پینتالیس سال سے بھانپ لیا تھا لہٰذا دو عدد حل پیشِ خدمت ہیں۔

بغداد پیکٹ کی رُو سے جنابِ نورسی نے ترکی کے عراق اور پھر دُوسرے اِسلامی ممالک سے معاہدے کی تائید اور حمائیت اِس لیے کی کہ اِس نے اُس کو اسلامی دُنیا میں باتوازن کر دیا تھا' بلکہ ترکی اور عرب ممالک کے درمیان بھی تجدید تعلقات کی طرف ایک مبارک قدم تھا' کیونکہ جنگ عظیم اوّل کے بعد سلطنت عثمانیہ کے خاتمے تک یہ ممالک بے نام ونشاں ہی تھے۔ برخلافِ حقایق عربوں میں سے عراق ہی وہ پہلا ملک تھا جس نے اُس معاہدے میں شمولیت اِختیار کی تھی اور عربوں کی منزلِ مراد کے لئے موضوع غور وفکر بھی بنا جبکہ شام' لبنان اور اردُن کے متعلق میندریس کی سوچوں اور نیک خواہشات کو مسترد کر دیا گیا تھا۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عربوں کو قومیت کی زنجیر میں جکڑنے کے لئے چلائی جانے والی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔ ہر چند کہ وہ ترقی اور تازگی تو تھی ہی' جنابِ نورسی نے زورِ تلفظ سے ظاہر یہ کہ غیر سیاسی قسم کا اِتحاد بھی ترکی کے لئے طاقت کا سرچشمہ ہوگا' بالخصوص کیمونزم اور لادینیت کے خلاف' بلکہ اپنے بہت سے خطوط میں اُس نے میندریس اور ڈیموکریٹس کو اس کے لئے کام اور اِس سے مستفید ہونے کی حوصلہ مندی بھی بخشی۔

اُسی معاہدے کے متعلق لکھے گئے ایک خط میں جناب نورسی نے وضاحت کر دی تھی کہ اُس خطے کے لئے سب سے بڑا خطرہ نسل پرستی تھا' یہ ماضی میں بھی مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث بنا تھا اور مذہبی منکرین اور منافقین نے اِس شوشے کو اُمت مسلمہ کے اِتحاد کی راہ میں رُوڑے اٹکانے کے لئے اِستعمال کیا تھا۔ اُس نے بھانپ لیا تھا کہ سچی قومیت یا بھائی چارہ اگر ترکوں اور عربوں کے درمیان پنپ گیا تو اُس کا دوسرا اِسلام ہی ہے کیونکہ عرب قومیّت اور ترک قومیت شمع اسلام ہی سے منور تھیں' ہیں اور رہیں گی۔

یہ نیا مبارک اِتحاد خطرۂ نسل پرستی کو نیست و نابود کر دے گا اور ترک قوم کے لئے چار سو ملین مسلمان بھائیوں کے علاوہ آٹھ سو ملین عیسائی بھائیوں کی دوستی کا حصول الگ سے سود مند ثابت ہوگا۔ تو کہنا پڑتا ہے کہ جناب نورسی نے اَمن عامتہ الناس اور سب کی سانجھی ضرورت ہم آہنگی کو بھی خوب بھانپ لیا تھا۔ کوئی ساٹھ سال پیچھے بھی رسالۂ نور اور مدرستہ الزہرہ کے نام سے مشرقی یونیورسٹی کے مواخذات کے مطابق اسلام اور قرآن کو درپیش خطرات کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب نورسی نے دو بڑے معتبر حل پیش کیے تھے۔

اور دُونوں کا ہی مقصودِ اعلیٰ اِستحکام و اتحاد ملت اسلامیہ ہی تھا۔ رسالۂ نور کا کردار بھی عقیدۂ بھائی بندی کی صف بندی ہی تھا' جیسا کہ اِسلامی دُنیا کے اندر باہر پہلے ہی مدلل مانا چلا آ رہا تھا۔ اِس نے پہلے بھی فلسفۂ لادینیت اور دوسرے بدعنوان عناصر کو شکست فاش دی ہوئی تھی لہٰذا' جناب نورسی نے وزیرِاعظم اور صدرِ مملکت سے بذریعۂ رسالۂ نور قرآنِ پاک کے اِرشادات و فرمودات کو اپنے تئیں استعمال میں لانے کی تجاویز پیش کیں جو کہ دُنیائے اِسلامی میں غیر معروف بھی نہ تھیں۔ جناب نورسی کی نیت تو یہ تھی کہ جیسے افریقہ میں مدرستہ الزہرہ مرکزی کردار ادا کر رہا ہے بعینہٖ (مدرستہ الفور) کو ایشیاء میں ایسا ہی اعزاز ملنا چاہیے۔

قومیّت اور نسل پرستی سے جنگ کے علاوہ عربستان' انڈیا' ایران' کاکیشیا' ترکستان اور کردستان تک کے طالبانِ علم کے لئے مرکز علمیت حاصل کرتے ہوئے' اِسلامی بھائی چارے کی رُو سے شراکت ترقی اِختیار کرتے ہوئے یہ یونیورسٹی اسلام مذہب اور فلسفے کی سائنس میں ہم آہنگی اور تہذیب مغربی اور اِسلامی سچائیوں کے درمیان اَمن کی فضاء بھی قائم کرے۔ بالاتر شک وشبہ مدرستہ الزہرہ کی مثال جناب نورسی نے اس لیے بھی دی تھی کہ نئے صدر جلال بایار نے وان میں اگست 1955ء کو اپنی تقریر میں اعلان کر دیا تھا ڈیموکریٹ گورنمنٹ نے مشرقی ترکی میں

ایک یونیورسٹی بنانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جناب نورسی نے اُس اعلان میں مدرستہ الزہرہ کی ہم پلہ یونیورسٹی بننے کے خیر مقدم میں اپنے طلباء خاص کو انتہائی اہم خبر کے عنوان کے تحت ایک خط خاص بھی لکھا۔ اُسی خط میں دوبارہ سے اُس نے ترکی اور اُس کے مشرقی حصے کی طرف پیش قدمی پر صدر ترکی کی تعریف کی جس کی کہ مشرقِ وسطیٰ میں برائے اَمن و امان ایک میل پتھر کی حیثیت تھی۔

اِسی لئے جناب نورسی نے اِنتہائی زور دیا کہ یونیورسٹی ہذا میں مذہبی سائنسز ہی بنیادی عمل میں توانائی کا سرچشمہ ہونی چاہئیں۔ کیونکہ اُس تمام تر فسادِ مادی کی وجہ طبعی طاقتور کی بجائے بیرونی اور خارجی قوتیں تھیں، لیکن تھیں بڑی ہی روحانی اور اَخلاقی قسم کی، اور اُس روحانی اور اَخلاقی تنزلی کو کون کنارے لگاتا، سو وہ ایک ہی ماہر کردار تھا یعنی جناب نورسی، عرصہ پچپن سال سے کسی چٹان کی طرح مضبوط در مضبوط۔ اگرچہ 1958ء میں حکومت وقت نے مجبوریٔ وقت پر مشرقی یونیورسٹی کا آغاز تو کر دیا لیکن وان کی بجائے بمقام ارض روم اور نام بھی اُسے اتاترک یونیورسٹی کا دیا گیا۔

رپبلیکن پیپلز پارٹی معہ ''ظفر'' اور ''یاغنی اُولس'' اخبارات نے حکومت کے خلاف یہ احتجاجی قدم بھی اُٹھایا کہ اس کا جائے مقام تو جناب سعید نورسی کے مدرسے کی عمارت تھی، مگر ممکن ہے کہ اِس موضوع پر کوئی حیل حجت بھی ہوئی ہو۔ معاہدہ بغداد کی وساطت 14 جولائی 1958ء میں عراق اِنقلاب کے اثرات کو شاگردانِ جناب نورسی نے اُس کے چہرے پر بخوبی عیاں تھا کیونکہ وہ تاثراتِ اَفسوس صرف وہاں کی وحشیانہ خونریزی سے متعلقہ ہی نہ تھے بلکہ معاہدۂ بغداد اور اسلامی اِتحاد و یگانگت پر مبنی ترقی و خوشحالی کی موت پر بھی تھے۔

جب یہ خرافات الگ الگ اہمیت پکڑ رہی تھیں تب بھی جناب نورسی نے میندریس کی ہی حمائیت جاری رکھی جو کہ پہلے ہی معاہدۂ بغداد پاش پاش ہونے پر سنجیدگی سے دِل گرفتہ تھا اور پہلے ہی ہاتھ برعکس حیرت انگیز بیانات اور احتجاجی دلائل کے اُس نے سنجیدگی سے بغداد پیکٹ کی پیٹھ ایک جارحانہ اَنداز میں اُمڈتے چلے آتے سیلاب لادینیت کے پیش منظر کی وجہ سے ٹوٹی تھی اور اَب سیاسی اِتحاد سازی کی کسوٹی مذہبی اُصولوں کی پاسداری میں ہی مضمر تھی۔

تبلیغ سعید سوئم بر معاملاتِ دیگراں بحق ڈیموکریٹس:

میندریس اور ڈیموکریٹس کو لکھے گئے خطوط میں مقصودِ مخفی یہ تھا کہ قرآن پاک کے بنیادی قوانین کو اُجاگر کیا جائے جنہیں وہ معاشرتی امن اور انصاف کے اِستحکام کے لئے مؤثر ذرائع گردانتا تھا۔ اپنے ذاتی اور اجتماعی لائحہ عمل اور قانون سازی میں راہنمائی کے لیے اُس نے:

قرآنی احکامات کے اَحیاء کے لئے بھرپور سفارشات کیں۔اُس نے دلائل سے ثابت کیا کہ الہامی ارشاد کے توسط سے ہی معاشرتی طبقات میں سے مجرمانہ ذہنیت اور بغض کی بیخ کنی کرتے ہوئے امن ہم آہنگی اور ترقی کی راہیں کھولی جاسکتی ہیں۔

اِن اُصول وقوانین کو بین الاقوامی سطح پر بھی مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے ماننے والوں کے درمیان رواج دیا جاسکتا ہے' جیسا کہ اپنے پچھلے خط میں نے اُس نے قرآن کے اِس بنیادی قانون کا بھی حوالہ دیا تھا کہ''صاحبِ ایمان تو بھائی بھائی ہوتے ہیں۔(10-19) اور ڈیموکریٹ حکومت کو درپیش معاشی معاشرتی اور سیاسی مسائل میں اُصول وقوانین ہذا انتہائی سود مند ہیں۔اِن بنیادی قانون کی اُس نے بہت دفعہ تشریح وتوجیہہ بھی پیش کی کہ''کوئی کسی دوسرے کا بوجھ اُٹھا ہی نہیں سکتا' یعنی' کوئی کسی کے اعمال کا ذمہ دار نہ ہے نہ ہوگا' اور تہذیب مغربی کے پیدا کردہ معاشرتی بگاڑ اور مسائل کے حل کے لئے بھی اُس نے اکثر و بیشتر اپنے مختلف اِقتباسات میں انہیں بطورِ اکسیر پیش کیا۔

اپنے ایک خط میں جناب نورسی نے چالیس سال سے ترکِ سیاست کی وجہ قرآنِ پاک کی اپنی آیات کریمہ سے تضاد بیان کی کہ فلسفۂ اِنسانیت کے بنیادی اُصول وضوابط کو دنیاوی سیاستوں خباثتوں میں تلاش کیا گیا نہ کہ الہامی ارشادات وفرمودات میں' اور ایک ہی شخص کی ذاتی قربانی کو پوری قوم کے لئے وسیلۂ نجات سمجھ لیا گیا۔ بمعہ دونوں عظیم جنگوں میں دَس مجرمان کے ساتھ نوے معصومین کی خونریزی کی تائید میں اِس بنیادی اِنسانی قانون میں بھی جرائم ہی کی حوصلہ افزائی کی گئی تھی اور صدیٔ ہذا میں ہزار سالہ اِنسانی ترقی کو کھوہ کھاتے کر دیا گیا۔

کوئی کسی کے اعمال کا ذِمہ دار نہیں ہے اور نہ ہی کسی معصوم کی بغیر وجہ جان لی جاسکتی ہے پر مشتمل آئیت کریمہ پوری اِنسانیت کے لئے فصل اِنصاف ہے۔کوئی بھی بوجھ بردار کسی دوسرے کی بوجھ برداری کے لئے نہیں ہے پر مشتمل اِقتباس میں جناب نورسی جو نصیحت کرتا ہے تو اُس کا اشارہ سیاسی سازیوں کی اُن وفاداریوں کی طرف ہے جو ترک قوم کی زندگی میں بوئی اور سموئی جا رہی تھیں۔اُن نام نہاد وفاداریوں اور سانجھداریوں کے نتیجے میں معاشرتی توڑ پھوڑ میں ہونے والی مروّت بھائی چارے اور باہمی اِتحاد ویگانگت کی بنیادیں تک ہل جانے کا رونا رویا گیا تھا۔

ملک کی خیر خواہی کا دَم بھرنے والی تین چار پارٹیوں کے تصادم میں سب کی طاقت اور توانائی ضائع ہو جاتی تو ملک اور معاشرے کی اندرونی بیرونی تعمیر وترقی کے لئے طاقت وتوانائی

کہاں سے حاصل ہوگی۔ اِس سانجھداری میں تو اوّل و آخر تک اِنقلاب کی ہی آبیاری معلوم ہوتی ہے اور جس کی کمزوریاں بیرونی مداخلت کے لئے عین راہ ہموار ثابت ہوں گی۔ قرآن کریم کی وہ آئیت کریمہ کہ جس میں واضح ارشاد ہوا کہ ''کوئی کسی دوسرے کی بداعمالیوں اور جرائم کا خمیازہ نہ بھگتے گا' اور اگر کوئی اپنے بھائی پارٹی یا قبیلے برادری کی اخلاقی یا سیاسی حمائیت کرتا ہے تو اُس سے اُس کی اچھی یا بری جواب دہی روزِ آخرت کو ہوگی۔

قرآنی احکامات ایسی سانجھداریوں کی ممانعت کرتے ہیں' ہاں' اِس کی ایک ایسی شکل اور صورت ہونی چاہیے کہ تمام صاحبانِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور وہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے قابو کرلیں اور کبھی بھی تفرقوں میں نہ پڑیں (49-10 QURAN 3-103)۔ سیاست سازی کے مجرمانہ رجحانات کے سلسلے میں مسئلہ ارتقاء کا بھی جناب نورسی کو تجزیہ کرنا پڑا' کیونکہ' 31 مارچ 1909ء کو بھی سیاست کو مذہب کے لئے بطور ہتھیار استعمال کرنے والوں کے لئے یہ ایک دلفریب موضوع اور مواد رہا تھا۔ خاص طور پر اِنونو میں آر پی پی کے ہاتھوں میندریس اور ڈیموکریٹس کے دس سالہ دَورِ حکومت میں یہ مسئلہ اُنہی کے خلاف کھڑا رکھا گیا اور 1934ء میں بھی ایسکی شہر مقدماتی سماعتوں سے ذرا پہلے آر پی پی۔ کے ہی ہاتھوں جناب نورسی اور اُس کے شاگردین کے خلاف بھی یہی محاذ تھا۔ جبکہ اخبارات اِس تشہیری عمل میں حسبِ معمول ہی استعمال ہوتے چلے آرہے تھے۔

اور ذرا اُس سیاسی دلدل میں پھنسے ہوئے دماغوں کے اُس ردِعمل کو مدنظر رکھئے جس کے لئے 1961ء میں میندریس کو دی جانے والی انتہائی شرمناک اور ناقابلِ معافی پھانسی کی تاویلیں شاملِ عمل تھیں۔ اُنہی حالات و معاملات میں مدغم جناب نورسی نے نکتہ اُٹھایا کہ وہ سیاست ساز جنہوں نے تہذیب کے نام پر سیاسی اوزاروں سے مذہب پر حملے کیے اُن کے خلاف اُس کے دِماغ میں سچ نے انگڑائی بھری تھی۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اِنسانی اُصول جس کے طابع ایک انسان پورے معاشرے کے لئے قربان کردیا جاتا ہے' یہی اُصول جب پورے ملک پر لاگو کرتے ہوئے گاؤں کے گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے جاتے ہیں تو ایک بہت بڑے جرم کی جڑھ جڑ جاتی ہے۔

سو جنگِ عظیم اوّل میں تین ہزار نفوس کی مجرمانہ سیاسی غلطی کی وجہ سے تین کروڑ بدنصیبوں کو ابدی نیند سُلا دیا گیا۔ لہٰذا جو لوگ ایسے مجرمانہ اور جنگی جرائمی اُصولوں کی تائید و حمائیت پر ہیں وہ اِنسانی اَمن اِنصاف اور بہبود کے قاتل ہیں اور زمانہ قدیم کے وحشیوں کی وحشت سے

وَضعدار ہیں۔ سوُ جو سچے سیاسی اِنقلابی اور قرآنی رُو سے روبہ عمل ہیں وہی لوگ امن انصاف' اِتحاد' محبت اور بھائی چارے کے علمبردار اور محافظ ہیں۔ حدیث مبارکہ سے اخذ کردہ ایک اور سنہری اُصول اِسلامی جو جناب نورسی نے میندریس اور ڈیموکریٹس کو نصیحت کیا وہ قوم کے حکمران کو قوم کا خادم ہونے سے متعلق تھا' مزید یہ کہ تربیت اسلامی کی کمی اور عبادات میں کمزوری اور ناتوانی کی وجہ سے حکمرانوں کے سروں میں آمریت کے علاوہ بھی نہ جانے کون کون سے سودے سمائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا کہنا پڑتا ہے کہ سابقہ حکومتی چھتری کے سائے تلے اِسلام کا بدل مغربی تہذیب سمجھنے والوں نے اپنے حمایتوں کو حمائیت پروری میں حکومت اور انتظامیہ میں بطورِ رشوت عہدے دے کر اپنی فرمانروائی میں ملوث اور ملغوب کرلیا۔

جس سے سب کے حقوق خطرات میں جھولنے لگے اور انصاف کی پینگیں ہی ہوا میں معلق ہوکر رہ گئیں۔ 1952ء کے اِنتہائی اوائل میں جناب نورسی نے میندریس کو خبردار کردیا تھا کہ افسر شاہی کے دِل و دماغ تو 1950ء کے دورانیے میں پھنسے ہوئے ہیں' بس وہ تو ڈیموکریٹس کے مجبور کرنے کی وجہ سے قوم کو تھوڑی بہت گھاس ڈال دیتے ہیں ورنہ تو وہ حزبِ اِختلاف اور مخالفین کو ڈیموکریٹس پر حملہ کرنے کے لئے تیار کررہے تھے۔ دوسرا اہم پہلو اور معاملہ' وقت قوم اور نسل پرستوں کا تھا اور دونوں ہی ڈیموکریٹس کی کشتی ڈبونے میں کمال کردکھائے تھے۔ دوسرے بھی بہت سے اہم پہلو اور موضوعات و معاملات تھے جن کے بارے میں 1953ء کو استنبول سے جناب نورسی نے لکھ بھیجا کہ وہ بظاہر تو وہ بہت ہی سادہ دکھائی دیتے ہیں مگر درحقیقت معاشرتی معیشت اور انصاف کے لئے میل پتھر تھے۔

پیہم جدوجہد اور مزید کامیابیاں:

اُن بہت ساری طاقتوں کے تصادم نے ایک غضب ناک سی صورتِ حال اِختیار کرلی تھی اور عصمت انونو کی حزبِ اِختلاف اور آر پی پی کے میندریس حکومت کے گٹھ جوڑ سے لگتا تھا کہ ڈیموکریٹس اب زیادہ عرصہ اِقتدار میں نہیں ہیں۔ ایک تو اُس پر معیشت میں اِنتہائی گرم بازاری کا الزام تھا اور دوسرا یہ کہ اُس نے عوامی تائید و حمائیت کے لئے مذہب میں اِشتعال انگیزیت پیدا کردی تھی اور مذہب' جو کہ شدید ترین وجہ' فساد رہا ہے' اور یہ الزام کہ میندریس سیکولرازم کی رُو سے غداری کا مرتکب ہوا ہے سراسر نااِنصافی تھی' ہاں' اُس نے عبادت کے لئے ہونے والی اذان پر

سے عربی الفاظ میں نہ ہونے والی پابندی تو ختم کی تھی مگر وہ لوگوں کو مذہبیت میں مدغم کر کے جناب نورسی کی طرح کوئی عوامی حمائیت کا خواہاں ہرگز نہ تھا اور نہ سیکولر اُصولوں کی مخالفت میں مخالفین کو ملیا میٹ کرنا چاہتا تھا۔

سابقہ کارپردازانِ حکومت کا تا حال پولیس' انتظامیہ اور عدلیہ تک میں اثر ورسوخ تھا سو اُن کے زیر اثر تا حال شاگردان جناب نورسی اور فصل رسالۂ نور بھی تھی' اِسی نیت سے اُنہوں نے مزید مقدمات کھڑے کرتے ہوئے جناب نورسی کی کردار کشی کی ایک مہم جوئی شروع کر دی جس کی وجہ سے اُسے پھر سے نگہداشت میں لے لیا گیا۔ آگے 1957ء کے اِنتخابات آئے تو ڈیموکریٹس نے معمولی فرق سے سہی مگر کامیابی حاصل کر کے دِکھائی اور حزبِ اِختلاف نے بھی پھر سے لنگوٹ کس لیے بلکہ 1959ء میں تو اِس نے ملک بھر میں دنگا فساد کے جن میں خوب ہوا بھری۔

ریپبلیکن پیپلز پارٹی کو اِقتدار سے دور رکھنے کے تردد اور تناظر میں جناب نورسی نے کھلم کھلا ڈیموکریٹس کو اپنا اور اپنے شاگردین کے ووٹ دِلوائے آر پی پی جسے الیکشن جیتنے کی قومی اُمیدیں تھیں' نے اپنی شکست کا ذمہ دار جناب نورسی کو ٹھہرایا' بلکہ عصمت انونو سے تو مصدقہ اطلاعات تھیں کہ شکست فاش کا باعث طالبان جناب نورسی ہی تھے اور اُن پر آر پی پی کے حمائتوں کی طرف سے بڑھتے ہوئے دباؤ اور خطرات کا باعث بھی یہی حالات و حاثات ہی تھے۔ رسالۂ نور کی آزادانہ اشاعت و ترسیل کے ساتھ ساتھ ڈیموکریٹس گورنمنٹ کی حمائیت میں تحریک نور نے بھی بڑی وسعت اور استحکام حاصل کر لیا تھا اور ملک کے ہر حصے میں رِسالۂ نور کے مطالعاتی مرکز (درسانے) بھی کھل رہے تھے۔

اور یہ کیسی بات تھی کہ جہاں بھی وہ مرکز کھلتا وہاں نماز ادا کی جاتی تو جناب نورسی کے لئے دعائے خیر ہوتی' یہاں تک کہ' مشرقی ترکی میں جناب نورسی کے دیرینہ شاگردانِ خاص ٹلروسی بے اور جے۔جی امین کی وجہ سے تحریک نور نے دِن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کی اور ایک خط سے سبق سیکھتے ہوئے اُنہوں نے دیار باقر اور اُس کے مشرق میں قریباً دو سو درسانے مردوں کے لئے اور دیار باقر میں ہی چار پانچ مخصوص درسانے خواتین کے لئے بھی بنا کر دَم لیا جہاں موقع بہ موقع ہزاروں لوگ درس لیتے اور ساتھ ساتھ رسالۂ نور پڑھنے کی سعادت بھی حاصل کرتے تھے۔ انقرہ استنبول اور ایسکی شہر کے علاوہ اناطولیہ کے اہم مراکز میں بھی رسالۂ نور اور اُس سے منسلک سرگرمیاں خوب پھلنے پھولنے لگیں۔

اُن کی اُس پھولوں کی طرح خوشبو چھوڑتی ہوئی کامیابی و کامرانی پر دباؤ اور حراست کاری بھی بڑھادی گئی۔ 1957ء میں بھی جناب نورسی نے بڑے خطرات کی زد میں ایمرداغ کا دورہ کیا تھا اور اُس نے حلر وسی بے کو بتایا کہ اب کی بار وہ بہت زیادہ محتاط ہو کر آیا ہے۔ ایک اور بڑا ہی بُزدلانا اِقدام جو کہ اُس کی زِندگی میں ہوا' وہ یوں کہ کوئی اجنبی اُس کے مکان کی چھت میں سے اُس کے پانی والے جگ میں زہر ملانے کی کوشش اور نیت سے آن دھمکا تھا۔ پھر ایسے ہی اپریل 1958ء میں مشرقی اناطولیہ کے نازی لِی شہر شاگردان جناب نورسی کے خلاف آر پی پی کے چیلوں نے کوئی منصوبہ کھڑا کرنے کی کوشش بے سود کی اور دو ایک گرفتار بھی کر لیے گئے۔ اور تو اور' اخبارات بھی شاگردان و طالبان جناب نورسی کو دشمن اصلاحات ثابت کرنے کے خبط میں مبتلا ہوتے چلے گئے۔ بالآخر اُس سب کارستانی کے جواب میں شاگردان جناب نورسی نے اُن کی دُروغ گویوں اور غلط فہمیوں پر اشاعتیں شروع کیں مگر پھر سے اُن کی گرفتاریاں بھی عمل میں آ گئیں۔

با کر برک وہ پہلا وکیل تھا جس نے اُن کا مقدمہ لڑا اور وہ سب کے سب رہا ہو گئے۔ بعدازاں وہی باکر نامی وکیل نہ صرف ایک مسلم وکیل کے طور پر مشہور ہوا بلکہ جناب نورسی نے اپنا وکیل خاص ہی مقرر کر لیا تھا۔ قونیہ وہ مقام تھا جہاں شاگردین جناب نورسی کی کثرت تھی اور اُن کی سرگرمیاں بھی عروج پر تھیں اور مقدمات کی بھی بھتاب تھی اور اوپر سے پورے ملک کے اخبارات نے تحریک جناب نورسی کے خلاف ایک اُودھم مچا رکھی تھی۔ شاگردان جناب نورسی نے بھی آگے سے چپ نہ سادھی بلکہ برابر اشاعتی جواب دیتے رہے جن میں اہم ترین جوابات ''ایمیر دالاحی'' کی جلدوں میں شمار ہوئے۔

اِس قسم کی ملک گیر تشہیر تو جناب نورسی کی وفات تک چلتی ہی چلی گئی تھی' بطورِ خاص دسمبر 1959ء اور جنوری 1960ء میں جب بمعہ قونیہ' انقرہ اور استنبول کے لئے اُس نے ملک گیر دورے اِختیار کیے تھے۔ برخلاف نور جو الزامات تھے وہ زیادہ آرٹیکل نمبر 163 کے تحت سیکولر اِزم کے اصول وضوابط کی خلاف ورزیوں اور سیاست سازی کے خلاف منفی انجام دہی پر مبنی تھے جبکہ اخبارات' آر پی پی اور دشمنانِ جناب نورسی تو ابھی تک اُس کے خلاف بھی رکاوٹِ سیاست کے الزامات عائد کرنے پر مصر اور کوشاں تھے۔ اور جب' شاگردان جناب نورسی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سے مقدمات میں سے بہت سے موقعوں پر رہا ہوتے چلے گئے تو پھر دشمنانِ جناب نورسی کے ہاتھ اُنہیں نیچا دکھانے کے لئے اور کوئی اوزار اور ہتھیار نہ آیا۔

سترہواں باب

آخری مہینے

حالتِ دماغی صحتِ جناب نورسی بَرخلوص:

جناب نورسی کی صحت اور دماغی حالت کے معائینے کے بعد ہم اُس کی زِندگی کے آخری دور اپنے پر پہنچتے ہیں جس پر کہ بذات خود اور ہمیشہ سے ساتھ نبھانے والے شاگردین نے روشنی ڈالی کہ کیسے کیسے بے بنیاد اور بعید از حقیقت اِلزامات اُن پر لگائے گئے۔ پھر جیسا کہ دوسرے اقتباسات میں بیان ہو چکا ہے کہ بمطابق جناب نورسی اِنحصارِ رسالۂ نور یعنی ''خلوص نت'' ہی اُس کی کامیابیوں کی کنجی تھی۔

وہ خلوص نیت ماسوائے خوشنودیٔ خدائے بزرگ و برتر اور خدماتِ قرآنی و ایمانی کے اور کچھ نہ تھا اور نہ ہی کسی اور مقصد کا آلہ کار تھا۔ اُس خلوصِ نیت کی نگہداشت کسی بھی قسم کے ذاتی مفاد پر مبنی سیاست کاری میں سخت مانع ہے اور جناب نورسی نے اپنے اُس خلوص نیت کے معیار کا گراف بھی بڑا اُونچا رکھا۔ اپنی زِندگی کے آخری تیس سالوں میں وہ ایسے ہی حسن اعمال کی طرف راغب رہا' بالخصوص خلوت نشیں رہا' غیر ضروری میل ملاقاتوں سے بھی گریزاں رہا بلکہ اپنی ادنیٰ حیثیت ہی کو قانون اور اُصول بناتے ہوئے خواہ مخواہ ے تحفے تحائف اور ہمہ قسم خیرات وغیرہ کو خیر آباد کہہ چھوڑا تھا۔

خطوط اور دوسری دستاویزات سے بھی معلوم ہوا کہ بالحاظِ صحت اور اسّی سالہ عمر وہ دوسروں کے سہارے کے محتاج ہو گئے تھے اور اُنہی دو بڑی محتاجیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اپنے خلوص نیت پر ہی اکتفا کرنے لگے تھے۔ خاص طور پر پہلی کمزوری' اور محتاجی یہ رہی کہ وہ دو تین منٹ کی گفتگو کے بعد مزید گفتگو کے قابل نہ رہتے اور ایک خوف ناک قسم کی پیاس سے مغلوب ہو جاتے۔ اپنے ایک دوسرے خط میں اُنہوں نے یہ بھی لکھا کہ جب دُشمن دوست بنتے چلے آ رہے

تھے تو غیر ضروری گفتگو سے پرہیز اختیار کرنے میں بھی؛ اُن کے خلوص نیت کو تقویت ملی۔ لیکن ایک دوسری بیماری یہ آن لاحق ہوئی کہ مادی اور غیر مادی تحایف نے بھی اُنہیں علیل کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اُن کے ایک اِنتہائی قریبی شاگرد کی طرف سے مہیا کردہ مفت لقمہ بھر خوراک بھی اُن کے لیے باعث علالت تھی۔

اور جناب نورسیؒ نے یہ بھی وضاحت کی کہ ہزاروں لوگوں کی خواہش گفتگو لے کرانمول آمد بھی ایک لحاظ سے اُس کے لیے غیر مادی تحایف ہی تھی۔ اور پھر وہ وقت کہ جب رسالۂ نور کی اشاعت بھی ماشاءاللہ زوروں پر اور نئے قارئین کی تعداد بھی ڈھیروں تھی تو تب بھی لوگوں کی بات چیت، میل ملاپ اور بے حد وحساب ملنے والی عزت وتکریم سے وہ مبتلائے بیماری ہو جانے کے اِحتمال میں اپنے تحفظاتِ خلوص میں اِنتہائی محتاط رہتے تھے۔

پھر بھی ترکی اور مزید اندر باہر سے آنے والوں میں سے چند ایک سے جناب نورسی میل ملاپ کر ہی لیا کرتا تھا۔ اُس نے اپنے خطوط میں بھی اِن چیزوں کی وضاحت کی کہ رسالۂ نور کی نشر واشاعت سے وابسطہ کارکنان سے ہی ملنے کی اُس میں سکت تھی حتیٰ کہ اُس کی ضروریات پر مقرر شاگردین کے ساتھ بھی وہ غیر ضروری باتیں نہ کر سکتا تھا۔ دُور سے آنے والوں اور ملاقات نہ کر کے جانے والوں کے متعلق بھی شاگردین کے خطوط میں وضاحتیں موجود ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ بہت سے موقعوں پر ہماری طرف سے دُعا سلام میں اُن کے ہاتھوں پر بوسہ دیئے جانے پر بھی اُنہیں ایک رُوحانی تکلیف پہنچتی تھی، خاص طور پر ایسے موقعوں پر جب اُنہیں کو بغرضِ مطالعہ دیکھتا ہی چلا جایا کرتا تھا۔ لیکن ہم اگرچہ اُن کی ضروریات پر معمور بھی تھے لیکن بے مقصد اُن کی طرف نگاہ بھی نہ اُٹھا سکتے تھے۔ بلکہ ہم اُس ساری حکمت عملی کو کچھ اِس انداز میں سمجھ پائے تھے کہ چونکہ رسالۂ نور کا طریقہ کار تو مبنی بر خلوص نیت ہی تھا لہٰذا لوگوں سے گھلنا ملنا اور بے حد وحساب تعظیم پانا اُس عمر میں اَنا پروری منافقت اور ایک مصنوعی پن کا باعث بھی تھیں۔

اُن کا کہنا تھا کہ جو لوگ اُس سے ملنا چاہتے ہیں تو سمجھیں کہ وہ رسالہ نور اور آخرت کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں اور یوں بذمہ جناب نورسی رسالۂ نور کا کچھ باقی نہ رہا کیونکہ لاکھوں کاپیوں میں ایک ایک کاپی بھی دس دس جناب نورسیوں کے برابر بلکہ بھاری ہے۔ اگر وہ لوگ اُس سے بمعاملا دُنیاداری ملنا چاہتے ہیں تو پھر تو یہ بڑا ہی بیج فعل اور قیمتی وقت کا ضیاء ہو گا کیونکہ وہ دُنیاداری کو ترک کر چکا ہے اور اب یہ امر باعث تکلف اور تکلیف ہے۔

اور اگر وہ لوگ بمعاملہ خدماتِ رسالۂ نور ملنا چاہتے ہیں تو پھر وہ اُس کی بجائے اُس کے روحانی شاگردوں عقیدت مندوں بیٹوں اور بھائیوں سے مل لیں۔ کیونکہ وہ تو اب کسی بھی لحاظ سے حاجت روائی کا حقدار نہیں رہا تھا۔ اپنے تیس سالہ عرصۂ جلاوطنی اور قید و بند کی بھی تشریح و توضیح جناب نورسی کچھ اِس طرح سے کرتا ہے کہ اپنے ذاتی مفادات اور تحفظاتِ خلوص نیت کی بناء پر اپنے مذہب اعلیٰ کی کوئی خاص خدمت کر سکنے پر وہ ایک خدائی خبرداری تھی۔

مذہبی اِشتعال اور سیاسی عمل کے خاتمے کے لئے لگائے جانے والے مکمل غلط اور مبنی بر ناانصاف جھوٹے الزامات کے تحت جھیلی گئی صعوبتیں اُس کی پرستشانہ عمر میں بوجہ خدمات ایمانی سامنے آنے والے خطرات سے روکنے کی بھونڈی کوششیں تھیں، جبکہ وہی کوششیں اور خدمات ہی اُس کی روحانی ترقی اور منازل کے لئے زادِ راہ اور باعث بخشش جنت و جہنم تھیں۔ اور جناب نورسی کو تو یہ بھی آگاہی ہو چکی تھی کہ مالغ امرنیک کیا کیا وجوہات رہی تھیں۔

اگرچہ، بحیثیت مجموعی تشخص اور مذہبی گمراہی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے اعمال نیک میں پڑنا واقعی امر شرعی ہے لیکن، گمرائیوں کے ٹکرانے اور اُنہیں ٹھکرانے کے نکتہ نظر سے صداقت ایمانی و قرآنی کو مؤثر پیرائے میں بیان کرنا بھی عین عبادت کا درجہ رکھتا ہے، اور یہ اُن تعلیمات سے متقاضی ہے جو کسی کی آلۂ کار نہ ہوں تا کہ طالبانِ عقیدۂ و ایمان جان جائیں کہ صداقتیں اور حقیقتیں بولتی ہیں تو روح کی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں اور مبنی بر دھوکا فریب شیطانی قوتیں ماند پڑ جاتی ہیں۔

جناب نورسی نے لکھا کہ ترکی بھر میں وقوع پذیر شکست و ریخت سے دو چار مشکل حالات کو پلے نہ باندھنا ہی رسالۂ نور کی کامیابی کی کلید تھی، ساتھ ساتھ اُس نے تمام تر جبر و قہر کو برداشت کرتے ہوئے اور منتقم جوش و جذبات سے دستبردار ہوتے ہوئے سب الزامات دھرنے والوں کو معاف بھی کر دیا، اور اگر وہ ایسا عمل اِختیار نہ کرتا تو رسالۂ نور بھی اپنی اُس غیر معمولی کشش کی قوت سے ہاتھ دھو بیٹھتا، جس کے کہ صرف ایک ہی صفحے پر لوگوں کے ایمان و عقائد محفوظ تھے۔

یہ اُس خلوصِ نیت کا ہی ثمر تھا کہ رسالۂ نور کا مجموعی تشخص اُجاگر ہوا جسے جناب نورسی نے ایک مذہبی مصلح اور مجدد قرار دیا تھا۔ کیونکہ، جہاں بھی ضرورت ہوتی ہے کم از کم صدی بعد وہاں مذہب اور ایمان کی صحت و سلامتی کے لئے ایک مصلح اور مجدد بھیجا جاتا ہے لہٰذا، مجموعی تشخص کی صحیح و سالم تشخیص کے لئے بحیثیت مجموعی رسالۂ نور کی آمد ہی آثار تجدید ہے۔ یا جیسا کہ رسالۂ نور کی ہی شکل میں جناب نورسی اور شاگردانِ جناب نورسی کی قربانیاں افضل ترتھیں۔

دَراصل، بقول جناب نورسی، وہ اُس بیج کی مانند تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور قدرت سے بشکل رسالۂ نور ایک پھلدار درخت کی مانند بنا دیا۔ یعنی میں تو محض ایک بیج ہی تھا جس نے جڑھیں پکڑیں اور خود غائیب ہو گیا۔ یہ رسالۂ نور ہی ہے جو کہ قرآن اور اُس کے معنی و مطالب پر ایک سچے کھرے تبصرے اور تفسیر کا حامل ہے۔

خواہش ارادیٔ جناب نورسی اور اَن دیکھی قبر:

زیادہ سے زیادہ خلوصِ نیت کے تحفظات کی یہاں بھی وہی وجہ تھی جس میں رسالۂ نور کی مخفی قوت اور کامیابی پنہاں تھی اور اِشارۃً ہی سہی، بہت سے موقعوں پر جناب نورسی ذکر بھی کر بیٹھا تھا کہ اُس کی جائے قبر کی نشاندہی اُس کے صرف چند شاگردین تک ہی رہے۔ بلکہ اِسے تو وہ اپنی وصیتی خواہش میں لکھ بھی چکا تھا۔

ویسے تو جناب نورسی نے بہت سے موقعوں پر اپنی وصیتی خواہش کا اظہار کیا ہوا تھا مگر پہلی بار جنوری 1948ء میں ایمرداغ سے آفیون بھیجے جانے پر کیا تھا۔ اُنہوں نے بڑے واضح انداز میں فرمایا کہ وصیتی خواہش کرنا نبیوں کی سنت مبارکہ رہی ہے لیکن مواقعات نامعلوم ہی رہے، سو اُس نے اپنے خاص خاص شاگردین کی ایک کمیٹی سے اُنہوں نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا تھا کہ وہ جنوبی ترکی میں عرفہ کے مقام پر قضاء ہونا چاہیں گے جہاں ابراہیمؑ لیٹا ہوا ہے۔ اُس نے وہ سب صالح پؤزجان سے کہا تھا جس نے آگے مفصل بیان کیا کہ دراصل وہی جگہ ہی اُن کی قضاء کے لئے موزوں ترین تھی۔

بقول اُس کے، یہ 1954ء تھا جب ایمرداغ میں مصطفیٰ اجیت، صادق اور بذات خود وہ اُستادِ محترم کے ساتھ پہاڑوں میں گئے تھے اور ایک درخت کے پاس جا کر تو اُستاد صاحب قریباً آدھے گھنٹے کے لئے کسی گہری سوچ یا مراقبے میں چلے گئے۔ پھر اُنہوں نے ہمیں کچیلی، کچیلی کہہ کر اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اُنکی قبر کے متعلق کوئی بھی نہیں جانتا۔ تم بھی نہیں جانتے ہو کہ یہ کہاں ہے۔ میں تو تمہارے ہی علاقے عرفہ میں قضاء کرنا چاہتا ہوں بلکہ میں اپنے رحمدل دوست ابراہیمؑ کے قریب قضاء چاہتا ہوں۔

1950ء میں جناب نورسی نے اپنے شاگردِ خاص کے ساتھ اپنا کچھ ذاتی مال اسباب عرفہ کی طرف یہ کہہ کر بھیج دیا کہ وہ خود بھی وہیں جا رہا ہے۔ کاستامونو میں اُسے مولانا خالد بغدادی

کا جبہ مبارک بھی دے دیا گیا جو کہ بعد میں اُس شاگرد نے عرفہ میں ہی جناب نورسی کے ساتھ آٹھ سال تک مقیم رہنے والے اُس کے ہم مکتب دوست عبداللہ یہن کے سپرد کر دیا' جس نے کہ رسالۂ نور کی سرگرمیوں کے لئے اہم ترین مرکز بن جانے والا مدرسہ (درسانہ) کھولا ہوا تھا اور تاوقت قضاء جناب نورسی نے بھی جہاں قدم تک نہ رکھا تھا۔

شاگردین خاص کو جناب نورسی نے خاص طور پر رسالۂ نور سے وقف شدہ شاگردین کے لئے وظائف کے مسلسل اجراء کے لئے بھی زور دے کر لکھا اور اُس بوڑھے جناب سعید نورسی کی اپنے اُن شاگردین کے لئے وہ کوشش 1959ء میں کی گئی تھی۔ اُنہوں نے بیان فرمایا کہ وہ اپنے تئیں تو صرف بیس تیس یا کبھی کبھار ساٹھ شاگردین تک کی کفالت کر پاتے تھے لیکن آگے سے اُن شاگردین نے بھی کمال قناعت اور کفائیت شعاری کو شعار بنایا ہوا تھا۔ مگر اب تو خیر سے رسالۂ نور نے بھی منافع دینا شروع کر دیا تھا اور اُس کی اُس آمدنی کے پانچویں حصے سے پچاس ساٹھ شاگردین کی بخوبی کفالت ہونے لگی تھی۔ جناب نورسی نے یہ بھی لکھا کہ چونکہ اب وہ مزید رسالۂ نور کے لئے فرائض ادا کرنے سے قاصر ہو رہا تھا لہٰذا وہ شاگردان خاص تیار رہیں جن کے حوالے وہ آواز کے مجموعہ جات بھی کرنا چاہتا تھا۔ آخری آخری وصیتی خواہشوں میں اُس نے دو نکات کو تو ایک لحاظ سے ایک معاہدے ہی کی شکل دے ڈالی۔

پہلا معاملہ اُس کی قبر کی رازداری سے متعلقہ تھا جبکہ دوسرا معاملہ اُن شاگردین کی روٹی روزی سے متعلقہ تھا جنہوں نے صرف اور صرف رسالۂ نور کے لئے ہی کام کیا تھا اور اُن کا کوئی متبادل روزگار بھی نہ تھا۔ جناب نورسی نے یہ بھی فرمایا کہ وہ لوگ جو کہ اُس کی قبر کی زیارت کرنا چاہیں گے اُنہیں چاہیے کہ وہ اُس کی روح کے ایصالِ ثواب کے لئے فاتحہ پڑھیں' چاہے دُور دراز سے پڑھ لیں۔ کیونکہ' زمانہ قدیم میں فرعون وغیرہ لوگوں میں دوبارہ جانے مانے جانے کے لئے تصویریں' مجسمے حتیٰ کہ اپنے جسم تک محفوظ کروالیا کرتے تھے۔

لہٰذا' اِس عبرت انگیز عمر میں بھی ذرا نظارۂ عائیب دماغی تو کریں کہ بذریعہ اَخبارات' تصاویر اور مجسمہ سازی انا پرستی کس طرح تمام تر دنیاوی توجہ حاصل کر لیتی ہے کیونکہ دنیاوی شہرت کے لئے دُنیاداری ہی نسخہ تیر بہدف ہے۔ جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی موت اور مستقبل بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ وہ اپنی موت کو اِس انداز میں دیکھتے ہیں بجائے اِس کے کہ وہ اِسے خدا کی خوشنودی اور مستقبل کو آخرت میں دیکھیں۔

رازِ خلوص نیت مبنی بر رسالۂ نور کی زیادہ سے زیادہ پردہ داری کے لئے میں یہی تاکید کرتا ہوں کہ میری کہیں نشاندہی ہی نہ ہو۔ یعنی جس طرح کہ دُنیاداری میں ملاقاتیوں سے اِجتناب کرتا تھا اُسی طرح نہیں چاہتا تھا کہ مرنے کے بعد اُس کی قبر ملاقاتیوں کی آماجگاہ بن جائے۔ اگرچہ بہت دفعہ اپنے دفن ہونے کی جگہ کے متعلق وہ خواہش کر چکے تھے' بمثال' ایک خط میں اُن کا بیان تھا کہ اُن کی قبر اسپارٹا سے بارلا کے قریبی گاؤں ساو میں ہو۔ پھر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایمرداغ میں قضاء کرتے ہیں تو اُنہیں اُن کے شاگردوں کو اوپر والے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے اور اگر اسپارٹا میں قضاء آتی ہے تو پھر اُنہیں اُسے درمیان والے قبرستان میں دفن کر دینا چاہیے۔ درپیش خطرہ سے خبردار اور اُن سے بچاؤ کی تدابیر بھی گوش گذار کرنا چاہتا تھا۔

ترکی کی فضاؤں میں مایوسی انتشار اور انقلاب کے بادل تیرتے پھرتے تھے' جبکہ 1958ء میں ہی اِس قسم کے گروپس کی نقاب کشائی اور پیش بندی کی جا چکی تھی۔ روشن خیالی' مذہبی آزادی اور اسلامی فلاح سے بھی قطع نظر یہ ڈیموکریٹ حکومت اور اُس کے سابقہ حمائیت گان کی کارسازیاں تھیں جو کہ اب آر پی پی کی چھتری تلے دوبارہ اِقتدار پر قابض ہونے کی تیاریوں میں تھے کیونکہ وہ وہاں تک بذریعۂ ووٹ اور قانون نہ پہنچ سکتے تھے۔

جیسا کہ کہیں پیچھے حوالہ دیا گیا ہے کہ 1952ء میں ہی جناب نورسی نے میندریس کو اُن ممکنہ حملوں اور دھاووں سے آگاہی دیتے ہوئے بنسبت ڈیموکریٹس کے آر پی پی کی پُرخطر منصوبہ بندیوں کے بند کھول کر دِکھا دیئے تھے۔ اب چونکے اُن خطرات کے بادل سر پر تھے لہٰذا ہر شئے سے اشد ضروری اُسے اُن سے خبردار کرنا تھا۔ اور سوال اُن ڈیموکریٹس کے بچاؤ ہی کا نہ تھا بلکہ ملک کو بھی اُن بُروں کے بُرے انجام سے بچانے کا تھا جو کہ اسلام کو نقصان اور لادینیت کو فائدہ اور فروغ دینے کے لئے دوبارہ اقتدار پر طاقت کی کاٹھیاں ڈال رہے تھے۔

سفری صعوبتیں اُٹھانے کی ایک وجہ تو یہ بھی تھی جو کہ ایک ذمہ دار شہری ہونے کی حیثیت سے برحق بھی تھی اور پھر اُن سیاست دانوں کو کوئی نصیحت وغیرہ کرنے کا بھی اُسے حق حاصل تھا۔ جبکہ آر پی پی نے اُس کو اور حکومت کو مزید کمزور اور حراساں کرنے کے لئے حملہ سازیاں شروع کر دیں' ساتھ ساتھ فتنہ انگیز بیانات کے سلسلے بھی شروع رہے حتیٰ کہ اُن دوروں کے خلاف بھی اُنہوں نے اخبارات کو خوب اُکسایا اور استعمال کیا۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پولیس حرکت میں آ گئی اور ضرورت سے زیادہ مداخلت کی وجہ سے

جناب نورسی کے وہ خیر سگالی کے دورے بُری طرح متاثر ہو کر رہ گئے۔ میندریس اور ڈیموکریٹس کو جو فی الفور جناب نورسی کی طرف سے اطلاع ملی وہ یہ تھی کہ وہ آیا صوفیہ کے لئے بغرض عبادت اپنی وصیتوں میں اُس کی منصوبہ بندی بھی کر رہا تھا۔

اور ایسا اس لئے کرنا پڑ رہا ہے کہ متعدد موقعوں پر دی گئی زہر خوانیوں کی وجہ سے اور پھر اُس بڑھاپے کی عمر اور بیماری کی حالت میں مسلسل کشٹ کاٹنا اُس کے لیے مشکل تھا۔ حتیٰ کہ موت' جس کی اُسے بڑی چاہت ہے' نہیں بھی آتی تو وہ سمجھے گا کہ اُس نے اِنتہائی نگہداشت میں قضاء کی چادر اوڑھ لی ہے۔ ''کیونکہ'' بسلسلہ رسالۂ نور اب اُس کی کوئی مزید خواہش ہی نہیں رہی ہے لہٰذا' سفرِ آخرت تو اُس کے لئے ذریعۂ نشاط ہے' لیکن آپ مضامین رنجیدہ خاطر نہ ہوں' بلکہ مجھے مبارک باد دیں کہ میں عالم ارواح میں مصائب سے آسائش کی طرف جا رہا ہوں۔

دورۂ جناب نورسی بطرف انقرہ استنبول اور قونیہ:

دسمبر 1959ء اور جنوری 1960ء میں رسالۂ نور کی زُلفیں سنوارنے کے لئے اپنی صحت' دِماغی حالت' مشکلات اور ذاتی قربانیاں دیتے ہوئے انقرہ استنبول اور قونیہ جیسے شہروں کی سفری صعوبتیں اُٹھاتے ہوئے جہاز کی سواری کے لئے بھی جناب نورسی نے اپنی کمر کس لی۔ اُن دوروں میں پنہاں بڑا مقصد تو اپنے شاگردین اور اُن کے قائم کردہ مدرسوں (درسانے) کو ایک نظر دیکھنا تھا نہ کہ لوگوں سے ملاقاتیں تھیں جو کہ اُس کے لیے بوجہ گرتی ہوئی صحت تھیں بھی اِنتہائی نقصان دہ' اور پھر یہ بھی اُس کی ہی ہمت اور برداشت تھی کہ اُس نے وہ سب کچھ کر مارا۔

اور اب ترکی بھر سے جناب نورسی کو اُس کے شاگردین کی طرف سے بار بار دوروں کی دعوتیں آ رہی تھیں اور اُنہی دوروں کو ہی وہ اُس کے الوداعی دَورے بھی بنا رہے تھے۔ انقرہ اور استنبول تو نشر و اشاعت کے اہم ترین مراکز تھے ہی جبکہ قونیہ بھی اُن سرگرمیوں کا گڑھ ہی تھا اور پھر جہاں جناب نورسی کا سگا بھائی عبدالمجید مقیم تھا جسے کہ اُس نے اُن چالیس سالوں میں صرف ایک بار دیکھا اور ملا تھا۔ اُس دوران استنبول کا اُن دو مہینوں میں ایک دفعہ' انقرہ کا چار دفعہ اور قونیہ کا دو دفعہ جناب نورسی نے دورہ کیا۔ اُس کا دورۂ انقرہ اِس لحاظ سے بھی اہم تھا کہ وہ وزیرِاعظم میندریس کے لئے دوبارہ کھول دیا جائے اور بذریعہ سرکاری اعلان رسالۂ نور کو بھی ہر ممانعت سے مبرا قرار دے دیا جائے۔

اور کہنا تو یہی پڑتا ہے کہ جناب نورسی کو وہ راستہ نظر آ گیا تھا جس میں ڈیموکریٹس کی بچت اور بہتری تھی' جو کہ آر پی پی کے مقابلے میں کمزور اور نقصان پر دکھائی دے رہی تھی' جبکہ مقابلتاً وہ اپنے اصلی اُصولوں کی بناء پر بڑے بڑے دعوے کیے جا رہے تھے جن میں کہ اُن کے سابقان کی خدمات اور کارنامے مضمر تھے۔ لیکن نہ جانے کیا وجہ تھی کہ میندریس میں جناب نورسی کی نصیحتوں کے جواب میں بالکل ہی کوئی قوتِ ارادی دکھائی نہ دیتی تھی اور جناب نورسی کی ہی دُوررَس نگاہوں میں اُس کی تختی اُلٹنے میں بھی چھ ہی ماہ باقی تھے۔

آخر کار ملک فوج کی بانہوں اور سابقہ حکمرانوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اور جناب نورسی کو بھی جب میندریس کی طرف سے کسی مثبت ردِّعمل کی توقع نہ رہی تو وہ بھی اعلیٰ احکام کی ہدائیت پر پہلے تو ایمرداغ اور اسپارٹا میں ہی رُکا رہا اور پھر کوئی دو ماہ بعد مارچ میں عرفہ کی طرف کوچ کر گیا۔ وہ تمام تر دورے جناب نورسی کے شاگردین کی طرف سے اُس کے لیے خریدی گئی شیورلیٹ گاڑی پر ہوئے بلکہ 2 دسمبر 1959ء کو پہلا دورہ انقرہ کا ہی ہوا جہاں رزوبے ایئر کی معیت میں بیروت پیلس ہوٹل میں ایک ہی رات کے قیام کے بعد اگلے دِن وہ ایمرداغ چلے گئے۔ وہاں سے وہ اسپارٹا گئے اور دو ہفتے قیام کے بعد پھر ایمرداغ پلٹ آئے۔

19 دسمبر کو وہ اپنے بھائی عبدالمجید کی دعوت پر قونیہ گئے اور جیسا کہ پہلے بھی حوالے دیئے جا چکے ہیں کہ متعدد بار کی قید و بند کی وجہ سے اب جناب نورسی کو تبدیلی آب و ہوا کی بھی متواتر ضرورت تھی۔ بقول زروبے ایئر اُس موقع پر جناب نورسی کے ساتھ انقرہ سے متعلقہ عاطف ادرال اور سیّد یوزدی میر نام کے دو مستعد قسم کے شاگردین بھی تھے اور دورانِ دورۂ ہذا جب اُن کی گاڑی قونیہ میں جا کر رُکی تو لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ عین اُسی موقع پر جناب نورسی کا چھوٹا بھائی عبدالمجید بھی پہنچ گیا اور اپنے بڑے بھائی سے کار کی کھلی کھڑکی سے باتیں کرنے لگا' پھر اُوپر سے پولیس بھی پہنچ گئی اور لوگوں کو زبردستی دائیں بائیں کرنے لگی جبکہ جناب نورسی نے ادائیگی نماز اور مولانا جلال الدین رُومی کے مزار پاک پر حاضری بھرنے کی خواہش ظاہر کی۔ اگرچہ اُس دِن مزارِ پاک بند تھا لیکن ڈائیریکٹر مزار نے جناب نورسی کے لئے کھول دیا اور جوتے اُتارنے کے بعد دَورانِ ادائیگی نوافل جناب نورسی زار و قطار رو دیا جبکہ اِردگرد پولیس اور لوگ ہی لوگ تھے۔ پھر وہاں سے وہ ایمرداغ چلا آیا اور وہاں سے آگے اَسپارٹا چلا گیا۔

اُسی رات پھر سے جناب نورسی کوئی صبح چار بجے قونیہ اپنے بھائی عبدالمجید کے پاس پہنچ

گیا جو کہ امام حاتپ سکول میں مدرس تھے' دونوں بھائیوں نے اکٹھے ہی نماز فجر ادا کی اور بعد ازاں وہ وہاں سے ایمرداغ پہنچ گیا۔ 30 دسمبر کی صبح انقرہ میں جناب نورسی کی دوسری بار آمد ہوئی اور قیام بھی بیروت پیلس ہوٹل میں ہی ہوا اور اُس کے اُس دورے کو اخبارات کی کچھ اِس قسم کی شہ سرخیوں سے سجایا گیا کہ "جناب سعید نورسی کے کشت سر اُٹھا رہے ہیں ...... جمہوریت" جناب سعید نورسی دوبارہ انقرہ پہنچ پڑا...... ملیّت" جناب سعید نورسی کا پُر کوشاں دورہ انقرہ.......... وغیرہ وغیرہ۔"

ہزاروں کی تعداد میں شائقین جناب نورسی بھی اُسے عقیدت وسلام پیش کرنے کے لئے گلیوں بازاروں میں جمع ہونے لگے جنہیں پولیس کو ہی بالآخر گھروں کو بھیجنا پڑا۔ بہت سے ملنے والوں نے تو آخر کار اُس ہوٹل تک رسائی بھی حاصل کر لی جن میں عام ملاقاتیوں کے علاوہ کافی تعداد میں آفیسران اور بمعہ ڈیموکریٹس سیاست دان بھی شامل تھے اور پولیس کے علاوہ نیم فوجی دستوں کو بھی اُس ہوٹل کو اندر باہر سے اپنی تحویل میں لینا پڑا۔ اُس شام جناب نورسی نے پھر سے ایک الوداعی اور پراثر قسم کا درس عام دیا جو کہ بالخصوص شاگردین ہذا کے لئے تو بڑا ہی اہم تھا کہ رسالۂ نور کا تو مقصدِ اعلیٰ ہی اعمالِ احسن' تکمیل قوانین عامتہ الناس اور تقویم خلوص نیت ہے۔

انقرہ میں سابقہ سے حالیہ آمد جناب نورسی پر سیّد پٹوزدی میر کے پریس پر چھپنے والی مہر ثبوتِ آخرت کی کاپیاں پولیس نے مکمل طور پر رکوا دیں اور اُنہی دنوں میں استنبول سے باکر برق کے دستخطوں سے مزین اور پھر اپنے شاگردین کے بھی دعوت ناموں کی بناء پر جناب نورسی نے اپنی اُس سفری کار کا رُخ استنبول کی طرف موڑ لیا۔ یہ جنوری 1960ء کا پہلا ہی دِن تھا اور نہ جانے اخبارات نے بھی کیسے اُس کی آمد کی بھنک پالی تھی کہ جونہی وہ معہ اپنے شاگردین کے ساتھ پیرلوتی ہوٹل پہنچے ہی تھے کہ اِتنی زیادہ تعداد میں لوگ وہاں اکٹھے ہوتے چلے گئے کہ اُن کا اُس ہوٹل کے اندر قدم رکھنا تک مشکل ہو گیا' حتیٰ کہ جلتی بجھتی روشنیوں کی چکا چوند سے بچنے کے لئے جناب نورسی کو ایک عدد چھتری کی اُوٹ لینی پڑی۔ پولیس کو بھی اُس ہوٹل کو اپنی تحویل میں لینا پڑا جبکہ اخبار والوں نے تو وہاں اپنا ایک قسم کا پڑاؤ ہی ڈال لیا تھا۔

پھر بھی' اُس شام استنبول بھر سے جمع شدہ اپنے شاگردین کو جناب نورسی نے اپنی ساری کی ساری توانائی جمع کرتے ہوئے زود ہضم قسم کا درس بھی دیا۔ گویا اُس نے تو وہاں کئی دِن قیام کرنا تھا لیکن دو جنوری کو ہی ایک اخباری نمائندے کے چھلانگ لگا کر اور اُس کی بالکونی کی

پچھلی طرف پہنچ کر حالتِ ادائیگی نماز میں اُس کی تصویریں اُتارنے کی کوشش کے بعد اُس نے انقرہ واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن وہاں جا کر اُس نے بجائے کسی ہوٹل کے بی شیولر میں ایک کرائے کے مکان میں قیام کیا مگر پولیس نے نے اُسے وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور اُوپر سے پھر سے ملاقاتیوں کا سلسلہ بھی چل نکلا جن میں تین عدد ڈیموکریٹس نائبین بھی تھے اور اُنہوں نے جناب نورسی کی خوب آؤ بھگت کی حالانکہ اُن کی آمد بھی بالکل ہی غیر متوقع قسم کی تھی۔

سیّد کپیؤکر نائب بن گپوُل کا کہنا ہے کہ اُس نے اپنے دوسرے ہم منصب نائبین کے ساتھ تین ملاقاتیں کی تھیں جن میں اُس نے بڑے واضح الفاظ اور انداز میں بتا دیا تھا کہ 27 مئی کو ہونے والی فوجی کاروائی بس ہوئی کہ ہوئی۔ جناب نورسی کا یہ بھی کہنا تھا کہ اُس کا سیاسی پارٹیوں سے تو کوئی واسطہ نہیں ہے مگر میندریس اُسے اچھا لگتا ہے۔ دوسری طرف غیاث الدین ایمیرے (مش کا نائب) اور ابتدائی نائب اسپارٹا ڈاکٹر تحسین تولا وغیرہ بھی اُسے گوارا تھے۔

ڈاکٹر تحسین تولا وہی تھے جنہوں نے رِسالۂ نور کی اشاعت میں تعاون دیا تھا اور انقرہ میں بھی مستقلاً جناب نورسی سے ربط میں تھے۔ اُسی نے بتایا کہ معاملۂ آیا صوفیہ سے متعلق جناب نورسی کی فی الفور ہدائیت' گورنمنٹ کا ردِعمل اور پھر آنے والی تباہی اور آفت کے پیشِ نظر جناب نورسی کی دُور رَس فکر سے بھی وہ مکمل طور پر ہم آہنگ تھا۔ اپنے ایک خط میں بھی جناب نورسی نے بیان فرمایا تھا کہ انقرہ جانے کی ایک فوری وجہ یہ بھی تھی کہ وہ میندریس اور حکومت کو قائل کرے کہ مقامِ آیا صوفیہ کو عوام کے لئے برمقصد عبادت کھول دے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انقرہ میں اپنے شاگردین کے لئے اُس کا درس بھی آخری ثابت ہو۔

6 جنوری کو ایک بار پھر سے قونیہ جانے کے لئے اُس نے انقرہ کو خیر باد کہا جبکہ 5 جنوری کو ''ٹائم میگزین'' کے نمائندگان نے بھی اُس کے ساتھ ہم سفر ہونا چاہا مگر جناب نورسی رضا مند نہ ہوا کیونکہ بطرف قونیہ یہ اُس کا نجی قسم کا سفر تھا۔ قونیہ پہنچ کر وہ اپنے بھائی سے ملا اور ایک بار پھر سے جلال الدین رومی کے مزار پر بھی حاضر ہوا جہاں پہلے سے ہی بہت زیادہ پولیس موجود تھی بلکہ بعدازاں وہ جہاں بھی گیا پولیس کی گاڑیاں ساتھ ساتھ رہیں اور صرف دو گھنٹے وہاں گذارنے کے بعد ایمرداغ چلا گیا۔

11 جنوری کو وہ پھر سے انقرہ کے لئے روانہ ہوا مگر اب کی بار حکومت حزبِ اِختلاف کے آگے گھٹنے ٹیک گئی اور اُسے شہر میں داخل ہونے کی اِجازت تک نہ دی۔ اُس کی گاڑی کو پولیس

نے شہر سے باہر ہی روک کر اُسے وزارتِ متعلقہ کے فیصلے سے آگاہ کر دیا اور یہ ہدائیت بھی کر دی کہ وہ ایمر داغ میں ہی آرام فرمائے کیونکہ ایمر داغ ہی ہر لحاظ سے اُس کے لئے مناسب اور ضروری اقامت گاہ تھی۔ اگرچہ جناب نورسی نے وہی حکم ریڈیو پر بھی سُن لیا تھا جس کی تعمیل پر اُس کی گاڑی کو بیرونی ناکے پر روکا گیا اور بعد ازاں اُسے واپس ایمر داغ ہی لوٹا دیا گیا۔

جناب نورسی کے آخری دِن:

ایمر داغ واپس آ جانے کے بعد مینڈریس گورنمنٹ کے ساتھ جناب نورسی کی وابستگی زیادہ نہ رہی، وہ اُن کے لیے جو کر سکتا کرتا رہا لیکن اب اُن کی نجی خامیوں کی وجہ سے وہ اُن کے ساتھ آگے نہ چل سکتا تھا۔ اُس موقع پر شاگردِ جناب نورسی سیّد پیوٗ زدی میر نے اُستادِ محترم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''مینڈریس مجھے سمجھا ہی نہ تھا'' میں بھی جلد ہی رُخصت ہوا چاہتا ہوں اور وہ سب بھی، بلکہ اُن کی تو ایڑیاں اُوپر اور سر نیچے ہونے والے ہیں۔'' اِنی پیوٗ نرو میں اُٹھنے والے مسلسل ہنگاموں اور ملک بھر میں برپا فسادات پر گورنمنٹ کی متواتر کمزور ہوتی ہوئی گرفت سے حکومت کی ساکھ بڑی بُری طرح مجروح ہو گئی تھی۔ انونو کی سرکردہ فوجی افسران کی اجارہ داری ہو گئی تھی بلکہ فوجی قبضے کی منصوبہ بندی بھی ہو گئی تھی۔ جناب نورسی کو بھی تا دمِ مرگ سخت قسم کی پہرہ داری میں جکڑ لیا گیا تھا اور مینڈریس صاحب بھی بعد از وفاتِ جناب نورسی صرف دو ماہ ہی نکال سکے۔

ایمر داغ میں جناب نورسی آٹھ دِن تک رہا اور 20 جنوری کو اسپارٹا میں پریس والوں کو ایڈریس کرنے گیا اور وہاں کرائے پر 17 مارچ تک رہا اور پھر دو دِن کے لئے ایمر داغ آ گیا۔ اُس سال ماہِ رمضان 26 فروری کو شروع ہوا اور رمضان کی 19 تاریخ کو وہ زوبے ایئر مصطفیٰ سونگور اور حردس نرو بطور ڈرائیور کے ساتھ ایمر داغ کے لئے نکلا۔ اُس کی صحت بھی قابلِ تشویش حد تک گرتی چلی جا رہی تھی اور اُس نے پندرہ رمضان تک نمازِ تراویح بھی پڑھائیں مگر اُس کے بعد حالت نہ سنبھل سکی۔

ایمر داغ ہی میں آنے والے دِنوں میں جناب نورسی بیمار پڑ گیا اور اُس کے شاگردین نے انہی کے ایک سابقہ شاگردِ خاص ڈاکٹر طاہر بارجین کو بلا لیا۔ بمطابق ڈاکٹر طاہر بارجین ڈبل نمونیا 38 درجے تک پہنچا ہوا درجہ حرارت اور تشویش ناک صورتِ حال کے تحت وہ فوراً چلا آیا اور آتے ہی اُسے پینسلین کا ٹیکہ لگایا دوائی بھی دی تو کچھ دیر بعد جناب نورسی نے آنکھیں کھولیں اور

مسکرایا بھی۔ اگلی صبح اُس کی حالت بہتر ثابت ہوئی تو اُس نے اِعلان کیا کہ اب اُنہوں نے اسپارٹا کی طرف کوچ کرنا ہے۔

تیاری باندھی جانے لگی تو برخلاف پہلے موقعوں کے ایمرداغ میں موجود شاگردین اور بالخصوص جیلی سکان پر جناب نورسی نے بڑی ہی رنجیدہ اور الوداعی نظر ڈالی۔ بمطابق ڈاکٹر طاہر ابھی اُس کے شاگردوں پر قطعاً عیاں نہ تھا کہ جناب نورسی اگلے جہان جانے کے لیے تیاری میں ہیں‘ یہ تو اُن پر عرفہ سے یہ خبر سُن کر ہی ظاہر ہوا کہ کیوں اُس نے اُنہیں آخری بار الوداع کہہ دی تھی۔ 19 مارچ کو بعد دوپہر جناب نورسی اَسپارٹا واپس پہنچ آیا۔ طاہری موتلو اور بے رام یروکسل اُس کے انتظار میں تھے جبکہ پولیس کو بھی بھنک پڑ گئی تھی کہ وہ ایمرداغ سے روانگی پکڑ چکے ہیں۔ اب سارا معاملہ بے رام یروکسل کے سپرد تھا اور اُس کا کہنا ہے کہ جناب نورسی کو بمشکل تمام ہی کار کی پچھلی سیٹ سے نکال کر مکان کی سیڑھیاں چڑھالی گئی تھیں۔

اُنہیں انتہائی تیز بخار تھا اِس لئے اُنہیں تنہا ہرگز نہ چھوڑا جا سکتا تھا اور اُسی رات تقریباً دو بجے وہ ایک دم بے رام اور زدر بے ائیر سے کہنے لگ پڑے کہ ''لو ہم چلا دیئے۔'' اُنہوں نے پوچھا کہ ''کہاں؟'' تو فرمایا کہ ''عرفہ'' دیارِ باقر۔ اُنہوں نے سوچا کہ شائد حالت بخار میں یہ کہہ رہے ہیں لیکن اُس نے بار بار دوہرایا کہ ''عرفہ'' ہم جا رہے ہیں‘ عرفہ۔ کار کے ٹائیروں کو مرمت کی ضرورت تھی مگر جناب نورسی کا اِصرار تھا کہ کرائے پر کوئی دوسری کار لے لیں‘ اُنہیں جانا ہے۔

مگر اُسی کار کی مرمت کروائی گئی‘ پچھلی سیٹ کو بستر کی سی شکل دی گئی‘ پھر وہ سڑک سوار ہو لیے اور وہ ٹھیک مارچ کی بیس تاریخ اور صبح کے نو بجے تھے۔ پولیس کی نظریں بھی اُسی مکان پر تھیں مگر طاہری آ بے نگرانِ مکانِ ہذا اُسے قطعاً اُس پولیس کے لئے کھول نہیں رہا تھا۔ جناب نورسی نے مالکہ مکان فطنت حانم کو خدا حافظ کہا اور جانب منزل ہو لیا مگر اُس خاتون نے بھی پولیس کو کوئی بھی اشارہ تک نہ دیا۔ بارش ہو رہی تھی اور اِس قدر تیز اور شدید تھی کہ وہ ایمرداغ سے گذرتے ہوئے نظر بھی نہ آئے۔

سارکیو کاراج پہنچنے سے پہلے اُنہوں نے گاڑی کی لائینسں پلیٹ کو گارے سے پلستر کر دیا اور اُس شہر سے گذر جانے کے بعد جناب نورسی نے قدرے بہتری بھی محسوس کی‘ گاڑی سے باہر نکلا‘ کنارہِ سڑک واقع ایک چشمے پر سے اپنا وضو تازہ کیا اور ایک ہموار سی چٹان پر نماز ادا کی۔ بعد ازاں اُس کی طبیعت پھر بگڑ گئی اور وہ بولنے کے قابل بھی نہ رہا۔ قونیہ پہنچ پڑنے پر اُنہوں

نے ٹھہراؤ اختیار کیا' پنیر اور زیتون خریدی اور روزہ افطار کیا۔ اسپارٹا سے روانگی اختیار کرتے ہوئے وہ برخلاف گورنر قونیہ آئیت الکرسی کا ورد کرتے چلے آئے تھے کیونکہ اُس نے اپنے تئیں جماعت جناب نوری کو جڑھ سے اکھاڑ پھینکنے جیسی سُرخیاں اخباروں میں دے رکھی تھیں۔

مگر بفضل اتعالیٰ وہ بغیر کسی رکاوٹ کے قونیہ میں سے ہوتے ہوئے مولانا جلال الدین رُومی کے دامن میں پہنچ گئے۔ کاراپینار اور ایرالی تک اُن کا سفر صعوبت جاری رہا مگر جناب نورسی کا بغرضِ عبادت کار سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔ قریب مغرب وہ اُلوکسیلا پہنچ گئے' سردی بھی بڑھ گئی تھی اور وہ کچھ کھا پی بھی نہ سکتے تھے۔ اندھیرا ہوتے ہوئے وہ ادانا سے گذرے اور جیہان پہنچ گئے جہاں اُن سب نے نماز مغرب ادا کی اور حروسز و ڈرائیور نے گھنٹہ بھر کے لئے آنکھ لگائی جبکہ سحری اُنہوں نے عثمانیہ پہنچ کر کی لیکن جناب نورسی نے پھر بھی کچھ نہ کھایا پیا۔

وہاں سے اُنہوں نے گاڑی کی ٹینکی میں گیسولین بھروائی اور 21 مارچ کو صبح ساڑھے سات بجے غازی استپ پہنچ گئے۔ اُس سے آگے بھی اُن کا سفر جاری رہا اگرچہ سڑک اِنتہائی ناہموار اور برف اور کیچڑ کا مرغوبہ بن چکی تھی لیکن وہ بغیر کسی حادثے کے اُس میں سے بھی گذرتے چلے گئے اور بالآخر بروز سوموار گیارہ بجے دِن عرفہ پہنچ ہی گئے۔

عُرفہ:

عرفہ پہنچتے ہی سب سے پہلے کادیولا مسجد گئے جہاں عبداللہ یائین ٹھہرے ہوتے تھے اور بمطابق اُن سب کے ہوٹل ایپک پیلس بہت ہی بہتر مقامِ آرام تھا لہٰذا وہ سب مل جل کر جناب نورسی کو وہاں لے گے۔ وہ بہت ہی لاغر ہو چکے تھے حتیٰ کہ تیسری منزل پر کمرہ نمبر 27 میں اُس کے شاگرد اُسے اُٹھا کر لے گئے تھے مگر وہاں اُنہیں ایک اور ہی قسم کی ذہنی لڑائی لڑنی پڑی کیونکہ ایک طرف تو بمعہ پولیس حکومتی حکام نے اُنہیں اُسے اسپارٹا سے کہیں اور لے جانے پر مجبور کر دیا تھا اور دوسری طرف اُس کے شاگردان' چاہنے ملنے والے اور کچھ عہدیدار بھی تھے۔

جو کہ اُس اِنتہائی حالت کمزوری کیمپرسی میں اُسے کسی بھی دوسری جگہ لے جانے پر ہرگز ہرگز رضامند نہ تھے اور اُوپر سے جناب نورسی کو ملنے دیکھنے کے لئے عرفہ کے عوام کی طرف سے قطار در قطار پُرجوش ہجوم کی پذیرائی مل رہی تھی یہاں تک کہ لوگوں کی دست بوسی کے لئے شاگردین جناب نورسی کو اُس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں سنبھالنے پڑے۔ لیکن اُس کمزوری کے

برخلاف اپنی سابقہ عادت کی وجہ سے جناب نورسی نے اُن سب آنے والوں کا خیر مقدم ہی کیا۔اُن ملاقاتیوں میں تاجر' فوجی اور پولیس افسران اور عامتہ الناس تھے مگر سینکڑوں کی تعداد میں۔اُسی موقع پر عبداللہ یائین کو عرفہ کی اہمیت جتاتے ہوئے بتایا کہ ترک عرب اور کرد ہوتے ہوئے یہاں کے عوام کی اِسلامی اِتحاد اور بھائی چارے میں بڑی خدمات تھیں۔مزید بھی جناب نورسی نے اپنا عمل گویائی جاری رکھا اور آنے والوں کا خیر مقدم بھی ہوتا رہا۔

اِسی اثناء میں دو سادہ کپڑوں میں پولیس والے آئے اور شاگردین جناب نورسی کو کہا کہ وہ فوری طور پر اسپارٹا کی طرف لوٹ جانے کے لئے تیار ہو جائیں۔شاگردین جناب نورسی تعداد میں گیارہ یا زیادہ ہی ہوں گے جنہوں نے وہ فریضہ ادا کیا تھا اور جن پر جناب نورسی نے بھی عیاں کر دیا تھا کہ کتنا عجیب سماں ہے کہ میں تو یہاں مرنے کے لئے آیا ہوں اور شاید مر بھی جاؤں گا' آپ لوگ مجھے دیکھ تو رہے ہی ہیں سو میرا تحفظ کریں جواباً اور تعمیلاً اُنہوں نے ہوٹل کے عین سامنے بمعہ کار حروسز کو بھی لا کھڑا کیا تو اُس ہوٹل کے منیجر نے اپنے معزز مہمان کی بے حرمتی پر شدید احتجاج کیا۔

باہر پُر جوش ہجوم نے بھی چلا چلا کر اپنا اِحتجاج کیا تو صورتِ حال بڑی تشویش ناک ہو گئی۔اور جب وہ کار نظروں سے اُوجھل ہو گئی تو پولیس کی نقل و حرکت بھی نرم پڑ گئی اور لوگ بھی ٹھنڈے پڑ گئے بلکہ جناب نورسی سے ملاقاتوں کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔پولیس مسلسل بہ اصرار تھی کہ اُنہیں وہ حکم وزیر داخلہ انقرہ نامک خادک کی طرف سے براہِ راست ملا ہے اور وہی حرفِ آخر بھی ہے۔اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر جناب نورسی کو بذریعہ کار لے جانا مشکل ہو تو اُنہیں ایمبولینس میں بھیج دیا جائے مگر شاگردین جناب نورسی نے صرف اتنا ہی کہا کہ یہ تو ناممکن ہے اور کسی بھی سنجیدہ صورتِ حال میں اُن پر پولیس احکامات کو ماننا ضروری نہیں ہے۔

اِس سلسلے میں کافی سرد گرمی جاری رہی' میندریس کو ٹیلی گرام بھی بھیجے جاتے رہے بلکہ اُس دِن تو عرفہ سے انقرہ کی طرف پیغامات کی ہی بھر مار رہی لیکن لوگوں نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ وہ جناب نورسی کو کسی قیمت پر نہیں جانے دیں گے۔اِتنے میں یہ خبر بھی پھیل گئی کہ جناب نورسی کو عرفہ سے جبراً نکالا جا رہا تھا۔عرفہ میں ڈیموکریٹ پارٹی کے چیئرمین نے بھی جب یہ سب سُنا تو وہ فوراً پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچا اور پولیس چیف سے بڑے پُر زور طریقے سے کہا کہ جناب نورسی اُن کا قابلِ احترام مہمان ہے اور اُس کے ساتھ روا رکھا جانے والا رویہ ہرگز درست نہیں ہے۔بحث

طویل اور کثیف ہوتی چلی گئی تو ڈیمو کریٹ پارٹی چیئر مین نے پولیس چیف کی میز پر اپنا ریوالور پھینک کر کہا کہ اگر اُنہوں نے اپنی حکمت عملی نہ بدلی تو سب سے پہلے اُنہیں اُسے ختم کرنا ہو گا۔ اُسی دوران کوئی پانچ یا چھ ہزار لوگوں کا ایک جم غفیر اُس ہوٹل کے باہر جمع ہو گیا۔

چیئر مین ڈیمو کریٹ پارٹی ایک ڈاکٹر کو بھی لے آیا جس نے جناب نورسی کو چیک کیا تو اُس کا درجہ حرارت چالیس سینٹی گریڈ تک پہنچ چکا تھا لہٰذا اُس نے جناب نورسی کو کسی بھی سفری صعوبت کے قابل ہرگز نہ گردانا اور مکمل طبی رپورٹ دینے کے لئے اگلے دن کا کہہ دیا۔ وہ منگل وار کی شام تھی اور شاگردین جناب نورسی اُس کی نگہداشت کے لئے باری باری ڈیوٹی دے رہے تھے اور سب ہی تھکاوٹ سے چور ہو چکے تھے۔ بائرم نے دو گھنٹے نیند کی تھی کہ اُسے زروبے ایئر نے جگا دیا کیونکہ اُس سے آگے اُس کا جاگنا انتہائی مشکل تھا۔

پھر اُن میں حرو سزو بھی آن شامل ہوا' البتہ بائرم کو چھوڑ دیا گیا تو وہ جناب نورسی کے ساتھ سونے جاگنے لگا اور کسی بھی ممکنہ خطرے کے پیش نظر دروازہ مقفل ہی رکھا گیا جبکہ جناب نورسی کا درجہ حرارت زوروں پر تھا اور بخار کا بھی جوبن تھا۔ بول بھی نہ سکتے تھے اور اُنہیں برف کی ضرورت تھی لیکن فدائین جناب نورسی کہیں سے لا نہ سکتے تھے۔ آخر کار جب وہ برف کہیں نہ کہیں سے لے ہی آئے تو اُسے اُس کی ضرورت نہ رہی' اُس کے ہونٹ بنجر ہوئے جا رہے تھے' بائرم نے اُنہیں گیلے رومال سے صاف کر دیا لیکن وہ بخار بھی اپنی الگ ہی نوعیت کا حامل تھا۔

ڈھائی بجے صبح بائرم نے وہ کپڑے نیچے اُتار کھینچے جنہیں جناب نورسی نے بلب کی روشنی کم کرنے کے لئے اُن کے اوپر ڈال دیا تھا۔ پھر ایک دم ہی جناب نورسی کا ہاتھ بائرم کی گردن تک جا پہنچا پھر جناب نورسی نے اپنے ہاتھ اپنی چھاتی پر دھر لیے اور سو گیا یا کہ بائرم نے ایسا سمجھ لیا تھا۔ لیکن اب کے جناب نورسی کسی قسم کی نیند کا خواہاں نہ رہا تھا بلکہ وہ تو اپنی زندگانی کو ہی اِلوداع کہہ چکا تھا اور اُس کی روح عالم ارواح کی طرف پرواز کر گئی تھی۔ 1379 ہجری' 1960 عیسوی' 25 رمضان المبارک اور 23 مارچ کی صبح کے تین بجے کا وہ وقت مقررہ تھا۔ (انّا لِلّٰہِ و انّا الیہ راجِعُون)

درگاہِ خلیل الرحمان میں تدفین جناب نورسی:

بائرم نے انگیٹھی جلائی کہ کہیں جناب نورسی کے جسم کو ٹھنڈ نہ لگ رہی ہو کیونکہ اُس کا خیال تھا کہ وہ سو رہا ہے۔ اتنے میں زروبے ایئر اور دوسرے شاگردین بھی آ گئے۔ جناب نورسی کا

جسم تو گرم تھا مگر کسی قسم کی آواز تک نہ محسوس ہو رہی تھی۔ واعظ پؤمر آفندی نام کی ایک مشہور مذہبی شخصیت کو بلا بھیجنے تک اُن شاگردین کو اُس کی موت کا یقین تک نہ آیا۔ مگر جونہی وہ شخصیت اُس کمرے میں داخل ہوئی تو اُسکے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ''ہمارے پروردگار ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''(انّا لِلّٰہِ و انّا اِلیہ راجِعُون)۔

وہ خبر عرفہ کے چاروں اطراف پھیلتی چلی گئی۔ زروبے ایئر' حروسز و اور عبداللہ نے ایمرداغ' اسپارٹا اور استنبول تک شاگردین جناب نوری کو ٹیلی فون اور ٹیلی گراف دینے شروع کر دیئے۔ ہوٹل مینیجر بھی دروازے پر آیا اور وہ سب دیکھ کر آب دیدہ ہوگیا۔ واپس سیڑھیوں میں اُسے فوجی دستے کے ساتھ جناب نوری کو زبردستی واپس اسپارٹا بھیجنے کے لئے آیا کھڑا پولیس چیف ملا تو اُس نے اُسے اُس صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ بھی واپس ہیڈ کوارٹر پلٹ گئے۔

پولیس چیف نے ڈاکٹری معائینے کے لئے ایک ڈاکٹر وہاں بھیجا لیکن جناب نوری کے جسم کو گرم اور بمطابق حالت معمول دیکھ کر تذبذب میں پڑ گیا۔ اُس نے بہت دیر بعد اپنی رپورٹ پیش کی اور نہیں چاہتا تھا کہ جناب نوری کو عجلت میں سپرد خاک کر دیا جائے۔ پھر ریاستی وکیل کی آمد ہوئی اور اُس نے جناب نوری کے ذاتی اثاثہ جات کی تفصیل اور قیمت پیش کی جو کہ آکشام اخبار میں شائع ہوئی اور بمطابق اُس اشاعت کے ایک عدد گھڑی' جبہ' جائے نماز' چائے دانی' گلاسوں اور دیگر متفرقات بہ مالیت 551 لیرے اور 50 کورس کے اِس جہانِ فانی میں جناب نوری کسی اور اثاثے کا مالک ہرگز نہ تھا۔

شاگردانِ جناب نوری کی درخواست پر جناب نوری کے برادرِ واحد کو ہی اُن اثاثوں کا وارث قرار دیا گیا۔ اور پھر جیسے ہی وہ خبر پھیلی ہزاروں کی تعداد میں لوگ عرفہ کی طرف اُمڈتے چلے آئے۔ طے یہ ہوا کہ بعد از غسل جناب نوری کے جسد خاکی کو قریب از نبی پاک حضرت ابراہیم علیہ السلام درگاہ میں دفنایا جائے۔ بعد از ظہر اُنہیں وہاں لے جایا گیا' عرفہ کے عوام نے دوکانیں وغیرہ بند رکھیں اور گلیوں بازاروں کو اپنی موجودگی سے بھر دیا۔ بروز بدھ جب اُنہیں غسل دے دیا گیا اور کفن میں بھی ملبوس کر دیا گیا تو ہزاروں کی تعداد میں سفید کبوتروں نے درگاہ کی فضا میں بھی ایک سفید چادر سی تان دی۔ اور تو اور' اُس دِن اور اُس وقت بارش بھی بڑی مہذبانہ ہو رہی تھی۔

زردبے ائیر' حروسز' عبداللہ اور رسالۂ نور کا طالب علم اوّل حلوسی بے کی موجودگی تمام تر رسُومات مولانا عبدالحمید آفندی کے ہاتھوں ادا ہوئیں۔ پھر تا تدفین جناب نوری کے جس

خاکی کو اولو مسجد میں لے جایا گیا اور بھری مسجد سے تلاوتِ کلام پاک جاری و ساری رہی۔ تدفین جناب نورسی جمعتہ المبارک کو ہونی تھی مگر ترکی بھر سے ہزاروں کی تعداد میں چلے آئے فدائین جناب نورسی کی وجہ سے گورنر عرفہ نے شاگردین جناب نورسی سے درخواست کی کہ تدفین جناب نورسی بعد دوپہر جمعرات کو ہی ہو جانی چاہیے۔ آخر کار وہ بھی مان گئے اور لاوڈ اسپیکروں پر اعلانات بھی کر دیئے گئے۔

نمازِ جنازہ مسجد اولو کے صحن میں ادا کی گئی اور پھر تابوت کو اُس جم غفیر نے ہاتھوں ہاتھ لے لیا۔ گورنر عرفہ، میئر اور لوکل فوجی کمانڈر اور شاگردین جناب نورسی کی معیت میں ہزاروں لوگوں نے اُس سوگواری میں شرکت کی اور جنازے کو چند قدم پر واقع درگاہ شریف تک پہنچایا گیا۔ ہر کوئی ہی اُس کے اُس تابوت تک اپنا ہاتھ بڑھانا چاہتا تھا اور آخر کار کوئی دو گھنٹے کی تاخیر سے پولیس اور فوج کے راستہ بنانے میں کامیابی کے بعد درگاہ تک رسائی ہوئی اور تدفین کی بھی تکمیل ہوئی۔

بارش تھی کہ متواتر ہو رہی تھی اور اُس رات بھر کے لئے اُس قبر مبارک پر تلاوت کلام پاک بھی جاری و ساری رہی اور اب کے وہ مرحوم و مغفور جناب نورسی بھی بزرگوارم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب آرام فرما تھا۔ جس کا کہ مزارِ مبارک وہیں سے متعلقہ شیخ مسلم نے 1954ء میں بنوایا تھا مگر مرمت بعد تک بھی ہوتی رہی۔ جناب نورسی نے تین مرتبہ خواب میں اُسے آگاہ کیا تھا کہ اُس مقبرے کی نسبت کسی اور سے ہے لہٰذا اُسے کسی عام سے قبرستان میں دفنایا جائے، اِس طرح اُس تدفین کو اُس کے لئے عارضی قیام ہی قیاس کیا گیا۔

فوجی دستوں کی آمد اور چڑھائی بمطابق جناب نورسی 27 مارچ 1960ء تھی۔ بمعہ میندریس (سابقہ وزیر اعظم کا نام ہے) اعلیٰ ارکانِ حکومت، آفیسران اور نائبین ڈیموکریٹ کو مختلف جگہوں اور جیلوں میں پہنچا دیا گیا۔ شاگردین جناب نورسی کے خلاف بھی ایک تحریک شروع ہوگئی بلکہ ایک بار پھر اُن کی تلاشیاں، قرقیاں، گرفتاریاں، عدالتی مقدمات اور سزائیں بھی شروع ہو گئیں اور سینکڑوں شاگردین جناب نورسی اُس نئی انتقامی لہر کی زد میں آتے چلے گئے۔

اَب ملک کو نام نہاد قسم کی نیشنل یونائیٹڈ کمیٹی نے دھکا لگانا شروع کر دیا تھا اور فیصلہ یہی صادر فرمایا گیا تھا کہ جناب نورسی کے جسد خاکی کو کہیں نامعلوم سی جگہ پر دفن کیا جائے یعنی جس طرح اِس دنیاوی زندگی میں اُنہوں نے اُس کا جینا دو بھر کر رکھا تھا اُسی طرح وہ اُس کو قبر میں بھی چین نہیں لینے دے رہے تھے۔ جناب نورسی کے بھائی لکھتے ہیں کہ یہ اُن کی وفات کے ساڑھے

تین ماہ بعد جولائی کے شروع کی بات ہے کہ قونیہ میں مولانا کے مزار کے قریب کرائے کے گھر میں میں ظہر کی نماز ادا کر چکا تھا کہ ابراہیم یروکسل نام کا پولیس چیف وہاں پہنچ آیا۔

اُس نے مجھے بتایا کہ گورنر صاحب مجھ سے ملنا چاہتے ہیں اور پھر ہم دونوں گورنر آفس چلے گئے۔ وہاں تین جنرلز موجود تھے جن میں سے ایک کیمل تورو اور دوسرے رفیق تولہ صاحب تھے جو نائب فوجی کمانڈر اور عارضی گورنر قونیہ تھے۔ کیمل تورو نے مجھے کہا کہ مشرقی اور جنوبی سرحدوں سے بہت سے لوگ غیر قانونی طور پر تمہارے بھائی کی قبر کی زیارت کرنے آ رہے ہیں۔ وقت بڑا ہی نازک ہے لہٰذا آپ کے تعاون سے اِس قبر کو وسطی اناطولیہ میں ہم منتقل کرنے لگے ہیں سو اِس دستاویز پر دستخط کر دیں۔

اُس نے مجھے ایک لکھی ہوئی درخواست دیدی جیسے کہ اُسے میں نے ہی لکھا ہو' خیر' اُسے میں نے پڑھا اور کہا کہ میری تو ایسی کوئی خواہش نہیں ہے اور مرحوم کو اِسی قبر میں ہی آرام کرنے دیں تو بہتر ہے۔ لیکن آگے سے جواب آیا کہ' تمہیں اس پہ دستخط کرنا ہوں گے اور ہمیں مشکل میں نہ ڈالیں۔ اور پھر' اُس درخواست پر دستخط کر دینے کے بعد ہمیں ایک گاڑی پر سوار کرا کے ایئر رپورٹ پہنچا دیا گیا' پھر ایک جہاز پر سوار کرا دیا گیا جبکہ مجھے اور میرے خاندان تک کو علم نہ تھا بلکہ ایک خوف اور پریشانی لاحق تھی۔ بعد ازاں ہم دیار باقر پہنچ گئے اور وہاں معمولی آرام کے بعد ایک دوسرے جہاز میں بیٹھ کر قونیہ کی طرف مائل پرواز ہو گئے۔ وہاں سے وہ مجھے ایک فوجی گاڑی میں ڈال کر ایک فوجی عمارت میں لے گئے۔ وہاں اُنہوں نے مجھے کچھ کھانے پینے کے لئے بھی دیا لیکن اُس کی مجھے طلب نہ تھی بلکہ میں کچھ زیادہ ہی تھک گیا تھا۔ عرفہ پہنچے تھے تو بعد دوپہر تھی لیکن آنے والی رات بھی گذر جانے پر اُنہوں نے مجھے ایک جیپ میں ڈالا اور ایک کیپٹن بمعہ چند سپاہی درگاہ شریف خلیل الرحمٰن جا پہنچے۔

وہاں مسجد کے صحن میں دو عدد تابوت موجود تھے اور بہت سے سپاہی بھی اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ کہیں اور سے ہمیں معلوم ہوا کہ وہ بارہ جولائی 1960ء کی رات تھی۔ پورے شہر کو فوج نے گھیرے میں لے کر کرفیو لگا رکھا اور کسی کو بھی گلی میں آنے تک بھی اجازت نہ تھی۔ بلکہ شہر میں ہر اہم مقام پر ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں باپوزیشن کھڑی تھیں۔ درگاہ شریف بڑے کڑے پہرے میں تھی۔ اور پھر' اُوپر سے مواصلاتی احکامات کی تعمیل میں وہ فوجی سپاہی بجائے دروازوں کی طرف سے لوہے کی کھڑکیوں کو توڑتے ہوئے اُس جڑواں گنبدوں والی عمارت میں داخل ہو گئے اور

ہتھوڑوں سے گنبد کی سنگ مَرمَر کی سِلوں کو توڑنے لگے۔

عبدالمجید اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اتنے میں ایک ڈاکٹر نے میرے پاس آکر کہا کہ گھبرائیں مت ہم استاد محترم کو انا طولیہ منتقل کر رہے ہیں اور اِسی لئے آپ کو یہاں منگوایا گیا ہے۔ سو اُس کے یہ الفاظ سنتے ہی میں تو بالکل ہی بے سُدھ سا ہو گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ ڈاکٹر نے سپاہیوں سے کہا کہ اُس تابوت کو کھول کر استاد صاحب کو باہر نکالیں اور اِس تابوت میں ڈال دیں۔ لیکن وہ سپاہی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے اور بولے کہ ہم تو نڈھال ہو جائینگے۔

لیکن ڈاکٹر نے اُنہیں سمجھاتے ہوئے کہا کہ میرے بھائی ہمیں اپنا حکم بجالانا ہے اور اس کام کو کرنا ہے آؤ اِسے مل کر کر لیتے ہیں۔ اور جب اُس کے کفن کو میرا ہاتھ چھوا تو یوں لگا جیسے کوئی ابھی ابھی رخصت ہوا ہو۔ صرف کفن کا ذرا سا رنگ اُڑا ہوا تھا اور ایک عدد دھبہ تھا جیسے کہ پانی کا ہو۔ اور جب ڈاکٹر نے کفن کھول دیا اور میں نے اُس کے چہرے پہ نظر ڈالی تو دیکھا کہ جیسے وہ مسکرا رہا ہو۔ ایک بار پھر ہم سب کے سب اُس عظیم اور بے خطا استاد محترم سے بغل گیر ہوئے اور اُسے فوجیوں کے لائے ہوئے بڑے سارے تابوت میں رکھ دیا۔ اُس تابوت میں بچ جانے والی خالی جگہوں کو اُنہوں نے گھاس وغیرہ سے پُر کر دیا۔ جب ہر شئے مکمل ہو گئی تو ہم ایک فوجی ٹرک میں سوار ہو کر سیدھے ہوائی اڈے کی طرف چلے گئے۔ دیکھنے میں آیا کہ تمام کی تمام گلیاں بازار سپاہیوں کی گشت اور سنگینوں کی زد میں آئے ہوئے تھے۔ پہلے جہاز میں وہ تابوت اچھی طرح نہ سمایا تو گھنٹہ بھر بعد دوسرا جہاز آ گیا۔ تابوت کو اُس میں رکھ دیا گیا' میں پاس بیٹھ گیا' غم سے نڈھال بے اختیار بڑبڑاتا چلا گیا اور آنکھیں آنسوؤں سے سیراب ہوتی چلی گئیں۔

میرے حساب سے وہ سفر چھ سات گھنٹوں پر مشتمل تھا' بعد دوپہر ہم آفیون ائیر پورٹ پر جا اُترے اور وہی لوگ ہی اُسے آفیون ائیر پورٹ کہہ رہے تھے۔ جہاز سے اُترنے کے بعد اُنہوں نے اُس تابوت کو ایک فوجی ٹرک میں رکھ دیا اور میں ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا جبکہ ہمارے پیچھے دو جیپیں بھی تھیں۔ ہم نے روانگی تو پکڑ لی مگر مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ ہم کہاں ہیں اور کہاں جا رہے ہیں' نہ ہی میں نے پوچھا' بس پہاڑی علاقہ اور خطہ سا تھا اور مجھ پر ایک سراسیمگی طاری تھی۔

پھر رفتار سفر سست رہی اور میرے حساب سے مزید سات گھنٹوں اور رات گئے ہم کسی مقام پر پہنچ کر رُک گئے۔ وہاں بہت زیادہ فوجی سپاہی اور دوسرے سپاہی بھی موجود تھے بلکہ قبر تک بھی کھودی جا چکی تھی اور سب ہمارے انتظار میں کھڑے تھے لہٰذا اُنہوں نے جلدی جلدی اُس

تابوت کو نیچے اُتارا' منتظر قبر کے منہ میں ڈالا اور اُسے مٹی سے بھر دیا' بند کر دیا۔ جب وہ سب ہو رہا تھا تو میں نے اِرد گرد نظر تو دوڑائی مگر کچھ دیکھ بھال نہ سکا بس پہاڑ ہی پہاڑ تھے' بلندی ہی بلندی تھی۔ میں نے کچھ اُوپر چڑھ کر بھی دیکھ بھال کی مگر چاروں اوٹ اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔

تابوت کی تدفین ہو چکی تھی' اُن کا کام بھی تمام ہو چکا تھا اور پھر ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں وہ رات وہاں رہنا چاہتا ہوں۔ یا کہ خوجا صاحب آپ واپس گھر جانا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ میں یہاں رہ کر کیا کروں گا۔ اور پھر' تھوڑی ہی دیر بعد ایک سیاہ رنگ کار پہنچ آئی جس کا ڈرائیور فوجی ہی تھا' میں اُس میں بیٹھ گیا اور وہاں سے بھی روانگی ہوگئی۔

قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد ہم ایک شہر میں پہنچ تو گئے مگر گاڑی کی بتیاں ابھی بھی روشن تھیں۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا کہ کونسا شہر ہے تو جواب ملا کہ ایری دیر۔ ہماری مسافت پھر سے جاری ساری رہی اور اگلے دِن آٹھ نو بجے کے قریب میں اپنے گھر قونیہ پہنچ گیا۔ سو اِس طرح سے جناب نورسی کی اپنی محبوب دھرتی اسپارٹا کی کوکھ میں سما جانے کی خواہش تو پوری ہوگئی مگر چند شاگردانِ خاص اور چند آفیسران کو بھی بذریعہ حلف اُس کی قبر کو پوشیدہ رکھنے کا پابند کر دیا گیا۔

1921ء میں پہلی بار حامل ممانعت اشاعت پذیر مبنی بر تعارف لیمیت پر مشتمل ''التجائیں'' میں جناب نورسی نے پیشین گوئی بھی کی تھی کہ اُس کا سال وصال 1960ء ہوگا اور قبر بھی ملیامیٹ ہو کر رہے گی۔ مزید وضاحتاً لفظی ترجمہ کچھ یوں ہے۔

> ''میری مسمار شدہ قبر میں اپنے گناہوں اور گریہ زاریوں سمیت نو اسی کے قریب جناب سعید نورسی نمایاں آباد ہیں اور ایک ایک قبر پر اٹھارہ اٹھارہ تو کتبے نصب ہیں اور سب کے سب ہی زوالِ اسلام پر آبدیدہ ہیں۔ بمعہ اپنے کتبۂ قبر اور قبورِ مرحومین سعید میں آنے والے کل میں قدم رکھتا ہوں تو میں اِس یقین کامل میں ملغوب ہو جاتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن اِسلام کی صاف شفاف آغوش میں ایشیاء اور اُس کی قسمت کی دیوی آن پناہ ڈھونڈھے گی۔ کیونکہ ایمان وعقیدے کی خوشحالی اور خوش بختی کا وعدہ کیا گیا ہے اور میں بھی اِنسانیت کے اَمن اور تحفظ کا داعی ہوں۔''

1950ء کی دیہائی میں مزید تاثراتِ جناب نورسی:

یہ پیرا گراف اُس کا دستخط شدہ ہی ہے۔''چونکہ ایک جسم سال میں دو دفعہ ایک نئی حالت میں ڈھالا جاتا ہے بمطلب دو سعید صاحبان گذر چکے ہیں' اور اُسی طرح یہ سعید بھی اپنی عمر کے نواسیویں سال میں پہنچ چکا ہے' مطلب یہ ہوا کہ ہر سال ایک عدد سعید کی موت واقع ہوئی تھی۔تاکہ وہ اِس تاریخ مقررہ تک زِندہ رہ سکے۔ بمطابق ہجری کیلنڈر 1379 کو جناب نورسی کی رُخصتی ہوئی اور 1380 ہجری کو اُس کی قبر کی بے حرمتی اور منتقلی ہوئی۔حالات حاضرہ کے آئینے میں سے مستقبل کی تصویر بھی اُس نے بیس سال پہلے (بعد) دیکھ لی تھی۔

حاصلِ حیات:

بدیع الزماں سعید جناب نورسی کی کہانی ایک ایسے مسلم مفکر اور مدرس کی کہانی ہے جس نے مغربی سرمایہ داریت اور استعماریت کے پیش منظر میں اسلامی دُنیا کے ڈوبتے ہوئے بیڑے کی کنارہ کشی کے حق میں اپنی زندگی تک وقف کر دی بلکہ تہذیب حاضرہ کے غلبے کے مقابلے میں اِنسانی فلاح و بہبود کو قرآنی اور الہامی اُصولوں سے منطبق کیا۔ یہی ایک مقصد واحد ہی اُس نوجوان جناب سعید نورسی کا مستقلاً مقصد حیات رہا اور جس کی ہمہ تن گوشی اور انتھک کام نے اُسے آئینی تحریک کا بھی ایک اہم ترین ستون بنا دیا تھا اور معہ سلطنت عثمانیہ دُنیائے اِسلامی کے اِتحاد ترقی اور تحفظ کی ضمانت بھی اُسی دُھن میں ہی تھی۔

بمطابق جناب نورسی و دیگر مفکرین حاضرہ حکومتی آئینی اِصلاحات و اصطلاحات اور قانونی موشگافیاں اِسلامی معاشرے کی تعمیر نو کے لئے بمطابق اسلام ہی ہونی چاہئیں۔حالاتِ حاضرہ میں متعارف کرائی گئی جمہوری قدروں کی قبولیت کی کوششوں اور جنون کے برعکس جناب نورسی کی مرادِ منزل صرف سیاست ہی نہ تھی بلکہ وسیع تر تعلیمی میدان تھا' جس میں ایک طرف تو مختلف طبقہ ہائے حیات سے وابستگان کے لئے آئینی آگاہی تھی اور دوسری طرف بنیادی اور اِختراعی تعلیمی استحکام اور نظم وضبط کے ضابطوں کا درس تھا بلکہ وہ تو اِخلاقیاتی اِنقلابی اہمیت کا بھی خوب خواہاں تھا۔

بعد اَزاں ترک قوم کے آزادی کی جنگ جیتنے کے جناب نورسی نے اپنے آپ کو عوامی زندگی سے دُور اور انقرہ کی نئی اِقتدار پارٹی کے قریب قریب پایا اور اُس نئے جناب سعید نورسی کا یہ طرزِ عمل سلطنت عثمانیہ پر غیر ملکی قبضے کے دَوران حالت شکست و ریخت میں پرانے جناب سعید

نورسی سے ہی کشید ہوا ہوا تھا۔ جناب نورسی کی زِندگی میں اگر کسی چیز کو اوّلین اہمیت حاصل تھی تو وہ قرآن کریم ہی تھا' جس کی تعلیمات کو ایک مثالی اور غیر معمولی دُنیا پر منعکس شدہ خیال سے ماخوذ بنیادی عقاید بنیادی پر مشاہداتی طریقہ کار کے اطلاق میں وہ کامیاب بھی ٹھہرے۔ جب اُنہیں اناطولیہ میں در بدر کر دیا گیا تھا تو اناطولیہ کی عوام میں بھی اُن کی نئی تحریروں نے ایک اُٹھان پیدا کر دی تھی اور اسی روحِ ایمانی کی وجہ سے ہی اُنہیں سیکولرازم اور مغربیت کی حامل دھمکیوں سے بھی مغلوب ہونا پڑا۔

اُن کے اثبات کے پیش منظر میں قرآنی والہامی تعلیمات کی علم سائنس سے مطابقت اختیار کرتے ہوئے اور حاضرہ فلاسفی سے فاصلہ پیدا کرتے ہوئے جناب نورسی کی تحریروں اور رسالۂ نور کی تاویلوں نے لوگوں کے مسائل کو الہامی دلیلوں سے ہم آہنگ کر دکھایا تھا یعنی تہذیب مغربی اور اِسلامی کے مابین بحث و تمہیں اور اصول وضوابط کو جناب نورسی اِنتہائی اونچے معیار پر لے جا رہا تھا۔ جناب نورسی نے گناہ بالمقابل گواہ کی گرہ توڑتے ہوئے خود کو مکمل طور پر عملی سیاست سے الگ تھلگ کر لیا تھا۔ اب تو اُس کا تعلق ذاتِ اِخلاق انسانی اور تعمیر انسانیت سے خالق کائنات ہی کی نسبت اور مخلوقِ دیگر سے تناسب پر مبنی ہی رہ گیا تھا۔

بمطابق جناب نورسی مذہب اور معاشرے کی توڑ پھوڑ اور تباہی کی ذمہ دار فلاسفی اور فکر کی تدبیر و تعمیر عقیدۂ وایمان کی پختگی میں ہی مضمر ہے۔ جناب نورسی اور شاگردین جناب نورسی کو انتہائی ایذاء رسانیاں پہنچانے کے برعکس اُن کی اُمیدوں نے ہرگز دم نہ توڑا تھا۔ جبکہ اُن سزاؤں کی نوعیت نے تو نہ صرف اُن کے حوصلے بلند کر دیئے بلکہ جناب نورسی کی تحریروں اور تحریک جناب نورسی کی اشاعت اور پھیلاؤ میں بھی بڑا اہم کردار ادا کیا۔ جارحیت آمیز لادینیت اور کمیونزم کے پیش منظر میں الہامی فکر وفلاسفی نے جناب نورسی کو آئینہ مغرب کے روبرو کر دیا تھا جس کے متعلق اُس کا خیال تھا کہ وہ بہ نسبت مغربی فلاسفی کے الہامی عیسائیت سے زیادہ ماخوذ ہے۔

لادینیت کے سامنے سینہ سپر ہونے والے عقیدۂ عیسائیت کے حاملین کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اُس نے عیسائی لیڈران سے بھی ملنے میں پہل ہی کی تھی اور بذریعہ رسالۂ نور مابین مسلمانان اور اِسلامی دُنیا اِتحاد و یگانگت کی کوششوں میں تکمیل تعلقات کی کٹھالی بھی وہی تھی۔ رسالۂ نور کے ساتھ ہی جیتے مرتے ہوئے تحریک جناب نورسی کو بھی ذاتِ جناب نورسی جیسی شاندار خوبیوں اور پاکبازیوں جیسی کامرانیاں اور کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ اپنے سالِ اوّلین میں

جہاں قبائلی معاشرے میں واضح سرکشی کا رواج تھا اور گروہی ہمدردیاں اور وفاداریاں عروج پر تھیں بطور مذہبی اِنسان جناب نورسی کی آزادروح نے اُس کے لئے ایک راستہ اور ایک مقام پیدا کر ہی دیا تھا۔

بمطابق سابقہ مہم جویوں کے اُس کی آزادروی نے اُسے زندگی بھر کی سختیوں میں بھی ثابت قدم ہی رکھا۔ زندگی بھر کی دوسری کردارسازی میں زبان زدِعام اُس کی حوصلہ مندی اور جرأتِ رندانہ تھی اور جو کہ جوانی اور پختہ عمری میں بھی ہم پلہ تھیں بلکہ آنے والے طویل تر دورانیوں میں پیش آنے والے قہر و جبر اور ایذاء رسانیاں مرادو منزلِ اِسلام کے لئے واقعی ایک بہادری اور حوصلے کی کرتب سازیاں تھیں۔ وہ اُن مرقع صفات سیاست سازوں اور کاروں میں سے ایک تھے جو ایمان و مذاہب کی تقویم کے لئے آہنی عزائم سے کوشاں رہے بلکہ تقدیس جہانِ دوئم کے زہدو تقویٰ کے لئے بھی ہمہ تن مصروف رہے۔ اور جن کے اندر کی دُنیا اُن کی زندگی کے دوسرے دورانیے میں اپنے خالقِ حقیقی کی طرف آئینہ رُو ہوگئی۔

اپنے عقیدۂ ہائے حیات اور قربت خداوندی کی وجہ سے وہ اپنی کوشش خواہشات کی تکمیل اور اَنا کی نفی میں بے غرض اور بے پرواہ سے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے حلقہ یاراں میں اِتنے ہی نرم و ملائم ہو گئے تھے جتنے کہ دشمنانِ اسلام کے سامنے ہولناک ثابت ہوئے تھے' جنہوں نے کہ قرآن اور اسلام کے لئے قہر توڑے تھے۔ زیادہ زود اثر بحق اِنسانیت شاید جناب نورسی کا رشتۂ درد و محبت اِنسان تھا جس کی وجہ سے اُس کی کوششیں' دُور اندیشیاں اور ذہانت بجائے بربادی کے آباد ساز اور آباد کار رہیں تاکہ تمام اِنسان اِس الہامی مذہب کے عملی اُصولوں میں اَمن اور نجات تلاش کرسکیں۔

جدید ترکی میں اسلام

بدیع الزماں سعید نورسی کی فکری سوانح عمری

مصنفہ: شکراً واحدی